اقبال نامہ

مجموعہ مکاتیبِ اقبال

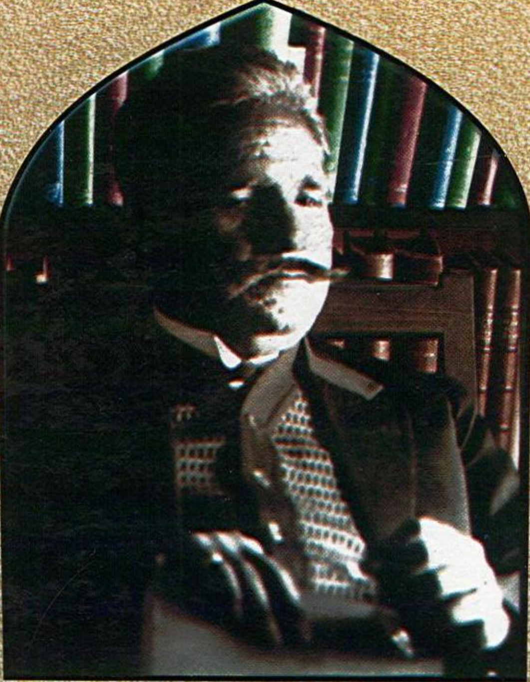

شیخ عطاء اللہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اقبال نامہ

مجموعہ

مکاتیبِ اقبال

شیخ عطا اللہ
شعبۂ معاشیات
مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اقبال اکادمی پاکستان

''اقبال نامہ'' کی اس یک جلدی اشاعت کیلئے جناب ڈاکٹر تحسین فراقی کی تحقیق و تصحیحِ متن کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ادارہ ان کا شکر گزار ہے کہ تلاش متن، موازنہ اور تقابل متن اور تصحیح عبارات کے لیے ہمیں ان کا تعاون حاصل رہا اور ان کی تحقیقات سے استفادہ ممکن ہوا۔

❁❁❁❁

ناشر
محمد سہیل عمر
ڈائریکٹر، اقبال اکادمی پاکستان
(حکومت پاکستان)
چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور
Tel: [+92-42] 36314-510, 9920-3573
Fax: [+92-42] 3631-4496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 969-416-346-3

طبع اوّل (پہلی جلد)	:	شیخ محمد اشرف ، لاہور ، ۱۹۴۴ء
طبع اوّل (دوسری جلد)	:	شیخ محمد اشرف ، لاہور ، ۱۹۵۱ء
طبع اوّل (تصحیح و ترمیم شدہ یک جلدی)	:	اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور ، ۲۰۰۵ء
طبع دوم (یک جلدی)	:	اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور ، ۲۰۱۲ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	-/۶۰۰ روپے
مطبع	:	دارالفکر ، لاہور

محل فروخت: ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور فون نمبر: ۳۷۳۵۷۲۱۴

فہرست

☆ دیباچہ ۱

حصہ اوّل

☆ مولانا احسن مارہروی ۴۹

☆ مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر "وطن" ۵۰

☆ حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۷۰

☆ بابو عبدالمجید ۷۴

☆ مولانا غلام قادر گرامی ۷۴

☆ منشی سراج الدّین ۷۷

☆ حکیم محمد حسین قرشی ۸۴

☆ سراج الدّین پال ۸۸

☆ پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ۹۵

☆ حافظ محمد اسلم جیراجپوری ۹۹

☆ سردار عبدالرب خاں نشتر ۱۰۱

☆ مولانا محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی ۱۰۲

☆ غلام احمد مہجور ۱۰۲

☆ سید نصیر الدین ہاشمی ۱۰۳
☆ محمد مُبین عباسی کیفی چریا کوٹی ۱۰۵
☆ محمد عمر الدین ۱۰۷
☆ ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن ۱۰۸
☆ مولانا شبلی نعمانی ۱۰۹
☆ سیّد سلیمان ندوی ۱۱۰
☆ مولوی ظفر احمد صدیقی ۱۹۲
☆ میر سیّد غلام بھیک نیرنگ ۱۹۴
☆ مولوی الف دین ۱۹۸
☆ پروفیسر شجاع الدین ناموس ۲۰۰
☆ مخدوم الملک سیّد غلام میراں شاہ ۲۰۵
☆ مولانا عبدالماجد دریابادی ۲۱۲
☆ میجر سعید محمد خاں ۲۲۰
☆ سیّد محفوظ علی بدایونی ۲۲۱
☆ چودھری نیاز علی خاں ۲۲۲
☆ علامہ مصطفیٰ المرانی شیخ "جامعہ ازہر" ۲۲۳
☆ محمد امین زبیری ایڈیٹر "ظِل السلطان" بھوپال ۲۲۵
☆ مولانا شوکت علی ۲۲۵
☆ نیاز احمد ۲۲۸
☆ مُنشی آدم علی بھائی ۲۳۰

☆ ڈاکٹر عباس علی خاں ۲۳۰

☆ ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین ۲۳۱

☆ ضرار احمد کاظمی ۲۳۴

☆ پروفیسر محمد شفیع ۲۳۷

☆ خواجہ غلام السیّدین ۲۳۹

☆ ممنون حسن خاں ۲۴۷

☆ غازی عبدالرحمٰن ۲۵۴

☆ محمد رمضان عطائی ۲۵۵

☆ سر سیّد راس مسعود ۲۶۶

☆ لیڈی مسعود ۲۹۱

☆ شیخ محمد عبداللہ (کشمیری) ۲۹۵

☆ حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری ۲۹۶

☆ مسعود عالم ندوی ۲۹۷

☆ پروفیسر محمد الیاس برنی ۳۰۳

☆ صغرا بیگم ہمایوں مرزا ۳۱۰

☆ حمید الدین خان بدایونی ۳۱۲

☆ سیّد نعیم الحق ۳۱۵

☆ نامعلوم مکتوب الیہ ۳۲۰

☆ پیر سیّد مہر علیؒ شاہ گولڑوی ۳۲۳

☆ مِس فارقوہرسن ۳۲۵

☆ علامہ اقبال کا بیان: مسئلہ فلسطین ۳۳۶
☆ ڈاکٹر نکلسن ۳۴۰

حصہ دوم

☆ قائداعظم محمد علی جناح ۳۵۱
☆ لسان العصر اکبر الہ آبادی ۳۷۲
☆ بابائے اُردو مولوی عبدالحق ۴۰۲
☆ محمد جمیل ۴۰۹
☆ میر حسن الدین ۴۱۷
☆ عطیہ بیگم کے نام اقبال کے مکاتیب ۴۱۸
☆ عطیہ بیگم ۴۲۴
☆ پروفیسر محمد اکبر منیر ۴۵۱
☆ سرکشن پرشاد ۴۶۲
☆ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ۵۲۲
☆ ماسٹر طالع محمد ۵۳۰
☆ سردار ایم۔ بی احمد ۵۳۱
☆ چودھری محمد احسن ۵۳۲
☆ پروفیسر میاں محمد شریف ۵۳۴
☆ عبدالرشید ۵۳۶
☆ قاضی نذیر احمد ۵۳۷
☆ مولوی احمد رضا بجنوری ۵۳۹

☆	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	۵۴۰
☆	محمد احمد خاں	۵۴۱
☆	مکتوب الیہ نامعلوم	۵۴۱
☆	راغب حسن	۵۴۴
☆	شوکت حسین	۵۴۶
☆	مولوی احمد علی شباب	۵۴۸
☆	سیّد انور شاہؒ	۵۴۸
☆	پروفیسر سردار محمد	۵۴۹
☆	شولال شوری	۵۵۰
☆	حاجی نواب محمد اسماعیل خاں	۵۵۰
☆	غلام قادر فصیح	۵۵۱
☆	محمد دین فوق	۵۵۲
☆	مکتوب الیہ نامعلوم	۵۵۶
☆	خالد خلیل	۵۵۶
☆	روزنامہ ''اسٹیٹسمین''	۵۶۳
☆	پنڈت جواہر لعل	۵۶۷
☆	علی بخش	۵۶۹
☆	سیّد تقی	۵۷۰
☆	شاطر مدراسی	۵۷۱
☆	سیّد نذیر نیازی	۵۷۶

☆ آل احمد سرور ۵۷۹
☆ نیاز الدین خان ۵۸۲
☆ محمد اکرام ۵۸۴
☆ خان بہادر عبد الرحمٰن چغتائی ۵۸۹
☆ ماسٹر محمد عبد اللہ چغتائی ۵۹۰
☆ مولانا محمود شیرانی ۶۰۳
☆ خواجہ حسن نظامی دہلوی ۶۰۴
☆ مولوی صالح محمد ۶۱۵
☆ سر میلکم ڈارلنگ کے مکتوب کا عکس ۶۳۴

ضمیمہ جات

۱۔ مرتب بنام قائد اعظم ۶۳۷
۲۔ دیباچہ (جلد اوّل، اشاعت اوّل) ۶۳۹
۳۔ پس منظر.........از مختار مسعود ۶۴۹
☆ اشاریہ ۶۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 'اقبالنامہ' جلد دوم کی اشاعت کے ساتھ حکیم الامت، فدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقِ ملتِ اسلامیہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم علمی و معنوی یادگار کی فراہمی و حفاظت کی خدمت ایک گونہ تکمیل کو پہنچی۔ اس خدمت کی طرف سے غفلت ہمیں آئندہ نسلوں کی نظر میں محسن ناشناسی کا مرتکب اور ہماری بد ذوقی اور دُوں ہمتی کے لیے ہمیں موجبِ نفرین قرار دیتی۔ ان مکاتیب کی فراہمی کا ایک مقصد حضرت علامہ کی وفات کے بعد ان کی ایک ایسی کتاب کی اشاعت تھا جو تمام عمر اُن کے زیرِ تصنیف رہی اور جس سے ان کے کلام کی تشریح و وضاحت ہوتی ہے اور ان کے افکار کے سمجھنے میں ہمیں مدد ملتی ہے۔ لیکن میرا سب سے اہم مقصد سیرت نگارِ اقبال کے لیے اُن کی ذات اور ان کے افکار سے متعلق خود اُن کی قلمی شہادت مہیا کرنا تھا۔ افسوس! بارہ سال کے طویل عرصے میں، ہماری محفلِ اقبال کے کتنے ہی دوستوں، شناساؤں، ندیموں اور مشیروں سے خالی ہو چکی ہے اور ان کی سیرت و شخصیت اور افکار و کلام سے متعلق کتنا ہی قیمتی خزانہ معلومات ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکا ہے۔ لیکن مقامِ تاسف ہے کہ ملت نے اب تک اس خادمِ ملت کے سوانحِ حیات کی ترتیب کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ خدمت اپنی انجام دہی کے لیے ایک اجتماعی کوشش کی محتاج ہے۔ حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان کی بزم ہائے اقبال کو اس اہم خدمت کی طرف ایک لمحہ کے توقف کے بغیر اقبال کی سیرت نگاری کا کام متفقہ کوششوں سے شروع کر دینا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ دو برس کے اندر اُسے تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔ ہم اتنا بھی نہ کر سکے تو یومِ اقبال کے سالانہ ہنگامے ہمارے ذوقِ سلیم کے ماتم اور ہماری محسن ناشناسی کے مرثیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

مکاتیبِ اقبال کی فراہمی کا کام بیادش بخیر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شروع ہوا اور جلد اول جس

میں ۲۶۷ خطوط ہیں ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ مکاتیب کی مزید فراہمی میں سہولت پیدا ہو؛ چنانچہ ایک حد تک ایسا ہوا بھی لیکن جنگ نے ہر طرح کی مشکلات کو دو چند کر دیا جنگ کے خاتمہ پر ملک میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تقسیمِ برعظیم کے بعد اور آزادی کے جلو میں آنے والے ہنگامہ رستخیز میں دوسری کتنی ہی قیمتی یادگاروں کے ساتھ اقبالؒ کے مکاتیب کے وہ ذخیرے جن پر میری نظر تھی، بظاہر ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئے اور کتنے ہی نادر ذخیرے جن کا ہمیں علم نہ تھا اور جو اپنے وقت پر کسی نہ کسی طریق سے ضرور ظاہر ہوتے، اب بظاہر تلف ہو چکے ہیں۔ اس لیے جو کچھ ہو سکا، وجہِ مسرت ہے، جو کچھ رہ گیا وہ موجبِ صد ہزار حسرت۔

حصہ اول میں مکاتیب پر کوئی تبصرہ نہ تھا۔ حصہ دوم کی تکمیل و اشاعت پر اظہارِ خیال کا وعدہ تھا۔ بعض احباب نے اس عرصہ میں مکاتیب حصہ اول کی روشنی میں اقبالؒ کی سیرت پر طبع آزمائی بھی فرمائی۔ اب میں سمجھتا ہوں، ان خطوط کے تعارف کے طور پر مرتبِ مکاتیب پر چند سطور لکھنے کی ذمہ داری ضرور عائد ہوتی ہے۔

جو خطوط حاصل ہو سکے، بلاکم و کاست شاملِ مجموعہ کر لیے گئے ہیں۔ ہر شخص اپنے مذاق و جستجو کے مطابق ان میں اپنی تسکین کا سامان مہیا پائے گا۔ کس کے لیے کونسے خطوط اور ان میں کون سی شے جاذبِ توجہ ہوگی، ہمارے وارداتِ قلبی اور سطحِ ذہنی پر موقوف ہے۔ اقبال کے متعلق معلومات کی طلب و تمنا امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک چوتھائی صدی بعد ان مکاتیب کے پڑھنے والوں کی نگاہ میں کونسی چیز زیادہ محبوب ہو گی۔ لہٰذا میں نے اُن خطوط کو بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا ہے جو آج بعض دوستوں کی نظر میں قطعاً غیر اہم ہیں۔ عین ممکن ہے کل یہی خطوط بڑے معرکے کی چیز ثابت ہوں اور کتنے ہی اہم مسائل کا فیصلہ ان کی روشنی میں کیا جا سکے۔

ان خطوط کے مطالعہ کے بعد اقبال کی ذات سے متعلق جو امتیازات مجھے نظر آئے ہیں، اُن میں ان کا خلوص، ان کی علم دوستی، اسلام سے ان کی شیفتگی، ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ان کی دلسوزی اور اصلاحِ حال کے لیے ان کی کاوش، ممالکِ اسلامیہ کے اتحاد و استقلال و استحکام کی تجاویز اور کوشش، اہل و عیال سے محبت، دوستوں کے لیے جذبۂ مروت اور عالمِ انسانیت کے لیے فلاح و خیر سگالی کے جذبات نمایاں ہیں۔ ان میں سے چند کے متعلق اشارات پر اکتفا کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ

اِقبال کو سمجھنے کے لیے اُن کے کلام کی طرح ان کے خطُوط کا مُطالعہ بھی دوستداران اقبال کیلیے لازمی ہے۔

خلوُص

اِقبال کی زندگی سراپا خلوُص تھی اور ان خطُوط میں اس کی لفظی وعملی شہادت کثرت سے موجُود ہے۔ وہ دوستوں کے دُکھ درد میں اُن کا شریک اور ان کی امداد و اعانت پر کمربستہ ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی مروّت کے لیے دلی اور دائمی احسان مندی اس کا خاصہ ہے۔ عطیہ بیگم اس امر پر اظہار تاسف کرتی ہیں کہ شمالی ہندوستان میں اقبال کو عوام میں وہ عقیدت اور قدر و منزلت حاصل نہیں جس کا وہ حقدار ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں :

> " لوگ ریاکاری سے عقیدت رکھتے ہیں اور اسی کا احترام کرتے ہیں۔ مَیں ایک بے ریا زندگی بسر کرتا ہُوں اور منافقت سے کوسوں دُور ہُوں۔ اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لیے وجہِ حصُولِ احترام و عقیدت ہوسکتی ہے تو خدا کرے مَیں اس دُنیا سے ایسا بے تعلق اور بیگانہ جاؤں کہ میرے لیے ایک بھی آنکھ اشک بار اور ایک بھی زبان نوحہ خواں نہ ہو۔"

لیکن اقبال کی زبانِ حقیقت ترجمان پر حق ضرور جاری ہوجایا کرتا تھا؛ چنانچہ ۱۹۰۹ء میں عطیہ بیگم ہی کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

> " اگر وہ خیالات جو میری رُوح کی گہرائیوں میں طوفان بپا کیے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہوجائیں تو مجُھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دُنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجُھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔"

اقبال کے قلبِ باصفا اور زبانِ بے ریا سے نکلے ہوئے یہ کلمات کتنے سچے ثابت ہُوئے! اور اس کی وفات پر ایک دُنیا نے اُسے آہوں اور آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کیا اور آج ؎

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمّت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو مَیں نے بتایا رازِ الوندی!

(اقبالؔ)

مہاراجہ سرکشن پرشاد سے بہت عرصہ اقبال کی خط وکتابت رہی۔ اقبال کی نیازمندی اور حفظِ مراتب کی شان ابتدا سے انتہا تک یکساں رہی۔ اقبال کے جاننے والے حیران ہیں کہ آخر اس ہندو رئیس میں کیا خوبی تھی جو اقبال اس کا گرویدہ ہو گیا۔ حضرت علامہ کے ایک ندیم خاص نے تو ایک پرائیویٹ گفتگو میں یہاں تک فرمایا کہ اقبال نے کبھی مہاراجہ سے تعلقات کا اشارۃً بھی ذکر نہیں فرمایا تھا۔ لیجیے! اقبال کی زبانی اس رابطہ کی نوعیت ملاحظہ فرمالیجیے۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں مہاراجہ بہادر کو لکھتے ہیں:

"مجھے جو خلوص سرکار سے ہے، اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمدللہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں، اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں، اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔"

اسی خط میں لکھتے ہیں:

"انہیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔"

اس سے ایک پہلے خط میں مہاراجہ کو لکھتے ہیں:

"الحمدللہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے۔ اقبال کا شعار ہمیشہ محبت و خلوص ہے، اور انشاء اللہ رہے گا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ و اسنیٰ ہے۔"

اسی خلوص و بے ریائی کا نتیجہ تھا کہ یہ ہندو مہاراجہ جس کی حیثیت کتنے ہی ہندو والیانِ ریاست سے بڑھ کر تھی، اقبال کو اپنی بیٹیوں کے رشتے کی تلاش کی دوستانہ فرمائش کرتا ہے اور اقبال اس دوستانہ اعتماد کا پورا پورا عملی احترام کرتے ہیں۔

'اقبال نامہ' کی دونوں جلدوں میں جابجا ایسے شواہد موجود ہیں کہ اقبال نے کبھی کسی دوست کو کسی دوسرے دوست یا بیگانے کے متعلق ایسی بات نہیں لکھی جو براہِ راست اُسے لکھنے یا کہنے پر آمادہ نہ ہوں۔

تہجّد

ے مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پُرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اور "نمازِ بے حضور از من نیاید" کہنے والے اقبال اپنے خلوص و بے ریائی کی بدولت ہی جب موقع پیدا ہو گیا تو، اپنے ایک ہندو دوست کو جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ اس راز یا حقیقت کو عام نہیں کریگا تاکہ اس سے اقبال کو شہرت حاصل ہو، ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں :

"سردی آ رہی ہے۔ صبح چار بجے، کبھی تین بجے اُٹھتا ہوں اور پھر اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلّے پر اونگھ جاؤں۔"

۱۹۱۸ء میں ایک دوسرے خط میں مہاراجہ کو لکھتے ہیں :

"سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سُن کر متردّد ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرمائے! انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دُعا کروں گا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندۂ رُوسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اُٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دُعا کروں گا کہ اس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذّت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ دُعا قبول ہو جائے۔"

قبولِ تنقید و اصلاح

اقبال نے شاعری سے ہمیشہ بیزاری کا اعلان کیا لیکن اُسے اپنے خیالات کی اشاعت کا ایک مقبول ذریعہ سمجھتے ہوئے اختیار کیے رکھا۔ شاعر فطرتاً حسّاس ہوتے ہیں۔ مصنّف، مصوّر، شاعر اور ہر صاحبِ فن کے لیے اس کے کمالِ ہنر کی داد سب سے بڑی مسرّت، اور اس کے فن پر تنقید اُس کے لیے انتہائے اذیت کا موجب ہوا کرتی ہے، اور شاعر حضرات بالخصوص ع

نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن نہ دارد

کے مصداق ہُوا کرتے ہیں۔ اقبال ایک طبعِ سلیم لے کر پیدا ہوئے تھے۔ تنقید و اصلاحِ کلام کے بارے میں بھی ان کا رویّہ سلامتی، انکساری، حصولِ علم اور استفادہ ہی کا رہا اور اپنے کلام پر اعتراضات کو انہوں نے خندہ پیشانی اور دلی شکریہ سے قبول فرمایا۔

۱۹۰۳ء میں مولوی حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کو اپنے اشعار پر تنقید موصول ہونے پر لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ آج مجھے اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی داد مِل گئی۔ آپ کا تہِ دل سے مشکور ہُوں۔ آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ترک کردیں۔ اگرچہ جلسہ میں ہر طرف سے لوگ حسبِ معمول ان کی تعریف کرتے تھے مگر جو مزا مجھے آپ کی داد سے مِلا ہے، اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ نظرِ ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔"

مولوی سیّد سلیمان ندوی کو جن کے علم و فضل اور خدماتِ دینی کا اقبال کو مخلصانہ اعتراف و احترام تھا، لکھتے ہیں:

"معارف میں ابھی آپ کا ریویو مثنوی رموزِ بیخودی پر نظر سے گزرا ... آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ صحّتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہوگا لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجّہ کرتے تو آپ کا ریویو میرے لیے مفید ہوتا۔ اگر آپ نے غلط الفاظ اور محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کرکے مجھے اُن سے آگاہ کیجیے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اِصلاح ہو جائے۔"

ایک دوسرے خط میں اپنی لغزشوں پر آگاہی کے لیے تقاضا کرتے ہیں:

"رموزِ بیخودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا۔ اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا۔ اُمّید کہ توجّہ فرمائی جائے گی تاکہ میں دوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہو سکوں۔"

اس تقاضے کے جواب میں جو طویل تنقید صحّتِ الفاظ و محاورات اور بعض اشعار کی نوعیّت سے متعلق موصول ہوئی، اس پر سیّد صاحب موصوف کو اپنے مطالعہ کی بنا پر لکھتے ہیں:

"مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا، نظر انداز کرتا ہوں؛ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا۔"

اور پھر کس قدر انکسار اور طالب علمانہ جستجو اور احترام کے انداز میں لکھا ہے:

"محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میں نے غلط مثالیں تو نہیں انتخاب کیں۔"

اجازت موصول ہونے پر اعتراضات کے جواب میں مثالوں میں اساتذہ کے اشعار بطور سند پیش کیے ہیں۔ محض ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ خیال ہے سید صاحب کا ذوقِ شعر اس شعر کو پڑھ کر ایک مرتبہ تو وجد میں آ ہی گیا ہوگا۔ علامہ نے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مثنوی میں لکھا تھا ؂

کور ذوقاں داستانہا ساختند
وسعتِ ادراکِ او نشناختند

اقبال، سید صاحب کو لکھتے ہیں: "کور ذوق" کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے۔" اس کے جواب میں یہ سند پیش کرتے ہیں ؂

چہ غم زیں عروسِ سخن را بہ تر
کہ بر کور ذوقاں شود جلوہ گر (ظہوری)

محمد احمد خاں صاحب نے دو ایک اشعار کے معانی کی وضاحت چاہی اور لکھا کہ ان کے دوستوں کو ؂

قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا

کے مصرع دوم بالخصوص لفظ "نازل" پر اعتراض ہے جس کے معنے اوپر سے نیچے آنے کے ہیں، لہٰذا فرش سے عرش پر نازل ہونا صحیح نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے دو اشعار کے متعلق تو جواب لکھا مگر اس اعتراض کے متعلق لکھا: "تیسرے سوال کا جواب ذوقِ سلیم سے پوچھیے، نہ مجھ سے نہ منطق سے نہ کسی ماہرِ زبان سے۔"

آل احمد سرور، معلم شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے اپنے چند شکوک تحریر فرمائے۔ انہیں لکھتے ہیں:

"میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائقِ اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

اگر آپ پُورے غور و توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے آپ انہی نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہُوں ۔ اس صُورت میں غالباً آپ کے شکوک تمام رفع ہو جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کا View مجھ سے مختلف ہو یا آپ خود دینِ اسلام کے حقائق ہی کو ناقص تصوّر کریں۔ اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ نہیں معلُوم کیا ہو۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی بالاستیعاب مُطالعہ نہیں کیا۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو مَیں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہُوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائیں گی ۔"

ایک عقیدت مند علّامہ کی ایک پُرانی نظم پر کسی کی تنقید کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو اغلاطِ کتابت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"نقّاد کی نظر سے نظم کے حقیقی اسقام البتہ پوشیدہ رہے ۔ شعر محاورہ اور بندش کی درستی اور چُستی ہی کا نام نہیں ۔ میرا ادبی نصب العین نقّاد کے نصب العین سے مختلف ہے۔"

ان اقتباسات سے معلُوم ہوتا ہے کہ علامہ نے ہمیشہ تنقید کا خیر مقدم کیا ہے اور اعتراض کو سمجھنے اور جواب کے سمجھانے میں عالی حوصلگی سے کام لیا ہے ۔ ایک مرتبہ جب کسی نااہل نے علامہ کے کلام میں اصلاح کی جرأت کی تو علامہ نے اپنے اندازِ خاص میں اُن کے ارشاداتِ عالیہ کا جواب لکھا ۔ بابو عبدالمجید صاحب کو ۱۹۰۴ء میں لکھتے ہیں :

"یہ کوئی صاحب چھوٹے شملہ سے میری غزل کی اصلاح کر کے ارسال کرتے ہیں ، میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجیے اور عرض کیجیے کہ بہتر ہو اگر آپ امیرؔ و داغؔ کی اصلاح کیا کریں، مجھ گمنام کی اصلاح کرنے سے آپ کی شہرت نہ ہو گی۔ میرے بے گناہ اشعار کو جو حضرت نے تیغِ قلم سے مجروح کیا ہے، اس کا صلہ انہیں خدا سے ملے ... اُمید ہے وہ بُرا نہ سمجھیں گے۔ اکثر انسانوں کو کچھ تنہائی میں بیٹھے بیٹھے ہمہ دانی کا دھوکا ہو جاتا ہے ۔"

"اشعار کو تیغِ قلم سے مجروح" کرنے کی ترکیب سے مجھے حضرت علامہ کے اُستادِ گرامی مولوی میر حسن صاحب

کا ایک لطیفہ یاد آگیا جو دورانِ ملازمت مَرے کالج میں اُنھوں نے مجھ سے بیان فرمایا تھا۔ سیالکوٹ کے ایک 'مشہور' شاعر جو اپنے آپ کو اقبال کا حریف سمجھتے تھے اور آبائی پیشہ کے لحاظ سے 'قصاب' تھے، مولوی صاحب کی خدمت میں ایک غزل لے کر حاضر ہوئے اور ملاحظہ کی فرمائش کی۔ مولوی صاحب نے غزل دیکھی اور خاموش رہے۔ شاعر کا دل داد کے لیے گدگدا رہا تھا۔ مولوی صاحب سے پوچھا اپنی رائے گرامی بھی فرمایئے کیا ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا "میرے دوست! کیا کہوں، آپ نے شاعری کا جھٹکا کر دیا ہے"!

تحفۂ کلام و دادِ سخن

اقبال عمر بھر شاعری سے انکار کرتے رہے لیکن کسی صاحبِ ذوق اور سخن فہم کو ان کی رنگین نوائی اور جادو بیانی سے یارائے انکار نہیں۔ اپنے شعر کی شوکت و عظمت اور تاثیر و قوت کا ان کو کس قدر صحیح اندازہ تھا

باغباں زورِ کلامم آزمود
مصرعے کارید و شمشیرے درود

شاعر کے کلام کی داد کے لیے سخن فہمی کو جو اہمیت حاصل ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے منشی سراج الدین صاحب کو ۱۹۱۵ء میں لکھا:

"الحمد للہ کہ آپ کو مثنوی پسند ہوئی۔ آپ ہندوستان کے اُن چیدہ لوگوں میں سے ہیں جن کو شاعری سے طبعی مناسبت ہے، اور اگر نیچر ذرا فیاضی سے کام لیتی تو آپ کو زمرۂ شعرا میں پیدا کرتی۔ بہر حال شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں بلکہ کم از کم ایک اعتبار سے اس سے بہتر ہے۔ محض ذوقِ شعر رکھنے والا شعر کا ویسا ہی لطف اُٹھا سکتا ہے جیسا کہ خود شاعر، اور تصنیف کی شدید تکلیف اُسے اُٹھانی نہیں پڑتی۔"

شاعری میں اقبال کی پوری عمر گزری اور اس کی شاعری نے دنیائے اسلام میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اقبال نے کون کون سے شعر دوسروں کے پسند کیے اور اپنے کون کون سے اشعار اہلِ ذوق کی خدمت میں لطف اندوزی کے لیے پیش کیے، مکاتیبِ اقبال میں ملاحظہ فرمایئے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ سید سلیمان ندوی کے شعر ے

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

کی دل کھول کر داد دی ہے۔ گرامی کے شعر ؎

ماہ را بر فلک دو نیم کند
فقر را ترکتازئے ہم است

کے مصرع ثانی کو خاص طور پر پسند فرمایا اور دُہرایا ہے۔ لسان العصر کو لکھتے ہیں:

"آپ کا مصرع لاجواب ہے۔۔۔۔
معارف میں کسی ہندو شاعر کا شعر نظر سے گزرا ؎

بس کہ از شرم تو در پرواز رنگِ گلشن است
رشتۂ نظارہ بندد درہوا گلدستہ را

اور کچھ عرصہ ہُوا، اخبارِ 'نخلیل' میں کسی نے ایک نہایت عمدہ شعر لکھا تھا ؎

شب چو اندازِ ہم آغوشی او یاد کنم
خویش را تنگ بہ برگیرم و فریاد کنم

نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں، اور عنوانِ مکتوب گرامی کا یہ شعر ہے ؎

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

"شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا ہے۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔۔۔۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں، شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔"

حضرت علامہ کو اپنے کلام میں سے کچھ اشعار پسند تھے جنہیں وہ تحفۃً اربابِ ذوق اور سخن فہم دوستوں کو بھیجتے تھے۔

مولانا اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں:

"سیدھے، آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہے۔ عبدالماجد صاحب

نے جو شعر آپ کا پسند کیا، نہایت خُوب ہے۔ مَیں نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا تھا

گُل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو، مگر
شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں"

مولانا اکبرؔ کی خدمت میں ایک دوسرے خط میں چند اشعار ارسال فرماتے ہیں ؎

"فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت — چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امّید
بیار بادہ کہ گردوں بکامِ ما گردید — مثالِ غنچہ نوا ہا زِ شاخسار دمید

مقطع لاجواب ہے اور ان کی اس زمانے کی ذہنی کیفیت اور ماحول کا آئینہ دار ؎

نواز حوصلۂ دوستاں بلند تراست
غزل سرا شدم آنجا کہ کس نشنید"

مولانا اکبرؔ کو لکھتے ہیں :

"مثنوی کا تیسرا حصّہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہُوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں جو دو یا تین ماہ ہوئے لکھے تھے۔ عرض کرتا ہُوں ؎

در جہاں مانندِ جوئے کوہسار — از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیلِ بے زنہار خیز — فارغ از پست و بلندِ راہ شو"

حضرت گرامیؔ کو ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں :

"آپ نے ایک غزل لکھی تھی، فرنگ است تنگ است۔ اسی زمین میں ایک استاد کا شعر نہایت پسند آیا ؎

ہلاک شیشہ درخُوں نشستۂ خویشم
کہ آخریں نفسش عذر خواہیِ سنگ است"

سر کشن پرشاد کو لکھتے ہیں :

"حال ہی میں ایک اُردو غزل لکھی تھی، اس کے ایک دو شعر ملاحظہ کے لیے لکھتا ہُوں ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل — عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی   تو ہے زناریٔ بت خانۂ ایام ابھی"

مہاراجہ ہی کو ایک دوسرے موقع پر مضمون اور مہاراجہ کی مناسبت سے کیا برمحل لکھتے ہیں :

"بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں، بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے ؎

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت   فروغِ زندگی تابِ شرر بود

ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم   صنم از آدمی پایندہ تر بود"

مہاراجہ ہی کو لکھتے ہیں :

"کیا دلکش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے ؎

بزمے کہ دراں سفرہ کشد جلوۂ دیدار

کونین غبارے است کہ از بالِ مگس ریخت"

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی ایڈیٹر 'عبرت' کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مضمون کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"میں نے ان کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیے ہیں ؎

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر

ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر"

مولوی الف دین صاحب کے دو اشعار میں اصلاح تجویز فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :

"باقی اشعار نہایت عمدہ اور صاف ہیں۔ مثنوی اسرارِ خودی کے دوسرے حصہ کا قریب پانچ سو شعر لکھا گیا ہے مگر ہاتف کبھی کبھی دوچار ہوتے ہیں اور مجھے فرصت کم ہے امید کہ رفتہ رفتہ ہو جائیں گے۔ ہجرت کے مفہوم کے متعلق جو چند اشعار لکھے ہیں عرض کرتا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ یہ کیا چیز ہوگی۔"

اس کے بعد ۲۱ اشعار لکھے ہیں۔

حضرت علامہ کو عالمگیرؒ سے خاص عقیدت تھی جن پر مثنوی میں اُن کی فارسی نظم اہلِ ذوق کے لیے ایک وجد انگیز تحفہ ہے۔ ۱۹۱۵ء میں سفرِ حیدرآباد میں علامہ مزارِ عالمگیر پر حاضر ہوئے اور ایک نظم لکھنے کا خیال

پیدا ہُوا۔ اُس زمانے میں شاعری سے بیزاری بہت بڑھی ہوئی تھی لیکن عالمگیرؒ کے کردار کا احترام ہدیۂ عقیدت کا طالب تھا۔ عطیہ بیگم کو لکھتے ہیں:

"مجھ میں اب شاعری کے لیے کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ ایسا محسوس کرتا ہُوں کہ کسی نے میری شاعری کا گلا گھونٹ دیا ہے اور مَیں محرومِ تخیل کر دیا گیا ہُوں۔ شاید حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ پر جن کے مرقدِ منوّر کی میں نے حال ہی زیارت کی سعادت حاصل کی ہے، میری ایک نظم ہوگی جو میرے آخری اشعار ہوں گے۔ اس نظم کا لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے اگر مکمل ہوگئی تو کافی عرصہ تک زندہ رہے گی۔"

اسی سلسلہ میں حضرت علامہ کے بڑے بھائی کی عقیدت ملاحظہ فرمائیے۔ اقبالؒ لسان العصر اکبر کو لکھتے ہیں:

"عالمگیر علیہ الرحمۃ کے مزارِ پاک پر حاضر ہُوا تھا۔ میرے بڑے بھائی بھی ساتھ تھے، کہنے لگے "مَیں قنات کے اندر نہ جاؤں گا (مزار کے گرد قنات تھی) کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے۔"

لسان العصر کو لکھتے ہیں:

"فی الحال مثنوی کا دوسرا حصّہ بھی ملتوی ہے مگر اس میں عالمگیر اورنگ زیبؒ کے متعلق جو اشعار لکھے ہیں اُن میں سے ایک عرض کرتا ہُوں ؎

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں"

پروفیسر اکبر منیر کو لکھتے ہیں:

"اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں، نہایت دِل چسپ ہیں اور بالخصوص "مسلمانے نمی بینم" نے مجھے رُلا دیا۔"

ایک دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

"آپ کا قیامِ ایران یقیناً آپ کے لیے نہایت سُودمند ثابت ہُوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوّت اور جلا آگئی ہے۔"

دعوتِ شعر گوئی یا مصرع بندی کی ایک ہی مثال مکاتیبِ اقبال میں ملتی ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد

کو لکھتے ہیں :

"کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے۔ اس پہ اشعار لکھیے یا اس پہ مصرع لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا ؎

ایں سرِّ خلیل است باآذر نتواں گفت"

مکاتیب میں جابجا اشعار سے متعلق دلچسپ اشارات ملتے ہیں۔ اس سلسلہ کو علامہ کی تحریر پر جو انہوں نے علامہ کیفی چریاکوٹی کو لکھی، ختم کرتا ہُوں جس سے اہلِ علم سے علامہ کی عقیدت ظاہر ہوتی ہے:

"آپ کی مرسلہ نظم پہنچی۔ میری عزت ہُوئی۔ مَیں اس پر کیا اظہارِ خیال کروں! ہم لوگ آپ کے زلہ رُبا ہیں۔ آپ کے خاندان سے ایک عالم فیضیاب ہے، اور آپ کی ذات سے ہو رہا ہے۔ آپ ہمارے رہنما ہیں۔"

مصنّفین کی حوصلہ افزائی و رہنمائی

اقبال نامہ کی دونوں جلدوں کا صفحہ صفحہ اس پر شاہد ہے کہ علامہ مرحُوم ایک علم دوست اور علم پرور بزرگ تھے، اور یہی ان کا محبُوب مشغلہ تھا۔ اگر انہیں فارغ البالی نصیب ہوتی تو وہ مِلّت کی خدماتِ علمی و دینی کی انجام دہی میں اس عہد میں بے مثال ہوتے۔ اس پر بھی جو کچھ انہوں نے کیا، ان کے حالات کے پیشِ نظر حد درجہ اہم اور اُن کے ذوق و اُفتادِ طبیعت کا پتہ دیتا ہے۔

اقبال نے ۱۹۰۰ء میں "علم الاقتصاد" کے نام سے اُردو میں اکنامکس پر سب سے پہلے کتاب تیار کی۔ مجھے اس مضمون کے معلّم کی حیثیت سے اور اِس مضمون کو اپنی زبان میں منتقل کر دینے کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس کتاب کے دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ جب لاہور سے احباب نے اِس کتاب کے مہیّا کرنے سے اپنی معذوری ظاہر فرمائی تو مَیں نے کُتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جستجو شروع کی۔ کتاب مِل گئی اور مَیں نے بعد مطالعہ اُسے "کُتبِ محفوظہ" میں داخل کرا دیا۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے حضرت علامہ کی قابلیّت اور خدمتِ اُردو کی صلاحیّت کا جو اندازہ مجھے ہُوا، وہ اُن حضرات کو ہرگز نہیں ہو سکتا، جنہیں اِس کے دیکھنے کا موقع نہیں مِلا۔ اگرچہ اس میں اوّلیت کا شرف علامہ ہی کو حاصل تھا اور انہوں نے جو راہ ہموار کر دی تھی، اس پر گامزن ہونا چنداں مشکل نہ تھا تاہم جب ۱۹۱۷ء میں علی گڑھ

سے پروفیسر الیاس برنی کی کتاب 'علم المعیشت' شائع ہوئی تو اقبال نے جو داد مصنّف کو دی، وہ اقبال کی دیدہ وری، حوصلہ، علم دوستی اور عظمت کی سرمایہ دار ہے۔ مصنّف کو لکھتے ہیں:

"آپ کی تصنیف اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ اُردو زبان میں علم الاقتصاد پر یہ پہلی کتاب ہے اور ہر پہلو سے کامل۔"

مولوی غلام قادر صاحب فصیح مصنّف 'تاریخِ اسلام' کو لکھتے ہیں:

" خود مجھ پر جو اثر اس کے مُطالعہ سے ہوتا ہے، اس کا اظہار میں اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پُر آب ہو جاتا ہُوں۔ اس کا اثر میرے دِل پر کئی کئی دن رہتا ہے۔"

ظہورالدین مہجور کو لکھتے ہیں:

"مجھے یہ معلوم کر کے کمال مسرّت ہوئی کہ آپ تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں۔ مَیں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہُوں مگر افسوس ہے کہ کسی نے توجّہ نہ کی۔ کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بار آور ثابت ہوگی۔ اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس ہونا یقینی ہے۔"

اللہ اللہ، اس بزرگ کے خمیر میں علم اور عشقِ ملّت کو کس طرح سمو دیا گیا ہے!

محمد اکرام صاحب کو 'غالب نامہ' کے موصول ہونے پر لکھتے ہیں:

"بلاشبہ آپ نے غالب پر ایک نہایت عمدہ تصنیف پیش کی ہے، اگرچہ مجھے آپ کے چند نتائج سے اتفاق نہیں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ حضرت غالب کو اُردو نظم میں بیدل کی تقلید میں ناکامی ہوئی۔"

ایک دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

"ہسپانیہ پر نظم یُوں تو تمام تر پُرسوز ہے لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں۔ مَیں اسے محفوظ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ اشعار اُردو میں منتقل ہو سکیں۔ مَیں اپنی سیاحتِ اندلس سے بے حد لذّت گیر ہُوا ہوں۔ وہاں دوسری نظموں کے

علاوہ ایک نظم مسجدِ قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہو گی۔ الحمراء کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہُوا لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔"

سیّد سلیمان کی تصنیف 'عمر خیام' پر انہیں لکھتے ہیں :

" جو کچھ آپ نے لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہیں کر سکے گا۔"

مولوی سراج الدّین پال کے نام اُن کے خطوط ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ صرف خواجہ حافظؒ پر ایک مضمون کی ترغیب کے لیے کتنی مرتبہ انہیں لکھا ہے اور کس قدر حوالہ جات انہیں مہیا کیے ہیں اور کس طرح ان کی رہنمائی کی ہے۔ اسی طرح جو بات نہیں جانتے تھے یا جس کی وضاحت چاہتے تھے یا جس کے ایسے پہلو جو نظر انداز کر دیے گئے تھے، جاننا چاہتے تھے، دوسروں سے پُوچھتے تھے۔ جو دوسروں کو بتا سکتے تھے، خوشی سے بتاتے تھے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔

حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری کو ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں :

" جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامّل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سُود ہے ؎

میرؔ کیا سادہ ہیں بیمار ہُوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لڑکے سے دَوا لیتے ہیں!

مصر جائیے۔ عربی زبان میں مہارت پیدا کیجیے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ، تصوّف، فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ پھر اگر ذہنِ خدا داد ہے اور دل میں خدمتِ اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اُس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

عِلم دوستی

اِقبال کی نمایاں ترین خصوصیت جو ان مکاتیب سے سامنے آتی ہے اُن کی علم دوستی ہے۔

خالص مذہبی مباحث سے قطع نظر بھی کر لیجیے تو اقبالؔ ایک علم دوست اور علم پرور انسان نظر آتے ہیں اور حالات سازگار ہوتے تو یہی ان کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا۔ حکمائے اسلام کی بحثِ زمان و مکاں کی حقیقت تلاش کی جا رہی ہے۔ متکلمین نے علم مناظر و مرایا کی رُو سے خدائے تعالیٰ کی رویت کے امکان سے جو بحث کی ہے، اس کا سراغ لگایا جا رہا ہے۔ حال کے رُوسی علماء کی تصانیف کی جستجو کرائی جا رہی ہے اور ان کے ترجمہ کی سفارش کی جا رہی ہے۔ تصوّف اور حافظؒ پر سیر حاصل ریسرچ اور تحقیقِ علمی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے منطقِ استقرائی پر جو جو کچھ خود لکھا ہے اور یونانیوں کی منطق پر انہوں نے جو جو اضافے کیے ہیں، اس کے متعلق خود تحقیقات کی جا رہی ہے۔ دارالمصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی جا رہی ہے۔ الغزالی سے متعلق ریسرچ پر مشورہ دیا جا رہا ہے۔ نادر مخطوطات کی فہرست کی تیاری کا اہتمام کرایا جا رہا ہے۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند میں کتابوں کی تلاش جاری ہے۔ کبھی فارسی کا کورس تیار کرنے کا خیال ہے۔ غرض علم دوستی علامہ کی رگ رگ میں بسی ہُوئی تھی۔ اسی علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ ان کے مکاتیب کی سطر سطر سے اہلِ علم کا احترام پایا جاتا ہے جس کی مثالیں صفحہ صفحہ پر بکھری نظر آتی ہیں۔

معرکۂ اسرار و رموز یا شریعت و طریقت کی جنگ

مثنوی اسرارِ خودی و مثنوی رموزِ بیخودی اقبالؔ کے افکار و پیام کا ماحصلِ اوّلین و آخریں ہیں۔ 'اسرار' کی اشاعتِ اوّل میں علامہ مرحوم نے حافظؒ کے متعلق چند اشعار لکھے تھے جن پر صوفیائے کرام کے علمبردار بے حد چراغ پا ہُوئے اور علامہ مرحوم پر ہر طرف سے یورش کر دی۔ علامہ مرحوم نے اس سلسلہ میں مہاراجہ کو اس ہنگامہ کے دو سال بعد لکھا:

> "خواجہ صاحب نے مثنوی اسرارِ خودی پر اعتراض کیے تھے چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لیے مفید ہے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا، اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہُوئی ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی، نہ بحث کرنا میرا شعار ہے۔ بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو، وہاں سے گریز کرتا ہُوں۔"

لیکن جب دوسروں نے اقبالؔ کو اِس ناگوار بحث میں گھسیٹا تو اقبالؔ کا اصُول حریفوں سے مختلف تھا:

"مَیں نے صاف باطنی کے ساتھ لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ نا اِنصافی نہ کریں۔
علمی بحث ہونی چاہیے، حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیے بلکہ اُس کو
قایل کرنا اور راہِ راست پر لانا۔"

اقبال کو اپنے نظریات کی تائید میں لکھنا پڑا اور آج ہمیں اقبالؔ کے ان خطوط سے اقبالؔ کے کلام کی وہ نادر تشریح میسّر آتی ہے جو دُنیا کی نظر سے اب تک اوجھل تھی۔ الحمدللّٰہ! اس مجموعۂ مکاتیب میں بعض خطوط ایسے بھی ہیں جن کی فراہمی اور اشاعت کی خواہش خود علامہ مرحُوم کو بھی تھی۔

شریعت اور تصوّف

لسان العصر کو لکھتے ہیں:

"کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ ہو رہی تھی جس
میں آخر کار صوفیا غالب آئے یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں،
جب تک کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہردلعزیز نہیں ہوسکتے۔ یہ
روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الفِ ثانی، عالمگیر
اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللّٰہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیا
کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔"

صوفیا نے لسان العصر کی تائید و اعانت حاصل کرنے کے لیے 'اسرار' کی طرف انہیں توجہ دِلائی اور انہوں نے تصوّف اور بالخصوص حافظؒ کے متعلق علامہ کے اعتراضات کو عدم پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اقبالؔ کو اس کے متعلق اِطلاع دی۔ اقبالؔ لسان العصر کو پیرومرشد مانتے اور کہتے تھے۔ پیرومرشد سے کسی مریدِ بے ریا کا اختلاف بے حد قلق انگیز ہوتا ہے لیکن مرید نے پُوری جرأت و مردانگی سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ علامہ لکھتے ہیں:

"مَیں نے خواجہ حافظؒ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ اُن کے دیوان سے مے کشی
بڑھ گئی ہے۔ میرا اعتراض حافظؒ پر بالکل اور نوعیّت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں
جو کچھ لکھا گیا وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے

پاپولر ہے۔ اپنے وقت پر اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہُوا۔ اِس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔ خواجہ حافظؒ کی ولایت سے اِس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا، نہ اُن کی شخصیت سے۔ نہ اشعار میں 'مَے' سے مراد وہ مَے ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں بلکہ اِس مَے سے مراد وہ حالتِ سُکر ہے جو حافظ کے کلام سے بحیثیتِ مجموعی پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ حافظ ولی اور عارف تصور کیے گئے ہیں، اِس واسطے اُن کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل نظر انداز کر دی ہے اور میرے ریمارک تصوّف اور ولایت پر حملہ کرنے کے مرادف سمجھے گئے ہیں۔"

اسی خط میں حضرت اکبر سے التجائے انصاف کرتے ہیں:

"معاف کیجئے گا، آپ کے خطُوط سے یہ معلُوم ہُوا (ممکن ہے غلطی پر ہوں) کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظؒ کے متعلق لکھے گئے ہیں، باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش! آپ کو اُن کے پڑھنے کی فرصت مِل جاتی کہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔"

اِس کے بعد ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں، بلکہ میری بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کو اب تک پڑھا نہیں۔ مَیں نے کسی گذشتہ خط میں عرض کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لیئے میری خاطر سے ایک دفعہ ضرور پڑھ جائیے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔"

اعتراضات کی نوعیت اور جواب خطُوط میں تفصیل سے موجُود ہے۔

غیر اسلامی تصوّف اور اس کے ادبی نصب العین سے بغاوت

اِقبالؔ نے غیر اسلامی تصوّف اور اس کے نصب العین سے کیوں بغاوت کی، خود ان کی زبانی سُن لیجیے:

"عجمی تصوّف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے، مگر انسان کے طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اِسلامی تصوّف دِل میں قوّت پیدا کرتا

ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔ میرا تو یہی عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالکِ اسلامیہ میں قابلِ اصلاح ہے۔ 'یاسیہ' لٹریچر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ قوم کی زندگی کے لیے اس کا اور اس کے لٹریچر کا 'رجائیہ' ہونا ضروری ہے۔ اسرارِ خودی میں حافظ پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں جن کا عنوان یہ ہے: "درحقیقتِ شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ"۔ ان اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائے گا۔"

لسان العصر کو مفصّل جوابات لکھنے کے بعد تیسری مرتبہ لکھتے ہیں:

"زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے۔ عنایت کیا، رحم کیجیے اور اسرارِ خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اُس نے آہ و فریاد کی، اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے۔"

عجمی ادب و تصوّف کے مُسلمانوں کی زندگی پر اثرات کے سلسلہ میں مولوی سراج الدین پال صاحب کو لکھتے ہیں:

"مُسلمان مُردہ ہیں۔ انحطاطِ ملّی نے اُن کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ وہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحُور اپنے قاتل کو اپنا مربّی تصوّر کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے، مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔"

مولوی سراج الدین صاحب ہی کو حافظ پر ایک طویل مضمون لکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور متعدد خطوط میں ان کی رہنمائی کے لیے کتابوں، رسالوں اور اخباروں کے حوالے دیتے ہیں جن سے ان کی علم دوستی اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ محوّلہ بالا خط میں لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی

تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اِس دستور کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت 'سُست' طریق تنسیخ کا ہے اور یہ طریق وہی قومیں ایجاد یا اختیار کرتی ہیں جن کی فطرت گو سفندی ہو.... تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہُوا۔ ان شعراء نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمُود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو بُرا کہتا ہے تو حکیم سنائی اُس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اِسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے تو شعرائے عجم اِس شعار میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں مثلاً ؎

غازی ز پئے شہادت اندر تگ و پوے ست
غافل کہ شہید عشق فاضل تراز وست

در روزِ قیامت ایں بہ او کے ماند
ایں کشتہ دشمن است وآں کشتہ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابلِ تعریف، مگر انصاف سے دیکھا جائے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے اُس کو احساس بھی اِس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مُجھے آبِ حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مُسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔"

حافظ اور تصوّف سے متعلق حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے نام بھی اقبال کا مکتوب لائق توجہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مطلب مطلق نہیں سمجھا۔ تصوّف سے اگر اخلاص فی العمل مُراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اولیٰ میں اِس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مُسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوّف فلسفہ بننے کی کوشش

کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات سے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری رُوح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ مَیں نے ایک تاریخ تصوّف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مسالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔"

تصوّف اور خودی کے مسائل پر مولوی ظفر احمد صاحب صدّیقی کو لکھتے ہیں:

"غلام قوم مادّیات کو روحانیات پر مقدّم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوتِ نفس اور رُوحِ انسانی کا ترفّع ہو .... بہرحال، حدودِ خودی کے تعیّن کا نام شریعت ہے، اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال وعواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اِس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اِسی کا نام بقا رکھا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیاء میں سے اکثر نے مسئلۂ فنا کی تفسیر فلسفۂ ویدانت اور بدھ مت کے زیرِ اثر کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدہ کی رُو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔"

حافظؒ کے متعلق مولوی سراج الدین کے نام ایک خط میں اپنا نظریہ اور طریقِ تحقیق بیان کرتے ہیں جس کی صحت اور دانش و مصلحت آج سورج کی طرح روشن اور مسلّم ہے:

".... اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھیے، مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے تھے، مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی۔ پھر ان سب باتوں کی روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجیے ..... اور سب سے آخر

شاعر حافظ ہے (اگر اُسے صوفی سمجھا جائے) -

یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوّف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی، تو پھر اُس قوم کا نقطۂ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترکِ دُنیا موجبِ تسکین۔ اس ترکِ دُنیا کے پردے میں قومیں اپنی سُستی و کاہلی اور اس شکست کو جو اُن کو تنازع للبقا میں ہو چُھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے کہ ان کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔"

اُردو

اقبالؔ نے اُردو کی خدمت میں پُوری زندگی بسر کر دی۔ اُردو شاعری اور زبان کو زیرِ بارِ احسان کیا۔ اگر وہ اُردو زبان کی کچھ بھی خدمت نہ کرتے تو اکنامکس کو اُردو میں ڈھال دینے کی اوّلیں کامیاب کوشش اُن کے لیے باعثِ افتخار ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ مدّت العمر اس زبان کی خدمت کرتے رہے اور دوسروں کو اس کی خدمت کا شوق دلاتے اور ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ان مکاتیب میں خود اُن کی شہادت موجُود ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی دَور میں وضعِ اصطلاحات میں مدد دیتے رہے۔ اُردو کانفرنس میں دعوتِ شمولیت کے جواب میں مولوی عبدالحق کو لکھتے ہیں:

"اِس اہم معاملے میں کلیتہً آپ کے ساتھ ہوں۔ اگرچہ میں اُردو زبان کی بحیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں۔"

ایک دوسرے خط میں مولوی صاحب موصوف کو لکھتے ہیں:

"آپ کی تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سر سید رحمتہ اللہ علیہ نے کی تھی۔"

تیسرے خط میں لکھتے ہیں:

"کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کر سکتا۔" —

اِقبال کو اپنے حالات کی بنا پر اُردو نثر لکھنے کا اتفاق شاذ و نادر ہی ہوتا تھا لیکن بعض اوقات وہ نثر میں بھی شاعری کیا کرتے تھے اور مختصر جُملوں میں شعر کی طرح حقائق بیان کرنے پر قادر تھے۔ ایک دوست کو ایک مرتبہ لکھتے ہیں:

"فکرِ روزی قاتلِ روح ہے۔"

اِسی طرح مولوی عبدالحق صاحب کی ترقّیِ اُردو کے سلسلہ میں محنت و جانفشانی کی داد یہ کہہ کر دی ہے:

"آپ ایک صاحبِ عزم آدمی ہیں اور یہ بات مجھے مدّت سے معلوم تھی۔"

ان مکاتیب میں علامہ نے زبان کی سادگی کو ہاتھ سے نہیں دیا اور انشا پردازی کے جوہر دِکھانے کی کوشش نہیں کی؛ البتہ جہاں کہیں موضوع کی دِلکشی نے ان کے لیے موقع مہیا کر دیا ہے، انہوں نے جو خیالات ذوق و جوشِ قلبی سے قلمبند کر دیے ہیں، اُن میں زبان کی دلفریبی بدرجۂ غایت موجود ہے۔ حضرت گرامی کو ۱۹۱۸ء میں لکھتے ہیں:

"گرامی کو خاکِ پنجاب جذب کرے گی یا خاکِ دکن، اس سوال کے جواب میں حسب الحکم مراقبہ کیا گیا۔ جو انکشاف ہُوا عرض کیا جاتا ہے۔ گرامی مُسلم ہے اور مُسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاک اُسے جذب کر سکے۔ یہ ایک قوّتِ نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہرِ مُوسویّت اور ابراہیمیّت کی۔ آگ اُسے چھُو جائے تو برد و سلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں۔ پانی آگ جذب کر لیتا ہے۔ عدم بُود کو کھا جاتا ہے۔ پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوّت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات کی ہو، اُسے کون جذب کرے۔ مُسلم کو موت نہیں چھُو سکتی کہ اس کی قوّتِ حیات و موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مِٹا چکی ہے ..... اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی، جس کا قلب تاثّراتِ لطیفہ کا سرچشمہ تھا، اس درد انگیز منظر سے مطلق متاثّر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے

قتل کی خبر سُنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جُدائی میں دردانگیز اشعار پڑھتی ہوئی دربارِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر، اشعار سُنے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر متاثر ہوئے کہ اُس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے یہاں تک کہ جوشِ ہمدردی نے اس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے سے ایک آہِ سرد نکلوا کر چھوڑی ۔ ۔ ۔ ۔ پھر مُسلم جو حامل ہے محمدئیت کا اور وارث ہے موسویت کا اور ابراہیمیت کا، کیونکر کسی شے میں جذب ہو سکتا ہے! البتہ زمان و مکان کی مقید دُنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مُسلم کو جذب کر سکتا ہے اور اس کی قوتِ جاذبہ ذوقی و فطری نہیں بلکہ مستعار ہے ایک کفِ پا سے جس نے اس ریگستان کے چمکتے ذرّوں کو کبھی پامال کیا تھا۔"

اِس مکتوب کو حصۂ اوّل میں تمام و کمال پڑھیے اور اقبال کی انشاپردازی اور مطالبِ جلیلہ کے اظہار پر اس کے کمال کی داد دیجیے۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ منشی محمد دین فوق کو لکھتے ہیں اور نفسِ مضمون اقبال کے لیے دلکشی رکھتا ہے۔ اقبال ولایت کے پہلے سفر کے دوران میں سویز پہنچے تو مُسلمان تاجروں کی ایک کثیر تعداد جہاز پر آن موجود ہوئی۔ اقبال ان میں سے ایک سے سگریٹ خریدتے ہوئے اُسے بتاتے ہیں کہ وہ مُسلمان ہیں۔ اقبال کے سر پر ہیٹ دیکھ کر اُسے تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے:

"آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہُوا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا، اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہُوا اور میرے ہاتھ چُومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ سب میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاءاللہ ماشاءاللہ کہنے لگے اور میری غرضِ سفر معلوم کرکے دعائیں دینے لگے یا یوں کہیے کہ دوچار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ مَیں نے جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ کے لیے علیگڑھ کالج ڈیپوٹیشن کا شُبہ ہُوا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ مَیں

بھی؛ دخل در معقولات؛ اُن میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُن میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا جیسے حریری کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔"

اسی خط میں نہر سویز کے متعلق لکھتے ہیں :

"کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوامِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی .... یہ کینال جسے ایک فرانسیسی انجینئر نے تعمیر کیا تھا، دُنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ کینال کیا ہے، عرب اور افریقہ کی جُدائی ہے اور مشرق اور مغرب کا اتحاد۔ دُنیا کی رُوحانی زندگی پر مہاتما بُدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اس مغربی اختراع نے زمانۂ حال کی تجارت پر کیا ہے۔"

سید غلام میراں شاہ کو لکھتے ہیں :

"حجِ بیت اللہ کی آرزو تو گذشتہ دو تین سال سے میرے دِل میں بھی ہے۔ خُدا تعالٰے ہر پہلو سے استطاعت عطا فرمائے تو یہ آرزو پوری ہو۔ آپ رفیقِ راہ ہوں تو مزید برکت کا باعث ہو .... چند روز ہوئے سر اکبر حیدری وزیرِ اعظم حیدرآباد کا خط مُجھ کو ولایت سے آیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حجِ بیت اللہ اگر تمہاری معیت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے، وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتا ہے۔"

زبان کی ترقی کا راز

سردار عبدالرب خاں نشتر کو ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں :

"زبان کو مَیں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہُوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔ ہاں تراکیب کے وضع کرنے میں مذاقِ سلیم کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔"

اسی مضمون پر مولوی عبدالحق صاحب کو چودہ برس بعد لکھا ہے:

"زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشوونما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات وجذبات کے ادا کر سکنے پر ان کے بقار کا انحصار ہے۔"

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے احساسِ خطر

ہندوستان میں علامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق بہت بڑا خطرہ نظر آتا تھا جس کے انسداد کی بعض ایسی کوششیں ان مکاتیب سے ملت کے سامنے آتی ہیں جو آج تک سب کی نظر سے پوشیدہ تھیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے لیے خطرہ ان کو ہندوستان کی تحریکِ قومیت اور مسلمانوں کی بے حسی اور بے راہ روی کی وجہ سے تھا۔ اشاعتِ اسلام کے لیے اُن کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ کو لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک تبلیغِ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس کا عنصر نہیں جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویّہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔"

اسی خط میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"مَیں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد کہ ہندوستان کی سیاسیات کی روشِ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، خود مذہبِ اسلام کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شُدھی کا خطرہ اس خطرہ کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یا کم از کم شُدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔"

اس روشن ضمیری اور عاقبت بینی کی آج کون صاحبِ نظر داد نہ دے گا! مخدوم میراں شاہ صاحب کو لکھتے ہیں:

"دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوت، ہمت، اثر و رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائقِ اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔

اس تاریک زمانے میں حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے . . . . افسوس شمال مغربی ہندوستان میں جن لوگوں نے علمِ اسلام بلند کیا، اُن کی اولادیں دُنیوی جاہ و منصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہو گئیں اور آج اُن سے زیادہ جاہل کوئی مسلمان مشکل سے ملے گا، اِلّا ماشاء اللہ !"

مُنشی صالح محمد صاحب کو لکھتے ہیں :

"اِسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آ رہا ہے۔ سیاسی حقوق اور مِلّی تمدّن کا تحفّظ تو ایک طرف، خود اِسلام کی ہستی معرضِ خطر میں ہے۔ مَیں ایک مدّت سے اِس مسئلہ پر غور کر رہا ہُوں اور اِس نتیجہ پر پہنچا ہُوں کہ مسلمانوں کے لیے مقدّم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صُورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدّن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح انکے اخبارات کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانہ حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں"۔ . . .

ایک دوسرے خط میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے :

"مُسلمانوں کی مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے تنظیم کی جائے۔ قومی عساکر بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی مُنتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔"

عام مسلمانوں میں اسلام اور مسلمانوں کی اس حالتِ زار اور اُن کے لیے خطرۂ عظیم کے عدم احساس کا ماتم اور اس خطرے کی نوعیّت کو یوں واضح فرمایا ہے :

"مَیں سمجھتا ہوں کہ بہت سے مُسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اِس ملکِ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے، اور اگر وقت پر موجُودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا۔ آیندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ انکی

زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک میں فنا ہو جائے۔ اگر اِن مقاصد کی تکمیل کے لیے مجھے اپنے تمام کام چھوڑنے پڑے تو اِنشاءاللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اس مقصدِ جلیل کے لیے وقف کر دوں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ہم لوگ قیامت کے روز خدا اور رسُول ؐ کے سامنے جواب دہ ہوں گے ۔"

ہندوستان کے مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب اور مِلّتِ ہندیہ کے احیائے جدید کی تدابیر پر ہمیشہ نظر رہتی تھی۔ مسلمانانِ ہند کے انحطاط کا ایک سبب اُن میں تنظیم اور یک جہتی و ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ ۱۹۳۳ء میں شیخ عبداللہ کو لکھتے ہیں :

"ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔ ہندی مُسلمانوں کے کام اب تک محض اِس وجہ سے بگڑے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی۔ اِس کے افراد بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھ میں کٹ پُتلی بنے رہے، بلکہ اِس وقت ہیں۔"

ہندوستان کے مسلمانوں کو خود متحد ہو کر ہمت کرنے اور اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور انہیں دُوسروں کی عیاری سے ہوشیار رہنے کی تلقین کے سلسلہ میں سید سلیمان کو تحریکِ خلافت کے زمانے میں لکھتے ہیں :

"مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صُورت میں منتقل ہو گیا۔ معلُوم نہیں آپ کا اِس بارہ میں کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں کے اشارے پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ افسوس بتفصیل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے ؎

بہت آزمایا ہے غیروں کو تُو نے ۔۔۔ مگر آج ہے وقتِ خویش آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا ۔۔۔ خلافت کی کرنے لگا تُو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہُو سے ۔۔۔ مُسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

اصل شعر میں 'دیگراں' کی جگہ 'ناکساں' ہے۔ مَیں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔"

یہ نہ سمجھیے کہ اقبالؔ کی نظر صرف ننگِ اسلام علماء ہی کے گناہوں پر تھی، انگریزی خواں طبقے کے وہ لوگ جو ذاتی نفع کی خاطر ملّت فروشی پر مائل اور اس طرح ملّت میں انتشار کا باعث ہوتے تھے، اُن کی سیاہ کاریوں سے بھی علامہ کو بے حد قلق تھا۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"مَیں خود مُسلمانوں کے اِنتشار سے بے حد دردمند ہوں اور گذشتہ چار پانچ سال کے تجربہ نے مجُھے بے حد افسردہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔"

فِتنۂ قومیّت و وطنیّت

علامہ مرحُوم ہندوستان میں مُسلمانوں کی سیاسی و تمدنی برتری اور ان میں صحیح اِسلامی تعلیمات کے پیدا کرنے اور انہیں اُن پر عمل پیرا ہونے کے داعی تھے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں انہیں ایسے اعمال و تحریکات سے سابقہ پڑتا تھا جو مسلمانوں کو ان کے مقاصدِ عالیہ سے منحرف کرنے کے لیے جاری کی جاتی تھیں، علامہ کی نگاہِ دُوربیں انہیں بھانپ لیتی تھی اور وہ ان کی مخالفت میں آواز بلند کرتے تھے۔ حضرت علامہ نے فتنۂ قومیّت و وطنیّت کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا اور وہ مُسلمانوں میں اس عصبیّت کے پیدا ہونے کے مخالف تھے۔ سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

"بزمِ اغیار کی رونق ضرور تھی۔ اِسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی رٰہ سے بہت دُور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیّت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مُسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔"

حضرت اکبر کو لکھتے ہیں:

"اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں ..... اس کا دشمن یُورپ کا جغرافیائی جذبۂ قومیّت ہے جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اُکسایا۔ مصر میں مصر مصریوں

کے لیے کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو یٖن انڈین ڈیموکریسی کا بے معنی
خواب دِکھایا۔"

آخری ایام میں جو اذیت علامہ مرحوم کو بعض مسلمانوں کے اُن اعمال سے ہُوئی جن کا نتیجہ ملت میں اِنتشار اور غیر اسلامی اصولوں کو عملاً تسلیم کر لینا تھا، ناقابلِ بیان ہے۔ اِسی پر انہیں "مومن پرستد دکافر تراشد" کی پھبتی سُوجھتی تھی اور اِنہیں حالات سے مجبوراً اُنھوں نے "دل چوں کندۂ قصاب دارم" پر ہی اِکتفا نہ کیا بلکہ ؎

بسے نادیدنی ہا دیدہ ام من
مرا اے کاش کہ مادر نزادے

مذہب سے دِلچسپی اور فقہ اِسلامی کی تشکیلِ جدید

اقبالؒ غلامِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) و عاشقِ دینِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ زمانے کی نبض پر اُن کا ہاتھ تھا۔ مُسلمانوں کے مذہبی انحطاط پر اُن کا دِل دُکھتا تھا۔ مخالف قوتوں کے زور و اثر کو دیکھتے تھے۔ اسبابِ انحطاط اور مشکلات کے مقابلہ کی صورتیں اُن کے ذہن میں تھیں۔ کبھی ہماری بے حسی پر اُن کا دِل بیٹھ جاتا تھا، کبھی ناساعد زمانہ سے اِسلام کے لیے جنگ آزمائی کا عزم ہوتا تھا، اور اِسلام کی فتح اور مسلمانوں کی کامرانی کے یقین پر ان کی زندگی موقوف تھی۔ مکاتیب کے چند اِقتباسات ملاحظہ فرمائیے لیکن یاد رہے کہ اقبالؒ کی نگاہ میں مذہب اور سیاست کی علحدگی جائز نہ تھی۔ جہاں وہ مسلمانوں کے مذہبی انحطاط سے نالاں تھے، وہاں اُن کے سیاسی تنزل کا ماتم بھی جاری تھا۔ جہاں دوستوں کو مذہبِ اسلام کے مسائل کی طرف متوجہ کرتے اور دُنیا کے موجُودہ رجحانات کے پیشِ نظر تعلیماتِ اسلامی کی بلندی کی دُنیا میں تلقین کی تدابیر پیش کرتے تھے، وہاں ممالکِ اسلامیہ کی سیاسی شیرازہ بندی اور استحکام کو ان کے لیے زندگی اور آبرو کا راز جانتے اور مانتے تھے، اور جب اور جہاں، جس طرح ممکن ہُوا، ان ممالک کی خدمت کرتے تھے۔ اُن کی سب سے بڑی خدمت مُسلمانوں کو اِس مذہبی و سیاسی خدمت کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور ان دونوں قسم کی خدمات میں اُن کا حصہ رہنمایانہ تھا۔

سیّد سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

"مَیں آپ سے سچ کہتا ہُوں کہ میرے دِل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات

دیکھ کر بے اِنتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دِل پُورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجُودہ نسل گھبرا کر کوئی دوسری راہ نہ اختیار کر لے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے مِلنے کا اِتفاق ہُوا۔ فرانسیسی خُوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اِس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔"

مذہبی انحطاط کی عِلت ہندوستان میں تعلیم کا سراسر غیر مذہبی ہو جانا اور عربی زبان سے ناواقفیت بتائی گئی ہے۔ نیاز احمد خاں کو ۱۹۳۱ء میں لکھتے ہیں:

"مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اِس سے بالکل کوری ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے۔"

ایک دوست کو جو ہندوستان سے باہر گئے ہیں، لکھتے ہیں:

"عربی سیکھنے کا موقع ہے، خُوب سیکھیے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ عربی دانی سے آپ کی دِلچسپی جو اَب آپ کو فارسی لٹریچر سے ہے کم ہو جائے گی۔ کوئی آدمی عربی زبان کے چارم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مَیں نے طالب علمی کے زمانے میں خاصی عربی سیکھ لی تھی مگر بعد میں اور مشاغل کی وجہ سے اس کا مطالعہ چھُوٹ گیا؛ تاہم مجھے اِس زبان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہے۔"

ایک دوسرے دوست کو ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:

"ہندی مُسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اُٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت و توکّل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں.... اِس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اِسلام میں ہندی اور یونانی تخیّلات داخل کر دیے ہیں۔"

مسلمانوں کی زبوں حالی اور بداعمالی اور اُن کے مستقبل کی فکر دین وقت کے دو خادموں کو رُلاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کی تائید و اعانت کرتے اور ہمت بندھاتے ہیں۔ سید سلیمان کو لکھتے ہیں:

"دنیا اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اس پیکار و انقلاب کا رُخ معین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و نا اُمیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کا قلب قوی اور ذہن ہمہ گیر ہے۔ آپ اِس حالت سے جلد نکل آئیں گے . . . . آپ اس جماعت کا پیش خیمہ ہیں . . . . اس جماعت کا دُنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے۔"

مذہبی پستی اور ناواقفیت کا فوری علاج بھی بتایا جا رہا ہے اور مذہبی شوق کے پیدا کرنے اور اسلام کی برتری دُنیا پر واضح و ثابت کرنے کا مستقل نسخہ بھی تیار کیا جا رہا ہے۔ مولانا عبدالماجد کو ۱۹۲۹ء میں مُسلم یونیورسٹی کے نئے دَور کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"آپ علی گڑھ جا کر مذہبی مضامین پر طلبہ سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجُود بہت سی مخالفِ قوتوں کے، جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں، مُسلمان جوانوں کے دِل میں اسلام کے لیے تڑپ ہے لیکن کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو . . . ."

"اِسلام کے لیے اس ملک میں نازک وقت آ رہا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے، ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں . . . علماء میں مداہنت آ گئی ہے۔"

ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہاء یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں . . . ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں . . . . میری رائے ناقص میں مذہبِ اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید

تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔"

حضرت علامہ نے فکرِ اسلامی کی تجدید وطرحِ نَو کے لیے بہت کوشش فرمائی اور طرح طرح کے مسائل کی طرف خود بھی توجہ کی اور علماء کو بھی متوجہ کیا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ فقہِ اسلامی پر نئے سرے سے کتابیں لکھی جائیں۔ ایک دوست کو ایک عالمِ دین کے متعلق لکھتے ہیں:

"کیا اچھا ہو کہ وہ شریعتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرما دیں جس میں عبادات ومعاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو معاملات کے متعلق خاص طور پر اس قسم کی کتاب کی آجکل شدید ضرورت ہے... اس پر ایک آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے اس سے زیادہ تر زمانۂ حال کے مغربی اصولِ فقہ کو ملحوظ رکھ کر فقہِ اسلامی پر بحث کی گئی ہے... ایک مدت سے ہم یہ سُن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے.... لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاسیاتِ انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو جو قواعدِ عبادات یا معاملات کے متعلق (بالخصوص مؤخر الذکر کے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں اُن پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے 'جورس پروڈنس' پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم وہی شخص ہوگا۔"

اقبال اس صورتِ حال کا مقابلہ علماء اسلام کی ایک جماعت تیار کر کے کرنا چاہتے تھے۔ اس جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے کس پایہ کے اور کن اوصاف کے اساتذہ کی ضرورت سمجھتے تھے، اس کا اندازہ شیخ جامعہ ازہر کے نام تحریک دارالسلام سے متعلق ان کا مکتوب لائق توجہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہم ان کے لیے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پُرانی کتابیں موجُود ہوں، اور ان کی رہنمائی کے لیے ہم ایک ایسا معلّم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارتِ تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلابِ دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو، مقرّر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوح سے واقف کرے اور تفکّرِ اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدّنِ اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کرسکیں۔"

کن کن مذہبی مسائل پر توجہ تھی

اقبال کی نظر حال و مستقبل، دونوں پر تھی۔ دینِ اسلام کو زمانۂ حال کی مقتضیات کے پیشِ نظر جن مسائل سے واسطہ پڑا ہے یا پڑے گا، اس کا اندازہ علامہ مرحُوم کو تھا اور وہ ان کا حل چاہتے تھے، سوچتے تھے، دوستوں سے پُوچھتے تھے اور خود تلاش کرتے تھے۔ اِس سلسلہ میں صرف ان مسائل کی طرف محض اشارات پر اکتفا کرتا ہوں جن سے انہیں دلچسپی تھی۔ سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:

"دُنیا عجب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادّی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار کے خلاف ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدّن (بالخصوص یورپ) بھی حالتِ نزع میں ہے۔ غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اِسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔ اِس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمایئے۔ اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو اُن کے ناموں سے آگاہ فرمایئے۔"

سید صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں:

"احکامِ منصوصہ میں توسیعِ اختیاراتِ امام کے اصول کیا ہیں؟ اگر امام توسیع کرسکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے؟ اسکی کوئی تاریخی مثال ہو تو

واضح فرمائیے !"

"زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے ؟ اسلامی فقہاء کا مذہب اس بارے میں کیا ہے ؟ اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرعِ اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف ؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماعِ معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔ کیا یہ بات رائے امام کے سپرد ہوگی ؟"

اس ضمن میں حضرت علامہ کا یہ سوال کہ "کیا جماعت امام کی قائم مقام ہوسکتی ہے ؟" مدِنظر رہنا چاہیے۔

"امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اُس بچے کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسئلہ کی اساس کیا ہے ؟ کیا یہ اصول محض ایک قاعدۂ شہادت ہے یا جزوِ قانون ہے ؟ اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروّجہ ایکٹ شہادت کی رُو سے تمام وہ قواعدِ شہادت جو اِس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروّج تھے، منسوخ کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصول کو قاعدۂ شہادت قرار دے کر منسوخ کر دیا ہے۔ نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان بچہ جو فقہِ اسلامی کی رُو سے ولد الحلال ہے، ایکٹ شہادت کی رُو سے ولد الحرام قرار دیا جاتا ہے۔"

اقبال کو اعتراف ہے :

"میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے ؛ البتہ فرصت کے اوقات میں مَیں اِس بات کی کوشش کیا کرتا ہُوں کہ ان معلُومات میں اضافہ ہو۔ یہ بات زیادہ تر ذاتی اطمینان کے لیے ہے نہ کہ تعلیم و تعلّم کی غرض سے۔"

لیکن اقبال مجبور ہیں کہ مُسلمانوں کی مذہبی بیداری اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو زمانۂ حال کی مقتضیات کے پیشِ نظر دوسرے ضابطہ ہائے حیات سے بہتر اور ابدی ثابت کرنے کے لیے جو کوشش ضروری ہے، جہاں تک ان کے امکان میں ہے وہ کریں۔ وہ ایک دوست کو لکھتے ہیں :

"مولوی صاحب موصوف یا اُن کے رفقاء کو جو کلامِ الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں، اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ مَیں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔"

حضرت علامہ نے بالآخر تہیہ کر لیا کہ وہ ایک کتاب لکھیں جس میں حقائقِ قرآنیہ سے بحث ہو، اور احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اس کا عنوان "اسلام میری نظر میں" قرار دیا ہے :

"اِس عنوان سے مقصُود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے، جو ممکن ہے غلط ہو۔"

اِس کتاب کے متعلق اپنی عمر کے آخری ایّام میں انہوں نے سیّد راس مسعُود کو لکھا ہے :

"تمنّا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآنِ کریم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں اور جو تھوڑی سی ہمت و طاقت مجھ میں موجُود ہے، اُسے اسی خدمت کیلیے وقف کر دینا چاہتا ہُوں۔"

ایک دوسرے خط میں سیّد راس مسعُود ہی کو لکھتے ہیں :

"اس طرح میرے لیے ممکن ہو سکتا تھا کہ مَیں قرآنِ کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور ہیں، لیکن اب تو نہ معلُوم کیوں ایسا محسُوس کرتا ہُوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسّر آئے تو مَیں سمجھتا ہُوں قرآنِ کریم کے ان نوٹوں سے بہتر مَیں کوئی پیشکش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔"

غیر اسلامی تصوّف پر علامہ کے خیالات کسی دوسری جگہ موجُود ہیں۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے لکھتے ہیں :

"اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجُود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔"

ایک دوسرے خط میں سیّد صاحب کو لکھتے ہیں :

"خواجہ نقشبند اور مجدّدِ سرہند کی میرے دِل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیّت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا

ہے جس میں مَیں خود بیعت رکھتا ہُوں ؛ حالانکہ حضرت محی الدینؒ کا مقصُود اسلامی تصوّف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا ۔"

سید سلیمان کو لکھتے ہیں :

" امریکہ کے ایک مصنّف کی کتاب میں لکھا ہے کہ " اجماعِ اُمت نصِ قرآنی کو منسُوخ کر سکتا ہے ، یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیرخوارگی کہ نصِ صریح کی رُو سے دو سال ہے ، کم یا زیادہ ہوسکتی ہے . . . . مصنّف نے لکھا ہے کہ بعض حنفار اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ اُمت یہ اختیار رکھتا ہے ، مگر اُس نے کوئی حوالہ نہیں دیا ۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مُسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجُود ہے " . . . . .

" دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہؓ نے نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا ہو ، اور وہ کونسا حکم ہے ۔"

" آیۂ توریث میں حصص بھی ازلی و ابدی ہیں یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے ، صرف وہی ناقابلِ تبدیل ہے ، اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے ؟ "

" کیا روسی مُسلمانوں میں بھی ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبدالوہابؒ نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی ؟ . . . . مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہوگیا ہے ، انکی تحریک کی اصلی غایت کیا تھی ؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا ؟ "

اس وقت آئینِ پاکستان پر بحث مباحثہ جاری ہے ۔ مذہبی مسئلہ میں امام کے اختیارات کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ ، سید سلیمان ندوی سے دریافت فرماتے ہیں :

" زمانۂ حال کی زبان میں یوں کہیے ، آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن اُن (امام) کو ایسا اختیار دیتی ہے ؟ امام ایک شخصِ واحد ہے یا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہوسکتی ہے ؟ ہر اسلامی ملک کے لیے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی ممالک کے لیے ایک واحد امام ہو ؟ مؤخر الذکر صُورت موجودہ فرقِ اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے ؟ مہربانی کرکے ان سوالات پر روشنی ڈالیے ۔"

اسی قسم کے بیسیوں سوالات ہیں جن کا حل تلاش کیا جا رہا ہے۔

ممالکِ اسلامیہ ــ فلسطین

حضرت علامہ کو مسئلۂ فلسطین سے غایت درجہ دلچسپی تھی اور انہوں نے ہندوستان کے دورِ غلامی میں فلسطین کو پنجۂ اغیار سے چھڑانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ مس فارقوہرسن کے نام اُن کے خطوط اس پر شاہد ہیں۔ کچھ جو پہلے میسّر آئے، حصّہ اوّل میں موجود ہیں۔ جو خطوط میری علیگڑھ سے واپسی کے بعد لاہور میں سرعبدالقادر مرحوم سے دستیاب ہوئے، حصّہ دوم میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اِن خطوط میں برطانیہ کو عربوں سے اپنے حتمی وعدوں کی خلاف ورزی کے ارتکاب سے بچنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ انہیں تاریخِ اقوام پر گہری نظر رکھنے والے مفکر کی طرح بتایا جا رہا ہے کہ:

"جب طاقت، عقل و دانش کو پسِ پُشت ڈال کر محض اپنی ذات پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔"

انگریزوں سے کہا جا رہا ہے فلسطین تمہاری ذاتی جائداد نہیں۔ تم اِس تحریک کو یہودیوں کیلیے ایک قومی وطن مہیا کرنے سے کہیں زیادہ برطانوی سامراج کے لیے ایک ساحلی گوشہ حاصل کرنے کے لیے زیادہ فکرمند ہو۔ کہیں برطانیہ کو عربوں کی دوستی سے محرومی کے عواقب سے ڈرایا جا رہا ہے۔ اِس سلسلہ میں مشرقِ قریب کے اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت و استحکام کو ترکوں اور عربوں کے فوری اتحادِ مکرّر پر موقوف بتایا جا رہا ہے۔ عربوں کو بتایا جا رہا ہے کہ عرب ممالک کے مختلف بادشاہ فلسطین کے لیے آزادانہ اور ایماندارانہ فیصلہ حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ مس فارقوہرسن سے تجویز کیا جا رہا ہے کہ فلسطین کے سلسلہ میں اپیل کیلیے ہزہائینس آغاخان کی تائید و اعانت حاصل کریں اور اپیل کا مسوّدہ مصر و فلسطین کے زعمائے فکر و عمل کے مشورہ سے مرتّب کریں۔ اس مسئلہ پر دلچسپی اور اعانت کے لیے مس فارقوہرسن اور لارڈ ازلینگٹن کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے۔

افغانستان

حضرت علامہ کو افغانستان سے گہری دلچسپی رہی۔ اس دلچسپی کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو سیاحتِ افغانستان کے بعد مثنوی "پس چہ باید کرد" کی صُورت میں شائع ہوئے۔ امان اللہ خاں کے فرار کے بعد افغانستان میں جو حالت پیدا ہوئی، وہ ہر صاحبِ دل مُسلمان کے لیے بیحد قلق انگیز

تھی۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ جب نادر خاں لاہور سے گزرے تو اقبال اپنا تمام اندوختہ، جو اُس وقت اُن کے پاس موجود تھا، لے کر سٹیشن پر پہنچے اور علیحدگی میں نادر خاں سے کہا "میری کائنات یہی کچھ ہے، اسے قبول فرما کر اس جہاد کے ثواب اور افغانستان کے اِستقلال کی کوشش میں شمولیت کا شرف مجھے بھی حاصل ہونے دیجیے۔" نادر خاں نے متاعِ درویش کے قبول سے بصد شکریہ انکار کر دیا۔ لیکن اقبال اس فکر میں رہے اور دوستوں سے خطوط اور تار کے ذریعے اپیل کی۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو لکھتے ہیں:

"افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں معدودے چند افراد کو اس ملک کے انقلاب کے اسباب سے واقفیت ہے۔ میری رائے میں امان اللہ کی واپسی کے کوئی امکانات نہیں۔"

علامہ خود استقلالِ افغانستان کے بعد کابل گئے اور ایک آزاد ملک کو اپنی مسیحا نفسی سے زندہ کرنے میں حصّہ لیا۔ اور جن لوگوں نے ملک کی آزادی کے حاصل کرنے میں حصّہ لیا تھا، انہیں اپنے ہدیۂ عقیدت سے، جس نے اشعارِ تابدار کی صُورت اختیار کی، ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

احبابِ بنگلور سے بذریعہ تار افغانستان کی آزادی کی کوشش کے لیے چندہ جمع کیا جارہا ہے۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو ۲۹ء میں لکھتے ہیں:

"مجھے اُمّید ہے کہ احبابِ بنگلور جن سے مَیں نے اس سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے، فراخ دِلی سے چندہ دیں گے۔ مَیں نے سیٹھ حاجی اسمٰعیل ایڈیٹر 'الکلام' اور عبدالغفور صاحب کو بھی تار دیا ہے۔ ازراہِ کرم ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے جو ذمّہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، وہ ان حضرات کو یاد دِلایئے۔ افغانستان کا اِستقلال واستحکام مسلمانانِ ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہِ جمعیت و تقویت ہے۔"

کشمیر

ع تنم گلے از خیابانِ جنّتِ کشمیر

کہنے والے اقبال نے ع

دِل از حریمِ حجاز و نواز شیراز است

کہہ کر اپنے جسم و رُوح کے تعلق اور نسبت کو واضح کیا تھا۔ جب تن کو ایذا پہنچی تو دِل متاثر ہوا۔ کشمیر میں جب مسلمانوں پر سخت مصیبت نازل ہُوئی اور حکومت نے انہیں قید و بند میں ڈالنا شروع کیا تو اقبال نے انہیں یک جہتی کا پیغام دیا۔ اسیرانِ قید و بند کے لیے پٹنہ سے نعیم الحق صاحب بیرسٹر کی خدمات بطور وکیل حاصل کیں۔ لاہور سے وکیل اُن کی مدد کو بھیجے اور کشمیریوں کی حالتِ زار پر اپنے کلام میں بڑا ماتم کیا لیکن شاعرِ امید کی زبان پر یہ الفاظ بھی جاری ہُوئے: "مجھے اُمید ہے کشمیر کی قسمت عنقریب پانسہ پلٹنے والی ہے۔" خدا کرے جلد علامہ مرحُوم کی یہ پیش گوئی پوری ہو!

دوسرے اِسلامی ممالک

حضرت علامہ نے جنگ ہائے طرابلس اور بلقان میں ایک دلدوز نوا بلند کی اور جنگِ اوّل کے بعد تحریکِ خلافت میں ایک حد تک خود شامل رہے۔ اور ایک زمانہ شاہد ہے کہ وہ ترکوں کی مصیبت پر، جو جنگِ اوّل کے بعد ان پر نازل ہوئی، خود روئے اور دوسروں کو رُلایا۔ لیکن اُن کا دِل ہمیشہ اُمید سے معمُور رہتا تھا۔ انہوں نے فرمایا ؎

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

۱۹۲۹ء میں ان کا ارادہ اسلامی ممالک کی سیاحت کا تھا۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو لکھتے ہیں:

"اب باوجُود مالی مشکلات کے ایران و ترکی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہُوں۔ خداوندِ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، اور اُمید رکھتا ہُوں کہ اس سفر کے لیے جو مَیں محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و بلندی کے لیے اختیار کر رہا ہُوں، زادِ راہ میسّر آجائے گا۔"

لیکن مالی مشکلات نے اُمید کی روشنی کو مدّھم کر دیا ہے۔ دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"مَیں ترکی اور مصر کے سفر کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہُوں۔ جیسا آپ جانتے ہیں، زر ِمی طلبد والا معاملہ ہے اور ہندوستان کے مسلمان اُمرا اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت و اہمیت سے قطعاً نا آشنا ہیں۔"

غرض، علامہ مرحُوم سے جب اور جیسا میسّر ہُوا، انہوں نے اِسلامی ممالک کی خدمت کو اپنا فرض

سمجھا اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اُن کے کلام کی بدولت ہی اتحادِ ممالک وملل اسلامیہ کا ایک قومی جذبہ پایا جاتا ہے۔

سیاسی پیش گوئیاں

اِقبال کے کلام کی طرح خطوط میں بھی جا بجا پیش گوئیاں ملتی ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہیں :

"کلکتہ کے فسادات کے حالات اخبار میں پڑھے تھے۔ آج مزید حالات پڑھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے اور اُن کے لیڈروں کو آنکھیں عطا فرمائے کہ وہ اس زمانے کے میلانِ طبیعت کو دیکھیں۔"

مُسلمان لیڈروں کی سیاسی عاقبت نا اندیشی کا یہ اوّلین مرثیہ ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات بڑھتے گئے۔ اِقبال کو اس سے دُکھ ہُوا۔ لیکن ان کی فراست نے انہیں اُس نتیجہ پر پہنچا دیا جو آج ایک حقیقتِ ثابتہ کی صُورت میں ہمارے سامنے ہے۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کو پنجاب کے متعلق لکھتے ہیں :

"افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال میں دونوں قوموں کے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔"

یہ پیش گوئی تیس برس سے پہلے ہی پُوری ہو گئی۔

۱۹۳۲ء میں مس فارقوہرسن کو لکھتے ہیں :

"ذاتی طور پر مَیں ہندوستان کے مستقبل سے نہایت مایوس ہو رہا ہوں۔ بمبئی کے فسادات نے، جو ابھی تک فرو نہیں ہوئے، مجھے بے حد پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا آغاز ایک خونریزی کی صُورت اختیار کرے گا اور یہ بدامنی ایسے نتائج پیدا کرے گی جو بے حد ناگوار ہوں گے۔ بعض لوگوں کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں اس بے چینی کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کی سوویت استوار ہو جائے گی۔"

دونوں قوموں کے لیے باہمی عداوت کی وجہ سے زندگی مشکل ہو گئی۔ آزادی آئی اور اپنے ساتھ

خون کے سمندر لائی۔ بدامنی موجود ہے۔ دیکھیں ہندوستان کا کیا حال ہوتا ہے۔

۱۹۳۶ء میں مولوی عبدالحق کو انجمن ترقیٔ اُردو کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

"مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں گی اُن کا میدان پنجاب ہوگا۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی کیونکہ اسلامی زمانے میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آیندہ رزمگاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے!"

یہ پیش گوئی کس قدر جلد اور کس قدر صحیح ثابت ہوئی!

اقبال، اسلام کی دینی و دنیوی شوکت و عظمت کے آرزومند تھے اور عالم اسلام کی تحریکات اور ترقیات کا غائر توجہ سے مطالعہ کرتے رہتے تھے، اور اس مطالعہ کی بنا پر اپنے نتائج استوار کرتے تھے۔

۱۹۲۴ء میں اکبر منیر صاحب کو لکھتے ہیں :

"دُنیا کے دِل میں اِنقلاب ہے۔ اس واسطے قلوبِ انسانی اِس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ انشاء اللہ قریب آرہا ہے۔"

خواب اور اس کی تعبیر

اِس سلسلہ میں اقبال کا ایک خواب اور اس کی تعبیر بھی اُنھی کی زبان سے سُن لیجیے۔ ۱۹۳۱ء میں مولوی راغب احسن صاحب کو جنھوں نے کلکتہ میں جمعیتہ شبان المسلمین کی بنیاد رکھی اور اِس تحریک کا میثاق علامہ کی خدمت میں بھیجا، لکھتے ہیں :

"مدت ہوئی مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑوں سے مراد رُوحِ اسلامیت ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے!"

اقبال نے تجویز و قیام پاکستان کی تیاری میں جو حِصّہ لیا وُہ جنت آشیاں قائدِاعظم محمد علی جناح کے نام اُن کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان پر مَیں نے کسی تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسی طرح

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور خالد خلیل پروفیسر جامعۂ قسطنطنیہ کے نام مکاتیب سے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا کیونکہ وہ خطوط اپنی نوعیت واہمیت کے لحاظ سے جُداگانہ توجہ و مطالعہ کے محتاج ہیں۔

خویش واقارب

ملّت کے لیے اقبال کی دِلسوزی کے تذکرہ کے بعد اس شخص کی بلند نظری اور ایثار کی ایک تھوڑی سی جھلک بھی دیکھ لیجیے۔ اہل وعیال سے محبت اور اُن کے لیے دلسوزی انسان کے لیے ایک فطری امر ہے لیکن اپنی آسائش کو دوسروں کے حقوق کے احترام میں ترک کر دینا ایک ایسا عمل ہے جو عام نہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں :

"کچہری بند تھی اور میں چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں، چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں آرام کروں۔ پہاڑ جانے کے لیے سامان موجود تھا مگر اِس قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جاکر ایک پُرفضا مقام میں آرام کرنا۔ اور اہل وعیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروّت معلوم ہوا۔ اسی واسطے ایک گاؤں چلا گیا جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں مگر آدمیوں کی آمدورفت نہ تھی۔"

اِقبال کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب سے والہانہ محبت تھی اور جب ایک زمانہ میں ان پر مصیبت آئی تو اقبال انگاروں پر لوٹے اور ان کی اعانت کو دوڑے اور اُن کے لیے اپنے ذہنِ رسا و فراست اور معاملہ فہمی و تدبّر اور دلیری سے اس زمانہ میں وہ کیا جو شاید کوئی دُوسرا نہ کر سکتا تھا۔ اگر اِس معاملہ فہمی اور فراست کو وہ حصولِ دنیا کے لیے صَرف کرتے تو ہندوستان میں اُن سے کسی کو یارائے مقابلہ نہ تھا۔ لیکن یہ فہم وفراست خدمتِ ملّت کے لیے وقف تھا، نیلامی کا مال نہ تھا۔

اِقبال عالمِ انسانیت کا ایک بہی خواہ خادم تھا اور جس نے اُسے صِرف مسلمانانِ ہند یا مسلمانانِ عالم ہی کا خدمت گزار سمجھا، اُس نے اس مردِ آفاقی کی فطرت کے سمجھنے میں بے حد غلطی کی ہے۔ مکاتیب میں بھی اس جذبۂ خدمتِ انسانیت کا تذکرہ آگیا ہے ؎

قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

لکھنے والے شوُلال شوری کو لکھا ہے :

"بنی نوعِ انسان کی وحدت کا خیال اس شدید قومیت کے دَور میں جس کا حاصل
اِنسان میں باہمی خانہ جنگی کے سوائے کچھ نہیں، محتاج اشاعت ہے۔ اگر آپ
کے پمفلٹ کا یہی موضوع ہے تو بلا شبہہ آپ کی تشخیص درست ہے۔"

مضامین

دُنیا کو آج بھی اقبال سے متعلق معلومات کی اس قدر طلب و تلاش ہے کہ عقیدتمندانِ اقبال ان کے افکار و اقوال کی ہر جھلک محفوظ کر لینا چاہتے ہیں؛ چنانچہ ایک دوست نے بعد از سعیِ بسیار مجھے پانچ سال کے پرچہ جاتِ مضمون نویسی کی نقل مہیا کی ہے جو علامہ مرحُوم نے حیدر آباد سول سروس کے امتحان کے لیے مرتّب فرمائے تھے۔ مَیں سمجھتا ہُوں، اقبال کے افکار کی نوعیّت و اہمیت سمجھنے کے لیے آنکا جاننا بھی سُودمند ہے اور مَیں اپنے آپ کو اس پر رضامند نہیں پاتا کہ عقیدت مندوں کو اقبال کے ذہن و رُوح کے اِن ہنگاموں سے بے خبر رکھا جائے۔ مضامین حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مشرق میں جمہوریت کے لیے جدّ وجہد، اُس کی موجُودہ کیفیّت اور اس کا مستقبل۔
۲۔ تاریخ، بحیثیت ایک علم۔
۳۔ ادبی تنقید اور اس کے مقاصد۔
۴۔ اجتماعی زندگی میں صاحبِ فکر افراد کی اہمیّت۔
۵۔ ہندی تہذیب، اس کے سیاسی عناصر اور اس کا تدریجی ارتقاء۔
۶۔ افتراقِ مذہب و سیاست۔
۷۔ افغانوں اور مغلوں کی طاقت آزمائی ہندوستان میں۔
۸۔ عورت اور تمدّنِ جدید۔
۹۔ صحیح انسانی تہذیب مادّی اور رُوحانی علُوم سے متشکّل ہوتی ہے۔
۱۰۔ میر انیس مرحوم۔
۱۱۔ فارسی ادبیات کا اثر اُردو شعرا پر۔
۱۲۔ قومیّت کا تصوّر زمانہ حاضرہ میں۔
۱۳۔ ممالکِ ایشیا میں سیاسی اِنقلاب اور اس کا مستقبل۔
۱۴۔ قدامت پرستی اور حیاتِ اجتماعی کا ارتقاء۔

۱۵۔ طبعی اور مابعد الطبعی۔

۱۶۔ تصوّف کی چاشنی، اُردو شعر میں۔

۱۷۔ تہذیب اقوام کے مادّی اور نفسیاتی مؤثّرات۔

۱۸۔ مشرقی اقوام کو مغربی تہذیب کی تنقید کی ضرورت ہے، اس کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

۱۹۔ شخصی امامت، سیاسیات میں۔

۲۰۔ سرمایہ داری کا موجُودہ نظام اور اس کے نتائج۔

۲۱۔ پھانسی کی سزا اُڑا دینی چاہیے۔

۲۲۔ جیل خانوں کی اِصلاح۔

۲۳۔ بولنے والی تصاویر اور اُن کا اثر عام تمدّن پر۔

۲۴۔ ہندوستان کے افلاس کی وجُوہ۔

۲۵۔ اُردو میں ڈرامہ کیوں کامیاب نہیں ہوسکا۔

۲۶۔ اگر سونا کیمیادی طریق سے بن جائے؟

۲۷۔ جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، اُنہیں مذاقِ سخن نہیں ہے۔

۲۸۔ غزل: ابتدائے شاعری بھی ہے اور انتہائے شاعری بھی۔

ڈاکٹر براؤن کا قطعۂ وفات

ڈاکٹر براؤن، کیمبرج کے مشہور مستشرق تھے۔ انہوں نے فارسی میں دسترس حاصل کی۔ ادبِ ایران اور انقلابِ ایران جیسی شہرہ آفاق تصانیف کے علاوہ، اپنے مطالعہ کی بنا پر اسلام سے ایک گونہ عقیدت رکھتے تھے اور جب اور جہاں کہیں ممکن ہُوا، انہوں نے مُسلمانوں کی اعانت میں اپنی آواز بلند کی۔ پروفیسر براؤن کی وفات پر اقبال نے تین اشعار کا ایک قطعہ لکھا جس کی نقل اسرارِ خودی کے انگریز مترجم ڈاکٹر نکلسن کے کاغذات سے، خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی، اُن کی وفات کے بعد مجھ تک پہنچی ہے۔

اربابِ بصیرت کی نظر میں اِقبال کا قطعہ اور نکلسن کی فارسی تحریر کا نمونہ، دونوں نوادر میں سے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے، اقبال کا براؤن کو یہ خراجِ تحسین اس ملک میں آج تک شائع نہیں ہُوا اور ان کے مطبُوعہ کلام میں موجُود نہیں، لیکن اس قابل ہے کہ اُسے محفوظ کیا جائے۔ نقل حسبِ ذیل ہے۔

ایک چھوٹا سا کاغذ ایک لفافہ میں بند ہے۔ لفافہ پر انگریزی زبان میں "قطعۂ وفات پروفیسر براؤن از۔ اقبال" لکھا ہے:

قطعۂ تاریخِ وفات پروفیسر ای۔جی براؤن اعلی اللہ مقامہٗ

نازشِ اہلِ کمال، ای۔جی براؤن
فیضِ او در مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتمِ اُو سینہ چاک
از فراقِ اُو دلِ مشرق دونیم
تا بفردوسِ بریں مأوی گرفت
گفت ہاتف "ذٰلک الفوز العظیم"
۱۹ ع ۲۶

محمد اقبال

اسی طرح علی گڑھ میں مَیں نے اقبال کی کسی تصنیف پر مولانا محمد علی جوہر کا قطعۂ وفات جو انتہائی دلسوزی اور جذبۂ روحانی کے تحت لکھا گیا تھا، نقل کر رکھا تھا۔ وہ بھی مطبوعہ کلام میں موجود نہیں اور بڑا ظلم ہوگا اگر اُسے علامہ کے کلام میں مستقل جگہ نہ دی جائے ؎

یک نفس جانِ نزار او تپید اندر فرنگ | تا مژہ برہم زنیم از ماہ و پرویں درگذشت
اے خوشا مُشتِ غبارِ اُو کہ از جذبِ حرم | از کنارِ اندلس و از ساحلِ بربر گذشت
خاکِ قدس اورا بہ آغوشِ تمنّا در گرفت | سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت
می نہ گنجد جز بہ آں خاکے کہ پاک از رنگ و بوست | بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیا است
گرچہ آں نورِ نگاہِ خاور از خاور گذشت

عطیۂ خطوط کے لیے استدعا

خطوط کی فراہمی کا کام بشرطِ زندگی جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ کیا عجب کہ حالات دوبارہ سازگار ہو جائیں اور ہند اور بیرونِ ہند سے ایسے خزانے دستیاب ہو جائیں جو اس وقت کسی کے

وہم وگمان میں بھی نہیں یا کم از کم ان دونوں جلدوں میں مکاتیب کی تعداد میں اضافہ کی صورت ہی پیدا ہو جائے۔ اقبال کے افکار سے وسیع حلقہ کو روشناس کرانے کی غرض سے اس مجموعہ کے اہم مکاتیب کو انگریزی اور فارسی میں شائع کرانے کا عزم ہے۔ ممکن ہُوا تو عربی میں بھی اس کی اشاعت کا اہتمام پیشِ نظر رہے گا۔ عقیدت مندانِ اقبال سے استدعا ہے کہ اُن کے پاس جو خطوط موجود ہوں، وہ مرحمت فرما دیں۔ جن لوگوں کے پاس خطوط ہیں، اُن کا پتہ دیں اور اُن خطوط کے حصول میں میری اعانت فرمائیں۔ مَیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے جہاں میرا شباب اُن نوجوانانِ ملّت کی خدمت میں صرف ہُوا جو متعدد اعتبارات سے بے مثال تھے، چلا آیا ہُوں۔ بصد حسرت ویاس اس عظیم الشّان درس گاہ اور اُن نوجوانوں کی خدمت کے شرف وسعادت کی یاد اب میرا سرمایۂ حیات ہے۔ اب ہیلی کالج آف کامرس، لاہور میں کام کر رہا ہُوں اور اسی پتہ پر اس سلسلہ میں معلومات اور اطلاعات کا طالب ہُوں۔

شیخ عطاء اللہ

لاہور

یکم مارچ سنہ ۱۹۵۱ء

مولانا احسن مارہروی کے نام

(۱) ——— (۱)

مخدوم بندہ جناب میر صاحب، السّلام علیکم!

دونوں رسالے پہنچے۔ سُبحان اللہ! نواب صاحب کی غزل کیا مزے کی ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک مَیں نے آپ کے گلدستے کو کوئی غزل نہیں دی۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ امتحان کے بعد باقاعدہ ارسال کیا کروں گا۔ ایک تکلیف دیتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس استاذی حضرت مرزا داغ کی تصویر ہو تو ارسال فرمایئے گا، بہت ممنون ہوں گا۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو مطلع فرمایئے گا کہ کہاں سے مِل سکتی ہے۔ مَیں نے تمام دُنیا کے بڑے بڑے شاعروں کے فوٹو جمع کرنے شروع کیے ہیں: چنانچہ انگریزی، جرمنی اور فرنچ شعرا کے فوٹوز کے لیے امریکہ لکھا ہے۔ غالباً کسی نہ کسی اُستاد بھائی کے پاس تو حضرت کا فوٹو ضرور ہو گا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو ازراہِ عنایت جلد مطلع فرمایئے۔

حضرت امیر مینائی کے فوٹو کی بھی ضرورت ہے۔ والسّلام!

خاکسار

محمد اقبال

از لاہور۔ گورنمنٹ کالج بورڈنگ ہاؤس

۲۸۔ فروری ۱۸۹۹ء

یہ سب سے پُرانا خط ہے جو دستیاب ہوا ہے۔

(منقول از تاریخِ ادبِ اُردو)

مولوی انشاء اللہ خاں ایڈیٹر "وطن" کے نام

(۲) ——————— (۱)

مخدوم و مکرم مولوی صاحب، السلام علیکم!

آپ سے رُخصت ہو کر اسلامی شان و شوکت کے اس قبرستان میں پہنچا جسے دہلی کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر خواجہ سیّد حسن نظامی اور شیخ نذر محمدؐ صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے شیخ صاحب موصوف کے مکان پر قیام کیا، ازاں بعد حضرت محبوبِ الٰہی کے مزار پر حاضر ہُوا اور تمام دِن وہیں بسر کیا۔

اللہ اللہ، حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کا مزار بھی عجیب جگہ ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ دہلی کی پُرانی سوسائٹی حضرت کے قدموں میں مدفون ہے۔ خواجہ حسن نظامی کیسے خوش قسمت ہیں کہ ایسی خاموش اور عبرت انگیز جگہ میں قیام رکھتے ہیں! شام کے قریب ہم اس قبرستان سے رُخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ نے خواجہ صاحب سے کہا کہ ذرا غالب مرحُوم کے مزار کی زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے جہاں وہ گنجِ معانی مدفون ہے جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حُسنِ اتفاق سے اُس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا ولایت نام تھا۔ اس ظالم نے مزار کے قریب بیٹھ کر ع

دِل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی طبیعتیں متاثر ہو گئیں، بالخصوص اُس نے جب یہ شعر پڑھا ؎

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور بے اختیار لوحِ مزار کو بوسہ دے کر اِس حسرت کدہ سے رُخصت ہُوا۔ یہ سماں اب تک ذہن میں ہے، اور جب کبھی یاد آتا ہے تو دل کو تڑپا جاتا ہے۔

اگرچہ دہلی کے کھنڈر مسافر کے دامنِ دل کو کھینچتے ہیں، مگر میرے پاس اِتنا وقت نہیں تھا کہ ہر مقام کی سیر سے عبرت اندوز ہوتا۔ شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے میں فاتحہ پڑھا، دارا شکوہ کے مزار کی خاموشی میں دِل کے کانوں سے ھوالموجود کی آواز سُنی اور دہلی کی عبرتناک سرزمین سے ایک ایسا اخلاقی اثر لے کر رُخصت ہُوا جو صفحۂ دل سے کبھی نہ مٹے گا۔

۳۔ستمبر کی صبح کو میر نیرنگ اور شیخ محمّد اکرام اور باقی دوستوں سے دہلی میں رُخصت ہو کر بمبئی کو روانہ ہُوا اور ۴ کو خدا خدا کر کے اپنے سفر کی پہلی منزل میں پہنچا۔ ریلوے اسٹیشن پر تمام ہوٹلوں کے ٹکٹ ملتے ہیں مگر مَیں نے ٹامس کک کی ہدایت سے انگلش ہوٹل میں قیام کیا، اور تجربہ سے معلوم کیا کہ یہ ہوٹل ہندوستانی طلبا کے لیے جو ولایت جا رہے ہوں، نہایت موزوں ہے۔ ریلوے اسٹیشن یہاں سے قریب ہے، گھاٹ یہاں سے قریب ہیں، ٹامس کک کا دفتر یہاں سے قریب، غرض کہ ہر قسم کا آرام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شہر کے باقی تمام ہوٹلوں کی نسبت ارزاں ہے۔ صرف تین روپے یومیہ دو اور ہر قسم کا آرام حاصل کر لو۔ یہاں کا منتظم ایک پارسی پیرِ مرد ہے جس کی شکل سے اِس قدر تقدّس ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو ایران کے پُرانے خشور (نبی) یاد آجاتے ہیں۔ دکانداری نے اُسے ایسا عجز سکھا دیا ہے کہ ہمارے بعض علماء میں باوجود عبادت اور مُرشدِ کامل کی صحبت میں بیٹھنے کے بھی ویسا انکسار پیدا نہیں

ہوتا کارلائل نے کیا خوب کہا ہے کہ :

" محنت ہی بہت بڑی عبادت ہے "

میرے دل پر اس پیر مرد کی صورت کچھ ایسا اثر کرتی تھی کہ بعض اوقات اُسے دیکھ کر میری آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ لیکن جب اُس کی وقعت میرے دل میں اندازہ سے زیادہ ہو گئی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا بیان بعض وجوہ سے ضروری ہے۔ مَیں ایک شام نیچے کی منزل میں کُرسی پر بیٹھا تھا کہ پارسی پیر مرد کمرے سے باہر نکلا۔ اس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی۔ جب اُس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو چھپانے کی کوشش کی، اور مَیں نے دُور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب ہم سے کیوں چھپاتے ہو، خوشی سے اس کا شوق کرو۔ ذرا مُسکرایا، اور کچھ پیے ہوئے بھی تھا۔ بولا ؎

سراب شوک پینے سے سبھی گم دُور ہو جائے[1]

مَیں نے سُن کر کہا واہ رے بڈھے، خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پرانی شاخ سے بہت سا میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔

اس ہوٹل میں ایک یونانی بھی آکر مقیم ہُوا جو ٹوٹی پھوٹی سی انگریزی بولتا تھا۔ مَیں نے ایک روز اُس سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ بولا چین سے آیا ہوں، اب ٹرانسوال جاؤں گا۔ مَیں نے پوچھا تم چین میں کیا کام کرتے تھے؟ کہنے لگا سوداگری کرتا تھا، لیکن چینی لوگ ہماری چیزیں نہیں خریدتے۔ مَیں نے سُن کر اُن سے کہا ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقلمند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں، شاباش افیمیو، شاباش! نیند سے بیدار ہو جاؤ۔

---

[1] پارسی بڈھے نے اس مصرع میں شراب، شوق اور غم کی مٹی پلید کی ہے۔

ابھی تم آنکھیں مل رہے ہو کہ اِس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے۔ ہاں ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو از سرِ نو قائم کرنے میں تمہاری مدد کر سکیں گے۔ ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے۔ ہمارے ملک میں محبّت اور مروّت کی بُو باقی نہیں رہی۔ ہم اس کو پکّا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اس کو پکّا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو۔ ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش، خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں۔ مولوی صاحب ! مَیں بے اختیار ہُوں، لکھنے تھے سفر کے حالات اور بیٹھ گیا ہوں وعظ کرنے! کیا کروں، اِس سوال کے متعلق تاثرات کا ہجوم میرے دِل میں اِس قدر ہے کہ بسا اوقات مجُھے مجنون سا کر دیا اور کر رہا ہے۔

ایک شب مَیں کھانے کے کمرے میں تھا کہ دو جنٹلمین میرے سامنے آ بیٹھے۔ شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یورپین ہیں۔ فرانسیسی میں باتیں کرتے تھے۔ آخر جب کھانا کھا کر اُٹھے تو ایک نے کُرسی کے نیچے سے اپنی تُرکی ٹوپی نکال کر پہنی جس سے مجُھے یہ معلُوم ہُوا کہ یہ کوئی تُرک ہے۔ میری طبیعت بہت متاثر ہوئی اور مجُھے یہ فکر پیدا ہُوئی کہ کسی طرح ان سے مُلاقات ہو۔ دوسرے روز مَیں نے خواہ مخواہ باتیں شروع کیں۔ یورپ کی اکثر زبانیں سوائے انگریزی کے جانتا تھا۔ مَیں نے پوچھا فارسی جانتے ہو؟ بولا بہت کم، پھر مَیں نے فارسی میں اُس سے گفتگو شروع کی لیکن وہ نہ سمجھتا تھا۔ آخر بمجبوری ٹُوٹی پھُوٹی عربی میں اُس سے باتیں کیں۔

یہ نوجوان ترک ینگ ٹرک پارٹی سے تعلق رکھتا ہے اور سلطان عبدالحمید کا سخت مخالف ہے۔ باتوں باتوں میں مجھے معلُوم ہُوا کہ شاعر بھی ہے۔ مَیں نے درخواست کی کہ اُپنے شعر سناؤ۔ کہنے لگا مَیں کمال بے (ترکی کا سب سے مشہور زندہ شاعر) کا شاگرد ہُوں

اور اکثر پولیٹکل معاملات پر لکھا کرتا ہُوں۔ کمال بے کے جو اشعار اُس نے سُنائے، سب کے سب نہایت عمدہ تھے لیکن جو شعر اپنے سُنائے، وہ سب کے سب سلطان کی ہجو میں تھے۔ اُن میں سے ایک شعر یہاں درج کرتا ہوں۔

ظلم وجور ن توسفوجہ بر ملتے محوایلیور
آدمیت ملک وملت دشمن عبدالحمید

یعنی کبیر ظلم وجور نے تمام قوم کو مٹا دیا ہے۔ عبدالحمید آدمیت اور ملک و قوم سب کا دشمن ہے۔

اِس مضمون پر اس سے بہت گفتگو ہُوئی اور مَیں نے اُسے بتایا کہ ینگ پارٹی کو انگلستان کی تاریخ سے فائدہ اُٹھانا چاہیے کیونکہ جس طریق سے رعایائے انگلستان نے بتدریج اپنے بادشاہوں سے پولیٹکل حقوق حاصل کیے، وہ طریق سب سے عمدہ ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان انقلابوں کا بغیر کشت وخون ہو جانا کچھ خاکِ انگلستان ہی کا حصّہ ہے۔ ایک روز سرِ شام مَیں اور یہ تُرک جنٹلمین بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکول کی گراؤنڈ میں مسلمان طلبا، کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک کو بُلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں اُس سے دریافت کیں۔ مَیں نے اُس طالبِ علم سے پُوچھا کہ انجمن اِس اسکول کو کالج کیوں نہیں بنا دیتی، کیا فنڈ نہیں ہے یا اور کوئی وجہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ فنڈ تو موجُود ہے، اور اگر ضرورت ہو تو ایک آن میں موجود ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ کے فضل سے یہاں بڑے بڑے متموّل سوداگر موجُود ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ مُسلمان طلبہ پڑھنے کے لیے نہیں آتے۔ اِس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجُود ہیں۔ اور جیسی تعلیم ان میں ہوتی ہے، ویسی سرِ دست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے۔ یہ جواب

سُن کر مَیں بہت خوش ہُوا۔ میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مُسلمانوں کا کالج ضرور ہو گا کیونکہ یہاں کے مسلمان تموّل میں کسی اور قوم سے پیچھے نہیں ہیں، لیکن یہاں آکر معلوم ہُوا کہ تموّل کے ساتھ ان میں عقل بھی ہے، ہم پنجابیوں کی طرح احمق نہیں ہیں۔ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع و نقصان پر ہر پہلو سے غور کر لیتے ہیں۔

غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھّے) عجب شہر ہے۔ بازار کُشادہ، ہر طرف پختہ سر بفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے، بازاروں میں گاڑیوں کی آمدورفت اِس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے۔ یہاں ہر چیز مل سکتی ہے، یورپ و امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرؤ فوراً آملے گی۔ ہاں البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اِس شہر میں نہیں مل سکتی یعنی فراغت۔

یہاں پارسیوں کی آبادی نوّے ہزار کے قریب ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے۔ اِس قوم کی صلاحیّت نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اور اُن کی دولت و عظمت بے اندازہ، مگر اس قوم کے لیے کسی اچھّے فیوچر Future کی پیشگوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پہ اِقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے۔ علاوہ اِس کے نہ کوئی اور ان کی زبان ہے نہ ان کا لٹریچر ہے۔ اور طرّہ یہ کہ فارسی کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں ورنہ اُن کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیّت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ و ریشے میں ہے، اور اسی پر اس کے حُسن کا دارومدار ہے۔ مَیں نے اسکول کے پارسی لڑکوں اور لڑکیوں کو بازار میں پھرتے دیکھا، چُستی کی مورتیں تھیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان کی خوبصورت آنکھیں اتنی

فی صد کے حساب سے عینک پوش تھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ عینک پوشی پارسیوں کا قومی فیشن ہوتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے قومی ریفارمر اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔ اس شہر کی تعلیمی حالت عام طور پر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے ہوٹل کا حجام ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات جانتا تھا گجراتی کا اخبار ہر روز پڑھتا تھا اور جاپان اور روس کی لڑائی سے پُورا باخبر تھا۔ نوروجی دادا بھائی کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا نوروجی انگلستان میں کیا کرتا ہے؟ بولا: "حجور! کالوں کے لیے لڑتا ہے۔" ہوٹل کے نیچے مسلمان دکاندار ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے۔ مَیں نے ایک روز اُن سے پُوچھا تم اُردو پڑھ سکتے ہو؟ کہنے لگے: "نہیں، سمجھ سکتے ہیں، پڑھنا نہیں جانتے۔" مَیں نے پُوچھا کہ جب مولوی تمہارا نکاح پڑھاتا ہے تو کون سی زبان بولتا ہے۔ مُسکرا کر بولا: "اُردو"۔ یہاں پر ہر کوئی اُردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے۔ ہمارے ہوٹل کا سیٹھ (وہی بوتل والا پیرمرد) کبھی ہندوستان نہیں گیا، مگر اُردو خاصی بولتا تھا۔

مَیں بمبئی یعنی بابِ لندن کی کیفیت دیکھ کر حیران ہُوں، خدا جانے لندن کیا ہوگا جس کا دروازہ ایسا عظیم الشان ہے، اچھا، دیدہ خواہد شد۔ ۷ ستمبر کو ۲ بجے ہم وکٹوریہ ڈاک (گھاٹ) پر پہنچے جہاں مختلف کمپنیوں کے جہاز کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر! یہاں کی دنیا ہی نرالی ہے۔ کئی طرح کے جہاز اور سینکڑوں کشتیاں ڈاک میں کھڑی ہیں اور مُسافر سے کہہ رہی ہیں کہ سمندر کی وسعت سے نہ ڈر، خدا نے چاہا تو ہم تجھے صحیح و سلامت منزلِ مقصود پر پہنچا دیں گے۔ خیر! طبّی معاینہ کے بعد مَیں اپنے جہاز پر سوار ہُوا۔ لالہ دھنپت رام وکیل لاہور اور اُن کے ایک دوست ڈاکٹر صاحب اس روز حُسنِ اتّفاق سے بمبئی میں تھے مَیں اُنکا نہایت سپاس گزار ہوں کہ یہ دونوں صاحب مجھے رخصت کرنے کے لیے ڈاک پر تشریف لائے۔

بہت سے اور لوگ بھی جہاز پر سوار ہوئے۔ اُنکے دوستوں اور رشتہ داروں کا ایک ہجوم ڈاک پر تھا۔ کوئی ۲ بجے جہاز نے حرکت کی اور ہم اپنے دوستوں کو سلام کرتے اور رومال ہلاتے ہوئے سمندر پر چلے گئے۔ یہاں تک کہ موجیں اِدھر اُدھر سے آآکر ہمارے جہاز کو چومنے لگیں۔ فرانسیسی قوم کا مذاق اس جہاز کی عمدگی اور نفاست سے ظاہر ہے۔ ہر روز صُبح کو کئی آدمی جہاز کی صفائی میں مصروف رہتے ہیں، اور ایسی خوبی سے صفائی کرتے ہیں کہ ایک تنکا تک جہاز پر نہیں رہنے دیتے۔ ملازموں میں مصر کے چند حبشی بھی ہیں جو مسلمان ہیں اور عربی بولتے ہیں۔ جہاز کے فرانسیسی افسر نہایت خوش خلق ہیں اور انکے تکلفات کو دیکھ کر لکھنؤ یاد آجاتا ہے۔ ایک روز ایک افسر تختۂ جہاز پر کھڑا تھا کہ ایک حسین عورت کا اُدھر سے گزر ہُوا۔ اتّفاق سے یا غالباً ارادۃً یہ عورت اس افسر کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی گزری۔ ہمارے نوجوان افسر نے اس توجہ کے جواب میں ایک ایسی ادا سے جنبش کی کہ ہمارے ملک کے حسین بھی اس کی نقل نہیں اُتار سکتے۔

کھانے کا انتظام بھی نہایت قابلِ تعریف ہے۔ میز بھی فرانسیسی تکلف کی گواہی دے رہا ہے۔ مگر اس جہاز پر ہم ہندوستانیوں کے لیے ایک بڑی دقّت یہ ہے کہ جہاز کے تقریباً سب مسافر فرانسیسی بولتے ہیں، انگریزی کوئی نہیں جانتا۔ جہاز کے تمام ملازم فرانسیسی بولتے ہیں اور بعض اوقات اُن کو اپنا مطلب سمجھانے میں بڑی دقّت ہوتی ہے۔ اگرچہ فرانسیسی جہازوں میں ہر طرح کی آسائش ہے، تاہم میری رائے یہی ہے کہ ہم لوگوں کو انگریزی کمپنیوں کے جہازوں میں سفر کرنا چاہیے۔ انکے مُسافر سب کے سب انگریزی داں ہوتے ہیں، اور علاوہ اسکے مُسافروں کی کثرت کی وجہ سے جہاز پر بڑی رونق ہوتی ہے۔ ہمارے اس جہاز میں ساٹھ سے زیادہ مُسافر نہیں ہیں۔

ہم لوگ رات کو اپنے اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور صبح سے شام تک تختۂ جہاز پر کُرسیاں بچھا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی پڑھتا ہے، کوئی باتیں کرتا

ہے، کوئی پھرتا ہے۔ کیبن میں جہاز کی جنبش کی وجہ سے طبیعت بہت گھبراتی ہے، مگر تختۂ جہاز پر بہت آرام رہتا ہے۔ میرے تمام ساتھی دوسرے ہی روز مرضِ بحری میں مبتلا ہو گئے مگر الحمدللہ میں محفوظ رہا۔ مجھ سے اکثروں نے دریافت کیا کہ کیا تم نے پہلے بھی بحری سفر کیا ہے۔ جب مَیں نے جواب دیا کہ نہیں، تو وہ حیران ہوئے اور کہا کہ تم بڑے مضبوط آدمی ہو۔ بمبئی سے ذرا آگے نکل کر سمندر کی حالت کسی قدر متلاطم تھی۔ خواجہ خضر صاحب کچھ خفا سے معلوم ہوتے تھے۔ اِتنی اُونچی اُونچی موجیں آتی تھیں کہ خدا کی پناہ! دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ ایک شب ہم کھانا کھا کر تختۂ جہاز پر آ بیٹھے۔ کچھ عرصہ بعد سمندر کی سرد ہَوا نے ہم سب کو سُلا دیا، مگر دفعتہً ایک خوفناک مَوج نے اچھل کر ہم پر حملہ کیا اور تمام مسافروں کے کپڑے بھیگ گئے۔ عورتیں، بچّے اور مرد نیچے بھاگ کر اپنے اپنے کمروں میں جا سوئے اور ہم تھوڑی دیر کے لیے جہاز کے ملازموں اور افسروں کے تمسخر کا باعث بنے رہے۔ راستے میں ایک آدھ بارش بھی ہوئی جس سے سمندر کا تلاطم نسبتاً بڑھ گیا اور طبیعت اِس نظارے کی یکسانیت سے اُکتانے لگی۔ سمندر کا پانی بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے اور موجیں، جو زور سے اُٹھتی ہیں، اُن کو سفید جھاگ چاندی کی ایک کلغی سی پہنا دیتی ہے، اُور دُور دُور تک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سطحِ سمندر پر روئی کے گالے بکھیر ڈالے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت دلفریب ہے، اگر اس میں موجوں کی دہشت ناک کشاکش کی آمیزش نہ ہو۔ ان کی قوت سے جہاز ایک معمولی کشتی کی طرح جنبش کرتا ہے، آسمان اُوپر تلے ہوتا ہُوا معلوم ہوتا ہے، مگر آنکھیں چونکہ اس نظارہ سے کسی قدر مانوس ہو گئی ہیں، اور نیز جہاز والوں کے چہروں کا اطمینان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک معمولی بات ہے، اس واسطے ہم کو بھی خوف کا احساس نہیں ہوتا۔ یورپین لڑکے لڑکیاں تختۂ جہاز پر دوڑتے پھرتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کرتے کہ جہاز میں ہیں۔

ہمارا ایک ہم سفر پادری ہے جو جنوبی ہندوستان سے آیا ہے اور اب اٹلی کو جا رہا ہے۔ گزشتہ رات مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ فرانسیسی پادری بہت سی زبانیں جانتا ہے اور روسی زبان خوب بولتا ہے۔ مَیں اُس کے پاس جا کر کھڑا ہُوا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے میرے سوال پر نہایت حیرانی ظاہر کی اور پُوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کون ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہُوا کہ یہ شخص روسی زبان جانتا ہے اور کونٹ کے مشہور نام سے واقف نہیں ہے۔ مَیں یہ لکھنا بھُول گیا کہ جہاز پر دیاسلائی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تختۂ جہاز کے ایک طرف کمرے کی دیوار پر پیتل کی ایک انگیٹھی سی لگا رکھی ہے جس میں چند لکڑیاں آگ لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو سگریٹ یا سگار روشن کرنا ہو اس انگیٹھی سے ایک لکڑی اُٹھا لیں۔

جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالےٰ کی قوّتِ لامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے، شاید ہی کسی اَور چیز سے ہوتا ہو۔ حج بیت اللہ میں جو تمدّنی اور روحانی فوائد ہیں، اُن سے قطع نظر کر کے ایک بڑا اخلاقی فائدہ سمندر کی ہیبت ناک موجوں اور اُس کی خوف ناک وسعت کا دیکھنا ہے جس سے مغرور اِنسان کو اپنے ہیچِ محض ہونے کا پُورا پُورا یقین ہو جاتا ہے۔ شارعِ اسلام کی ہر بات قربان ہو جانے کے قابل ہے۔

بابی انت و اُمّی یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

آج ۱۲؍ستمبر کی صُبح ہے۔ مَیں بہت سویرے اُٹھا ہُوں۔ جہاز کے جاروب کش ابھی تختے صاف کر رہے ہیں۔ چراغوں کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے۔ آفتاب چشمۂ آب میں سے اُٹھتا ہُوا معلوم ہوتا ہے، اور سمندر اس وقت ایسا ہی ہے جیسا ہمارا دریائے راوی۔

شاید صبح کے پُر تاثیر نظارے نے اس کو سمجھا دیا ہے کہ سکونِ قلب بھی ایک نایاب شے ہے، ہر وقت کی الجھن اور بیتابی اچھی نہیں۔ طلوعِ آفتاب کا نظارہ ایک دردمند دِل کےلیے تلاوت کا حکم رکھتا ہے۔ یہی آفتاب ہے جس کے طلوع و غروب کو میدان میں ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے، مگر یہاں سمندر میں اِس کی کیفیت ایسی ہے کہ ع

نظارہ زجنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

حقیقت میں جن لوگوں نے آفتاب پرستی کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے، مَیں اُن کو قابلِ معذوری سمجھتا ہوں۔ ناسخ مرحوم کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

ہے جی میں آفتاب پرستوں سے پوچھیے
تصویر کس کی ہے ورقِ آفتاب میں

کوئٹے کے ڈپٹی کمشنر صاحب جو اٹھارہ ماہ کی رُخصت لے کر ولایت جا رہے ہیں، اور وہ پادری صاحب جو ٹالسٹائی کے نام سے ناواقف معلوم ہوتے تھے، اس وقت جہاز کی اوپر کی چھت پر کھڑے اِس نظارے کا لُطف اُٹھا رہے ہیں۔ یہ پادری صاحب بڑے مزے کے آدمی ہیں، اِن میں ایک خاص ہُنر ہے، اور وہ یہ کہ ہر کسی کو باتوں میں لگا لیتے ہیں۔ انگریزی بولتے ہیں مگر بہت شکستہ، اور مجھ کو جب بُلاتے ہیں تو ٹالسٹائی کے نام سے۔ کل مجھ سے پوچھتے تھے تم ہندوستان کا ٹالسٹائی بننا چاہتے ہو؟ مَیں نے جواب دیا ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں ہے، زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے تب کہیں جاکے ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے۔

کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بڑے باخبر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کل رات اُن سے ہندوستان کے پولیٹکل معاملات پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ عربی اور فارسی

جانتے ہیں۔ سر ولیم میور کی تصانیف کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہنے لگے، کاش! یہ شخص ذرا کم متعصب ہوتا۔ عمر خیام کے بڑے مداح ہیں، مگر میں نے ان سے کہا کہ اہلِ یورپ نے ابھی سحابی نجفی کی رباعیات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ عمر خیام کو کبھی کے فراموش کر گئے ہوتے۔

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے، اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحلِ عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے، اس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں ؎

اللہ رے خاکِ پاکِ مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو ادھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین! تجھ کو مبارک ہو، تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا، مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروا نہ کی —— مگر اے پاک سرزمین! تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو اُن کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقشِ قدم دیکھے ہیں، اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش! میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اُڑتی پھرے، اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش! میں تیرے صحراؤں میں لُٹ جاؤں، اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد

ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہُوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہُوا اُس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔

ازعدن، مورخہ ۱۲ ستمبر راقم ـــــ محمد اقبال

(اخبار "وطن" لاہور، نمبر ۳۹، جلد ۵، مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

(۳) ـــــــــــــــــ (۲)

مولوی صاحب، مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم!

مَیں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہنچ کر دوسرا خط لکھوں گا، مگر چونکہ عدن سے سویز تک کے حالات بہت مختصر تھے اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ لندن پہنچ کر مفصّل واقعات عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس پر مَیں نوٹ لیتا جاتا تھا، مگر افسوس ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر وہ کاغذ کہیں کھو گیا۔ یہی وجہ میرے اب تک خاموش رہنے کی تھی۔ شیخ عبدالقادر صاحب کی معرفت آپ کی شکایت پہنچی۔ کل ایک پرائیوٹ خط مَیں نے آپ کو لکھا تھا، دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں، اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر ان میں جا گرتا ہے۔ چونکہ ملک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ مَیں بوجہ گرمی کے اور نیز قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کر سکا، انجنیئری کے اس حیرت ناک کرشمے کی دید سے محروم رہا۔ جب ہم سویز پہنچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آ موجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا۔ ان لوگوں کی فطرت میں میلانِ تجارت

مرکز ہے، اور کیوں نہ ہو! ان ہی کے آباؤ اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی۔ سلیمانِ اعظم ان ہی میں کا ایک شہنشاہ تھا جس کی وسعتِ تجارت نے اقوامِ یورپ کو ڈرا کر ان کو ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔

کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے۔ کوئی مصر کے پرانے بت بیچتا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ ذرا سا بت اٹھارہ ہزار برس کا ہے جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے۔ غرض کہ یہ لوگ گاہکوں کو قید کر لینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ ان ہی لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچّہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے۔ ایک نوجوان مصری دکاندار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں میں نے اُس سے کہا کہ میں مُسلمان ہوں، مگر چونکہ میرے سر پر انگریزی ٹوپی تھی، اُس نے ماننے میں تامّل کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو۔ تعجّب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اُردو بولتا تھا۔ جب وہ میرے اِسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا "تم بھی مُسلم، ہم بھی مُسلم" تو مجھے بڑی مسرّت ہوئی۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے کیا اِسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مسلمان کی ڈاڑھی منڈی ہو تو اس کو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیے ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہو گی؟ میں نے دِل میں کہا کہ کاش ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروّج ہو جاتا تاکہ ہمارے دوست موسمی علماء کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہُوا، اور چونکہ حافظِ قرآن تھا اِس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہُوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دکان داروں کو مجھ سے ملایا اور وہ لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! کہنے

لگے اور میری غرضِ سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے یا یوں کہیے کہ دو چار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوّت کی بلندی پر جا پہنچے۔

تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوب صورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُن کے چہرے اِس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ کے لیے علی گڑھ کالج کے ایک ڈیپوٹیشن کا شبہ ہُوا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور مَیں بھی دخل در معقولات ان میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا کہ جیسے حریری کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔

آخر مسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہُوا اور آہستہ آہستہ سویز کنال میں جا داخل ہُوا۔ یہ کنال جسے ایک فرانسیسی انجینئر نے تعمیر کیا تھا، دُنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق و مغرب کا اتحاد ہے۔ دُنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اِس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اِس مغربی دماغ نے زمانۂ حال کی تجارت پر اثر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوامِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی، جس نے حال کی دُنیا کی تہذیب و تمدّن کو اَور سے کچھ اَور کر دیا۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز مشکل سے اس میں سے گزر سکتے ہیں، اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی غنیم چاہے کہ رات میں اسے مٹّی سے پُر کر دے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں، جب ٹھیک رہتی ہے۔ اور اس کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں جانب سے جو ریگ ہوا سے اُڑ کر

اس میں گرتی رہتی ہے، اُس کا اِنتظام ہوتا رہے۔ کنارے پر جو مزدور کام کرتے ہیں بعض نہایت شریر ہیں۔ جب ہمارا جہاز آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور جہاز کی چند انگریز بیبیاں کھڑی ساحل کی سیر کر رہی تھیں تو اُن میں سے ایک مزدور از سر تا پا برہنہ ہو کر ناچنے لگا۔ یہ بے چاری دوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

جہاز سے گزرتے ہوئے ایک اور دل چسپ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ ہم نے ایک مصری جہاز گزرتے ہوئے دیکھا جو بالکل ہمارے ہی پاس سے ہو کر گزرا۔ اس پر تمام سپاہی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور نہایت خوش الحانی سے عربی غزل گاتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ ایسا پُر اثر تھا کہ اس کی کیفیت اب تک دل پر باقی ہے۔

ابھی ہم پورٹ سعید نہ پہنچے تھے کہ ایک بارود سے بھرے ہوئے جہاز کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جانے کی خبر آئی۔ تھوڑی دیر میں اُس کے ٹکڑے کنال سے گزرتے ہوئے دکھائی دیے۔ جان و مال کا بے اندازہ نقصان ہُوا اور تھوڑی دیر کے لیے ہماری طبیعت اِس مصیبت سے بہت متاثر رہی، پورٹ سعید پہنچ کر پھر مسلمان تاجروں کی دکانیں تختۂ جہاز پر لگ گئیں۔ مَیں ایک کشتی پر بیٹھ کر مع پارسی ہم سفر کے، بندرگاہ کی سیر کو چلا گیا۔ پورٹ سعید جہازوں کو کوئلہ مہیا کرنے والے بندرگاہوں میں سب سے بڑا ہے اور سعید پاشا کے نام سے مشہور ہے جس نے سویز کنال بنانے کی اجازت دی تھی۔ عمارت کا نظارہ نہایت ہی خوبصورت ہے اور شہر چھوٹی موٹی بمبئی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ یہ کبھی دُنیا کے تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہو گا۔ مدرسہ دیکھا، مسجدوں کی سیر کی، اسلامی گورنر کا مکان دیکھا، موجدِ سویز کنال کا مجسمہ دیکھا۔ غرض کہ خوب سیر کی۔ یہاں کے مدرسہ میں عربی اور فرانسیسی پڑھاتے ہیں۔ جس حصہ میں

انگریز آباد ہیں، وہ حصّہ خصوصیت سے خوبصورت اور پاکیزہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہ جگہ بہت میلی ہے۔ یہودی، فرانسیسی، انگریز، یونانی، مسلمان غرض کہ دُنیا کی تمام اقوام یہاں آباد ہیں۔ سب کے محلّے جُدا جُدا ہیں۔ ہوٹل بھی جُدا جُدا ہیں اور چرچ بھی۔ شہر کی سیر کرکے پورٹ آفس میں آیا۔ ملازم قریباً سب مسلمان ہیں اور خوب انگریزی اور عربی بولتے ہیں۔ اِس عمارت میں داخل ہوکر مَیں نے "نوٹس بورڈ" سے کئی نئے عربی الفاظ سیکھے جن کو ایک کاغذ پر میں نے نوٹ کرلیا، لیکن افسوس ہے کہ بعد میں وہ کاغذ بھی کھو گیا۔ کچھ ٹکٹ پوسٹ آفس سے خریدے اور خطوں پر لگا کر ڈاک میں ڈالے تعجّب ہے کہ ان میں سے کسی خط کی رسید نہیں آئی۔ آخر اپنے مسلمان راہ نما کو جو اکثر زبانیں جانتا تھا، کچھ انعام دے کر جہاز کو لوٹا۔ یہاں جو پہنچا تو ایک اور نظارہ دیکھنے میں آیا۔ تختۂ جہاز پر تین اطالین عورتیں اور دو مرد وائلن بجا رہے تھے اور خوب رقص و سرود ہو رہا تھا۔ اِن عورتوں میں ایک لڑکی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہوگی، نہایت حسین تھی۔ مجھے دیانتداری کے ساتھ اِس بات کا اِعتراف کرنا چاہیے کہ اس کے حُسن نے تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر سخت اثر کیا، لیکن جب اُس نے ایک چھوٹی سی تھالی میں مُسافروں سے اِنعام مانگنا شروع کیا تو وہ تمام اثر زائل ہوگیا کیونکہ میری نگاہ میں وہ حُسن جس میں استغنا کا غازہ نہ ہو، بدصورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

القصّہ فردوس گوش اور کسی قدر جنّت نگاہ کے حظوظ اُٹھا کر ہم روانہ ہوئے اور ہمارا جہاز بحرِ روم میں داخل ہوگیا۔ یہاں سے بہت سے جزیرے رستے میں ملتے ہیں جن میں سے بعض کسی نہ کسی بات کے لیے مشہور ہیں، لیکن اُن کے نظارے کی کیفیت ذہن سے اُتر گئی۔ یہ جتنے سطور لکھے ہیں حافظہ سے لکھے ہیں۔ اگر میرے نوٹ ضائع نہ ہو جاتے تو

اُمید ہے کہ مَیں آپ کے ناظرین کو زیادہ کامیابی کے ساتھ خوش کرسکتا۔

بحرِ روم کے ابتدائی حصّے میں سمندر کا نظارہ بہت دلچسپ تھا اور ہَوا میں ایسا اثر تھا کہ غیر موزوں طبع آدمی بھی موزوں ہو جائے۔ میری طبیعت قدرتاً شعر پہ مائل ہو گئی اور مَیں نے چند اشعار کی غزل لکھی جو حاضر ہے۔

مثالِ پرتوِ مَے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

نیا جہاں کوئی اے شمع ڈھونڈ لے کہ یہاں
ستم کشِ تپشِ ناتمام کرتے ہیں

عجب تماشا ہے مجھ کافرِ محبّت کا
صنم بھی سُن کے جسے رام رام کرتے ہیں

ہَوا جہاں کی ہے پیکار آفریں کیسی
کہاں عدم کے مُسافر قیام کرتے ہیں

نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں

رہینِ لذّتِ ہستی نہ ہو کہ مثلِ شرر
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں

بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
کہ خوش نواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

مَیں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری پستی سے
نظامِ دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں

بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ
کہ ہم تو رسمِ محبّت کو عام کرتے ہیں

ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبال
بُلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

(مازنی اٹلی کے محسنین کا سرگروہ تھا۔ یہ شعر اُس وقت لکھا گیا جبکہ اس ملک کا ساحل نظر کے سامنے تھا)۔

مارسیلز تک پہنچنے میں چھ روز صرف ہوئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ سمندر کا آخری حصّہ بہت متلاطم تھا، اور کچھ اس خیال سے کہ اصلی راستے میں طوفان کا اندیشہ

ہو گا۔ ہمارا کپتان جہاز کو ایک اور راستہ سے لے گیا جو معمولی رستے سے کسی قدر لمبا تھا۔ ۲۳ر کی صبح کو مارسیلز یعنی فرانس کی ایک مشہور تاریخی بندرگاہ پر پہنچے، اور چونکہ ہمیں آٹھ دس گھنٹے کا وقفہ مل گیا تھا اِس واسطے بندرگاہ کی خوب سیر کی۔ مارسیلز کا نوٹرڈام گرجا نہایت اونچی جگہ پر تعمیر ہُوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم و فنون کی محرّک ہوتی ہے۔ مارسیلز سے گاڑی پر سوار ہوئے، اور فرانس کی سیر بھی "حسن رہگذرے" کے طریق پر ہو گئی۔ کھیتیاں جو گاڑی کے اِدھر اُدھر آتی ہیں، اُن سے فرانسیسی لوگوں کا نفیس مذاق مترشح ہوتا ہے۔ ایک رات گاڑی میں کٹی اور دوسری شام ہم لوگ برٹش چینل کو کراس کر کے ڈوور اور ڈوور سے لندن پہنچے۔ شیخ عبدالقادر کی باریک نگہ نے، باوجود میرے انگریزی لباس کے مجھے دُور سے پہچان لیا اور دوڑ کر بغل گیر ہو گئے۔

مکان پر پہنچ کر رات بھر آرام کیا۔ دوسری صبح سے کام "شروع ہُوا، یعنی ان تمام فرائض کا مجموعہ جن کی انجام دہی نے مجھے وطن سے جُدا کیا تھا، اور میری نگاہ میں ایسا ہی مقدس ہے جیسے عبادت۔ والسلام

آپ کا

اقبال

از کیمبرج ۲۵ر نومبر ۱۹۰۵ء

(اخبار "وطن" لاہور نمبر ۴۹، جلد ۵، مورخہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۵ء)

حبیب الرحمٰن خان شروانی کے نام

(۴)——————(۱)

مخدوم و مکرّم خان صاحب السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ لاہور ہوتا ہُوا مجھے یہاں ملا۔ مَیں ایک مصیبت میں مبتلا اس وقت لاہور سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر برٹش بلوچستان میں ہُوں۔ آپ بھی خدا کی جناب میں دُعا کریں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ نظرِ ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ اگر میری ہر نظم کے متعلق آپ اس قسم کا خط لکھ دیا کریں تو مَیں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔

آپ کا اِقبال

۲۵ر مئی ۱۹۰۳ء　　　　از فورٹ سنڈیمن، برٹش بلوچستان

(۵)——————(۲)

از شہر سیالکوٹ

۶۔ اگست ۱۹۰۳ء

مخدوم و مکرّم جناب قبلہ خان صاحب السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ کل شام ملا۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ خدا کے فضل سے اُس تشویش کا خاتمہ ہُوا۔ میرے بڑے بھائی جان پر، جو بلوچستان کی سرحد پر سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس تھے، اُن کے مخالفین نے ایک خوفناک فوجداری مقدمہ بنا دیا تھا، لیکن الحمدللہ! کہ دشمنوں کے مُنہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہُوئے۔ اگرچہ روپیہ کثیر صرف ہُوا، تاہم شکر ہے ہماری مصیبت

کا خاتمہ ہُوا۔ ہم باقی رہ گئے اور ہماری مصیبت، دشمنوں کی تلاش میں، پھر بلوچستان کی طرف عود کر گئی۔ بلوچستان ایجنسی والے تو ہمارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر خدا لارڈ کرزن کا بھلا کرے کہ میرے لکھنے پر معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ والسّلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۶)————————(۴)

از لاہور، بھاٹی دروازہ

مخدوم و مکرّم حضرت قبلہ خان صاحب السّلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ آج صبح ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج مجھے اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی داد مل گئی۔ بعض بعض جگہ جو تنقید آپ نے فرمائی ہے، بالکل دُرست ہے۔ بالخصوص لفظ چُبھ کے متعلق مجھے آپ سے کلّی اتّفاق ہے۔ میرے اصل مسوّدہ میں، جو ایک دوست نے لکھا تھا، غلطی سے "تو" کی جگہ "جو" لکھا گیا۔ وہیں سے کاتب نے نقل کی (میری ہتی ہے تو تھی الخ) مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں نے تو ڈکٹیٹ کرایا تھا۔ طُور پر تم نے جو اے حضرت موسیٰؑ الخ اصل مصرع "طور پر تُو نے جو اے دیدۂ موسیٰؑ دیکھا" ہے۔ کاتب نے یہ سمجھ کر کہ پیغمبروں کے نام کے ساتھ حضرت آیا کرتا ہے یہ لفظ لکھ دیا اور اصل لفظ کو زورِ عادت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس نظم کے بعض دیگر اشعار میں بھی کچھ قابلِ اعتراض باتیں ہیں۔ اِس سال مجھے امید نہ تھی کہ مَیں کوئی نظم پڑھ سکوں گا۔ مڈل کے امتحان کے پرچوں سے فراغت نہ ہُوئی، طبیعت کو یکسوئی کِس طرح نصیب ہوتی! یہ نظم جلسہ سالانہ سے تین روز پہلے لکھی گئی اور ہفتہ کی شام کو مطبع میں بھیجی گئی۔ رات کو کاتب نے لکھی اور جلدی میں بندوں کی ترتیب میں بھی

غلطی کر گیا۔

مَیں نے اِس کا ایک مصرع بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں لکھا بلکہ جلدی میں جو کچھ مُنہ میں آیا ڈکٹیٹ کراتا گیا۔ اِن حالات کی وجہ سے بعض بعض اشعار میں کچھ نقص رہ گئے۔ لفظ چُبھ کے لیے میں خصُوصیت سے آپ کا مشکور ہُوں۔ کیونکہ یہ بات میرے خیال میں مطلق نہ تھی۔

آپ نے جو ریمارک اس کے اشعار پر لکھے ہیں، اُن کے لیے آپ کا تہِ دل سے مشکور ہُوں۔ آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ہی ترک کر دیں۔ اگرچہ جلسہ میں ہر طرف سے لوگ حسبِ معمُول ان کی تعریف کرتے تھے، مگر جو مزا مجُھے آپ کی داد سے ملا ہے اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ افسوس ہے اب کے آپ تشریف نہ لا سکے۔ میر نیرنگ تشریف لائے تھے۔ چوہدری خوشی محمد تھے۔ مولانا گرامی بھی تھے۔ غرضیکہ محفلِ احباب کے سب ارکانِ مشیّدہ موجُود تھے۔ اگر آپ ہوتے تو ایک آدھ رات خوب گزر جاتی۔ حبیب کی موجودگی شعراء کے لیے کافی سامان ہے اور بالخصوص جب کہ حبیب شعر فہم اور شعر گو بھی ہو۔

ایف۔اے۔ کے امتحان کے پرچے مضمون تاریخ یونان و روم کے، دیکھ رہا ہوں۔ سامنے بنڈل رکھا ہے اور نتیجہ بھیجنے میں چار دن کا عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا مجبوراً بس کرتا ہُوں، معاف کیجیے گا۔ اب کے مخزن میں میری دو غزلیں نئی طبع ہوں گی۔ اُمید ہے آپ پڑھ کر محظوظ ہونگے۔

مولانا گرامی میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پُوچھتے ہیں خط کس کو لکھ رہے ہو۔ مَیں کہتا ہُوں "حبیب" کو تو آپ فرماتے ہیں میرا بھی سلام لکھ دو۔ آخر شاعر ہیں نا۔ والسلام

آپ کا مخلص

اقبالؔ

نوٹ: اس خط پر تاریخ درج نہیں۔

نوٹ : اس خط میں جو نظم زیرِ بحث ہے، وہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء کے اخبار "وطن" لاہور میں درج تھی، اور اخبار کا وہ ورق جس میں مکتوب الیہ نے اپنے قلم سے نشانات بنائے اور اصلاحات تجویز کی تھیں، مجھے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پہلا شعر جس کا حوالہ علامہ اقبال کے خط میں ہے، اس طرح چھپا ہوا تھا ؎

میری ہستی ہی جو تھی میری نظر کا پردا
اُٹھ گیا بزم سے مَیں پردۂ محفل ہو کر

پہلے مصرع میں جو ترمیم مکتوب الیہ نے تجویز فرمائی یعنی 'جو' کی بجائے 'تو'، اقبال اسی کو کتابت کی غلطی فرما رہے ہیں۔ دوسرا شعر جس کی طرف اس خط میں اشارہ ہے، وطن اخبار محوّلہ بالا میں یُوں درج ہے ؎

طُور پر تو نے جو اے حضرتِ موسیٰؑ دیکھا
وہی کچھ قیس نے دیکھا پسِ محمل ہو کر

اسی شعر پر مکتوب الیہ نے اپنے قلم سے الفاظ 'نے' اور 'حضرت' پر × نشان بنایا ہُوا ہے اور حاشیہ پر 'دیدہ' لکھا ہُوا ہے۔ تیسرا شعر جس کے لفظ 'چبھ' کی طرف اقبال کا اشارہ ہے اور جس میں لفظ 'چبھ' کے قریب یہ × نشان بنا ہُوا ہے، اس طرح درج ہے ؎

صفتِ نوکِ سرِ خارِ شبِ فرقت میں
چبھ رہی ہے نگہِ دیدۂ انجم مجھ کو

(مرتّب)

بابُو عبد المجید کے نام

(۷) ——————— (۱)

بابو صاحب مکرّم!

یہ کوئی صاحب چھوٹے شملہ سے میری غزل کی اصلاح کرکے ارسال کرتے ہیں۔ میری طرف سے اُن کا شکریہ ادا کیجیے اور عرض کیجیے کہ بہتر ہو اگر آپ امیرؔ و داغؔ کی اصلاح کیا کریں، مجھ گمنام کی اصلاح کرنے سے آپ کی شہرت نہ ہوگی۔ میرے بے گناہ اشعار کو جو حضرت نے تیغ قلم سے مجروح کیا ہے، اس کا صلہ انہیں خدا سے ملے۔ مَیں بھی دُعا کرتا ہُوں کہ خدا ان کو عقل و فہم عطا کرے۔ مَیں نے یہ دو حرف محض ازراہِ ہمدردی تحریر کیے ہیں۔ اُمید ہے وہ بُرا نہ سمجھیں گے۔ اکثر انسانوں کو کنج تنہائی میں بیٹھے ہمہ دانی کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ ان کا قصور نہیں، فطرتِ انسان ہی اسی قسم کی ہے۔

راقم آثم

محمد اقبال

لاہور۔ ۱۹۰۴ء

غُلام قادر گرامی کے نام

(۸) ——————— (۱)

لاہور ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۰ء

بابا گرامی، سلام!

خط لکھے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ حیدری صاحب کے متعلق استفسار کیا تھا، جواب

ندارد۔ دو خطوں کے جواب آپ کے ذمہ ہیں۔ آپ کس عالم غفلت میں قیام پذیر یا تشریف فرما ہیں۔ جواب لکھیے اور جلد اشعار کے متعلق جو کچھ مَیں نے پوچھا ہے اُس کا جواب دیجیے۔

آپ نے ایک غزل لکھی تھی فرسنگ است، تنگ است۔ اسی زمین میں ایک استاد کا شعر نہایت پسند آیا ؎

ہلاک شیشہ درخوں نشستۂ خویشم
کہ آخریں نفسش عذر خواہیٔ سنگ است

للہ در من قال

جواب جلد آئے۔ مجھے کئی دن سے انتظار ہے۔ آپ رخصت پر کب آتے ہیں؟ پنجاب میں کئی لوگ چشم براہ ہیں، اور بالخصوص اقبال۔

محمد اقبال لاہور

(عطیہ مدیر شہاب حیدر آباد دکن)

(۹)————(۲)

لاہور ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

جناب مولانا گرامی مدظلہٗ العالی

گرامی کو خاکِ پنجاب جذب کرے گی یا خاک دکن، اس سوال کے جواب کے لیے حسب الحکم مراقبہ کیا گیا۔ جو انکشاف ہوا، معروض ہے۔ گرامی مسلم ہے، اور مسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاک اُسے جذب کر سکے۔ یہ ایک قوتِ نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہر موسویت اور ابراہیمیت کی۔ آگ اسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں۔ پانی،

آگ جذب کرلیتا ہے۔ عدم بُود کو کھا جاتا ہے۔ پستی بلندی میں سما جاتی ہے۔ مگر جو قوّت جامع اضداد ہو اور محلّل تمام تناقضات کی ہو، اُسے کون جذب کرے! مسلم کو موت نہیں چھُو سکتی کہ اس کی قوّتِ حیات، موت کو اپنے اندر جذب کرکے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے۔ شاید نضیر نام ایک شخص تھا، ہجرت سے پہلے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد جب حضُور شہر میں داخل ہُوئے تو ایک مجمعِ عام میں آپؐ نے علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ ذوالفقارِ حیدری نے ایک آن میں اُس کمبخت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی، جس کا قلب تاثّراتِ لطیفہ کا سرچشمہ تھا، جو اہلِ عالم کے لیے سراپا رحمت و شفقت تھی، اِس دردانگیز منظر سے مطلق متاثّر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سُنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جُدائی میں دردانگیز اشعار پڑھتی ہوئی (یہ اشعار حماسہ میں منقول ہیں) دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشعار سُنے تو حضورؐ اس قدر متاثّر ہُوئے کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے یہاں تک کہ جوشِ ہمدردی نے اُس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسانؐ کے سینے سے ایک آہِ سرد نکلوا کے چھوڑی۔ پھر نضیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ فعل محمد رسول اللہ کا ہے اور اپنی روتی ہوئی آنکھ پر انگلی رکھ کر کہا یہ فعل محمد بن عبداللہ کا ہے۔ پھر حکم دیا کہ نضیر کے بعد کوئی شخص مکّہ میں قتل نہ کیا جائے۔

غرض کہ اس طرح مسلم حنیف جذبات متناقض یعنی قہر و محبّت کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے اور اس کا دائرہ اثر اخلاقی تناقضات تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام طبعی تناقضات پر بھی حاوی ہے۔ پھر مسلم جو حامل ہے محمدیت کا اور وارث ہے موسویت اور ابراہیمیت کا، کیونکر کسی شے میں جذب ہو سکتا ہے! البتہ اس زمان و مکان کی مقید دُنیا کے مرکز میں ایک

ریگستان ہے جو مُسلم کو جذب کرسکتا ہے اور اس کی قوتِ جاذبہ ذاتی اور فطری نہیں بلکہ مستعار ہے ایک کفِ پا سے جس نے اس ریگستان کے چمکتے ذرّوں کو کبھی پامال کیا تھا۔

شیخ محمد اقبال صاحب آپ کا دستی خط لائے تھے۔ جو کسی مسلم کا عزیز ہے، وہ میرا عزیز ہے۔ وہ جب چاہیں تشریف لائیں۔ میرا دروازہ کسی پر بند نہیں، اور اگر میں کچھ جانتا ہُوں تو وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اس کے معاوضہ میں نہ اطاعت چاہتا ہُوں، نہ محبت، نہ عزت، نہ روپیہ۔ اشعار کی داد نہ دوں گا جب تک لاہور میں تشریف نہ لائیں۔ ابھی نیاز الدین صاحب کا خط ملا ہے۔ وہ بھی لکھتے ہیں کہ گرامی صاحب لاہور آنے کا وعدہ کرتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ کسی کو اعتبار نہیں آتا۔ بخار لاہور میں ہر سال ہوتا ہے، اب کے سال نسبتاً کم ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کا فضل ہے۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ الحمد للہ کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ ابھی آپ کی بڑی ضرورت ہے۔ والسلام

مخلص

محمّد اقبال

لاہور

منشی سراج الدّین کے نام

(۱۰)————(۱)

ڈیر سراج!

دو تین روز سے طبیعت بہ سبب دورۂ درد کے علیل ہے۔ یہ چند شعر قلم برداشتہ

آپ کے شکریہ میں عرض کرتا ہوں۔ میرا ارمغان یہی ہے۔ اسی کو قبول کر کے مجھے مشکور کیجیے۔ چاہیں تو پیشانی پر چند اُردو سطور لکھ کر مخزن میں بھیج دیجیے۔ والسلام

از لاہور ۱۹۰۲ء آپ کا اقبال

آپ نے مجھ کو جو بھیجی ارمغاں انگشتری دے رہی ہے مہرِ الفت کا نشاں انگشتری
زینتِ دستِ حنا مالیدۂ جاناں ہوئی ہے مثالِ عاشقاں آتش بجاں انگشتری
تو سراپا آیتے از سورۂ قرآنِ فیض وقفِ مطلق اے سراجِ مہرباں انگشتری
میرے ہاتھوں سے اگر پہنے اسے وہ دلرُبا ہو رموزِ بے دلی کی ترجماں انگشتری
ہو نہ برق افگن کہیں اے طائرِ رنگِ حنا تاکتی رہتی ہے تیرا آشیاں انگشتری
ساغرے میں پڑا انگشتِ ساقی کا جو عکس بن گئی گردابۂ آبِ رواں انگشتری

ہوں بہ تبدیلِ قوافی فارسی میں نغمہ خواں
ہند سے جاتی ہے سُوئے اصفہاں انگشتری

یارم از کشمر فرستاد است چار انگشتری چار در صُورت بمعنی صد ہزار انگشتری
چار را اگر صد ہزار آوردہ ام اینک دلیل شد قبولِ دستِ یارم ہر چہار انگشتری
داغ داغِ موجِ میناکاری اش جوشِ بہار می دہد چوں غنچۂ گل بُوئے یار انگشتری
در لہانور[1] آمد چشمِ تماشا شد تمام بُود در کشمیر چشمِ انتظار انگشتری
یار را ساغر بکف انگشتری در دستِ یار حلقہ اش خمیازۂ دستِ خمار انگشتری

---

[1] لاہور کا دوسرا نام جس کو امیر خسرو قران السعدین میں استعمال فرماتے ہیں (اقبال)

ما اسیرِ حلقہ اش او خود اسیرِ دستِ دوست | اللہ اللہ دام و صیّاد و شکار انگشتری
خاتمِ دستِ سلیماں حلقہ در گوشِ وے است | اے عجب انگشتری را جاں نثار انگشتری
وہ چہ بکشاید بدست آں نگارِ سیم تن | ماند گر زیں پیشتر سربستہ کار انگشتری
من دلِ گم گشتۂ خود را کجا جویم سراغ | دزدیٔ دزدِ حنا را پردہ دار انگشتری
راز دار دزد ہم دزد است در بازارِ حُسن | چشمکِ دزدِ حنا را راز دار انگشتری
ہر دو باہم ساختند و نقد دلہا می برند | پختہ مغز انگشتِ جاناں پختہ کار انگشتری
نوبہارِ دلفریب انگشتری در دستِ یار | بوسہ بر دستش زند لیل و نہار انگشتری
بوالہوس ز انگشتری طرزِ اطاعت یاد گیر | می نہد سر بر خطِ فرمانِ یار انگشتری
ماہِ نو قالب تہی کرد است از حسرت بہ چرخ | جلوہ فرما شد چو در انگشتِ یار انگشتری
ارمغانم سلکِ گوہر ہاست یعنی ایں غزل | کز سراجم نور ہا آمد چہار انگشتری

گشت اے اقبالؔ مقبولِ امیرِ ملکِ حُسن
کردہ وا مارا گرہ آخر زکار انگشتری

(۱۱)————(۲)

لاہور۔ بھاٹی دروازہ

۱۱ر مارچ ۱۹۰۳ء

برادرِ مکرم، السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ آج عید کا دن ہے اور بارش ہو رہی ہے۔ گرامی صاحب تشریف رکھتے ہیں اور شعر و سخن کی محفل گرم ہے۔ شیخ عبدالقادر ابھی اُٹھ کر کسی کام کو گئے ہیں۔ سید بشیر حیدر بیٹھے ہیں اور ابرِ گہربار کی اصل علّت کی آمد آمد ہے۔ یہ جملہ شاید آپ کو بے معنی معلوم ہو گا مگر کبھی وقتِ ملاقات آپ پر اس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ آپ کے خط نے ایک بڑی فکر سے مجھے نجات دی۔ مجھے تین روز سے اس بات کی کاوش تھی کہ نظم کہیں سے ملے تو ارسال کروں۔ الحمد للہ کہ آپ کو مل گئی۔ آپ کی داد کا مشکور ہوں اور اس کو کبھی تصنّع نہیں سمجھتا۔ آپ کو کس بات سے یہ اندیشہ پیدا ہوا؟

ترتیبِ اشعار کی خود مجھے فکر ہو رہی ہے۔ مگر یہ خیال ہے کہ ابھی کلام کی مقدار تھوڑی ہے۔ بہر حال جب یہ کام ہو گا تو آپ کے صلاح و مشورے کے بغیر نہ ہو گا۔ مطمئن رہیں۔ ملٹن کی تقلید میں کچھ لکھنے کا ارادہ مدت سے ہے اور اب وہ وقت قریب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں وقت کا کوئی لحظہ خالی نہیں جاتا جس میں اس کی فکر نہ ہو۔ پانچ چھ سال سے اس آرزو کو دل میں پرورش کر رہا ہوں مگر جتنی کاوش آج کل محسوس ہوتی ہے اس قدر کبھی نہ ہوئی۔ فکرِ روزگار سے نجات ملتی ہے تو اس کام کو باقاعدہ شروع کروں گا۔ ابرِ گہربار شروع کرنے سے پیشتر مَیں نے اس خیال سے کہ کوئی وہابی اس کے بعض اشعار پر کوئی فتوےٰ نہ دے دے چند باتیں تمہید میں بھی کہی تھیں اور ایک غزل بھی کہی تھی جو ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔

نوٹ : اس کے بعد خط میں وہ تمام غزل درج ہے جس کا مطلع ہے ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی　　ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

اس غزل کے بعد بلبل کی فریاد، مکمّل لکھی ہوئی ہے۔ پھر خط یوں شروع ہوتا ہے۔ (مرتب)

کاغذ ختم ہو گیا ہے، دل بھی اُکتا گیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں مَیں نے بڑی ہمت کی کہ اتنے اشعار نقل کر لیے اور آپ کو خط بھی لکھ دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک! مندرجہ بالا نظم کی بندشس ملاحظہ فرمایئے۔ چونکہ بچّوں کے لیے ہے، اس واسطے اضافات اور دقّتِ مضمون سے خالی ہے۔ علاوہ بریں فریاد کرنے والا آخر پرندہ ہے۔ والسّلام۔ صادق علی خاں صاحب، عنبر صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

آپ کا صادق

محمّد اقبال

(۱۲)————(۳)

لاہور

۴۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی۔ السّلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ کو مثنوی پسند آئی۔ آپ ہندوستان کے ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کو شاعری سے طبعی مناسبت ہے، اور اگر نیچر ذرا فیّاضی سے کام لیتی تو آپ کو زمرۂ شعرا میں پیدا کرتی۔ بہرحال، شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں بلکہ کم از کم ایک اعتبار سے اس سے بہتر ہے۔ محض ذوقِ شعر رکھنے والا شعر کا ویسا ہی لُطف اُٹھا سکتا ہے جیسا کہ خود شاعر، اور تصنیف کی شدید تکلیف

اُسے اُٹھانی نہیں پڑتی۔

یہ مثنوی گزشتہ دو سال کے عرصے میں لکھی گئی۔ مگر اس طرح کہ کئی کئی ماہ کے وقفوں کے بعد طبیعت مائل ہوتی رہی۔ چند اتوار کے دنوں اور بعض بے خواب راتوں کا نتیجہ ہے۔ موجودہ مشاغل وقت نہیں چھوڑتے اور جوں جوں اس پروفیشن میں زمانہ زیادہ ہوتا جاتا ہے، کام بڑھ ہی جاتا ہے۔ لٹریری مشاغل کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اگر مجھے پوری فرصت ہوتی تو غالباً اس موجودہ صورت سے یہ مثنوی بہتر ہوتی۔ اس کا دوسرا حصہ بھی ہو گا جس کے مضامین میرے ذہن میں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حصہ اس حصہ سے زیادہ لطیف ہو گا، کم از کم مطالب کے اعتبار سے گو زبان اور تخیل کے اعتبار سے میں نہیں کہہ سکتا کہ کیسا ہو گا۔ یہ بات طبیعت کے رنگ پر منحصر ہے جو اپنے اختیار کی بات نہیں۔

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کر دوں جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک حملہ تصور کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے۔ انشاء اللہ دوسرے حصے میں دکھاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا، اور صحابہ کرامؓ کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۴) ———— (۱۳)

لاہور

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی، السلام علیکم! آپ کا والانامہ ملا۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ 'زمیندار' میں آپ کا خط چھپ جانے کی غلطی کا ذمہ دار کسی حد تک مَیں خود اور زیادہ تر دفتر 'زمیندار' ہے۔ مَیں نے تو وہ خط مولوی عمادی صاحب کی خدمت میں اس واسطے ارسال کیا تھا کہ وہ اپنے ریویو میں اس تحریر سے مدد لیں۔ مولوی عمادی ایڈیٹر 'زمیندار' خود ایک ریویو لکھ رہے ہیں جو ہنوز ناتمام ہے۔ مقصد اشاعت نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے وہ تحریر ہی چھاپ دی گئی۔

مجھے اس غلطی کے لیے سخت افسوس ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مَیں نے ان کو یہی لکھا تھا یہ ریویو ایک پرائیویٹ خط ہے اس میں بعض باتیں پتے کی تھیں اور میرا خیال تھا کہ مولوی صاحب کو ان کے پڑھنے سے مدد ملے گی۔ مگر اس تحریر کی اشاعت کا ذمہ دار غالباً اسسٹنٹ ایڈیٹر ہے جسے معلوم نہ تھا کہ یہ پرائیویٹ خط دفتر میں کیوں بھیجا گیا۔ بہرحال، اس ندامت کا سب بوجھ مجھ پر ہے۔ مَیں مولوی صاحب سے ضرور استفسار کرتا مگر اس وجہ سے کہ محض لٹریری تنقید ہے اور چھپ چکی ہے جس کا علاج اب محال ہے، مَیں نے اُن سے استفسار نہ کیا۔ اگر کوئی چارۂ کار ہو تو تحریر فرمایئے کہ اس کا علاج کیا جائے۔

والسلام۔

آپ کا

محمد اقبال

حکیم محمد حسین عرشی کے نام

(۱۴)――――(۱)

لاہور

۱۹ر مارچ ۱۹۳۵ء

جناب عرشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میری صحتِ عامہ تو بہت بہتر ہو گئی ہے مگر آواز پر ابھی خاطر خواہ اثر نہیں ہُوا۔ علاج برقی ایک سال تک جاری رہے گا۔ دو ماہ کے وقفے کے بعد پھر بھوپال جانا ہو گا۔

آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذّت آشنا ہیں۔ مثنوی رُومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیِ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے! شوق خود مرشد ہے۔ مَیں ایک مدّت سے مطالعۂ کتب ترک کر چکا ہُوں۔ اگر کبھی کچھ پڑھتا ہُوں تو صرف قرآن یا مثنوی رُومی۔ افسوس ہے ہم اچھّے زمانے میں پیدا نہ ہُوئے۔

کیا غضب ہے کہ اِس زمانے میں
ایک بھی صاحبِ سرُور نہیں

بہر حال، قرآن اور مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیے۔ مجھ سے بھی کبھی کبھی ملتے رہیے، اس واسطے نہیں کہ مَیں آپ کو کچھ سکھا سکتا ہُوں بلکہ اس واسطے کہ ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتے۔ یہ بات زندگی کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے جن کو جاننے والے

مسلمانانِ ہند کی بدنصیبی سے اب اس ملک میں پیدا نہیں ہوتے۔ زیادہ کیا عرض کروں!

محمد اقبال

(۱۵)————(۲)

جنابِ عرشی صاحب السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ آج صبح مجھے مِل گیا۔ مولوی[1] صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر کے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، مَیں گزشتہ ۱۸ ماہ سے ہائی کورٹ کا کام نہیں کرتا اس واسطے مولوی صاحب سے گفتگو کرنے کے لیے مجھے کچھ پہلے کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کے لیے اس وقت میری طبیعت حاضر نہیں، اور نہ اس قدر محنت برداشت ہو سکتی ہے۔ انشاء اللہ کچھ مدّت بعد ایسا کر سکوں گا۔ فی الحال میرے خیال میں چاہیے کہ ایسی مثالیں لی جائیں جن میں فقہا کے نزدیک "عول" کی ضرورت پڑتی ہے، اور تقسیم سے ثابت کیا جائے کہ "عول" کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی مثالیں انگریزی کتب میں موجود ہیں۔ مولوی سراج الدین پال آپ کو بتا سکیں گے۔ یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے۔ مَیں خود بھی "عول" کی تردید میں بہت دلچسپی رکھتا ہوں۔ اُمید کہ مولوی صاحب کا مزاج بخیر ہوگا۔

اگر مسئلہ "عول" پر ایک علیحدہ رسالہ لکھا جائے تو نہایت مناسب ہوگا۔ جو کچھ مولوی

---

[1] ایک صحبت میں علامہ نے مجھ سے اسلامی قانونِ وراثت کے بعض اجزا کے متعلق حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم کی تحقیق دریافت فرمائی۔ مَیں نے لاعلمی ظاہر کی اور امرتسر پہنچ کر خواجہ صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ علامہ مرحوم کے رُو در رُو اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ ان کی منظوری سے علامہ کو مطلع کیا تو آپ نے مکتوب مذکور سپردِ قلم فرمایا۔ (عرشی)

[2] خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم (عرشی)

صاحب نے تفسیر "بیان القرآن" میں لکھا ہے، اس کو مزید تشریح و توضیح کے ساتھ علیحدہ چھاپ دیا جائے تاکہ اس مسئلے کی طرف علماء کی خاص توجہ ہو جائے اور وکیل و بیرسٹر صاحبان بھی اس میں خاص دلچسپی لے سکیں۔

مخلص

محمد اقبال

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۱۶)————(۳)

لاہور

۱۴ جون ۱۹۳۶ء

جناب عرشی صاحب، السلام علیکم!

آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے۔ مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر میں نے اخبارات میں دیکھی، بہت رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ انہیں مغفرت کرے! اس زمانے میں اُن کا دم غنیمت تھا۔ عالم باعمل روز روز نہیں پیدا ہوتے۔

"ضرب کلیم" اُمید کہ اس ماہ کے آخر تک چھپ جائے گی۔ فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" اس کے بعد شائع ہو گی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ جاوید سلمہٗ بھی اچھا ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

ل تفسیر بیان للناس (عرشی)

ل میں نے مولانا خواجہ احمد الدین مرحوم، صاحب تفسیر بیان للناس کی رحلت کی اطلاع دی اور فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے متعلق پوچھا تھا۔ یہ خط ان باتوں کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ (عرشی)

(۴)————(۱۷)

لاہور

۱۵۔ستمبر ۱۹۳۶ء

جنابِ عرشی صاحب!

۱۔ قرشی سے مُراد حضور رسالت مآبؐ ہیں۔ بخاری سے مُراد بو علی سینا۔ اس سے اُوپر کے اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

دِل در سخنِ محمّدی بند　　اے پُورِ علی ز بو علی چند

۲۔ خود بُوئے چنیں جہاں الخ آپ کے نسخہ میں جو مصرع ہے، غلط ہے۔ بُوئے بردن فارسی محاورہ ہے جس کا مطلب کسی چیز کی اصلیّت اور حقیقت کو پا جانا ہے مطلب خاقانی کا یہ ہے کہ اس دُنیا کی اصلیّت تو اسی سے معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کی آب و ہوا ابلیس کو تو راس آگئی جو اب تک زندہ ہے اور بیچارے آدم کو راس نہ آئی جو یہاں سے رخصت ہو گیا۔

۱؎ علامہؒ نے ضربِ کلیم میں ایک نظم "ایک فلسفہ زدہ سیّد زادے کے نام" لکھی ہے۔ اس میں خاقانی کا ایک شعر لائے ہیں ؎

چُوں دیدہ راہ بین نداری　　قاید قرشی بہ از بخاری

مَیں نے پُوچھا، قرشی و بخاری سے کیا مراد ہے؟

اسی میں ایک دوسرا شعر بھی خاقانی کا ہے ؎

خود بُوئے چنیں جہاں تواں بُرد　　کابلیس بماند و بوالبشر مُرد

یہ دونوں شعر خاقانی کی مثنوی "تحفۃ العراقین" سے لیے گئے ہیں۔ میرے پاس اس کا مشرّح نسخہ موجُود ہے۔ مَیں نے اس میں دیکھا تو دوسرے شعر کو مختلف پایا۔ مفہوم میں تشابہ کے سبب علّامہ سے استفسار کیا۔ نیز مجذوبِ فرنگی، مہدی اور محراب گل افغان جو ضربِ کلیم میں مذکور ہیں، ان سے متعلّق سوالات کیے۔ [illegible] بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ (عرشی)

۴۔ مجذوبِ فرنگی سے مُراد حکیم نطشہ ہے۔ اس کی تشریح "بالِ جبریل" میں کر دی گئی تھی۔ مہدی سے مُراد کوئی خاص مہدی نہیں ہے، وہی جو عالمِ افکار میں زلزلہ پیدا کر سکے۔ ایک اور جگہ مہدیِ برحق ہے۔ اس کی تشریح، آپ ملیں گے تو کر دوں گا۔ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ 'محراب گُل' محض فرضی نام ہے۔

جاوید اچھا ہے۔ سیالکوٹ گیا ہُوا ہے۔

محمّد اقبال

سراج الدّین پال کے نام

(۱۸)————(۱)

لاہور

۱۰۔ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرّم بندہ، السّلام علیکم!

آپ کا خط مجھے مِل گیا جس کے لیے مَیں آپ کا ممنُون ہوں۔ آپ کے مضامین نہایت اچھے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائقِ اسلامیہ کی سمجھ عطا کی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان مُردہ ہیں۔ انحطاطِ ملّی نے اُن کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادُو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحُور اپنے قاتل کو اپنا مربّی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال

اس وقت مسلمانوں کا ہے، مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ مَیں مثنوی "اسرارِ خودی" کا دوسرا حصّہ لکھ رہا ہُوں، اُمید ہے کہ اس حصّہ میں بعض باتوں پر مزید روشنی پڑے گی۔

حافظ پر ایک طویل مضمون شائع ہونے کا مجھے بھی احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو باحسن وجُوہ اتمام کرسکتے ہیں۔ آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان عقلی و اخلاقی ایسا مضمون لکھنے کے لیے ضروری ہے، وہ سب آپ میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اُس دستُور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت Subtle طریق تنسیخ کا ہے؛ اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کرسکتی ہیں جن کی فطرت گوسفندی ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعرا ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلانِ طبیعت موجُود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشوونما نہ ہونے دیا؛ تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہُوا، یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجُود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمُود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو بُرا کہتا ہے تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصوّر کرتا ہے تو شعرائے عجم اس شعارِ اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں، مثلاً ؎

غازی زپئے شہادت اندر تگ و پوست
غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت ایں باو کے ماند
ایں کشتۂ دشمن است وآں کشتۂ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابلِ تعریف، مگر انصاف سے دیکھیے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اُس نے زہر دیا ہے، اُس کو احساس بھی اِس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے آبِ حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔

اِس نقطۂ خیال سے نہ صرف حافظ بلکہ تمام شعرائے ایران پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اگر آپ حافظ پر لکھیں تو اِس نقطۂ خیال کو ملحوظ رکھیں۔ جب آپ اس نگاہ سے شعرائے معروف پر غور کریں گے تو آپ کو عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ یہ طویل خط مَیں نے صرف اس واسطے لکھا ہے کہ فارسی شعر کے مطالعے میں آپ کا دماغ ایک خاص رستے پر پڑ جائے۔ انشاء اللہ "اسرارِ خودی" کے دُوسرے حصے میں بتاؤں گا کہ شعر کا نصب العین کیا ہونا چاہیے۔

ایک اور مضمون بھی لکھ رہا ہُوں جو "وکیل" میں شائع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت پیدا کر دے۔ جو بقول آپ کے اِسلام کے نادان دوستوں کی پیدا کی ہُوئی آمیزشوں کے خلاف جہاد کرے۔ والسلام

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(۲) ——————— (۱۹)

لاہور

۱۴۔ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرّم بندہ! السلام علیکم!

مَیں نے پرسوں ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا جو امّید ہے آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس میں آپ کو یہ لکھنا بھُول گیا کہ اگر آپ کا ارادہ حافظ پر مضمون لکھنے کا ہے تو حال میں ایک کتاب جو خواجہ حافظ شیرازی پر لکھی گئی ہے، ملاحظہ فرما لیجیے۔ اس کتاب کا نام لطائف غیبی ہے۔ مصنّف مرزا محمّد دارابی ہیں۔ طہران میں شائع ہوئی تھی، غالباً ۱۰ یا ۱۱ سال ہوگئے۔ اِس میں جو اعتراضات حافظ پر وقتاً فوقتاً کیے گئے ہیں، اُن کی تردید ہے۔ اس سے آپ کو معلُوم ہو گا کہ کیا کیا اعتراضات حافظ کے کلام اور ان کی تعلیم پر کیے گئے ہیں۔ مَیں نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ انگلستان میں دیکھا تھا۔ اُس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی ورنہ نوٹ کر لیتا۔ بہرحال، میرا خیال ہے کہ بمبئی کے ایرانی کتب فروشوں سے مل جائے گی۔ پروفیسر براؤن نے "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو اس کتاب میں سے کچھ اقتباس بھی کیا ہے۔ کلارک نے جو انگریزی ترجمہ حافظ کا کیا ہے، اُس کے دیباچہ میں ایک عجیب بات لکھی ہے یعنی حافظ کے چچا سعدی (یہ شیخ سعدی نہیں ہیں) نے اس سے کہا کہ "تمھارے کلام کے پڑھنے والوں پر دیوانگی اور لعنت نازل ہوگی"۔ یہ واقعہ لکھ کر حاشیہ میں مصنّف نوٹ دیتا ہے کہ قسطنطنیہ کے شیعوں کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ حافظ کا کلام پڑھنے والوں پر بالآخر جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ تذکروں سے اور مصالحہ بھی آپ کو

ملے گا۔

تاریخی اعتبار سے اس کے کلام پر نظر ڈالنی ہو تو مولوی شبلی کی شعر العجم ملاحظہ کیجیے، غالباً اس سے آپ واقف ہوں گے۔

دیوان حافظ سے فال نکالنے کے دستور کے متعلق بھی عمدہ آگاہی کلارک کے دیباچے سے ملے گی۔

تیمور خاندان کے متعلق جو واقعہ مشہور ہے (اس کا ذکر آتشکدہ کے مصنف نے کیا ہے یعنی بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را) وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ حافظ کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا۔ تیمور نے شیراز ۱۳۹۲ء میں فتح کیا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۲۰)————(۳)

لاہور

۱۹۔ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی، السلام علیکم!

صیام کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق بلکہ آپ کے مضمون کا آخری فقرہ مَیں نے سب سے پہلے پڑھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ باب اِفعال کا ایک خاصّہ سلب ماخذ ہے۔ یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ یطیقون میں تمام بُوڑھے، فطری کمزور اور حائضہ عورتیں شامل ہیں۔ ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے

کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اُٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکّل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں۔ کل مَیں ایک صُوفی مفسرِ قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا، لکھتے ہیں "خلق الارض والسّمٰوٰت فی ستّۃ ایامٍ" میں ایام سے مُراد تنزّلات ہیں یعنی فی ستۃ تنزّلات ہیں۔ کم بخت کو یہ معلوم نہیں کہ عربی زبان میں "یوم" کا یہ مفہوم قطعاً نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق بالتنزّلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے مخالف ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یُونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔ کاش کہ مولانا نظامی کی دُعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔

کلارک کے ترجمہ حافظ کے لیے جو آپ نے تھیکر کو لکھا ہے، ٹھیک نہیں کیا۔ بہت بڑی کتاب ہے۔ اس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ اگر خریداری کے لیے لکھا ہے تو فرمائش منسُوخ کر دیجیے۔ یہاں اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجُود ہے، آپ وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ پروفیسر براؤن کی کتاب بھی یہاں موجُود ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جو یورپ میں باقساط شائع ہو رہی ہے، اُس میں بھی حافظ پر ضرور آرٹیکل ہو گا۔ وہ بھی آپ کو یہاں مِل جائے گی۔

ایک مشکل یہ ہے کہ حافظؔ کی صحیح غزلوں کا پتہ نہیں چلتا۔ بعض پُرانے نسخوں میں بعض ایسی غزلیں ہیں کہ وہی غزلیں خواجو کرمانی کے دیوان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خواجو کرمانی وہ شخص ہے جس کے تتبّع کا خود حافظ کو اعتراف ہے۔ لائی پزک (جرمنی) میں جو ایڈیشن

شائع ہوئی تھی، وہ غالباً سُودی (ترک شارح حافظ) کے ایڈیشن پر مبنی ہے۔ اس کا مقصد زیادہ تر تشریح ہے۔ سُودی کا ترجمہ بھی ہوگیا ہے مگر جرمن میں ہے۔ اگر کتاب یہاں مِل گئی تو مَیں آپ کو اس کے سمجھنے میں مدد دے سکوں گا۔ براؤن کی "تاریخ ادبیاتِ ایران" میں بھی حافظ پر کچھ ہوگا۔ یہ کتاب بھی جرمن میں ہے اور اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجُود ہے۔ جب آپ مضمون لکھیں گے تو مَیں اس کا وہ حصّہ آپ کے لیے ترجمہ کردوں گا۔ علامہ مجلسی کی "مجالس المومنین" بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ اس میں حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرزا محمد دارابی کی کتاب تلاش کر رہا ہوں، مِل گئی تو آپ کو بھی دکھاؤں گا۔ مولانا جامی کی "نفحات الانس" بھی ملاحظہ کیجیے اور غور سے دیکھیے کہ مولانا نے کس قدر احتیاط سے حافظ کے متعلق لکھا ہے۔ پڑھنے پر آپ کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ خواجہ حافظ کے متعلق ایک معاصرانہ شہادت "ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف" میں پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب کمیاب ہے، مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کیے اور شاہ جہانگیر اشرف کی وفات کے کس قدر عرصہ بعد۔ شاہ جہانگیر اشرف، حافظ کے ہمعصر تھے اور "جامع ملفوظات" لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر اشرف، حافظ کو ولیِ کامل تصوّر کرتے تھے اور وہ حافظ سے ہم صحبت رہے ہیں۔ اس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں۔

مولانا اسلم جیراجپوری نے ایک کتاب "حیاتِ حافظ" نام لکھی ہے۔ آسانی سے مِل جائے گی۔ اسے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے، اور نہیں تو مآخذ معلوم ہو جائیں گے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھیے۔ مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے تھے، مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی، پھر ان سب باتوں کی روشنی

ہیں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجیے۔ تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے جس نے لمعات میں فصوص الحکم محی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے۔ (جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں۔ اس پر میں انشاءاللہ مفصل لکھوں گا) اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اُسے صوفی سمجھا جائے) یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی، تو پھر اس قوم کا نقطۂ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترکِ دنیا موجبِ تسکین۔ اس ترکِ دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو ان کو تنازع للبقا میں ہو چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے کہ اُن کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پروفیسر صُوفی غلام مُصطفیٰ تبسّم کے نام

(۲۱) ——— (۱)

لاہور

۲۔ستمبر ۱۹۲۵ء

جنابِ من! السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ آج مجھے ملا جس کے لیے

سراپا سپاس ہُوں۔

میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے ، البتہ فرصت کے اوقات میں مَیں اس بات کی کوشش کیا کرتا ہُوں کہ ان معلُومات میں اضافہ ہو ۔ یہ بات زیادہ تر ذاتی اطمینان کے لیے ہے ، نہ تعلیم و تعلم کی غرض سے ۔ کچھ مدت ہوئی مَیں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا ، مگر دورانِ تحریر میں اس کا احساس ہُوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسے مَیں نے اُسے ابتدا میں تصور کیا تھا ۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے ۔ موجُودہ صورت میں وہ مضمون اس قابل نہیں کہ لوگ اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں کیونکہ بہت سی باتیں جن کو مفصّل لکھنے کی ضرورت ہے ، اس مضمون میں نہایت مختصر طور پہ محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں نے اُسے آج تک شائع نہیں کیا ۔ اب مَیں انشاء اللہ اُسے ایک کتاب کی صُورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا جس کا عنوان یہ ہوگا " Islam as I understand it "[1] اِس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے جو ممکن ہے غلط ہو۔

اِس کے علاوہ ایک اور بات (یہ) بھی ہے کہ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطۂ خیال ایک حد تک طبیعتِ ثانیہ بن گیا ہے ۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطۂ نگاہ سے حقائقِ اسلام کا مطالعہ کرتا ہُوں اور مجُھ کو بارہا اس کا تجربہ ہُوا ہے کہ اُردو میں گفتگو کرتے ہوئے مَیں اپنے مافی الضّمیر کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا حالات کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے مجھے یقین ہے کہ مولوی[2] صاحب موصوف

---

[1] اسلام میرے نقطۂ نظر سے [2] مولانا خواجہ احمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کو میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا[1] ہاں مجھ کو ان سے فائدہ پہنچنا یقینی ہے۔ اس واسطے وہ اگر مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادہ سے امرتسر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو ان کی بہت مہربانی ہے، جس کے لیے میں اُن کا نہایت شکرگزار ہوں۔

مجھ کو اُن کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی[2] ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ شریعتِ محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادت و معاملات کے متعلق صرف قرآن[3] سے استدلال کیا گیا ہو، "معاملات" کے متعلق خاص طور پر۔ اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہے، ہاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے۔ شیخ علی رزاق اور دوسرے علمائے مصر کے مباحث سے مولوی صاحب آگاہ ہوں گے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ترکی میں بھی یہی مسائل زیرِ غور ہیں۔ اس پر ایک آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے۔ اس میں زیادہ تر زمانہ حال کے مغربی اصولِ فقہ کو ملحوظ رکھ کر فقہِ اسلامی پر بحث کی گئی ہے۔ ترکوں نے جو "چرچ" اور "سٹیٹ" میں امتیاز کر کے ان کو الگ الگ کر دیا ہے، اس کے نتائج نہایت دُور رس ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ افتراق اقوامِ اسلامیہ کے لیے باعثِ برکت ہوگا یا شقاوت۔ غرض کہ مولوی صاحب موصوف یا اُن کے رفقا کو جو کلامِ الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں،

---

[1] پروفیسر تبسم صاحب کا ارشاد ہے کہ دورانِ گفتگو میں ڈاکٹر صاحب اصطلاحاتِ جدیدہ کو جس بے تکلفی کے ساتھ استعمال کرتے تھے، خواجہ صاحب بھی اسی بے تکلفی سے سمجھتے تھے۔

[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب "بلاغ" کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

[3] "صرف قرآن" کا لفظ ڈاکٹر صاحب کے معتقدات پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے۔

اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ میں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ایک مدت سے ہم یہ سُن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدّعی ہے۔ رسالہ "بلاغ" امرتسر کے ہر نمبر میں اور مولوی حشمت علی صاحب کے رسالہ "اشاعۃ القرآن" کے ہر نمبر میں اسی پر بحث ہوتی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادت انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجُود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا اِستخراج ہوتا ہے۔ نیز جو قواعد عبادات یا معاملات کے متعلق (بالخصوص مؤخّر الذکر کے متعلق) دیگر اقوام میں اِس وقت مروج ہیں، اُن پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے "جورس پروڈنس"[۱] پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیّت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدّد ہوگا اور بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں یا قوانینِ اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں (سوائے ایران و افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدینِ شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکامِ قرآنی ہی کا منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے

---

[۱] Jurisprudence یعنی اصولِ فقہ

بند ہیں۔ مَیں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سُنا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظیر ناممکن ہے۔ غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔

مخلص
محمد اقبال

حافظ محمد اسلم صاحبؒ جیراجپوری کے نام

(۲۲) ———— (۱)

لاہور
۱۷ مئی ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا تبصرہ اسرارِ خودی پر "الناظر" میں دیکھا ہے جس کے لیے مَیں آپ کا نہایت شکر گزار ہُوں۔ ع

"دیدمت مردے دریں قحط الرجال"

خواجہ حافظ پر جو اشعار مَیں نے لکھے تھے، ان کا مقصد محض ایک لٹریری اصُول کی تشریح اور توضیح تھا، خواجہ کی پرائیویٹ شخصیت یا اُن کے معتقدات سے سروکار نہ تھا۔ مگر عوام اس باریک امتیاز کو سمجھ نہ سکے اور نتیجہ یہ ہُوا کہ اس پر بڑی لے دے ہُوئی۔ اگر لٹریری اصول یہ ہو کہ حُسن حُسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید ہوں خواہ مضر، تو خواجہ دنیا کے بہترین شعرا میں سے ہیں۔ بہرحال، مَیں نے وہ اشعار حذف کر دیے ہیں اور ان کی جگہ اسی لٹریری اصول کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے جس کو مَیں صحیح سمجھتا ہُوں۔ عرفی

کے اشارے سے محض اس کے بعض اشعار کی طرف تلمیح مقصود تھی۔ مثلاً ؎

گرفتم آنکہ بہشتم دہند بے طاعت

قبول کردنِ صدقہ نہ شرطِ انصاف است

لیکن اس مقابلے سے مَیں خود مطمئن نہ تھا اور یہ ایک مزید وجہ ان اشعار کو حذف کر دینے کی تھی۔ دیباچہ بہت مختصر تھا اور اپنے اختصار کی وجہ سے غلط فہمی کا باعث تھا جیسا کہ مجھے بعض احباب کے خطوط سے اور دیگر تحریروں سے معلوم ہوا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ کیمبرج کے پروفیسر نکلسن بھی اس خیال میں آپ کے ہمنوا ہیں کہ دیباچہ دوسری ایڈیشن سے حذف نہ کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کرایا ہے۔ شاید انگریزی ایڈیشن کے ساتھ شائع کریں۔

پیرزادہ مظفرالدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا۔ تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ مَیں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مسالا نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔ پروفیسر نکلسن "اسلامی شاعری اور تصوف" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں جو عنقریب شائع ہو گی۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب ایک حد تک وہی کام کر دے جو مَیں کرنا چاہتا تھا۔ منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابنِ حزم کی "فہرست" میں ہے فرانس میں شائع ہو گیا ہے۔ مؤلف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے گزرا

ہوگا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے مسلمان منصُور کی سزادہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصُور کے متعلق لکھا ہے، اس کی اس رسالے سے پُوری تائید ہوتی ہے۔ لُطف یہ ہے کہ غیر صوفیا قریباً سب کے سب منصُور سے بیزار تھے معلُوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہو گئے۔ مذہب آفتاب پرستی کے متعلق جو تحقیقات حال میں ہو رہی ہے، اس سے اُمید ہوتی ہے کہ عجمی تصوف کے پوشیدہ مراسم کی اصلیت بہت جلد دُنیا کو معلوم ہو جائے گی۔

مجھُے اُمید ہے کہ اس طویل خط کے لیے آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ آپ کے تبصرہ سے مجھُے بڑی تسکینِ قلب ہوئی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

سردار عبدالرّب خاں نشتؔر کے نام

(۲۳) ——————— (۱)

مکرم بندہ، السلام علیکم!

آپ کا جواب درست ہے۔ مَیں اس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتا سوائے اس کے کہ زبان کو مَیں ایک بُت تصوّر نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔ ہاں،

تراکیب کے وضع کرنے میں مذاقِ سلیم کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

۱۹۔اگست ۱۹۲۳ء — محمد اقبال۔لاہور

مولانا محمد اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی ایڈیٹر عبرت کے نام

(۲۴) ———— (۱)

مخدومی، السلام علیکم! امسال عارضۂ نقرس کی وجہ سے بہت تکلیف رہی۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ امیر خاں پر آپ نے خوب مضمون لکھا۔ خدائے تعالیٰ اُس کے جانشینوں کو بھی ہدایت دے کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے دستکش ہو جائیں۔ صدیق رضی اللہ عنہٗ پر بھی خوب مضمون لکھا گیا ہے۔ مَیں نے اُن کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیے ہیں ؎

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

۲۲۔ستمبر ۱۹۲۲ء — محمد اقبال۔لاہور

غلام احمد مہجور کے نام

(۲۵) ———— (۱)

لاہور ۱۲۔مارچ

مکرم بندہ، السلام علیکم! مجھے یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ آپ

تذکرہ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں۔ مَیں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہُوں مگر افسوس کسی نے توجہ نہ کی۔ آپ کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے!

افسوس ہے کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہو گیا۔ اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانوں کی غفلت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وادیٔ کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی حفاظت کے لیے ایک سوسائٹی بنائیں؟ ہاں تذکرۂ کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعرالعجم آپ کے پیشِ نظر رہنی چاہیے، محض حروفِ تہجی کی ترتیب سے شعراء کا حال لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بار آور ثابت ہوگی۔ اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس ہونا یقینی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ میرے پاس کوئی مسالا تذکرہ شعرا کے لیے نہیں ہے ورنہ آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

سیّد نصیر الدین ہاشمی کے نام

(۲۶)——(۱)

لاہور ۷۔ مئی ۱۹۲۵ء

جنابِ من! السلام علیکم!

مَیں نقرس کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے

خط کا جواب نہ لکھ سکا، معاف فرمایئے۔

"دکن میں اُردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصّہ جو مَیں نے نہایت غور سے پڑھا ہے۔ اُردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالا ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالا موجود ہے۔ اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہو گئی تو مؤرخ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

نوٹ: اس خط کے کئی سال بعد مولانا محمود شیرانی نے "پنجاب میں اُردو" شائع فرمائی۔

(۲۷)————————(۲)

لاہور

۹ مئی ۱۹۳۲ء

مخدومِ من!

"یورپ میں دکھنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے، اس کے لیے نہایت شکرگزار ہُوں۔ یہ کتاب اُردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جاری رکھ سکنے میں کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اُردو کے ارتقا کی ایک صحیح تاریخ مدوّن ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور مَیں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہُوں۔

مخلص

محمد اقبال

(۳)————(۲۸)

جنابِ من !

کتاب "دکن میں اُردو" جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمائی ہے، آج ہی موصول ہوئی۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ مَیں ایک مدت سے علیل ہوں، فی الحال اُسے پڑھنے اور اس سے مستفید ہونے سے قاصر ہوں۔

۱۸۔ دسمبر ۱۹۳۶ء محمد اقبال لاہور

محمد مُبین عبّاسی کیفیؔ چریاکوٹی کے نام

(۱)————(۲۹)

لاہور

۱۲۔ اگست ۱۹۱۹ء

جناب مولانا کیفیؔ صاحب ایڈیٹر "العلم"!

مخدومی۔ السلام علیکم۔ رسالہ 'العلم' کے لیے ممنون ہُوا۔ نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ اس کے مضامین تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے نہایت مفید ہوں گے۔ مضمون 'الحیوانات فی القرآن' نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے جسے مَیں نے خصوصیت سے پسند کیا۔ اسی مضمون پر ایک مغربی مستشرق نے بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے "حیوانات کے نام سامی زبانوں میں"۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا رسالہ کامیاب ہو گا اور مسلمانوں کے لیے باعثِ برکت۔

اقبال

(۳۰) ——————— (۲)

لاہور

۲۱۔ستمبر ۱۹۲۰ء

بخدمت حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی ایڈیٹر سحبان گورکھپور

مخدومی مولانا صاحب زاد کرمہ، تسلیم!

آپ کی مرسلہ نظم پہنچی۔ میری عزت ہوئی۔ مَیں اس پر کیا اظہارِ خیال کروں! ہم لوگ آپ کے زلّہ ربا ہیں۔ آپ کے خاندان سے ایک عالم فیض یاب ہے اور آپ کی ذات سے ہو رہا ہے۔ آپ ہمارے رہنما ہیں۔ اس شعر نے خدا جانے مجھے کس عالم میں پہنچا دیا؎

پہچانتا نہیں ہے مجھ آستاں نشیں کو

تُو نے جو ساتھ چھوڑا اے داغِ جبہہ سائی

اقبال

(۳۱) ——————— (۳)

لاہور

۱۸-۲-۳۸

جناب علامہ صاحب! آپ کا خط مع نظم موصُول ہُوا۔ علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ آپ کی نظم ایک دوست نے پڑھ کر سنائی جس کے لیے مَیں آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہُوں۔ خدا کرے آپ رسالہ "العلم" دوبارہ جاری کر سکیں! اُمّید کہ آپ بخیریت ہونگے۔ والسلام

اقبال

محمد عمر الدّین کے نام

(۳۲)————(۱)

(انگریزی)

۲۲۔ نومبر ۱۹۳۵ء

ڈیئر محمد عمر الدین!

آپ نے جو کتابچہ ارسال فرمایا ہے، اُس کے لیے ممنون ہُوں۔ امام غزالی کے فلسفۂ اخلاق کا یہ نہایت ہی دلچسپ تذکرہ ہے۔ یہ درست ہے کہ مفکّر کو ایک منظم عالمِ فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لیے وہ اخلاقیات اور مابعد الطبیعیات کے نظام قایم کرنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایک عام فرد کو انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ اپنے اور اس گروہ کے مفاد کے پیشِ نظر جس سے وہ وابستہ ہے، اُسے اس نظام کی حاکمیّت پر معترض نہ ہونا چاہیئے۔ میرے خیال میں اسلام کی قوّتِ تعمیرِ اقوام کا یہی راز ہے۔ آپ کا مقالہ پُر تاثیر و فیض انگیز ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ اِس سلسلہ میں مزید تفتیش و تحقیق جاری رکھیں گے۔

مخلص

محمد اقبال

ڈاکٹر سیّد ظفرالحسن کے نام

(انگریزی)

(۳۳) ———— (۱)

لاہور
۱۲۔ دسمبر ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر ڈاکٹر ظفرالحسن

آپ کے شاگرد رشید محمد عمرالدین صاحب نے کچھ عرصہ گزرا مجھے الغزالی پر ایک چھوٹی سی کتاب ارسال فرمائی تھی۔ اُن سے کہیے کہ وہ مارگیرٹ سمتھ کی کتاب "An Early Mystic of Baghdad" حارث ابن اسد المحاسبی کا جو چند ماہ قبل شائع ہوئی مطالعہ کریں۔ انہیں چاہیے کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ نہایت غور سے پڑھیں۔ اس کتاب سے انہیں نہ صرف غزالی کی تعلیمات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی بلکہ غزالی کی مدد سے مشرق و مغرب کے یہودی اور عیسائی تصوف پر محاسبی کے اثرات کا بھی معقول اندازہ ہو سکے گا۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمد اقبال

(انگریزی)

(۳۴) ———— (۲)

لاہور
۱۶۔ جولائی ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر ڈاکٹر ظفرالحسن! عنایت نامہ کے لیے ممنون ہوں۔ افسوس ہے

---

[1] موضوع کی مناسبت سے یہ خط یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد ظفرالحسن صاحب کے نام گراں قدر مجموعہ دوسرے حصّہ میں شائع ہو گا۔

کہ مجھے اب تک ہز ہائینس چترال کی طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ جونہی اُن کی طرف سے کوئی اطلاع ملتی ہے میں آپ کو لکھوں گا۔

مخلص

محمد اقبال

مولانا شبلی نعمانی کے نام

(۳۵)————(۱)

لاہور

۱۲۔ جنوری ۱۹۱۲ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ انجمن کا جلسہ ایسٹر کی تعطیلوں میں ہوگا۔ اگر وہاں کی شمولیت کے بعد میں لکھنؤ حاضر ہو سکا تو ضرور حاضرِ خدمت ہوں گا۔

افسوس کہ ڈیپوٹیشن[1] میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کا ارشاد ہو تو میں چودھری شہاب الدین صاحب بی اے، وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں وہ نہایت قابل آدمی ہیں اور اس کام کے لیے اہل۔ اگر یہ پسند نہ ہو تو نواب ذوالفقار علی خاں اس وقت کلکتہ میں ہیں، آپ ان کو پنجاب کی طرف سے انتخاب کریں اور اُن کو لکھ دیں کہ وہ ۲۹۔ جنوری تک کلکتہ ہی میں ٹھہریں۔ مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور بھی

---

[1] وقف اولاد کمیٹی کی طرف سے وائسرائے کی خدمت میں وفد جانا تجویز ہوا تھا۔

اس وقت کلکتہ میں ہیں۔ غالباً وہ بھی آپ کے لکھنے پر ۲۹۔ جنوری تک وہاں قیام کر سکیں۔ جو تجویز پسندِ خاطر ہو اس کو عمل میں لائیے، باقی خیریت ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر لاہور

سید سلیمان ندوی کے نام

(۳۶)―――――(۱)

لاہور

یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی، السلام علیکم!

اورینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لیے پسند فرماتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے لیے سعی کی جائے۔ آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لیے بے حد مفید ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۳۷)―――――(۲)

لاہور

۱۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی، السلام علیکم! مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول

نہ کریں گے لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیلِ ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا۔ کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا، اور وہ یہ کہ مَیں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صُوبہ متّحدہ کے علما و فصحا سے اس سے پیشتر فایدہ پہنچا ہے، اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے۔ مولانا شبلی مرحُوم کی زندگی میں مَیں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحُوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان اُمرا میں مذاقِ علمی مفقود ہو چکا ہے، میری کوشش بار آور نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دار المصنّفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجُود مسلمانوں کے لیے مفید ثابت کرے!

آپ کی غزل لاجواب ہے، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا ؎

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خُوں جو رگِ گُلو میں ہے

مولانا شبلی مرحُوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا، اور جو چند نظمیں انہوں نے لکھی تھیں، وہ نہایت مقبُول ہوئیں۔ غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھیے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمّد اقبال، لاہور

(۳۸)———(۳)

لاہور
۱۳۔ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی، السلام علیکم! آپ کا نوازش نامہ قوتِ رُوح اور اطمینانِ قلب

کا باعث ہے۔ مَیں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد انہیں نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامے میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوفِ وجُودی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون قرنی والی حدیث یاد ہو گی۔ اس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ میری اُمت میں تین قرنوں کے بعد سمن (ویظھر فیھم السمن) کا ظہور ہو گا۔ مَیں نے اس پر دو تین مضامین اخبار "وکیل" امرتسر میں شائع کیے تھے جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مُراد رہبانیت ہے جو وسط ایشیا کی اقوام میں مُسلمانوں سے پہلے عام تھی۔ ائمۂ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مُراد عیش پرستی ہے، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہیں کھُلتا۔ افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے مَیں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلۂ وجُود مسلمانوں میں زیادہ تر بُدھ (سمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجۂ نقشبند اور مجددؒ سرہندؒ کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں مَیں خود بیعت رکھتا ہُوں؛ حالانکہ حضرت محی الدّین[۱] کا مقصُود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مؤلف سے میری مُراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو میگنان ہے جس نے فرانسیسی

---

[۱] حضرت محی الدین عبدالقادرؒ گیلانی

زبان میں طواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ ان شاء اللہ "معارف" کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموزِ بے خودی (اسرارِ حیاتِ ملیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے۔ شائع ہونے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۹)————(۴)

لاہور

۲۸۔ اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ "رموزِ بے خودی" مَیں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی۔ ریویو کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے۔ انہوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہو گا۔ اسرارِ خودی کا دُوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں، عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہو گی۔

رسالہ "صوفی" میں مَیں نے کوئی نظم شائع نہیں کی۔ کوئی پُرانی مطبوعہ نظم انہوں نے شائع کر دی ہو گی ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مَیں "صوفی" کو "معارف" پر ترجیح دوں۔ "معارف" ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارتِ ایمانی میں ترقی ہوتی ہے مَیں اِنشاء اللہ ضرور

آپ کے لیے کچھ لکھوں گا، یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا مَیں نے آپ سے کیا تھا اور مَیں اس وقت تک پُورا نہیں کر سکا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۵) ———— (۴۰)

لاہور

۱۰ مئی ۱۹۱۸ء

مخدومِ مکرّم جناب قبلہ مولوی صاحب، السّلام علیکم!

"معارف" میں ابھی آپ کا ریویو (مثنوی رموزِ بیخودی پر) نظر سے گزرا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے!

صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، ضرور صحیح ہو گا لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لیے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا۔ اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کر کے مجھے ان سے آگاہ کیجیے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو جاتے۔

غالباً آپ نے "رموزِ بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کیے ہوں گے۔ اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجیے، مَیں دوسری کاپی اس کے عوض میں آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔

اِس تکلیف کو مَیں ایک احسان تصوّر کروں گا۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال لاہور

(۴۱)————(۶)

مخدومی مولانا، السّلام علیکم!

چند اشعار "معارف" کے لیے ارسالِ خدمت ہیں۔ ان میں سے جو پسند آئے اُسے شائع کیجیے۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
مَیں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

مَیں نوائے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ رمیدہ بُو
مَیں حکایتِ غمِ آرزو، تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم، گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری

تری راکھ میں ہے اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تُو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

والسّلام
مخلص
محمّد اقبال، لاہور

۲۳۔مئی سنہ ۱۹۱۸ء

(۴۲)——————(۷)

لاہور
۸ ستمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم!

"رموزِ بیخودی" کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہو گیا! امید کہ توجہ فرمائی جائے گی تا کہ مَیں دوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہو سکوں۔

وسائیر کے حوالوں کے متعلق آپ نے لکھا تھا اُس وقت اورینٹل کالج لاہور کا کُتب خانہ بند تھا، اور اب بھی بند ہے۔ اکتوبر میں کُھلے گا۔ اگر کچھ حوالے دستیاب ہو گئے تو عرض کروں گا۔

والسّلام
مخلص
محمّد اقبال

رُوس کے مسلمانوں کے متعلّق جو مضمون "معارف" میں شائع ہُوا ہے، اُسے ایک علیحدہ رسالے کی صُورت میں شائع کرنا چاہیے۔

محمّد اقبال

(۸) ——————— (۴۳)

لاہور

۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب مولانا، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے نہایت ممنون ہُوں۔ مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ مَیں چند روز کے لیے شملہ گیا تھا۔ وہاں معلوم ہُوا کہ آپ بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھُے ایک ضروری کام درپیش تھا جس میں مصروفیت رہی؛ البتّہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی، کیونکہ رات کو سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ رہتا تھا۔ مولانا مرحُوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربارِ نبوی سے عطا ہو گا۔

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے، مگر چونکہ شاعری اِس مثنوی[1] سے مقصود نہ تھی اس واسطے مَیں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا۔ اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں ملتی ہیں اور ظہوریؔ کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیرِ نظر تھے۔ غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہوں گی۔

اصولِ تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی! قوّتِ واہمہ کے عمل کی رُو سے بیدلؔ اور غنیؔ کا طریق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ گو کتبِ بلاغت کے خلاف ہے۔ زمانۂ حال کے مغربی شعرا کا بھی طرزِ عمل یہی ہے؛ تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں اور مَیں اُن سے مستفید ہونے کی پُوری کوشش کروں گا۔

---

[1] اسرارِ خودی

تجرِ تلخ رو ، کلمہ بسکونِ لام ، باریک تراز جو (بمعنی کم در عرض و عمق) کوریٔ ذوق ، محفل از ساغر رنگین کردن ، سرمۂ او دیدۂ مردم شکست ، سازِ برق آہنگ ، آز گل غربت (بمعنی شر) نوآبالیدن ، صبحِ آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں ؛ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا ، محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے ، اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجیے "قطرۂ از نرگسِ شہلاستی" پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے ، میں نہیں سمجھ سکا ۔ کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ شہلا کے لیے (یعنی قطرۂ شہلا) موزوں نہیں یا کچھ اور ؟ علیٰ ہٰذا القیاس "خیمہ برزد در حقیقت از مجاز" ۔ "نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت" ۔ "باز بانت کلمۂ توحید خواند" کے متعلق بھی یہی سوال ہے ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا ۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں ۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۴)————(۹)

لاہور

۲۰ ۔ نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

کئی روز ہو گئے ایک عریضہ خدمتِ عالیہ میں لکھا تھا ۔ جواب سے ہنوز محروم ہوں ۔ "خیمہ برزد از حقیقت در مجاز" کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "از" میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ خیمہ برزدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں ۔ میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند

مل جائے جیسا کہ مَیں نے گزشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا، آج کلیاتِ سعدی میں وہ سند مل گئی جو ارسالِ خدمت ہے۔

صُوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آن نیست کہ درخانہ نشینی بیکار

بصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ گزشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھُول گیا تھا۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے۔ مُطلع فرمائیے کہ جو اسناد مَیں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں اُن کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ الفاظ "ورثہ" اور "خیال" کے متعلق بھی عرض کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(۴۵)————(۱۰)

لاہور
۲۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کے دونوں نوازش نامے مل گئے جن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مَیں بخار میں مبتلا تھا، اس لیے جواب نہ لکھ سکا۔ اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی "ابطالِ ضرورت" میرے پاس لاہور میں موجود نہ تھی۔ اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے دیکھ کر جواب عرض کروں گا اور باقی اسناد بھی لکھوں گا۔

"سیر" فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن بلکہ سیر دیدن بھی ؎

عمر ہا صائبؔ بشہر عقل بودم کوچہ بند مدتے ہم با غزالاں سیر صحرا می زنم

مخلص کاشی

تماشا دارد اے مہ با تو سیر گلستاں کردن کہ از شرمِ رخت ہر گل بچندیں رنگ خواہد شد

لفظ نعرہؔ حیوانات کی آواز کے لیے بھی آتا ہے۔ اس وقت نعرۂ اسپ کی سند موجود ہے۔ اور مجھے یاد ہے شیر کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ انشاء اللہ عرض کروں گا۔ مگر میں نے اور وجوہ سے اس شعر میں ترمیم کر دی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غریدن بہت بہتر ہے۔

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں، اور دشت کے لیے ضروری نہیں کہ بالکل خشک ہو۔ ؎

مپرس از آب و رنگِ کوہسارش
ہزاراں دشتِ لالہ داغدارش

یحییٰ شیرازی

دشت در معنی آبادی و ویرانہ آیا ہے اور معنی کلیت کے پیدا کرتا ہے۔ مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ میں نے ہر دو اشعار زیرِ بحث میں ترمیم کر دی ہے۔ دشت و دَر ایسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت ، پست و بلند سے تقطیع بھی نہیں گرتی، آپ نے مصرع صحیح نہیں لکھا، "نعرۂ زد شیرے در دامان دشت" نہیں بلکہ "نعرۂ زد شیرے از دامان دشت" ہے۔ باقی باتیں انشاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا۔

جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے، اُس

کے لیے نہایت شکر گزار ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۴۶)————(۱۱)

لاہور

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

اسناد حسبِ وعدہ حاضر ہیں:

۱۔ از گلِ غربت زباں گم کردہٗ (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرع پر یہ تھا کہ "از گل" بمعنی بدولت اچھے معنوں میں آتا ہے، بُرے معنوں میں نہیں آتا۔ بہارِ عجم میں زیرِ لفظ "گل" یہ محاورہ بھی دیا ہے اور اشعار بھی دیے ہیں ؎ زیر دستِ چرخ بودن از گل بے فطرتی ست الخ

۲۔ محفل رنگیں بیک ساغر کند (رموز)

نہ ہفتاد و دو ملّت گردشِ چشمِ تو می سازد
بیک پیمانہ رنگیں کردۂ یک شہرِ محفلہا (ناصر علی)

۳۔ "سرمۂ او دیدۂ مردم شکست" (رموز)

چشم و گوش شکستن، یعنی نابینا شدن (بہارِ عجم)
ترسم ز گریہ چشمِ گہر بار بشکند الخ (صائب)

۴۔ عشق را داغے مثالِ لالہ بس در گریبانش گلِ یک نالہ بس (رموز)

گلِ نالہ پر آپ کا ارشاد تھا ؎

چنگے بتار نغمۂ قانونِ شیر زن گلبرگِ نالہ بگریبانِ دل فشاں

(زلالی)

۵۔ ز آسمان آبگوں یم می چکد من زجو باریک تر می سازمش الخ

(رموز)

لفظ "باریک" پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہیں، باریک بمعنی کم در عرض و عمق بھی آیا ہے ؎

نازک تر است از رگِ جاں گفتگوئے من باریک شد محیط چو آمد بجوئے من

(صائب)

از تواضع می تواں مغلوب کردن خصم را می شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد

۶۔ کور ذوقاں داستانہا ساختند الخ (رموز)

"کور ذوق" کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے ؎

چہ غم زیں عروسِ سخن را بتر کہ بر کور ذوقاں شود جلوہ گر

(ظہوری)

کور ذوقاں زفیضِ تربیت چوں مسیحا مزاجدانِ سخن

(ملا طغرا)

۷۔ نوا بالیدن، تا نوائے یک اذاں بالیدہ است (رموز)

تا چند ببالد نفس اندود نوایم (بیدل)

۸۔ بحر تلخ رو، بود بحر تلخ رو یک سادہ دشت (رموز)

تیغ رو بحر کی صفات میں آتا ہے ۔ (بہارِ عجم)

۹۔ نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت (رموز) منجملہ اور ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لیے ٹھیک نہیں، بہارِ عجم میں ایک شعر دیا ہے جس میں نعرۂ اسپ لکھا ہے۔ ؎

بابر ماند چو پے بر نہاد و نعرہ کشاد (معز فطرت)

۱۰۔ سازِ برق آہنگ او ننواختہ (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ سازِ برق صحیح نہیں، لیکن مصرع میں ساز کی صفت برق آہنگ ہے اور برق آہنگ ساز کی صفت آتی ہے۔ (بہارِ عجم زیرِ لفظ ساز)

۱۱۔ ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لیے آفتاب کی کیا ضرورت ہے، یہ ترکیب مرزا بیدل کی ہے، میں نے اس کے لیے محلِ استعمال نیا پیدا کیا ہے یعنی کعبۃ اللہ کے گرداگرد جب ملتِ بیضا نماز پڑھتی ہے یا طواف کرتی ہے تو یہ نظارہ صبحِ آفتاب در قفس سے مشابہ ہے ؎

ملتِ بیضا بہ طوفش ہم نفس ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس

۱۲۔ اے بُصیری را ردا بخشندۂ (رموز)

بُصیریؒ کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بُصیریؒ کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادرِ مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے اُس نے جذام سے نجات پائی۔ بعض لوگوں میں قصیدۂ بُصیریؒ قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب گل ز خاکِ راہ او چیدم بخواب

دوسرے مصرع پر آپ کا ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہیے، اور گل ز خاکِ راہ

اوچیدم کیا مطلب ۔ یہ واقعہ خواب کا ہے جو خواب میں دیکھا گیا، بقیہ اسی طرح نظم کردیا گیا۔

۱۴۔ باز بانت کلمۂ توحید خواند، لفظ کلمہ کے متعلق بھی لکھوں گا۔ افسوس ہے کہ "ابطالِ ضرورت" دستیاب نہیں ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے۔ بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے بہ تحریک و بہ سکون دونوں طرح استعمال کیا ہے، انہوں نے کمی کردی ہے۔ مثلاً ربِّ ارنی، رمضان، حرکتِ متوازی و قران وغیرہ، اس کا بسکون استعمال ہونا یقینی ہے۔ اسناد انشاء اللہ عرض کروں گا۔ جواہر التراکیب میں چار دفعہ بسکونِ لام آیا ہے۔

۱۵۔ فرد و قوم آئینۂ یک دیگراند ہم خیال و ہم نشین و ہمسراند

(رموز)

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا ؎

یاد ایامیکہ باہم آشنا بودیم ما ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

لیکن مَیں نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے۔

۱۶۔ بائے بسم اللہ (حضرت علیؓ کے لیے) قاآنی نے لکھا ہے، اور میم مروت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں لکھا ہے۔ مَیں نے "میمِ مرگ" لکھا تھا۔

۱۷۔ قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے، قاعدہ یہی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا رُوم ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ ظہوری کے دو شعر جو زیرِ نظر تھے عرض کرتا ہوں:

گلِ شوقم از آب و گل بردمد برقاصی از سینۂ دل جہد

چو از چشمِ جادُو بجادُو ردد باعجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے۔ کوئی اور ایڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی ورنہ

مقابلہ کرتا۔ بہرحال قاعدہ کی خلاف ورزی کیے بغیر اگر شعر لکھا جا سکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ انشاء اللہ ان قوافی پر نظر ڈالا کروں گا۔

۱۸۔ ورثہ، دورہ، خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر بھی کچھ عرض کروں گا۔

۱۹۔ شاہ رمز آگاہ شد محوِ نماز　　خیمہ برزد از حقیقت در مجاز
نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت　　دشت و در از ہیبتش لرزندہ گشت

ان اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے: اس سے مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے۔ لیکن فی الحال ان پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی۔ دو چار روز تک نتیجہ عرض کروں گا۔ ان اسناد کو ملاحظہ فرمائیے اور بتائیے کہ کونسی صحیح اور کونسی غلط ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۴۷) ———— (۱۲)

لاہور
دوسری دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ مل گیا ہے، حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینانِ قلب عطا فرمائے۔ آپ کا یہ فقرہ کہ "میرے ساتھ خدا کا معاملہ عجیب ہے" گویا تمام ملّتِ مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے۔ جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے

اُس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک انگریزی مصنف جسے ابتلا کے دُور رس نتائج کا تجربہ ہو چکا تھا، لکھتا ہے کہ "دُکھ دیوتاؤں کی ایک رحمتِ عظیم ہے تاکہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے"۔ آپ اُمتِ محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد ہی کو امرِ الٰہی ودیعت کیا گیا ہے۔ فرقۂ یاسیہ کو چھوڑ کر فرقۂ رجائیہ میں آجائیے۔ جس حقیقت کو آپ زیرِ پردہ دیکھ چکے ہیں اُس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے۔ انشاء اللہ!

"زمانہ باز بیفروخت آتشِ نمرود
کہ بے نقاب شود جوہرِ مسلمانی"

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے۔ یقین جانیے کہ آپ کے الفاظ نے میرے دل پر سوز و گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

ہاں، ترجمہ کی داد دیتا ہوں۔ لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے؛ البتہ فلسفیانہ اغراض کے لیے شاید اور الفاظ وضع کیے جائیں تو بہتر ہو گا۔

پنجاب میں بھی بیماری[1] نے غضب ڈھایا۔ لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گور کن بھی نہ مل سکتے تھے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

---

[1] گزشتہ بڑی جنگ کے بعد انفلوئنزا کی سخت مہلک وبا نمودار ہوئی تھی۔

(۱۳)————(۴۸)

لاہور

۲۳۔ مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

ایک عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔

معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر نقل کیا ہے۔ کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹہ سے کونسی تاریخ کو لکھا گیا تھا؟ صاحبِ مضمون نے خط کی تاریخ نہیں بتائی۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۴)————(۴۹)

لاہور

۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کہ مولانا آزاد کو آزادی ملی۔[1] کیفِ باطنی میں؛ بالخصوص آج کل "صحو" ہی کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی تربیت اسی حال میں کی تھی۔ "سُکر" کی حالت عمل کی دشوار گزار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے۔ باقی حالات میں اس کا اثر رُوح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا۔ مولانا آزاد اب کہاں ہیں؟

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد رانچی کی نظر بندی سے جنگِ عظیم کے بعد رہا ہوئے تھے۔

پتہ لکھیے کہ اُن کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔

میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجیے۔ آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن مجھے فائدہ ہو گا۔ "بادۂ نارسا"[1] کے لیے مجھے کوئی سند یاد نہیں۔ بادۂ نارس یا میوۂ نارس (بمعنی خام) لکھتے ہیں، لفظ مینار غلط ہے۔ صحیح لفظ منار (بغیر یٰ کے ہے) یہ الفاظ اُس زمانہ کی نظموں میں واقع ہوئے ہیں جس زمانہ میں مَیں سمجھتا تھا کہ لٹریچر میں ہر طرح کی آزادی لے سکتے ہیں یہاں تک کہ بعض نظموں میں مَیں نے اصولِ بحر کا بھی خیال نہیں کیا اور ارادۃً۔

مجموعہ[2] اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام نظموں پر نظرِ ثانی کرنا چاہتا ہُوں جس کے لیے فرصت نہیں ملتی۔ انشاء اللہ بعد از نظرِ ثانی شائع کروں گا اگرچہ مقصود اس شعر گوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان۔ مولانا گرامی جالندھری (شاعر حضور نظام) نے ایک غزل لکھ کر ڈاک میں ارسال کی ہے، جس کے اشعار عرض کرتا ہُوں۔ پسند ہوں تو معارف میں شائع کیجیے۔

پنہانم و پیدایم کیفم بشراب اندر
پیدایم و پنہایم داغم بکباب اندر

دیباچہ بودم ہیچ، انگیزِ وجودم ہیچ
مضمونِ خیالم من پیچیدہ بخواب اندر

آں نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است
جاں ہست بجسم اندر دریا بہ حباب اندر

---

[1] یہ دو غلط لفظ اقبال نے استعمال کیے تھے۔
[2] میرا بار بار اصرار تھا کہ اُردو نظموں کا مجموعہ چھپوا دیجیے۔ یہی مجموعہ بانگِ درا کے نام سے چھپا ہے۔

از موسیٰ من می پرس از غیر چہ می پرسی
شوقم بسوال اندر ذوقم بجواب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگ ست بخواب اندر
در کشمکش لائیم در جذبۂ الّائیم
ہیچیم و ہمہ ائیم چوں عکس بآب اندر
دیدیم گرامی را در خلد بریں امشب
ابلہ بہ بہشت اندر، دانا بعذاب اندر

مخلص
محمد اقبال، لاہور

(۱۵) ———— (۵۰)

لاہور
۲۶۔ اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

معارف میں ابھی تصوف و تناسخ پر ایک مضمون نظر سے گزرا۔ ہندوستان ریویو میں بھی مَیں نے یہ مضمون دیکھا تھا۔ خیر علمی اعتبار سے تو اس کی وقعت کچھ بھی نہیں؛ البتہ ایک بات آپ سے دریافت طلب ہے: "ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام" الخ کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ یہ مولانا کا شعر ہے۔ مجھے ایک عرصہ سے اس میں تامل ہے۔ مثنوی کبھی شروع سے لے کر آخر تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہُوا۔ مگر ایک قابلِ اعتبار بزرگ نے قریباً چار سال ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے اور نہ مثنوی میں ہے، اگر مثنوی

کے کسی ایڈیشن میں آپ کی نظر سے یہ شعر گزرا ہو تو مہربانی کر کے ایڈیشن اور صفحہ کا حوالہ دیکر ممنون فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں! اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۵۱)————(۱۶)

لاہور

۱۷ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے مگر میں لاہور میں نہ تھا، اس واسطے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیے گا!

یہ شعر گلشنِ راز کا نہیں ہو سکتا، اس کی بحر اور ہے ع

"یقیں داند کہ ہستی جز یکے نیست"

انشاء اللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ کئی ماہ کے بعد صرف تین شعر لکھے تھے۔ نقیب[۲] کا عرصہ سے تقاضا تھا، اُس کے لیے بھیج دیے۔

مَیں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا، لیکن جب ایڈیٹر معارف اِن کے لیے تقاضا کرتے ہیں تو شبہہ ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہی کچھ ہو۔

حیدر آباد کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں، افواہاً مَیں نے کئی دفعہ سُنا ہے کہ وہاں

---

[۱] یہ شعر مولانا کی مثنوی میں نہیں، مولانا کے کلیات میں ہے۔
[۲] نقیب نام کا ایک رسالہ بدایوں سے نکلتا تھا۔

اقبال کا تذکرہ ہے۔ مگر مجھ تک کبھی کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں آئی نہ مَیں نے خود کوئی درخواست آج تک کی۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۵۲)————(۱۷)

لاہور

۲۷۔ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

دوسرے صفحہ پر چند اشعار معارف کے لیے لکھتا ہُوں، مدت سے یہ بات میرے دِل میں کھٹک رہی تھی۔ گزشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا، یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صُورت میں منتقل ہو گیا۔ دردِ سر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دِیے، اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا معلُوم نہیں آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں، مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں[1] کے اشارہ پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ افسوس! مفصّل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے۔ بہرحال، اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں یا رسالہ معارف کے لیے آپ انہیں موزوں نہ تصوّر فرمائیں تو واپس بھیج دیجیے۔

مسئلہ تصویر پر آپ نے خوب لکھا اور اصولِ تشریعی واضح کر کے کئی اور مسائل کو بالکنایہ حل کر دیا۔ للہ درک!

---

[1] اشارہ ہز ہائی نس آغاخاں کی طرف ہے۔ مجلس خلافت کی بنیاد اسی طرح پڑی تھی یعنی یہ کہ آغاخاں نے منشی مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم بیرسٹر کو آمادہ کیا اور انہوں نے مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کو لکھ کر آمادہ کیا۔

اس خط کو پرائیویٹ تصور فرمائیے۔

ے بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے — مگر آج ہے وقتِ خویش آزمائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

"مرا از شکستن چنیں عار ناید

کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

عنوان ان اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں۔ اصل فارسی شعر میں "دیگراں" کی جگہ "ناکساں" ہے۔ مَیں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۵۳)————(۱۸)

لاہور

۱۰۔اکتوبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامہ ملا۔ عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے۔ تبصرہ کے متعلق مَیں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ میرا مجموعہ شائع ہو لے تو لکھیے۔ فی الحال مَیں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب[1] لکھ رہا ہوں جس کا قریباً نصف حصہ لکھا جا چکا ہے۔ کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی کچھ اردو میں۔ کلام کا بہت سا حصہ نظرِ ثانی کا محتاج ہے لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کرسکوں؛ تاہم جو کچھ ممکن ہے، کرتا ہوں۔ شاعری

---

[1] پیامِ مشرق کی تالیف کی اطلاع۔

میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمحِ نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجّہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو۔ اور بس اِس بات کو مدِ نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہُوں اُن کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہُوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں اِس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے، اور یہ بات موجُودہ حالات میں میرے لیے ممکن نہیں۔ جرمنی کے دو بڑے شاعر بیرسٹر تھے یعنی گوئٹے اور اوہلنڈ۔ گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد ویمر کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح فن کی باریکیوں کی طرف توجّہ کرنے کا اُسے پُورا موقع مِل گیا۔ اوہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پُورے طور پر نشو و نما نہ پا سکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ موجُودہ حالات میں میرے افکار اِس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لیے سیّد سلیمان کا دِل و دماغ صرف ہو، لیکن اگر احباب تبصرہ پر مُصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعہ کا انتظار کیا جائے۔ اس کے علاوہ مَیں اپنے دِل و دماغ کی سرگزشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہُوں، اور یہ سرگزشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دِلوں میں ہیں، اِس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہو گا۔

کاش "یاجوج ماجوج" پر آپ کوئی مضمون لکھتے! یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمّد اقبال

(۱۹)————(۵۴)

لاہور
۱۰۔ نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مؤکلین، وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لیے آتے ہیں، تو ان میں سے بعض پھل، پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں۔ یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں کیا یہ مال مسلمان کے لیے حلال ہے؟

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ بہت دلچسپ کتاب ہے مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین[1] احمد لکھتے ہیں کہ "اقبال کی مثنویاں تحریکِ الہلال ہی کی آوازِ بازگشت ہیں"۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں، ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں نظم و نثر انگریزی و اردو موجود ہیں جو غالباً مولوی صاحب کے پیشِ نظر نہ تھیں۔ بہرحال، اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا، مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری۔ البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال، تحریکِ الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا، تحریکِ الہلال نے اسے مسلمان کیا۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے، ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی

---

[1] مولوی فضل الدین احمد اس زمانہ میں گویا "الہلال" اور الہلال پریس کے مینجر تھے۔

بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سُنے گئے، اُن میں اور مثنویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" معلوم نہیں انہوں نے کیا سُنا تھا، اور سُنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جُملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہوں، کسی طرح ان لوگوں کے شایانِ شان نہیں جو اِصلاح کے عَلم بردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ورنہ مؤخر الذکر شکایت براہِ راست اُن سے کرتا۔ اگر آپ سے اُن کی ملاقات ہو تو میری شکایت اُن تک پہنچا دیجیے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال۔ لاہور

(۵۵)————(۲۰)

لاہور

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم!

مراجعت مع الخیر مُبارک![1]

آپ نے بڑا کام کیا ہے جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گزاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربارِ نبویؐ سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہوگا۔ وزرائے انگلستان کا جواب وہی ہے جو ان حالات میں دیا گیا ہے۔

---

[1] مکتوب الیہ (سلیمان) کے سفرِ یورپ سے واپسی پر۔

"انؤمن لبشرین مثلنا وقومہما لنا عٰبدون"[1]

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہندی وفد کا سفر یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا۔

اُمید کہ آپ کی صحت اچھی ہو گی۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۵۶) ———— (۲۱)

لاہور

۲۳۔ دسمبر ۱۹۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم!

سیرۃ عائشہ رضؓ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں، سرمۂ سلیمانی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا، خدا تعالیٰ جزائے خیر دے! یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ "حمیرا" والی سب احادیث موضوعات میں ہیں۔ کیا "کلمینی یا حمیرا" بھی موضوع ہے؟ کمالؔ کا شعر کیا مزے کا ہے ؎

ایں تصرف ہائے من در شعر من

کلمینی یا حمیرائے من است

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

---

[1] یہ قرآن پاک کی آیت اس موقع کی ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام پر ایمان لانے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ یہ دونوں عام بشر تھے اور ان کی قوم فرعون کی غلام رعایا میں تھی۔ اس آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

(۵۷)————(۲۲)

لاہور[*]
۵۔اکتوبر ۱۹۲۱ء

مخدومی، تسلیم!

ستمبر کا معارف ابھی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مسٹر ڈکنسن کے ریویو (اسرارِ خودی) کا ترجمہ آپ نے شائع کیا ہے۔ ترجمۂ مذکور کا ایک فقرہ یہ ہے، "اقبال ان تمام فلسفوں کے دشمن ہیں جو شئے واجب الوجود کو تسلیم کرتے ہیں۔" صفحہ ۲۱۴

اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن Nation موجود ہو جس میں انگریزی ریویو شائع ہُوا تھا، تو مَیں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے ایک آدھ روز کے لیے بھیج دیجیے۔ مجھے ایسا خیال ہے کہ غالباً مذکورہ بالا فقرہ اس ریویو میں نہیں ہے یا اس کی جگہ کچھ اَور ہے۔ مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں ترجمہ میں سہو تو نہیں ہو گیا۔

کیا حکمائے صوفیۂ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے؟ اُمیّد کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص
محمدؐ اقبال

مولوی عبدالماجد[1] صاحب کا پتہ معلوم نہ تھا اس واسطے آپ کو زحمت دی گئی۔
محمدؐ اقبال

(۵۸)————(۲۳)

مخدومی، السلام علیکم! پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس

---

[1] مولوی عبدالماجد صاحب ان دِنوں معارف کے شریک ایڈیٹر تھے۔

ہوں۔ کیا کتب خانۂ بانکی پور سے کتاب عاریتہً مل سکتی ہے؟ میں اس کتاب کے دیکھنے کا مدت سے خواہشمند ہوں۔ انگلستان اور یورپ میں تو کتابیں عاریتہً مل سکتی ہیں، معلوم نہیں اس لائبریری کا کیا قاعدہ ہے۔ شاید پنجاب یونیورسٹی کی معرفت لکھنے سے مل جائے۔ غالباً قلمی نسخہ ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۲۸۔ نومبر ۱۹۲۱ء

(۵۹)————(۲۴)

لاہور

۲۰۔ اپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم!

ایک عرصہ سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔ دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

۱۔ متکلمین میں سے بعض نے علمِ مناظر و مرایا کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔ یہ بحث کہاں ملے گی، میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

ع ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃٌ للعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو رحمۃٌ للعالمین کا ظہور وہاں

بھی ضروری ہے[1]۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لیے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے۔ شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے۔ ان کے اس عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی؟[2]

مَیں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحبِ فراش رہا، اب کچھ افاقہ ہُوا ہے۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۲۵)————(۶۰)

لاہور

۲۹۔ مئی ۱۹۲۲ء

عید مُبارک باشد

مخدومی، السلام علیکم!

مَیں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان[3] کے حالات 'معارف' میں شائع کیے جائیں۔ مُسلم اسٹینڈرڈ لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کیے تھے۔ آج کے 'معارف' میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا، جزاک اللہ! 'معارف' کا ایڈیٹر صاحبِ کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ حال کے رُوسی علماء کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر

---

[1] اس معنی کا ایک اثر بھی تفسیروں میں مروی ہے جو اثرِ ابنِ عباس کے نام سے ہے۔ اس اثر کی تاویل و تشریح میں مولانا قاسم صاحب کا رسالہ تحذیر الناس فی اثر ابنِ عباسؓ اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محل کا ایک مضمون ہے جو اس بحث میں دیکھنے کے قابل ہے۔

[2] یہ وجہ نہیں شیخ اشراق ایرانی فلسفہ سے متاثر تھے اور وہاں سے یہ خیال ان تک پہنچا تھا۔ (دیکھیے شرح کلمۃ الاشراق مقالہ خامسہ)

[3] روسی مسلمان مصلحِ عالم۔

دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیے۔

خضرِؑ راہ کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔

جوشِ بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے مگر یہ نقص اُس نظم کے لیے ضروری تھا (کم از کم میرے خیال میں)۔ جناب خضرؑ کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات و حوادثِ عالم پر اُن کی نظر، ان سب باتوں کے علاوہ ان کا اندازِ طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے، اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو۔ اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے، اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوشِ بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضرؑ کے اندازِ طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا۔ یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائیں گے۔

اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۲۶)———(۶۱)

لاہور

۵ جولائی ۱۹۲۳ء

مخدومی، السلام علیکم!

"پیامِ مشرق" پر جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے، اُس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے، انہوں نے اسے بہت پسند کیا ہے اور

ؔ۱ اقبال کی ایک نظم۔

غالباً اس کا ترجمہ بھی کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جدید اور اوریجنل خیالات سے مملو ہے اور گوئٹے کے "دیوانِ مغربی" کا قابلِ تحسین جواب ہے۔ مگر میرے لیے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابلِ افتخار ہے۔

سید نجیب[۱] اشرف صاحب نے اپنے مضمون میں محمد دارال کے لطیفہ غیبیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور مَیں نے ایران سے منگوائی ہے۔ اگر وہ یا آپ اُسے دیکھنا چاہیں تو بھیج دوں۔ ندوے والے اُسے دیکھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کریں گے۔

اب کے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسہ پر آپ سے ملنے کی توقع تھی میں اسی خیال سے جلسہ میں گیا کہ آپ کو اپنے ہاں مہمان کرنے کے لیے لیتا آؤں گا مگر جلسہ میں جاکر مایوسی ہوئی۔ اِنشاء اللہ پھر کوئی موقع پیدا ہو گا۔ کیا "تفہیماتِ الٰہیہ" چھپ گئی ہے؟ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۲۷)————(۶۲)

شملہ، نوبہار

۳۔ اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم!

مَیں کچھ دنوں کے لیے شملہ میں قیام پذیر ہوں۔ نقرس کے دَورہ کی وجہ سے صحت اچھی نہیں رہی۔

---

[۱] سید نجیب اشرف ندوی سابق نائب مدیر "معارف"۔

ے "مردانِ خدا خدا نباشد لیکن ز خدا جدا نباشد"

کس کا شعر ہے ؟ ایک امر کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گزرا ہو، عام طور پر مشہور ہے۔ میں چندروز اور شملہ میں ہوں۔ اگر آپ جلد جواب دیں تو مندرجہ بالا پتے پر خط لکھیں، اور اگر کچھ دنوں کے بعد خط لکھنا ہو تو لاہور کے پتہ پر تحریر فرمائیں۔

اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۶۳)————(۲۸)

لاہور
۲۲ اگست ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولٰینا، السلام علیکم!

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکرگزار ہوں۔ جتنی آگاہی آپ نے دی ہے، وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لیے کافی ہے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیقِ زمان مطبوعہ ہے یا قلمی ؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریۃً ملے گا ؟ علیٰ ہذا القیاس۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی 'عبقات'، قاضی محبُ اللہ کے 'جوہر الفرد' اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی ؟

زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ

کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو رُوشناس کرایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہو گا۔

میرے لکچر آکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے۔ اُردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے، اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہو گی۔

جن کتابوں کا آپ نے اپنے والانامے میں ذکر فرمایا ہے، کیا آپ کے کتب خانۂ دارالمصنفین میں موجُود ہیں؟ اگر ہوں تو مَیں چند روز کے لیے وہیں حاضر ہو جاؤں اور آپ کی مدد سے اُن میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔

پنجاب یُونیورسٹی کے کتب خانہ میں ان میں سے بعض موجُود ہیں مگر سب نہیں، اس کے علاوہ یہاں علمی شغف رکھنے والے علماء بھی موجُود نہیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے۔ فی الحال مَیں مولوی نور الحق صاحب کی مدد سے مباحثِ مشرقیہ[1] دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد شرحِ مواقف[2] دیکھنے کا قصد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ جو زحمت مَیں کبھی آپ کو دیتا ہُوں، اُس کے لیے معاف فرما دیا کریں۔ حضرت ابنِ عربیؒ کے بحثِ زمان کا ملخّص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہو گی۔ آپ کے ملخّص کی روشنی میں کتاب مَیں خود پڑھوں گا۔

والسلام

مخلص

محمّد اقبال

۱؎ طبیعیات و الٰہیات میں امام رازی کی اہم تصنیف۔

۲؎ فلسفہ و علم کلام کی مشہور کتاب۔

(۲۹)————(۶۴)

لاہور

۲۲۔جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی ، السلام علیکم !

رسالہ "ذخیرۃ الدینیہ" جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے ، آپ کی خدمت میں بھی پہنچا ہوگا ۔ ایڈیٹر واقف کار معلوم ہوتا ہے اور مضامین اچھے لکھتا ہے ۔ ہر مہینہ احادیث نبویؐ کے متعلّق کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ہوتا ہے ۔ گزشتہ ماہ کے پرچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ حدیث " خلیلی فی ہٰذہ الامّۃ اویسؓ القرنی " موضوع ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اویسؓ کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں ہے ۔ آپ حضرت اویسؓ اور ان تمام صوفی روایات کے متعلّق جو ان سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں ؟ اگر حضرت امام مالکؒ کی تحقیق زیرِ نظر ہو تو ازراہِ عنایت حوالے سے آگاہ فرمائیے گا ۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام

مخلص

محمّد اقبال ، لاہور

(۳۰)————(۶۵)

لاہور

یکم فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی ، السلام علیکم ! نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے ۔ نہایت

ؔ اصابہ ابنِ حجرؒ میں ہے قال ابن عدی لیس لہ روایتہ لکن کان ینکر وجودہ اس کو نقل کرکے حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کے وجود کی اثباتی روایتیں لکھی ہیں ۔

شکر گزار ہوں۔

مَیں نے چند نظمیں فارسی میں لکھّی تھیں جو "پیامِ مشرق" کی دُوسری ایڈیشن میں شامل کردی گئیں۔ انہیں نظموں میں سے ایک آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی۔ ایک جامعہ ملّیہ علی گڑھ کے لیے اور ایک علی گڑھ منتھلی کے لیے بھیجی گئی، اور کسی جگہ کوئی نظم مَیں نے نہیں بھیجی۔ معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے، اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لیے کہ آپ کی نثر معانی سے معمُور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے۔

مولٰینا گرامی کی غزل مَیں سُن چکا ہوں، اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا۔

فقر را ترکمانئے ہم ہست

اس شعر پر مَیں نے تضمین بھی کی تھی مگر پیامِ مشرق میں اِس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بھی پسند نہ آئی۔ اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں، عرض کرتا ہوں ؎

سخنے راندۂ کہ جز بہ ترشی — بہ سرِ مسندِ نبیؐ نہ نشست
درس گیر از گرامیِٔ ہمہ دُرد — کہ برید از خود و با و پیوست
رمزِ ترکِ خلافتِ عربی — گفت آں می گسارِ بزمِ الست
ماہ را بر فلک دو نیم کند
فقر را ترکمانئے ہم ہست

لفظ "نشانی" کلاسیکل فارسی میں تو آتا ہے، جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہیں، بہارِ عجم ملاحظہ فرمایئے۔

مسلمانوں نے منطقِ استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اضافے انہوں نے یونانیوں

کی منطق پر لکھے ہیں، اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں گا اگر آپ ازراہِ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔ کم از کم ان کتابوں کے نام تحریر فرمایئے جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ جرمن زبان میں کچھ مسالا اس کے لیے ہے، اور چند کتابیں اسلامی حکماء پر حال ہی میں شائع ہوئی ہیں جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے لیے خرید لی تھیں۔ عربی و فارسی کتب سے آپ آگاہ فرمائیں، مگر کتابیں ایسی ہوں جو دستیاب ہو سکتی ہوں۔ اُن کے ناموں پر نشان کر دیجیے گا۔ قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے[1] امام رازیؒ نے کیا تھا، امام غزالیؒ، ابنِ تیمیہؒ اور شاید شیخ سہروردی مقتولؒ نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے۔ مؤخرالذکر کی تحقیق زمانۂ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۶۶)――――――(۳۱)

لاہور

یکم مئی ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابنِ تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟ اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔ مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا ہے، ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا

---

[1] سب سے پہلے ابوالبرکات بغدادی نے کیا ہے جن کی کتاب 'المعتبر' حیدرآباد سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا ؛

تکلیف دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیا جائے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۶۷)————(۳۲)

لاہور

۱۴ مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی ، السلام علیکم !

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رویتِ باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی ، خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے۔ اس خیال کو ابنِ رشد کے ایک رسالہ سے تقویت ہوئی جس میں اُنھوں نے ابوالمعالی کے رسالہ سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے۔ ابوالمعالی کا خیال آئن سٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے ، گو مقدّم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور مؤخّر الذکر نے اُسے علمِ ریاضی کی رُو سے ثابت کر دیا ہے۔

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ خلافت پر جو مضامین آپ نے لکھے نہایت قابلِ قدر ہیں۔ ان سب کو ایک علٰحدہ رسالے کی صورت

میں شائع ہونا چاہیے۔

نظم 'خضرِ راہ' جو انجمن کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی، ایک علحدہ کتاب کی صورت میں شائع ہو گئی تھی۔ مَیں آج دریافت کراؤں گا، اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمتِ والا میں ارسال کرا دوں گا۔ ساری نظم کا اب چھپنا تو ٹھیک نہیں اور نہ اس قدر گنجائش 'معارف' میں ہوگی لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آجائے تو اُسے چھاپ دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ گوئٹے (شاعرِ جرمنی) کے "مشرقی دیوان" کے جواب[1] میں مَیں نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے، عنقریب شائع ہوگا۔ اس کے دیباچہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمن لٹریچر پر کیا اثر کیا ہے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۶۸)————(۳۳)

لاہور

۱۸۔ اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "مسلمانوں کے نظریاتِ متعلقۂ مالیات"۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماعِ امت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی جو نصِ صریح کی رُو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے یا حصصِ شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفاء اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ امت یہ اختیار رکھتا ہے،

---

[1] پیامِ مشرق کا ذکر۔

مگر اُس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ[1] موجود ہے؟

امرِ دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے۔ مَیں نے مولوی ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے۔ مَیں آپ کا بڑا ممنُون ہونگا اگر جواب جلد دیا جائے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر

۴۳۔میکلوڈ روڈ۔ لاہور

(۳۴)——————(۶۹)

لاہور
۲۷۔اگست سنہ۱۹۲۴ء

مخدومِ محترم، السلام علیکم!

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

۱۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہا نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے۔ ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماعِ صحابہؓ ہی کر سکتا ہے یا علماء و مجتہدینِ امت بھی کر سکتے ہیں۔ اگر مُسلمانوں کی تاریخ میں صحابہؓ کے

---

[1] اجماع سے نصِ قرآنی کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ امریکی مصنف نے غلط لکھا ہے۔ آمدی ’الاحکام‘ میں لکھتے ہیں مذھب الجمھور ان الاجماع لا ینسخ بہ خلافا بعض المعتزلہ ج۳ ص۲۲۹۔ بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے مگر ان کی رائے مقبول نہیں ہو سکی۔ آمدی نے حصۂ شرعی کے ایک خاص مسئلہ کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے پھر اس کا جواب دیدیا ہے اس سے امریکی مصنف کا استدلال غلط محض ہے۔

بعد کوئی ایسی مثال ہو تو اس سے بھی آگاہ فرمایئے، یعنی یہ کہ کس مسئلہ میں صحابہ نے یا علمائے امت نے نص کے حکم کی تخصیص و تعمیم کر دی۔ مَیں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیمِ حکم سے آپ کی کیا مُراد ہے۔

۲۔ دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہؓ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہو گا جو ہم تک روایۃً نہیں پہنچا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہؓ نے نصِ قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو؛ اور وہ کونسا حکم[1] ہے۔

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم اُن کے علم میں ہو گا محض حسنِ ظن پر مبنی ہے یا آج کل کی قانونی اصطلاح میں "لیگل فکشن" ہے، علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے گو صرف اسی حد تک کہ اجماعِ صحابہؓ نصِ قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا، بعد کے علماء ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اگر صحابہؓ کے اجماع نے کوئی حکم نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہُوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے؛ اور غالباً آپ کو بھی ہو گا۔ مجھے افسوس ہے کہ مَیں آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہُوا لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ جرأت کی ہے۔

جو کتاب امریکہ میں چھپی ہے، اُس کا نشان مندرجہ ذیل ہے:

Mohammadan Theories of Finance
By Nicolas P. Aghnides

---

[1] ایسا کوئی حکم نہیں اور نہ نصِ قرآن کے خلاف کوئی حکم صحابہؓ نے دیا ہے۔

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے، قیمت غالباً دس بارہ روپیہ سے زیادہ نہ ہو گی۔ اگر آپ اُسے منگوانا چاہیں تو کسی تاجر کتب امریکائی کے ذریعہ سے منگوا سکتے ہیں۔ تھیکر اسپنک یا میکملین کلکتہ بھی منگوا کر دے سکتا ہے۔ ان کو مفصّل پتہ لکھ بھیجیے یا براہِ راست سیکرٹری کولمبیا یونیورسٹی شہر نیویارک (امریکہ) سے خط و کتابت کیجیے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اور خط کا جواب جلد ملے گا۔

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر میکلوڈ روڈ، لاہور

(۳۵)————(۷۰)

مخدومی، السلام علیکم!

مَیں نے کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا۔

تخصیص و تعمیمِ احکام کا جہاں تک تعلق ہے، اس خط کے جواب کی زحمت گوارا نہ فرمایئے کیونکہ قاضی شوکانی کی "ارشاد الفحول" سے اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا ہے؛ البتہ باقی حصۂ خط کا جواب ضرور عنایت فرمایئے۔ علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے۔ ان شاء اللہ سرما میں یونیورسٹی کے لیے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا۔ پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے جس کا نام تذکرہ[1] ہے۔ کیا آپ کی نظر سے گزری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۹۔ اگست ۱۹۲۴ء

---

[1] علامہ مشرقی صاحب کا تذکرہ۔

(۳۶) ——— (۱۷)

لاہور
۵۔ستمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی۔

انجمن حمایتِ اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا مگر مَیں نے بعض وجُوہ سے استعفا دے دیا ہے۔ کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھّی نہیں ہے۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں اور اُن کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصُول کا ذریعہ ہے اور بس۔ اس وقت وہی جماعت جلسہ کی تیّاریاں کر رہی ہے، مگر آپ ضرور تشریف لائیے۔ یہاں کے لوگوں کو ختمِ نبوّت کے مسئلے میں بڑی دلچسپی ہے اور آپ کی تقریر انشاء اللہ بیحد توجہ سے سُنی جائے گی۔ اِس کے علاوہ مَیں ایک مدّت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہُوں، میرے ہی غریب خانہ پر ٹھہریے۔ یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھُ دور نہیں، موٹر پر چھ منٹوں کی راہ ہے۔

جناب مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں۔ کیمبرج میں ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ ہندوستان واپس آئے تو کچھ مُدّت کے لیے پشاور کالج کے پرنسپل رہے، اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے۔ آج کل غالباً کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ مجھُے ان کی قابلیّت کا حال زیادہ معلُوم نہیں مگر اس کتاب کے ریویو سے جو کچھ معلُوم ہُوا وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ باقی تفسیرِ قرآن و تاریخِ اسلام کے متعلق آپ مجھُ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ اُن

کی کتاب کے متعلق یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں، زبانی عرض کروں گا۔ "زمیندار" میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہُوا ہے جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعتِ نظر اس کو حاصل نہیں۔ مجھے تذکرہ کا علم اِسی ریویو سے ہُوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے، خود مدعی نہیں ہیں۔ "امتِ مسلمہ" سے ممکن ہے ان کا تعلق ہو کیونکہ آج کل "امتِ مسلمہ" کا سنٹر امرتسر ہے۔ بہائی فرقہ سے بھی، جہاں تک مجھے معلوم ہے، اُن کا تعلق نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یورپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب کی ہے، وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں، وہ امتِ مسلمہ کے لیے ازبس مفید ہے۔ دُنیائے اسلام اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اِس پیکار و انقلاب کا رُخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر۔ آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے یا صوفیہ کی اصطلاح میں یُوں کہیے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے۔ آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبالؔ نے یہ کہا ہے ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند

دریں جہاں کہ جمالِ تو جلوہ ہا دارد
زفرق تا بہ قدم دیدہ و دل دگوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں، اس جماعت کا دُنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے[1]، اس کے متعلق انشاءاللہ بوقت ملاقات گفتگو ہوگی۔ ہندوستانی نیشنلزم کی انتہا یہی تھی جو آپ کے مشاہدہ میں آگئی۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے، آج طبیعت بہت مضمحل ہے۔ بدخطی معاف فرمائیے گا۔

مخلص
محمد اقبال

(۴۷) ———— (۳۷)

مخدومی، السلام علیکم!

آپ نے کسی گزشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے۔ اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے، اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے۔ اس کا حوالہ کونسی کتاب میں ملے گا؟ کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول" سے آپ نے لیا ہے[2]؟

---

[1] اشارہ کانگریس کی طرف ہے۔
[2] اس کا ذکر کتبِ احادیث میں ہے۔

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے، یہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا، وہ تمام امت پر حجت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہوگئی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا جس میں وحی کو دخل نہیں، کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے[1]؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں[2] یا بالفاظِ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں[3]۔ جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۶۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء

(۴۳)————(۳۸)

لاہور

۱۸۔ مارچ ۱۹۲۶ء

مخدومی، السلام علیکم!

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقۂ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس بحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گزری ہے مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے، اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو

---

[1] بے شبہہ [2] وحیِ خفی میں داخل ہیں۔

[3] جی نہیں، دونوں میں بہت فرق ہے۔ قرآنِ پاک بالفاظِ وحی ہے اور بتواتر منقول ہے، اور یہ حدیثیں، وحی سے معنیً ماخوذ ہیں اور بہ تواتر منقول نہیں۔

کون کرے گا! مَیں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا، مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اِس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہو گا مَیں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مُسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آ رہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے' اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لیے کیا کیا نتائج پیدا کیے۔ ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے۔ آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں' اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجیے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوامِ اسلامیہ کو فقہِ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو۔ مَیں نے سُنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا[1] اور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ٹرکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے[2]۔ مصر میں یہ تحریک جاری ہے[3] اور عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہو گا۔ ایران کو بابیّت سے اندیشہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اسمٰعیلی تحریک کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے۔ ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے "صوت الحی"۔ شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے۔ کیونکہ اس وقت دُنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک رستہ پر لگائے۔ غرضکہ اِس وقت مذہبی اعتبار سے دُنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے، اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان

---

[1] یہ خبر غلط تھی۔
[2] ٹرکی میں نماز میں کوئی تغیّر نہیں ہُوا۔
[3] یہ خبر بھی بے اصل ہے۔

کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوامِ اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے، ہاں دماغی اعتبار سے اُن کے لیے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیۂ توریث میں حصص بھی ازلی ابدی ہیں یا قاعدۂ توریث میں جو اصُول مضمر ہے[۱] صرف وہی ناقابلِ تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے[۲]۔ آیۂ وصیت پر بھی جو ارشادات ہیں، میری سمجھ میں نہیں آئے۔ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوُں۔ جب فرصت ملے، جزئیات سے بھی آگاہ فرمایئے۔ اس احسان کے لیے ہمیشہ شکرگزار رہوں گا۔ بعض خیالات زمانۂ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں، ان کے ادا کرنے کے لیے قدیم فارسی اسُلوبِ بیان سے مدد نہیں ملتی، بعض تاثّرات کے اظہار کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آتے۔ اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے جو ضرور ہے کہ اہلِ زبان کو ناگوار ہو کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا!

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

---

[۱] بیشک۔ [۲] کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

(۳۹) ———— (۷۴)

لاہور
۷۔ اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں، اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیتِ مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا۔ عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ مَیں نے اپنے مضمون 'اجتہاد' میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں، معاملات کے متعلق بعض سوالات دِل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چونکہ شریعتِ احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا، اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ زمانۂ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے، مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ اس سے پہلے مُسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے۔ یُونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادّہ پیدا ہُوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اِس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔ قاعدۂ میراث کے حصص کے متعلق مَیں نے مضمون 'اجتہاد' میں یہی طریق اختیار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصہ ملنا عین انصاف ہے۔ مساوی حصہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا ہے۔ بحث کا محرک

ترکی شاعر ضیا بک کی بعض تحریریں تھیں جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے۔
مَیں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اُس کا مقصد یہ نہ تھا کہ مَیں ان حصص میں ترمیم چاہتا ہُوں بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت و ابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں 'قدیم' ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ 'جدید' بلکہ میرا ذاتی میلان 'قدیم' کی طرف ہے مگر مَیں دیکھتا ہُوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علومِ اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے "معنوی استیلا" کا اندیشہ ہے جس کا سدِ باب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مُسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالکِ اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں 'ندوہ'، علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو۔ آپ کے خط کے آخری حصّے سے ایک اور سوال میرے دل میں پیدا ہُوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر کردہ حد (مثلاً سرقہ کی حد) کو ترک کر دے[۱] اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے، اور اس اختیار کی بنا کون سی آیتِ قرآنی ہے؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس[۲] قائم کی ہے، اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا[۳]۔ مَیں اس اختیار

---

[۱] ترک کر دے کا لفظ صحیح نہیں، ملتوی کر دے صحیح ہے۔ جیسے میدانِ جنگ میں جب اسلامی فوج دارالحرب میں یا دارالحرب سے قریب ہو، حدود بمصالح ملتوی کر دیے جاتے ہیں۔

[۲] میری عبارت کے سمجھنے میں یا اقبال نے خود اپنے مطلب کی تعبیر میں غلطی کی ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ایک مجلس یعنی ایک ہی نشست میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو تین قرار دیا۔ بات یہ تھی۔ [۳] حنفیہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معلوم ہوتا جس کی اشاعت عہدِ اوّل میں نہیں ہو سکی تھی اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کی۔ حافظ ابنِ قیم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تعزیراً ایسا کیا تھا اور امام کو تعزیراً ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں، زمانۂ حال کی زبان سے یوں کہیے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن اُن کو ایسا اختیار دیتی تھی ؟ "امام" ایک شخصِ واحد ہے یا جماعت بھی "امام" کے قائم مقام ہو سکتی ہے ، ہر اسلامی مُلک کے لیے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی دنیا کے لیے ایک واحد امام ہو، مؤخر الذکر صورت موجودہ فرقِ اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے ؟ مہربانی کرکے ان سوالات پر روشنی ڈال لیے ۔ لقبِ امام سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے[1]۔

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے، افسوس ہے کہ وہ 'معارف' کے قابل نہیں ہے۔ مَیں نے یہ مضمون ان طلبہ کے لیے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے، اس واسطے مختصر لکھا، مفصّل لکھنے کے لیے نہ وقت تھا نہ ضرورت ۔ غالباً ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیہ سے آشنا نہیں ہے۔ بہر حال، مَیں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اُردو ترجمہ معارف کے لیے کریں، وہ ترجمہ کریں گے پھر مَیں اُسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا مگر وہ بھی غلط تھا۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لیے ازبس ضروری ہے۔

مخلص

محمد اقبال

---

[1] مَیں نے ان کو لکھا تھا کہ مسائل فقہیہ میں ترجیح اور بعض میں التوایا اجرائے تعزیر مفتیوں کا نہیں بلکہ امام کا حق ہے۔

(۷۵) ———— (۴۰)

لاہور

۲۴- اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی . السلام علیکم!

آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کے لیے عذر خواہی کرتے ہیں مگر میرے لیے یہ طویل خط باعثِ خیر و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں نے اُسے کئی دفعہ پڑھا ہے، اور گزشتہ رات چودھری غلام رسُول مہر سے بھی پڑھوا کر سُنا۔ اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا۔ فی الحال انشاء اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

مضمون 'اجتہاد' کی تکمیل کے بعد حافظ ابنِ قیم کی کتاب 'طریق الحکمیہ' پر اور اس کے بعد 'المقابلات' پر جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے لکھنے کا ارادہ ہے۔ شریعت احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں ہے[1] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث سرے سے بیکار ہیں، اِن میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی و تعالی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی۔ مثلاً ملکیتِ شاملات دہ کے متعلق المرعیٰ للّٰہ و رسولہ (بخاری) اس حدیث کا ذکر میں نے مضمون 'اجتہاد' میں بھی کیا ہے۔ بہر حال، چند امور اور دریافت طلب ہیں۔ اگرچہ آپ اس وقت سفرِ حجاز کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے؛ تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ ازراہِ عنایت میرے سوالات پر کسی قدر

---

[1] میں نے ان کو اس کا تسلی بخش جواب لکھ کر بھیجا تھا۔

تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔[1]

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دو حیثیتیں ہیں، نبوت اور امامت۔ نبوت میں احکامِ قرآنی اور آیاتِ قرآنی سے حضور کے استنباط داخل ہیں، اجتہاد کی بنا محض عقلِ بشری اور تجربہ و مشاہدہ ہے یا یہ بھی وحی میں داخل ہے؟ اگر وحی میں داخل ہے تو اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں[2]؟ مَیں خود اس کے لیے دلیل رکھتا ہوں مگر میں اس پر اعتماد نہیں کرتا اور آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ وحیِ غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے؟ کیا وحیِ متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں چلتا ہے یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں[3]؟

۲۔ حضورؐ نے اذان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا، کیا یہ مشورہ نبوت کے تحت میں آئے گا یا امامت کے تحت میں[4]؟

۳۔ فقہا کے نزدیک خاوند کو جو حق اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہے، وہ بیوی کو یا اُس کے کسی خویش یا کسی اور آدمی کے حوالے کیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی بنا کوئی آیتِ

---

[1] ان تمام امور کے جواب سیرۃ النبیؐ جلد چہارم کے مقدمہ میں مذکور ہیں۔ مختصراً جواب یہاں بھی حوالۂ قلم ہیں۔

[2] اجتہادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بُنیاد عقلِ بشری اور تجربہ و مشاہدہ پر نہیں بلکہ عقلِ نبوی کا نتیجہ ہے جو عقلِ بشری سے مافوق ہے اور جس میں عقلِ بشری و تجربہ و مشاہدہ کو دخل نہیں، اور نبی کی ہر غلطی کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ پس اجتہادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نتائج بھی اگر غلط ہوتے تو اللہ تعالیٰ اصلاح فرماتا جیسا کہ چار پانچ مقام پر اصلاح فرما دیا ہے۔ پس جب بقیہ اجتہاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نہیں فرمائی تو تقریباً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح قرار دیے گئے اور اس لیے وہ واجب القبول ہیں۔

[3] اصطلاح بعد میں پیدا ہوتی ہے۔

[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض روایات کے رُو سے خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کی تعلیم دی تھی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی خواب میں دیکھا تھا؛ البتہ اس باب میں صحابہؓ سے مشورہ کرنا بابِ امامت سے تھا نہ کہ نبوت سے کہ احکامِ نبوت میں مشورہ نہیں۔

قرآنی ہے یا حدیث[1]؟

۴۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اس بچہ کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جا سکتا، اس مسئلہ کی اساس[2] کیا ہے؟ کیا یہ اصول محض ایک قاعدۂ شہادت ہے یا جزوِ قانون ہے؟ اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروّجہ ایکٹ شہادت کی رُو سے تمام وہ قواعدِ شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروّج تھے منسوخ کیے گئے۔ ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصُول کو قاعدۂ شہادت قرار دے کر منسوخ کر دیا۔ نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مُسلمان بچہ جو فقۂ اسلامی کے رُو سے ولد الحلال ہے، ایکٹ شہادت کی رُو سے ولد الحرام قرار دیا جاتا ہے۔ ایکٹ شہادت میں اور بھی باتیں ہیں جن کا ذکر اس مضمون میں کرنے کا ارادہ ہے جو مَیں حافظ ابن قیمؒ کے فلسفۂ شہادت پر لکھوں گا۔

اُمید ہے کہ آپ اِس تکلیف دہی کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ مَیں آپ سے سچ کہتا ہُوں کہ میرے دِل میں ممالکِ اِسلامیہ کے موجُودہ حالات دیکھ کر بے اِنتہا اِضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے، خُدا کے فضل و کرم سے، میرا دِل پُورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اِس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجُودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اِتّفاق ہُوا۔ فرانسیسی خُوب بولتا تھا۔ مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمد اقبال

---

[1] تصریح تو احادیث میں ہے مگر قرآن پاک سے استنباط ممکن ہے۔

[2] اس کی اساس ایک تو حضرت عائشہؓ کا قول ہے جو دارقطنی میں ہے، دوسرے طبی تجربہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اکثر مدتِ حمل چار برس ہے (ہدایہ)

(۷۶) ——— (۹۱)

لاہور

۷ - مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی، السّلام علیکم!

شمس بازغہ یا صدرا میں جہاں زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے۔ بخاری میں ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے، لا تسبّوا الدھر الخ کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے؟ اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی؟[1]

قرونِ وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لیے کوئی مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ زمان کو لحظہ بلحظہ پیدا کرتا ہے۔ میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا، غالباً بارھویں صدی کے آخر میں۔ اُس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں ہی کی ملازمت کرتا رہا۔ متکلمین کے خیالات پر اُس نے جرح قدح بھی خوب کی ہے۔ میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ بالا مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کرکے مطّلع فرمائیے۔ مَیں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ ہے: "زمان کی حقیقت فلسفۂ اسلام کی تاریخ میں"۔

---

[1] اقبال مرحوم کو اس بحث سے بڑی دلچسپی تھی۔ مَیں نے اس پر لاہور میں ان کی ایک تقریر بھی سُنی تھی۔ اخیر زمانہ میں میرے دل میں علامہ ابن قیّم کی تصانیف سے ایک حقیقت فہم میں آئی جس سے بڑی خوشی ہوئی مگر افسوس کہ اس زمانہ میں مرحوم بیمار تھے۔ انتظار تھا کہ وہ تندرست ہوں تو ان کو سناؤں، مگر افسوس ؎

جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

مجھے یقین ہے کہ وہ اگر اس کو سُنتے تو ضرور خوش ہوتے۔

اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اور اس خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیجیے گا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۷۷)————(۴۲)

لاہور

۱۸۔ مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

ایک زحمت دیتا ہوں، معاف فرمایئے گا۔ "مباحثِ مشرقیہ" لاہور میں دستیاب نہیں ہو سکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازیؒ کے خیالات کا خلاصہ قلم بند فرما کر مجھے ارسال فرما دیں؟ مَیں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا، صرف خلاصہ چاہتا ہوں جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہو گا۔

بزمِ اغیار کی رونق ضروری تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس، اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

اُمّید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۷۸)————(۴۳)

لاہور
۲۵۔اپریل ۱۹۲۹ء

مخدومی ، السلام علیکم !

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ لیکچروں کا اردو[1] ترجمہ انشاء اللہ کیا جائے گا۔ اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کروں گا۔

سر شفیع کی خدمت[2] میں عرض کروں گا۔ ذوالفقار علی خاں ۴۔مئی کو ولایت جا رہے ہیں۔ اُن سے کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ان کی مالی حالت کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ بہتر ہو کہ آپ سر عبدالقادر سے اس کارِ خیر کے لیے چندہ طلب فرمائیے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۷۹)————(۴۴)

لاہور
۲۔ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی ، السلام علیکم !

ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا ہوں ، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ جس باب میں مولانا شبلیؒ نے ایک فقرہ شعائر وارتفاقات کے متعلق نقل کیا ہے اسی باب میں ایک اور فقرہ نظر سے گزرا جو پہلے نظر سے نہ گزرا تھا۔

---

[1] وہ لیکچر جو مدراس میں میرے خطباتِ مدراس کے بعد اقبال مرحوم نے دیا تھا جو انگریزی میں شائع ہو چکا ہے۔
[2] شاید ندوہ کی امداد کی درخواست کی ہو۔

"وشعائر الدین امر ظاهر تخصیص بہ ویمتاز صاحبہ
بہ فی سائر الادیان کالختان وتعظیم المساجد والاذان
والجمعۃ والجماعات ":

یہ شاہ صاحب کی اپنی تشریح ہے، جناب کا ارشاد اس بارے میں کیا ہے ؟
علیٰ ہٰذا القیاس ارتفاقات میں شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق تمام تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہوں، داخل ہیں مثلاً نکاح وطلاق کے احکام وغیرہ۔ اگر شاہ صاحب کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے۔ اگر ان معاملات میں تھوڑی سی ڈھیل بھی دی جائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا۔ ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور و مراسم کی پابندی کریں گے۔

ستمبر کے 'معارف' کا شدت کے ساتھ منتظر ہوں، جلد بھجوائیے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۸۰) ——————— (۴۵)

لاہور
۲۲۔ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

الکلام (یعنی علم کلام جدید) کے صفحہ ۲-۱۱۴ پر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ ۱۲۳) کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے جس کے مفہوم کا خلاصہ انہوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے۔ اس عربی فقرہ کے آخری حصّہ کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] مولانا شبلی مرحوم نے شاہ صاحب کے الفاظ کے جو وسیع معنی قرار دیے ہیں، وہ صحیح نہیں۔

"اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعائر، تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔"

مہربانی کرکے یہ فرمائیے کہ مندرجۂ بالا فقرہ میں لفظ شعائر سے کیا مُراد ہے اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں۔ اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے۔

جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ والسّلام

مخلص
محمّد اقبال

(۸۱) ———— (۴۶)

لاہور
۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی! والا نامہ ملا جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔

لفظ شعائر کے معنی کے متعلق پورا اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہوا۔ کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے؟ دیگر عرض یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے اسی فقرہ میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے، مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے اردو ترجمہ سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے۔ کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ سے گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں۔ ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح، طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ کیا شاہ صاحبؒ کے خیال میں ان

معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی ؛ میرا مقصد محض شاہ صاحب کا مطلب سمجھنا ہے ، مہربانی کر کے اسے واضح فرمائیے ۔ سُنّت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا ۔ اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے ۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۸۲) ———— (۴۷)

لاہور

۸ ۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدومی ، السلام علیکم !

چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لیے زحمت دے رہا ہوں ، ازراہِ عنایت معاف فرمائیے ۔

۱ ۔ حضرت محی الدّین ابنِ عربیؒ کے 'فتوحات' یا کسی اور کتاب میں حقیقتِ زمان کی بحث کس کس جگہ ہے ؟ حوالے مطلوب ہیں ۔

۲ ۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمائیے ۔

۳ ۔ متکلّمین کے نقطۂ خیال سے حقیقتِ زمان یا آنِ سیّال پر مختصر اور مدلّل بحث کونسی کتاب میں ملے گی ؟

امام رازیؒ کی 'مباحثِ مشرقیہ' میں آج کل دیکھ رہا ہوں ۔

۴ ۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں ، اور مُلّا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفر بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے ؟ ان کے اسماء سے مُطلع

فرمائیے، اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی۔
اُمید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۸۳)————(۴۸)

لاہور
۴۔ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم!
والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
رسالہ 'اتقان فی ماہیۃ الزمان' آج مل گیا، مَیں نے اس کے لیے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا۔ آج مولوی برکات احمد کو ایک اور رسالہ کے لیے جو اُردو میں ہے لکھا ہے۔ ہندی فلسفی ساکن پھلواری، مصنّف تسویلات فلسفہ کا نام کیا ہے؟ اور کتاب مذکور طبع ہوئی یا نہ۔ اگر نہیں طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہاں سے دستیاب ہوگا، مہربانی کر کے جلد مُطّلع فرمائیں۔
شرحِ 'مواقف' دیکھ رہا ہوں۔ فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد دیکھوں گا[1]۔ خدا کرے آپ کی صحّت اچھی رہے اور آپ اس طرف جلد توجّہ کر سکیں۔ نور الاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے، کس زبان میں ہے؟ قلمی ہے یا مطبوعہ؟ نور الاسلام کا زمانہ کونسا ہے؟
اس تصدیع کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔
علومِ اسلام کی جُوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سیّد سلیمان ندوی

---

[1] کروں گا، سہوِ قلم ہے۔

کے اور کون ہے؟

دار المصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیئے اس کی سخت ضرورت ہے۔ عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں ہیں۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۴۹) ———— (۸۴)

لاہور
۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولینا، السلام علیکم!

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں، اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اس عریضہ میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ مُلا محب اللہ بہاریؒ کی کتاب جوہر الفرد کہاں سے ملے گی۔

شاہِ افغانستان آپ سے تعلیم مذہبی کے بارہ میں مشورہ چاہتے ہیں۔ شاید اسی ماہ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے۔ مَیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ جانے کے لیے تیار ہوں گے۔ ممکن ہے کہ سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ جواب کا انتظار ہے۔

محمد اقبال، لاہور

(۵۰) ———— (۸۵)

لاہور، ۱۷ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم! آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جو ہم نے قونصل جنرل

صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ سیّد راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب موصُول نہیں ہُوا۔

حضرت ابنِ عربیؒ کے خیالات و افکار بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا اُس کے لیے بیحد شکر گزار ہُوں۔ مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ مَیں نے دیکھا ہے انشاءاللہ اُسے سبقاً سبقاً پڑھوں گا۔ مسئلہ آن کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراض ہمارے متکلّمین نے کیے ہیں، وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود اُن کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ مولوی سید برکات احمد مرحُوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ ممکن ہے حضرت ابنِ عربیؒ اس پر روشنی ڈال سکیں۔

جمیعتہ[1] العلمار کی صدارت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، بالکل صحیح ہے۔ مولوی مظہرالدین صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا اس واسطے مَیں نے ان کو اجازت دے دی کہ آپ کو صدارت کے لیے خط لکھیں تو میرا حوالہ دے دیں۔ مَیں خُود مُسلمانوں کے انتشار سے بے حد دردمند ہُوں، اور گزشتہ پانچ چار سال کے تجربہ نے مُجھے سخت افسردہ کر دیا ہے۔ آپ کا طرزِ عمل اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔

مُسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فِطرت ہے۔ مَیں نے آغا خان کو باوجود اُن کی تمام کمزوریوں کے ان سب سے بہتر مسلمان پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدّت سے ان کے مذہبی خیالات میں ایک انقلابِ عظیم آ رہا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے التماسِ دُعا کے!

والسلام۔

مخلص

محمد اقبال

---

[1] جدید جمیعتہ العلمار کانپور

(۵۱)————(۸۶)

مخدومی جناب مولٰنا، السلام علیکم!

دعوت نامہ جو قونصل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہُوا ہے، ارسالِ خدمت ہے۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا کیونکہ پاسپورٹ لینے کے لیے بھی کچھ دن لگیں گے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے خط لکھ رہا ہُوں۔ ان کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست کردیں۔ اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہِ افغان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لیے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے۔ والسلام

۵ اکتوبر ۳۳ء۱۹

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۵۲)————(۸۷)

لاہور

۹ اکتوبر ۳۳ء۱۹

جناب مولٰنا، السلام علیکم!

مَیں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامۂ افغانستان ارسال کیا تھا مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہُوا۔ اُمید ہے آپ نے پاسپورٹ کے لیے اپنے ضلع میں درخواست کردی ہوگی۔ اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ جائے گا تو اُس کے لیے علحدہ درخواست پاسپورٹ کے لیے دینی ہوگی۔ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کرکے مجھے بذریعہ تار مطّلع فرمائیے۔ پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی

جاتی ہے۔ ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو قونصل جنرل افغانستان ۳۔ ہیلی روڈ، نیو دہلی سے دریافت کریں۔ آپ کے مصارف افغان گورنمنٹ ادا کرے گی۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔ جواب جلد دیں۔ والسّلام

مخلص
محمد اقبال، لاہور

(۸۸)————(۵۴)

لاہور
۱۱۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولینا، السّلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ مَیں نے آپ کو دعوت نامہ ۹۔ اکتوبر سے پہلے بھیج دیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے اِتنے دِنوں بعد پاسپورٹ کے لیے درخواست دی۔ بہر حال: قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جلد مل جائے گا۔ اس سے پہلے میں ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہُوں کہ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو فوراً مجھے تار دیں تاکہ تاریخ روانگی مقرّر کی جائے۔ سید راس مسعُود کا خط مجھے کل ملا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۔ اکتوبر کو پشاور سے چلنا چاہیے۔ مَیں نے ان کو جواب میں لکھا ہے کہ تاریخ روانگی (پشاور سے) کی تعیین پاسپورٹ ملنے پر موقوف چاہیے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اگر ملازم ساتھ لے جانا چاہیں تو اُس کے لیے پاسپورٹ علٰحدہ لینا ہو گا۔ اکتوبر میں موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ راتیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں جیسے شملہ میں۔ البتّہ نومبر میں سردی کسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ میرے خیال میں سردی کے موسم کے لیے موزوں بستر اور پہننے کے لیے کپڑے لے جانا چاہیے۔ قونصل صاحب نے بھی یہی لکھّا ہے۔

قونصل خانے کا ایک آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔ وہاں آٹھ دس روز سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہوگی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

(۸۹)——————(۵۴)

مخدومی مولینا، السلام علیکم!

سید راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲۰۔ اکتوبر کی صبح کو پشاور کی طرف روانہ ہوں، شام کو پشاور پہنچ جائیں گے؛ رات بھر وہاں ٹھہر کر ۲۱ کی صبح کو روانہ کابل ہوں گے۔ آپ ایسا انتظام کریں کہ یا تو ۲۰ کی صبح کو لاہور پہنچیں یا ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں۔ اُمید کہ آپ کو پاسپورٹ اس سے پہلے مل جائے گا۔ میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے؛ البتہ ملازم کا دو تین روز بعد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ مزاجِ والا بخیر و عافیت ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم ۲۱ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں۔ اگر ہم پہلے پہنچیں گے تو آپ کے لیے آدمی سٹیشن پر بھجوا دیا جائے گا۔ اس کارڈ کے جواب میں فوراً خط لکھیے تاکہ آپ کے انتظامات کا حال معلوم ہو جائے۔

مخلص
محمد اقبال

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۹۰)——————(۵۵)

جناب مولینا، السلام علیکم!

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط

بھی لکھ چکا ہوں۔ پاسپورٹ ۱۹۔ اکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰۔ اکتوبر کو لاہور سے صُبح کی ٹرین میں پشاور کو روانہ ہوں اور ۲۱ کی صُبح کو کابل روانہ ہوں۔ جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے۔ سید راس مسعُود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ آپ بھی مہربانی کر کے ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیے یا ۲۰ کی صُبح کو ایسے وقت پہنچیے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ کی صُبح کے میل ٹرین میں سوار ہو سکیں۔ قونصل خانہ سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا، وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں جب ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ اس انتظام کے لیے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دے دی ہے۔ والسلام

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخلص

محمد اقبال

(۹۱)————(۵۶)

مخدومی آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ مَیں اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ آپ ۱۹۔ اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے، یہاں سے ۲۰۔ اکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہو جائینگے۔ سید راس مسعُود بھی ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچیں گے۔ قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں کہ آپ ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہیں، قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطّلع کر دیں۔ اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جائیے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۷)————(۹۲)

جنابِ مکرّم، السلام علیکم!

آپ کا تار کل ملا جس سے معلوم ہُوا کہ ۱۷ اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا۔ ممکن ہے ۱۸ یا ۱۹ تک مل جائے۔ ہم یعنی سید راس مسعود اور مَیں ۲۰ کی صُبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہو گی۔ یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ آپ وہیں کے پتے پر ہم کو تار دیدیں، ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے اور اسٹیشن پر آپ کے لیے آدمی بھیج دیا جائے گا۔ اگر آپ کل شام یا ۲۰ کی صُبح لاہور پہنچ سکیں تو ٹکٹ صرف لاہور ہی تک کا خرید کریں۔ جیسا کہ مَیں پہلے تار دے چکا ہُوں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ٹکٹ پشاور چھاؤنی اسٹیشن تک کا خرید کریں۔ آپ کے تمام مصارف ادا کیے جائیں گے۔ اُمّید کہ آپ بخیریت ہوں گے اور آپ کی معیّت سے ہم سب مستفیض ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

۸۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵۸)————(۹۳)

لاہور

۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب قبلہ مولینا، السلام علیکم!

'معارف' سے معلوم ہُوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے۔

یہ عریضہ حضرت محی الدّین ابن عربیؒ کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی

کے لیے لکھتا ہوں۔ مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی اس واسطے التماس ہے کہ اِدھر جلد توجّہ فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہُوا، خدا تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے! انشاءاللہ افغانستان میں امن وامان رہے گا۔ مَیں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا جس کا جواب پرسوں موصُول ہُوا۔ صدرِ اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا۔ اُمید ہے کہ آپ نے بھی ان کو تعزیت کا تار دیا ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

اُمّید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمد اقبال

(۵۹)————(۹۴)

لاہور

۹۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم!

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہُوا!

مولوی نور الاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانہ سے آگئی ہے، اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گزاری کا موقع دیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

اُمّید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۹۵)————(۶۰)

لاہور
۱۵- دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولٰینا، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ تلخیص کے لیے نہایت متشکر گزار ہوں، مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوا ہے جس کا پوچھنا ضروری ہے۔

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے' اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے۔ یا یوں کہیے کہ زمان و مکان' دونوں کی حقیقتِ اصلیہ دہر ہی ہے، کیا یہ خیال محی الدین ابن عربیؒ کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے؟ اس کا جواب شاید فتوحات ہی میں ملے۔ مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمائیے اور دیکھیے کہ کیا اُنھوں نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے' اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے۔ اِس زحمت کیلیے معافی چاہتا ہوں۔ اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں۔

مَیں نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے' اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو چاہیے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شمار کریں۔

جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۹۶)————(۶۱)

لاہور

۱۵۔ جنوری ۱۹۳۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

دُنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادّی قوّت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالتِ نزع میں ہے۔ غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے؟ اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے، اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے۔ والسّلام

محمد اقبال

(۹۷)————(۶۲)

لاہور

۲۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء

مخدوم و مکرم، السلام علیکم!

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا، غالباً آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

کل مَیں آپ کے پُرانے خطوط پڑھ رہا تھا جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے

ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اُسے معلُوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے تو ان اجازتوں کو منسوخ کر دے، عارضی طور پر یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسُوخ کر سکتا ہے[1]، اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے، حافظے سے لکھ رہا ہُوں کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا؟ مہربانی کر کے اس کتاب کا پتہ دیجیے جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاحِ موقت) حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمانوں میں مروّج تھا اور حضرت عمرؓ نے اُسے منسُوخ کر دیا؟ نیز زمانۂ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے؟

سفرنامہ کابل بہت دلچسپ ہے۔ ممکن ہے آپ کو وہاں ایک دفعہ پھر جانا پڑے۔ اُمیّد کہ آپ کا مزاج بخیر ہے۔ والسّلام

مخلص
محمّد اقبال

(۹۸)————(۹۴)

لاہور
یکم فروری ۱۹۳۴ء

جناب مولانا، السّلام علیکم!

۱۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہُوں۔ مَیں نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے، دُرست ہے مگر مَیں ان معاملات

---

[1] ڈاکٹر صاحب کے حافظہ نے غلطی کی ہے۔ ملتوی کی جگہ منسُوخ لکھ گئے ہیں۔

کی ایک فہرست چاہتا ہُوں جن کے متعلق رائے قائم کرنا "امام" کے سپرد ہے۔ جرائم میں ایسے جرم ہیں جن کی تعزیر غالباً قرآن شریف میں مقرر ہے، اُن کے متعلق امام کیونکر رائے دے سکتا ہے ؟

۲۔ آپ فرماتے ہیں کہ تواترِ عمل کی ایک مثال نماز ہے۔ مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں جو اختلاف صُورتِ نماز میں ہے، وہ کیونکر ہُوا ؟

۳۔ ایک اور سوال پُوچھنے کی جرأت کرتا ہُوں : (۱) احکامِ منصوصہ میں توسیعِ اختیارات امام کے اصُول کیا ہیں ؟ (۲) اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے ؟ اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمایئے (۳) زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے ؟ اسلامی فقہا کا مذہب اس بارے میں کیا ہے ؟ قاضی مبارک میں شاید اس کے متعلق کوئی فتویٰ ہے، وہ فتویٰ کیا ہے ؟ (۴) اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرعِ اسلامی کے موافق ہو گی یا مخالِف ؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماعِ معاشرت سے گہرا تعلق ہے، کیا یہ بات بھی رائے امام کے سُپرد ہو گی ؟ (۵) صدقات کی کتنی قسمیں اسلام میں ہیں ؟ صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے ؟ تکلیف تو آپ کو ان سوالات کے جواب میں ہو گی، مگر مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے اس زحمت کے لیے معاف فرمائیں گے۔

تعلیمی مشورت کے لیے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہُوئے ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے لیے تھے۔ ان کی خدمت میں ہم دونوں کے علاوہ سردار فیض محمد خاں وزیرِ خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر اور غالباً ترکی تعلیمی مشیر شامل تھے۔ سرور خان کے خطوط بھی آئے تھے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۶۴)————(۹۹)

لاہور
۶۔ ستمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی مولانا، السلام علیکم!

یہ خط اعظم گڑھ کے پتہ پر لکھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ آپ ابھی علی گڑھ ہی میں ہیں یا وہاں سے واپس آ گئے۔ راغب اصفہانی نے 'مفردات' میں لفظ 'نبی' کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں، خبر دینے والا، اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا، اوّل الذکر نبی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے۔ اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے یعنی حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میں نبی بغیر ہمزہ کے ہوں۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں ہے یا نہیں؟[۱]

قرآن شریف میں جن انبیاء کا ذکر ہے، اُن میں کون سے نبی بالہمزہ ہیں اور کون سے بغیر ہمزہ؟ یا سب کے سب بغیر ہمزہ ہیں؟[۲]

۲۔ لفظ نار[۳] کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے؟

۳۔ لفظ نجات[۴] کا روٹ کیا ہے، اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں؟

---

[۱] یہ حدیث صحاح میں نہیں۔ آپ نے اس لیے نبیءَ کہنے سے منع فرمایا کہ لغت کی رُو سے مقصد نبوت کے لیے نبی لفظ ہے نبیءٌ نہیں۔

[۲] یقیناً سب کے سب نبیؐ بلا ہمزہ کے ہیں۔

[۳] ن ور معلوم ہوتا ہے۔ اس روٹ کے اصلی معنی چمک کے معلوم ہوتے ہیں۔ نُور، روشنی، نار، آگ نُورہ چونا، نورۃ کلی سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہیں۔

[۴] ن ج و معنی بلندی کے یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ کی جگہ بن سکے۔ اسی سے نجوۃ ہے۔ اسی سے موجودہ

غالباً راغب ہی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی بلندی کے ہیں۔

نمبر ایک میں جو سوال میں نے لکھا ہے، وہ بڑا اہم ہے کیونکہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآبؐ نبی بغیر ہمزہ ہیں تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ Prophet جس کے معنی خبر دینے والا کے ہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے ؟

اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔

آپ کا سفرنامۂ افغانستان خُوب ہے، لوگوں نے بہت پسند کیا۔ ہاں ایک ضروری بات یاد آگئی، یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہؒ کے تفہیماتِ الٰہیہ کی دُوسری جلد ہے جو شاہ عاشق حسین (شاگرد شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہُوئی ہے، کیا ندوہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجُود ہے؟ مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونوں ؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اُردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید 'معارف' میں اس کے اُردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۶۵) —————— (۱۰۰)

بھوپال، شیش محل
۱۹۔ جولائی ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم! میں گلے کے برقی علاج کے لیے کچھ مدت کے لیے بھوپال میں مقیم ہوں۔ اِس خط کا جواب یہیں مذکورہ بالا پتہ پر عنایت فرمایئے۔

۱۔ کیا فقہ اِسلامی کی رُو سے توہینِ رسُولؐ قابلِ تعزیر جرم ہے[1]؟ اگر ہے

---
[1] بے شبہہ

تو اس کی تعزیر کیا ہے[1] ؟

۲۔ اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالتمآبؐ پر جزوی فضیلت حاصل ہے، اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں، تو کیا ایسا شخص توہینِ رسولؐ کے جرم کا مرتکب ہے ؟ بالفاظِ دیگر اگر توہینِ رسولؐ جرم قابلِ تعزیر ہے تو عقیدۂ مذکور توہینِ رسولؐ کی حد میں آتا ہے یا نہیں[2] ؟

۳۔ اگر توہینِ رسولؐ کی مثالیں کتبِ فقہ میں مذکور ہوں تو مہربانی فرما کر ان میں سے چند تحریر فرمائیے۔ کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیے[3]۔

اُمید ہے کہ اِس عریضہ کا جواب جلد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں ! میری صحت پہلے سے بہتر ہے۔

اُمّید ہے اِس دفعہ کے علاج سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال (لاہور)

حال وارد بھوپال

---

[1] تعزیر حسب رائے امام قید سے لے کر قتل تک

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے، اور ایسا کہنا نہ کفر ہے نہ توہینِ نبی کا باعث ہے؛ البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے، اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ جزوی فضیلت حقیقت میں فضیلت کے شمار میں ہے بھی، مثلاً زیادہ متمدن زمانہ میں ہونا کوئی فضیلت نہیں کیونکہ خود تمدن نہ کوئی دینی فضیلت ہے نہ اخلاقی نہ عقلی بلکہ ممکن ہے کہ اسکے بعد اور بھی دُنیا زیادہ متمدن ہو جائے تو اس زمانہ کے آدمی پر بھی اس زمانہ کے آدمی کو فوقیت ہو جائے، اور اگر یہ امر باعثِ فضیلت ہو تو غلام احمد قادیانی کیا اقبال سیالکوٹی کو بھی یہ جزوی فضیلت حاصل ہے بلکہ غلام احمد سے زیادہ۔ کیونکہ مرزا صاحب نے صرف اس کو دُور سے دیکھا ہے، چکھا اور آزمایا نہیں۔

[3] یہ نقل کفر مجھ سے نہ ہوگا۔ آپ السیف المسلول علی شاتم الرسول دیکھ لیجیے۔

(۶۶)————(۱۰۱)

بھوپال، شیش محل
یکم اگست ۱۹۳۵ء

مخدوم مکرم جناب مولٰنا، السلام علیکم!

آپ کا والانامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

چند امور اور بھی دریافت طلب ہیں، اُن کے جواب سے بھی ممنون فرمائیے[1]۔

۱۔ تکملۂ مجمع البحار صفحہ ۸۵ میں حضرت عائشہ رض کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حضورؐ رسالت مآبؐ کو خاتم النبیین کہو۔ لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا[2]۔ مہربانی کر کے کتاب دیکھ کر یہ فرمائیے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں، اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے۔ ایسا ہی قول دُرِّ منثور جلد پنجم صفحہ ۲۰۴ میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے[3]۔ مَیں نے یہاں بھُوپال میں یہ کتب تلاش کیں، افسوس اب تک نہیں ملیں۔

حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷-۴۳۱ حضرت مسیحؑ کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے:

---

[1] اس وقت رد قادیانی پر اپنا مضمون تیار کر رہے تھے۔

[2] جی ہاں! اس کتاب میں یہ روایت ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ سے لی گئی ہے لیکن اس کی سند مذکور نہیں جو روایت کی صحت و ضعف کا پتہ لگایا جائے، اور اگر صحیح ہو بھی تو یہ حضرت عائشہ رض کی محض رائے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار خود فرمایا ہے لانبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت عائشہ رض نے اپنے خیال میں اسلیے ایسا کہنے سے منع کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کا انکار اس سے لوگ نہ سمجھنے لگیں۔ بہرحال یہ اُن کا خیال ہے جس کا صحیح ہونا ضروری نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہو۔

[3] جی ہاں وہی روایت بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اس کتاب میں بھی ہے اور اس کی نسبت پہلے لکھ چکا۔

"من قال بسبب نبوّتہ کفرحقا" اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے[1]؟

۳۔ "لوعاش ابراھیم لکان نبیّا" اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ نووی اسے معتبر نہیں جانتا، ملا علی قاری کے نزدیک معتبر ہے۔ کیا اس کے اسناد درست ہیں[2]؟ بخاری کی حدیث وامامکو منکو میں واؤ حالیہ ہے کیا[3]؟ اگر حالیہ ہو تو اس حدیث کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے دوبارہ آنے سے مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں

---

[1] حجج الکرامہ فی آثار القیامہ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی آمدِ ثانی بصفتِ نبوّت ہوگی یا بلا صفتِ نبوّت اِس باب میں علماء کا اختلاف ہے۔ نواب صاحب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بصفتِ نبوّت ہوگی؛ اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی آمدِ ثانی میں ان کی صفتِ نبوّت کا انکار کرتے ہیں، وہ مرتکبِ کلمۂ کفر ہیں۔ بہرحال، یہ رائے ہے۔

[2] یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ اس روایت کو بعض محققین نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فرضاً ہے واقعہ نہیں، کیونکہ لَو فرض اور عدمِ وقوع کے لیے آتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لیے ابراہیم بن محمدؐ کو بچپن ہی میں اُٹھا لیا گیا۔ چنانچہ دوسری روایتوں میں یہی مذکور ہے۔ چنانچہ خود ابن ماجہ میں اور بخاری میں ہے ولو قضی ان یکون بعد محمد نبیؐ لعاش ابنہ ولکن لانبی بعدہٗ (ابن ماجہ جنائز۔ بخاری انبیاء) یعنی یہ کہ اگر فیصلہ الٰہی یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادہ زندہ رہتے لیکن یہ فیصلہ الٰہی ہو چکا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری نے اس کو موضوعات میں لیا ہے اس کو معتبر نہیں کہا ہے ضعیف کہا ہے۔ اس میں ابوشیبہ ابراہیم راوی ضعیف ہے۔ بلکہ وہ متروک الحدیث، منکر الحدیث، باطل گو اور دروغ گو تک کہا گیا ہے۔ اس کے بعد بشرطِ صحت ملا نے اس کی تاویل کی ہے۔ بہرحال، اس حدیث کا وہی مطلب ہے جو اس حدیث کا ہے لوکان بعدی نبیا لکان عمر (مسند احمد، ترمذی) یعنی اگر میرے بعد نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمرؓ بن خطاب نبی ہوتے، لیکن چونکہ ممکن نہیں، اس لیے نہ وہ اور نہ کوئی اور نبی ہو سکتا ہے۔

[3] صحیح یہی ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں پر حجت ہوں گے اور مسلمانوں کی تائید فرمائیں گے۔ مسلمانوں کا امام الگ ہوگا، حضرت عیسیٰؑ نہ ہوں گے۔

کیونکہ جس وقت وہ آئیں گے، مسلمانوں کا امام خود مسلمانوں میں سے ہوگا۔

۵۔ ختمِ نبوت کے متعلق اور بھی اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۹۷) ———— (۱۰۴)

بھوپال
۲۰۔ اگست ۱۹۳۵ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مَیں بھی یہاں حمیدیہ لائبریری اور بعض پرائیویٹ احباب سے کتابیں منگوا کر دیکھتا رہا۔ الحمدللہ کہ بہت سی باتیں مل گئیں! اس مطالعہ سے مجھے بے انتہا فائدہ ہُوا، اور آپ کے خط نے تو اور بھی راہیں کھول دی ہیں۔

مَیں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ اس واسطے کوئی میرا رقیب نہیں، اور نہ مَیں کسی کو اپنا رقیب تصور کرتا ہُوں۔ فنِ شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہُوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رُو سے مَیں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے، ورنہ ؎

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرودست
کہ برمن تہمتِ شعر و سخن بست (زبورِ عجم)

مخلص
محمد اقبال

(۶۸) ———— (۱۰۳)

بھوپال
۲۳۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرّم جناب مولینا، السلام علیکم!

ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ ایک بات دریافت طلب رہ گئی تھی جواب عرض کرتا ہوں۔

کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو حیات و نزولِ مسیح ابن مریمؑ کے منکر ہوں؟ یا اگر حیات کے قائل ہوں تو نزول کے منکر ہوں؟ معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟[1]

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میں ۲۸۔ اگست کی شام کو رخصت ہو جاؤں گا۔ علاج کا کورس اس روز صبح ختم ہو جائے گا۔ اس خط کا جواب لاہور کے پتہ پر ارسال فرمایئے۔

والسلام
مخلص
محمد اقبال

(۶۹) ———— (۱۰۴)

لاہور
۲۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی مولینا، السلام علیکم! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنے

---

[1] مجھے جہاں تک علم ہے نزولِ مسیح کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتیں جو حال معلوم ہو۔ البتّہ ابنِ حزم وفاتِ مسیح کے قائل تھے، ساتھ ہی نزول کے بھی۔

فضل و کرم سے آپ کو صحت عطا فرمائی۔ آپ کا وجود ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے
از بس ضروری ہے، اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت
بخشا ہے تاکہ وہ دیر تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں۔

مَیں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بدور البازغہ چھپ گئی ہے،
مہربانی کر کے اس کا ایک نسخہ وی پی مجھے ارسال فرمائیے۔ اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی
کر کے جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے، وہاں سے منگوا دیجیے یا ان کو لکھ دیجیے کہ ایک نسخہ
میرے لیے وی پی کر دیا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہاں چھپی ہے اور کہاں سے دستیاب ہو
سکتی ہے، اس واسطے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔

موسیٰ جار اللہ کو آپ جانتے ہوں گے، انہوں نے حال میں ایک کتاب عقائدِ شیعہ
پر شائع کی ہے، اس میں بعض لطائف ہیں جو بہت جاذبِ توجہ ہیں۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۱۰۵)————————(۷۰)

لاہور
۷۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی، السلام علیکم! والا نامہ ابھی ملا ہے۔ آپ کی صحت کی خبر پڑھ کر
بہت خوشی ہوئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ و سلامت رکھے! میری صحت کی حالت
بہ نسبت سابق بہتر ہے، گو آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ انشاء اللہ موسم سرما میں وہ
انگریزی کتاب لکھنا شروع کروں گا جس کا وعدہ مَیں نے اعلیٰحضرت نواب صاحب بھوپال سے
کر رکھا ہے۔ اس میں آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ بدور البازغہ بھی اسی مطلب کے لیے

منگوائی ہے۔ اِس کتاب میں زیادہ تر قوانینِ اسلام پر بحث ہوگی کہ اس وقت اِسی کی زیادہ ضرورت ہے اس کے متعلق جو جو کتب آپ کے ذہن میں ہیں مہربانی کر کے اُن کے ناموں سے مجھے آگاہ فرمائیے، اور یہ بھی فرمائیے کہ کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔ مولینا ابوالکلام آزاد نے دو تین بیان چھپوائے ہیں، مگر حال کے روشن خیال علماء کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ بھی اِس پر ایک جامع و نافع بیان شائع فرمائیے، مَیں بھی تیسرا بیان انشاء اللہ جلد لکھوں گا، اُس کا موضوع ہوگا 'بُروز'۔ لفظ بروز[1] کے متعلق اگر کوئی نکتہ آپ کے ذہن میں یا کہیں صوفیہ کی کتابوں میں اِس پر بحث ہو تو اُس کا پتہ دیجئے، نہایت شکر گزار ہوں گا۔

موسیٰ جار اللہ[2] صاحب کی کتاب نہایت عمدہ ہے، ملنے کا پتہ کتاب پر یہ لکھا ہے:

مکتبہ الخانجی، شارع عبد العزیز، مصر

اُمید کہ مزاجِ والا بخیر و عافیت ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

---

[1] لفظ بروز کے معنی تو ظہور ہیں مگر اس کے اصطلاحی معنی ملاحدہ عجم کی پیداوار ہیں۔

[2] موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم مفکر، یہ ہندوستان کئی بار آچکے ہیں۔ مجھ سے مکہ معظمہ میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ترکی میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں۔

مولوی ظفر احمد صاحب صدیقی کے نام

(۱۰۶)————————(۱)

لاہور
۱۲- دسمبر ۱۹۳۶ء

(۱) جنابِ من معترض . . . . قرآنِ کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس، اسلامی تصوّف میں مسئلۂ خودی کی تاریخ اور نیز میری تحریروں سے ناواقفِ محض ہے۔ مؤخرالذکر صُورت میں مَیں اُسے معذور جانتا ہوں۔ آخر اس غلامی کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس کونسا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنی آئندہ نسلوں کو اسلامی تصورات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کر سکیں۔ غلام قوم مادّیات کو روحانیت پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور جب انسان میں خُوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوتِ نفس اور رُوحِ انسانی کا ترفع ہو۔

(۲) اعتراض کا جواب آسان ہے۔ دینِ اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رُو سے ہر شئے پر مقدّم ہے، نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود معیّن کرتا ہے۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی، قانونِ الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جُوع الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صُورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں، دوسری صُورت میں قانونِ الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے۔ بہرحال،

حدودِ خودی کے تعیّن کا نام شریعت ہے، اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔ لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلۂ فنا کی تفسیر فلسفۂ ویدانت اور بُدھ مت کے زیرِ اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدہ کی رُو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی، اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

(۳) معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے، غلط ہے۔ مَیں جنگ کا حامی نہیں ہُوں، نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ معیّنہ کے ہوتے ہُوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں، محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صُورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے، مسلمان کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صُورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹:۴۹ میں بیان ہوئی ہے۔ اِن آیات کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ چیز جس کو سیمویل ہور، جمعیّتِ اقوام کے اجلاس میں Collective Security کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گزشتہ زمانہ کے مُسلمان مدبرین اور سیاسیین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دُنیا میں جمعیّتِ اقوام کے بنے ہُوئے آج صدیاں گزر گئی ہوتیں۔ جمعیّتِ اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اُس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانونِ

الٰہی کی پابند نہ ہو، امنِ عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے مَیں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لیے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس، دین کی اشاعت کے لیے تلوار اُٹھانا بھی حرام ہے۔

(۴) شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں، اِس جانور میں اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں۔ (۱) خوددار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہُوا شکار نہیں کھاتا (۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (۳) بلند پرواز ہے (۴) خلوت پسند ہے (۵) تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ مَیں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہُوں۔

محمد اقبال

میر سیّد غلام بھیک نیرنگ کے نام

(۱۰۷) ——— (۱)

لاہور

۴۔جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی میر صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی مِلا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

مَیں آپ کو اِس اعزاز کی خود اطلاع دیتا مگر جس دُنیا کے مَیں اور آپ رہنے والے ہیں، اُس دُنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ سینکڑوں خطوط اور تار آئے اور آرہے ہیں، اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر

جانتے ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہُوا ہے، سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اُس بزرگ و برتر وجُود کی جس کی وجہ سے مجھے خُدا پر ایمان نصیب ہُوا اور مسلمان کہلاتا ہُوں، دُنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی انشاء اللہ!

اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اُس کا دِل مومن ہے۔ مقدمہ سجاد حسین میں مَیں نے محض اپنا فرض ادا کیا، شکریے کا مستحق نہیں ہُوں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۰۸)————————(۲)

لاہور

۲۴۔ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

ڈیئر میر صاحب، السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی مِلا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ چندہ اِس کانفرنس کے لیے اِنشاء اللہ ہو جائے گا۔ بڑے آدمیوں کی منت نہ کرنی پڑے گی۔ فی الحال تین آدمیوں نے آٹھ ہزار روپیہ جمع کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ باقی روپیہ بھی اِس غرض کے لیے عام مسلمان دینے کو تیّار ہو جائیں گے، اور میں سمجھتا ہُوں کہ رقم مطلوبہ کا بہت بڑا حصّہ غالباً لاہور ہی سے جمع کر لوں گا بلکہ میرا ارادہ یہ ہے کہ جب تک رقم مطلوبہ کے وعدے پرائیویٹ طور پر ہو نہ جائیں، اِس کانفرنس کے متعلق کوئی اعلان نہ کیا جائے۔ یورپ اور امریکہ سے کم از کم آٹھ دس آدمیوں کو دعوت دی جائے گی، باقی جو مسلمان یورپین ہندوستان میں موجُود ہیں، اُن کی فہرست تیار کی جائے گی۔ آپ فی الحال اس فہرست کی تیاری میں مدد دیں اور اپنے

احباب کو خطوط لکھ کر اُن کے مفصّل پتے دریافت کریں۔ کم از کم سو یورپین مُسلمان اِس کانفرنس میں جمع ہو جائیں تو خُوب ہو۔ کانفرنس کے اجلاسوں کے لیے ٹکٹ لگانے کا قصد ہے۔ آپ اپنے دوست سے کہیں کہ فی الحال یہ خیال کانفیڈینشل ہے۔ مسٹر پکتھال کو مَیں نے حیدر آباد خط لکھا تھا، اُن کو اس خیال سے نہ معلوم کیوں ہمدردی نہیں۔ مَیں اِنگلستان خط و کتابت کر رہا ہُوں۔

مخلص
محمدؐ اقبال

اگر کچھ کمی چندے میں رہ گئی تو والیِ بھُوپال سے مدد کی التجا کرنا بہتر ہوگا۔
محمدؐ اقبال

(۱۰۹) ———— (۳)

لاہور
۵۔ دسمبر ۱۹۲۸ء

ڈیئر میر صاحب، السلام علیکم!

میرے نزدیک تبلیغِ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدّم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اِس مقصد کا عنصر نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے 'قوم پرستوں' کے رویّہ سے معلوُم ہوتا ہے، تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہُوں اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربہ کے بعد۔ ہندوستان کی سیاسیات کی روِش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، خود مذہبِ اسلام کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا

یا کم از کم یہ بھی شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔ بہرحال جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے، اس کا اجر حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی دے سکتے ہیں۔ میں انشاء اللہ جہاں جہاں موقع ہوگا آپ کے ایجنٹ کے طور پر، کہنے سننے کو حاضر ہوں مگر آپ اور مولوی عبدالماجد بدایونی جنوبی ہندوستان کے دورے کے لیے تیار رہیں۔

باقی رہا لیکچروں کے ترجمے کا کام، سو یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل اور از بس مشکل ضرور ہے۔ ان لیکچروں کے مخاطب زیادہ تر وہ مسلمان ہیں جو مغربی فلسفے سے متاثر ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ فلسفۂ اسلام کو فلسفۂ جدید کے الفاظ میں بیان کیا جائے، اور اگر پرانے تخیلات میں خامیاں ہیں تو ان کو رفع کیا جائے۔ میرا کام زیادہ تر تعمیری ہے اور اس تعمیر میں مَیں نے فلسفۂ اسلام کی بہترین روایات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ مگر مَیں خیال کرتا ہوں کہ اردو خواں دنیا کو شاید ان سے فائدہ نہ پہنچے کیونکہ بہت سی باتوں کا علم مَیں نے فرض کر لیا ہے کہ پڑھنے والے (یا سننے والے) کو پہلے سے حاصل ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ تین لیکچر امسال لکھے گئے ہیں، تین آئندہ سال لکھوں گا اور مدراس ہی میں دسمبر ۲۹ء یا جنوری ۳۰ء میں دوں گا۔ حیدر آباد دکن بھی ٹھیروں گا کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا تار آیا ہے کہ لیکچر وہاں بھی دیے جائیں۔ آئندہ دسمبر تک یہ تمام لیکچر تیار ہو کر چھپ جائیں گے، اُس وقت مَیں آپ کی خدمت میں ایک کاپی بھیج سکوں گا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

مولوی الف دین کے نام

(۱۱۰) ——————— (۱)

لاہور
۹۔جنوری ۱۹۱۷ء

مخدومی مولوی صاحب، السلام علیکم!

خط ملا، تکلیف فرمائی کا شکریہ قبول ہو۔ افسوس کہ میجر کمرون سے میری واقفیت نہیں، اور نہ جہاں تک مجھے معلوم ہے، میرے کسی دوست سے اُن کی واقفیت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مَیں اس قسم کے رسُوخ سے کوسوں بھاگتا ہُوں اور اس کے وجوُہ خاص ہیں جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود سمجھتے ہوں گے۔ آپ کے اشعار نہایت عُمدہ ہیں۔ علم غائب اور نصِ غائب الخ کا پُورا شعر کاٹ ڈالیے اور حرزِ جاں لا اِلٰہ الخ کا دوسرا مصرع کاٹ کر اور مصرع غور فرمایئے۔ باقی اشعار نہایت عمدہ اور صاف ہیں۔ مثنوی 'اسرارِ خودی' کے دوسرے حصّہ کا قریب پانچ سو شعر لکھا گیا ہے مگر ہاتف کبھی کبھی دو چار ہوتے ہیں، اور مجھے فرصت کم ہے۔ امید کہ رفتہ رفتہ ہو جائیں گے۔ ہجرت کے مفہوم کے متعلق جو چند اشعار لکھے ہیں، عرض کرتا ہُوں تاکہ آپ اندازہ کرسکیں کہ یہ کیا چیز ہو گی۔

محمد اقبال، لاہور

ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست ۱ رُومی و شامی گلِ اندامِ ماست

قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست ۲ مرز و بومِ او بجز اسلام نیست

عقدۂ قومیتِ مُسلم کشود ۳ از وطن آقائے ما ہجرت نمود

دستِ او یک ملتِ گیتی نورد ۴ بر اساسِ کلمہ تعمیر کرد

تا ز بخشش ہائے آں سلطانِ دیں ۵ مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمین

آنکہ در قرآں خدا او را ستود ۶ آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود

دشمناں بے دست و پا از ہیبتش ۷ لرزہ بر تن از شکوہِ فطرتش

پس چرا از مسکنِ آبا گریخت؟ ۸ تو چہ پنداری کہ از اعدا گریخت؟

قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند ۹ معنیِ ہجرت غلط فہمیدہ اند

ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است ۱۰ ایں ز اسبابِ ثباتِ مسلم است

معنیِ او از تنک آبی رم است ۱۱ ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است

مہر را آزادہ رفتن آبروست ۱۲ عرصۂ آفاق زیرِ پائے اوست

بگزر از گل گلستاں مقصودِ تست ۱۳ ایں زیاں پیرایۂ بندِ سودِ تست

ہمچوں جو سرمایہ از باراں مخواہ ۱۴ بے کراں شو در جہاں پایاں مخواہ

بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت ۱۵ ساحلے ورزید و از شرم آب گشت

بایدت آہنگِ تسخیرِ ہمہ ۱۶ تا تو می باشی فراگیرِ ہمہ

صورتِ ماہی بہ بحر آباد شو ۱۷ یعنی از قیدِ وطن آزاد شو

ہر کہ از بندِ جہات آزاد شد ۱۸ چوں فلک در شش جہات آباد شد

بوئے گل از ترکِ گل جولانگر است ۱۹ در فراخائے چمن خود گستر است

اے کہ یک جا در چمن انداختی ۲۰ مثلِ بلبل با گلے در ساختی

چوں صبا بارِ قبول از دوش گیر ۲۱ گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر

مطبوعہ نسخہ میں اشعار کی ترتیب مختلف ہے اور بعض الفاظ میں بھی تغیّر ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

پروفیسر شجاع الدین ناموس کے نام

(۱۱۱) ———— (۱)

لاہور
۲۰۔جنوری ۱۹۳۱ء

ڈیر خواجہ شجاع ، السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

بڑی خوشی سے تشریف لائیے ! مَیں ۱۴۔ فروری کو غالباً لاہور ہی میں ہوں گا۔ اگر کہیں باہر جانے کا اتّفاق ہو گیا تو لکھ بھیجوں گا۔ فوٹو میرے پاس اس وقت موجُود نہیں لیکن مَیں کوشش کروں گا کہ آپ کی تشریف آوری تک دستیاب ہو جائیں۔ باقی رہے منظومات، سو یہ ہندی فارسی ہے ایک ایرانی کو کیا پسند آئے گی ! میرے زیرِ نظر حقائق اخلاقی و ملّی ہیں۔ زبان میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ فنِ شعر سے بھی مَیں بحیثیت فن کے نابلد ہُوں۔ اگر ان خیالات کو کوئی شخص ان کی مروّجہ زبان میں لکھ دے تو شاید ان لوگوں کے لیے مفید ہو۔ بہر حال، جو کچھ شائع ہو چکا ہے، حاضر کر دیا جائے گا۔ آخری نظم 'جاوید نامہ' جس کے دو ہزار شعر ہوں گے، ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ممکن ہے مارچ تک ختم ہو جائے۔ یہ ایک قسم کی ڈوائین کامیڈی

(گزشتہ سے پیوستہ)
شعر نمبر ۴ کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخہ میں یُوں ہے "حکمتش یک ملتی گیتی نورد"
شعر نمبر ۸ کا دوسرا مصرع مطبوعہ نسخہ میں "تو گماں داری کہ از اعدا گریخت" ہے۔
شعر نمبر ۱۷ کے دوسرے مصرع میں وطن کے بجائے لفظ مقام ہے۔
شعر نمبر ۱۸ کے پہلے مصرع میں "بند" کے بجائے "قید" ہے۔

ہے اور مثنوی مولانا رومؒ کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کا دیباچہ بہت دلچسپ ہوگا اور اس میں غالباً ہند و ایران بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے نئی باتیں ہوں گی۔ ایرانیوں میں حسین ابنِ منصور حلاج، قرۃ العین، ناصر خسرو علوی وغیرہ کا نظم میں ذکر آئے گا۔ جمال الدین افغانی کا پیغام مملکتِ رُوس کے نام ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں!

اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(۱۱۲)———————(۲)

لاہور
(بلا تاریخ)

مائی ڈیر مسٹر شجاع!

آپ نے کتاب 'سیر السما' کے سلسلہ میں جو زحمت گوارہ فرمائی اُس کے لیے نہایت ممنُون ہُوں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ مجُھے صِرف اس قدر اطّلاع کی ضرورت ہے کہ آیا اس کتاب کا موضوع فلکیات سے ایک سائنٹیفک بحث ہے یا صِرف اس میں آسمان کی کیفیات تخیّل یا مذہبی تجربہ یعنی مشاہدۂ روحانی یا وحی و الہام کی بنا پر لکھی گئی ہیں۔ اکثر مسلمان صُوفیا نے آسمانوں سے اسی انداز سے بحث کی ہے۔ اگر کتاب پر موٴخر الذکر صورت کا اطلاق ہوتا ہو تو مَیں یا خود آؤں گا یا چودھری محمدؐ حسین صاحب کو بھیجوں گا۔

آپ کا
محمدؐ اقبال

(۱۱۳) ———— (۳)

لاہور

۲۰۔ جنوری ۱۹۳۱ء

ڈیئر خواجہ شجاع، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے کتاب کی عبارت نقل کرنے میں بڑی زحمت اٹھائی۔ میر سراج الدین صاحب میرے پرانے مہربان ہیں۔ میں نے ان کو بھی اس کتاب کے لیے لکھا تھا۔ بہرحال، اب معلوم ہوا کہ کتاب میرے مطلب کی نہیں ہے۔

آپ لاہور تشریف لائیں تو فہرست ہمراہ لیتے آئیں۔ ممکن ہے بعض کتابیں یا کل، پنجاب یونیورسٹی خرید لے۔ پروفیسر شفیع جو پنجاب یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ہیں اور جن کو غالباً آپ بھی جانتے ہوں گے، وہ بھی اس فہرست کو دیکھ لیں گے، اور دیکھنے کے بعد یونیورسٹی میں رپورٹ کر سکیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں! امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۱۴) ———— (۴)

لاہور

۸۔ مئی ۱۹۳۲ء

جناب منعمی صاحب!

السلام علیکم۔ اچار کے لیے بہت بہت شکریہ۔ واقعی مجھے اچار شلغم

سے بہت محبت ہے۔ خورجہ سے خود بھی ایک دفعہ منگوایا تھا مگر وہ کچھ ایسا اچھا نہ تھا جیسا سُنا تھا اُس سے کم پایا۔ آپ کے خط میں مَیں نے خورجہ کو خواجہ پڑھا اور اُس سے یہ سمجھا کہ ساختِ خواجہ' کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچار آپ نے خود بنایا ہے۔ بہرحال، شکریہ قبول کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۱۵)————(۵)

لاہور
۲۱۔ اگست ۱۹۳۲ء

ڈیر منعمی صاحب، السلام علیکم!

مَیں آج صبح دہلی سے واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ہندوستان سے باہر ہیں۔ بہرحال، جس طرح آپ نے ایران میں رہ کر فارسی سیکھی، اسی طرح اب عربی سیکھنے کا موقع ہے، خوب سیکھیے! مگر مجھے اندیشہ ہے کہ عربی دانی سے آپ کی دِل چسپی جو آپ کو فارسی لٹریچر سے ہے، کم ہو جائے گی۔ کوئی آدمی عربی زبان کے "چارم" کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مَیں نے طالب علمی کے زمانے میں خاصی عربی سیکھ لی تھی مگر بعد میں اور مشاغل کی وجہ سے اِس کا مطالعہ چھُوٹ گیا؛ تاہم مجھے اس زبان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہے۔ آپ کے خط کے ساتھ ہی انگلستان کی Aristotelian Society کا دعوت نامہ پہنچا کہ انگلستان آکر اس سوسائٹی کے سامنے لیکچر دُوں۔ ابھی جواب نہیں لکھ سکا۔ اگر عراق کی طرف سے بھی دعوت آگئی تو کیا عجب مزید کشش کا باعث ہو جائے اور میں ایک دفعہ پھر گھر سے باہر نکل سکوں۔ اگر اب کے نکلا تو سپین کی سیر کا بھی قصد ہے۔ اِن شاء اللہ،

عربوں کے قدیم شہر بھی دیکھوں گا اور اُن پر لکھوں گا بھی۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

والسّلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۱۱۶) ——————— (۶)

بھوپال

۵۔ اگست ۱۹۳۵ء

ڈیر مسٹر شجاع!

مَیں بغرض علاج برقی بھوپال میں مقیم ہُوں اور اگست کے آخر تک یہیں رہونگا۔ میری صحت عامہ پہلے کی نسبت بہت اچھی ہے اور آواز میں بھی کسی قدر فرق ہے۔ اُمید ہے کہ اس دفعہ کے علاج سے بہت فائدہ ہو گا۔ رُبِ شہتوت کی نسبت کچھ عرض نہیں کرسکتا لیکن بعض لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ مفید ہے۔ بہر حال آزمانے پر معلوم ہو گا۔ مَیں آپ کا نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ نے محض میرے لیے اِس درخت کی حفاظت کی۔ اگر اس کا پھل فائدہ نہ بھی کرے تو ممکن ہے آپ کے اخلاص کی برکت سے فائدہ ہو جائے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال

مخدوم الملک سیّد غلام میراں شاہ کے نام

(۱۱۷) ———————— (۱)

لاہور
۲۳۔ جون ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب پیر صاحب!

آپ کا نوازش نامہ ملا جسے پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ اس ملک اور اس زمانہ میں جب کہ اولیائے اسلام کی اولاد نے اپنے اسلاف کے تمام اوصاف کھو دیے ہیں اور ان کی بزرگی کو اپنی ریاست کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے، مَیں آپ کے وجود کو غنیمت تصور کرتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کا اخلاص اور وہ محبت جو آپ کو حضور رسالتمآبؐ سے ہے، آپ کے خاندان پر بہت بڑی برکات کے نزول کا باعث ہو گی۔ باقی میری نسبت جو حسنِ ظن آپ کو ہے، وہ بھی محض آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا نتیجہ ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۱۸) ———————— (۲)

لاہور
یکم جولائی ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب!

آپ کا خط جو آج ملا ہے، آپ کی صفائی باطن کی دلیل ہے کیونکہ میں بھی ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء کے بعد ہی کشمیر جانے کا عزم کر رہا ہوں اگرچہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا۔ میرے

لڑکے، جاوید کا سکول ۱۶۔ جولائی کو بند ہو گا۔ اگر مَیں نے قطعی فیصلہ کشمیر جانے کا کر لیا تو اس کو چند روز پہلے سکول سے چھٹی دلائی جا سکتی ہے۔ مَیں نے اپنے بعض دوستوں کو کشمیر کوٹھی کے لیے خطوط بھی لکھے ہیں جن کے جواب کی توقع آج یا کل تک ہے۔ میرے ایک دوست سید مراتب علی شاہ آرمی کنٹریکٹر نے پرسوں یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اگر آپ کشمیر جانے کا عزم کر لیں تو میری سب سے بڑی کار جس میں سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں، آپ کشمیر لے جا سکتے ہیں۔ مگر اس سارے معاملے میں ایک رکاوٹ ہے جو اگر دُور نہ ہوئی، اور کوئی غیر متوقع رکاوٹ پیش نہ آئی تو مَیں اس کا آپ سے ذکر بوقت ملاقات زبانی کروں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اگر مَیں کشمیر جا سکا تو آپ کی معیت باعثِ برکت ہو گی۔ والسلام

محمّد اقبال

(۱۱۹) ———— (۳)

لاہور
۲۵۔ جولائی ۱۹۳۶ء

مخدوم و مکرّم جناب پیر صاحب!

السلام علیکم۔ کئی روز ہوئے مَیں نے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا جس کے جواب کا اب تک انتظار ہے۔ خدا کرے کہ آپ مع اعزہ مع الخیر ہوں۔ معلوم نہیں ہُوا کہ آپ کشمیر جا سکے یا نہیں۔ افسوس کہ مَیں اب تک نہیں جا سکا؛ سر عبد الصمد خاں، ہوم منسٹر کشمیر، کے خط کا انتظار ہے۔ باقی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ آپ اپنی خیریت سے اطلاع فرمائیں۔

لاہور میں خوب گرمی ہے۔ بارش کم ہوئی ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۴) ——————— (۱۲۰)

لاہور

۱۱۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی جناب قبلہ پیر صاحب!

نوازش نامہ ابھی موصول ہُوا جس کے لیے بہت شکر گزار ہُوں۔

حجِ بیت اللہ کی آرزو تو گزشتہ دو تین سال سے میرے دل میں بھی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے استطاعت عطا فرمائے تو یہ آرزو پُوری ہو۔ اور اگر آپ رفیقِ راہ ہوں تو مزید برکت کا باعث ہو۔ عراق کی راہ جائیں تو بہت سے مقدس مقامات کی زیارت ہو جاتی ہے لیکن بغداد سے مدینہ تک چھ سو میل کا طویل سفر ہے جو لاری پر کرنا پڑتا ہے۔ صحرائی سفر بہت دشوار گزار ہے۔ وہاں کی گورنمنٹ کی طرف سے ایک اِطلاع اخباروں میں شائع ہوئی تھی کہ جن لوگوں کی صحت اچھی نہیں، وہ یہ راستہ اختیار نہ کریں۔ مولوی محبوب عالم مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار کی صاحبزادی فاطمہ بیگم، ایڈیٹر 'خاتون' جو حال ہی میں واپس آئی ہیں، وہ بھی اِس راستہ کی دشواری کی تصدیق کرتی ہیں۔ آپ ایسے باہمّت جوان کے لیے تو یہ سفر قطعاً مشکل نہیں۔ ہمّت تو میری بھی بلند ہے لیکن بدن عاجز و ناتواں ہے۔ کیا عجب کہ خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور آپ کی معیّت اس سفر میں نصیب کرے۔

چند روز ہوئے، سر اکبر حیدری وزیرِ اعظم حیدر آباد کا خط مجھ کو ولایت سے آیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حجِ بیت اللہ اگر تمہاری معیّت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے، وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔

میرے دوست غلام بھیک نیرنگ نے بھی خطوط اپنے احباب کو بغداد میں، میرے کہنے پر لکھے ہیں کہ مذکورہ بالا راستہ کے کوائف سے مفصّل آگاہی ہو۔ ان کا جواب آنے پر آپ کو بھی اطلاع دوں گا۔ باقی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہو گا۔ والسّلام

محمد اقبال

(۱۲۱)————(۵)

۱۲۔ اگست ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب پیر صاحب!

آپ کا نوازش نامہ بڑے انتظار کے بعد ملا۔ یہ تو میں اندازہ کر سکتا تھا کہ آپ کشمیر نہیں جا سکے، لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ آپ خدانخواستہ علیل نہ ہوں۔ آپ کے خط سے معلوم ہُوا کہ ہر طرح خیریت ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک!

مَیں انشاء اللہ ایک دفعہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ موسم کی خوشگواری، مرغی، انڈے اور فروٹ کی کثرت کی کشش سے بہت زیادہ کشش خود آپ کی ذات کی ہے۔ مگر فی الحال میں سفر کرنے سے ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ منجملہ اور وجوہ کے تھی کہ مَیں کشمیر نہیں جا سکا۔ اس کے علاوہ موجودہ حالات میں سفر کروں تو بچّوں کو کس کے پاس چھوڑ جاؤں! گزشتہ ماہ سے ایک جرمن خاتون ان کی نگہداشت کے لیے رکھی ہے۔ جب بچّے کچھ مدّت میں اس کے ساتھ مانوس ہو جائیں گے، اور وہ بھی گھر کے معاملات سے پُوری واقف ہو جائیگی

تو مجھ کو لاہور سے باہر حرکت کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔

لاہور میں اگرچہ بارش دو چار دفعہ ہوئی ہے تاہم گرمی ہے۔ رات کسی قدر خنک ہو جاتی ہے۔ اُمید کہ جنابِ والا کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

محمد اقبال

(۱۲۲) (۶)

لاہور
۲۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب پیر صاحب!

آپ کا خط آج صبح مل گیا۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں اور حج کی تیاریوں میں مصروف۔ خدا تعالیٰ آپ کو یہ سفر مبارک کرے اور اس کے فرشتوں کی رحمتیں آپ کے شریکِ حال ہوں۔ کاش کہ مَیں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستفیض ہوتا! لیکن افسوس ہے کہ جُدائی کے ایام ابھی کچھ باقی معلوم ہوتے ہیں۔ مَیں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں؛ تاہم حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے "الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لیے ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے۔

باقی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مَیں آپ کے لیے دست بدُعا ہوں۔ والسّلام

محمد اقبال

(۱۲۳)————(۷)

لاہور
۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کے دونوں نوازش نامے موصول ہوگئے ہیں۔ عراق کی طرف سے جو راستہ جاتا ہے، اُس کے متعلق پُورے طور پر تحقیق فرمایئے۔ مجھ کو تو یہی معلوم ہُوا ہے کہ یہ راستہ اچھا نہیں، اور وہاں کی سرکاری اطلاع بھی یہی ہے کہ بیمار آدمی اس راستے سے سفر نہ کرے۔

باقی رہا آپ کا اطمینانِ قلب، سو آپ کو معلوم ہے کہ اطمینانِ قلب ذکرِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے، اور ذکرِ الٰہی آپ کے آباؤ اجداد کی میراث ہے۔ سب نے یہ طریق انہیں سے سیکھا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ آپ کی میراث ہے۔ مَیں آپ کے چہرے میں آثارِ سعادت دیکھتا ہُوں۔ کوئی شخص آپ کو آپ کی میراث سے محروم نہیں کرسکتا۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۱۲۴)————(۸)

جاوید منزل لاہور
۲۹۔ مارچ ۱۹۳۸ء

مخدوم الملک جناب قبلہ پیر صاحب!

السلام علیکم۔ امید کہ میرا خط جو جمال الدین والی میں آپ سے پہلے پہنچ گیا تھا،

آپ کو مِل گیا ہو گا۔ خدا کا شکر ہے کہ سفر میں صاحبزادہ بھی آپ کے شریکِ حال تھا۔ اس عمر میں سعادتِ حج نصیب ہونا اُس کی خوش نصیبی کی دلیل ہے۔

مَیں نے آپ کے مخلص کا خط پڑھا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے احباب اور مخلصین آپ سے اِس روحانیت کی بنا پر جو آپ نے اپنے آبا و اجداد سے ورثہ میں پائی ہے، بہت بڑی بڑی اُمیدیں رکھتے ہیں۔ ان اُمیدوں میں مَیں بھی شریک ہُوں اور دُعا کرتا ہُوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوّت، ہمّت، اثر، رسُوخ اور دولت و عظمت کو حقائقِ اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔ اس تاریک زمانے میں حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ جلد آپ کی طبیعت میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہو جس کی ابھی تک آپ کو توقع نہیں۔ افسوس ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں جن بزرگوں نے علمِ اسلام بلند کیا ان کی اولادیں دُنیوی جاہ و منصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہو گئیں اور آج ان سے زیادہ جاہل کوئی مُسلمان مشکل سے ملے گا، اِلّا ماشاء اللہ! وقت تو ایسا ہی معلُوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں بزرگوں کی اولاد سے کسی کی روحانیت کو بیدار کر دے اور کلمۂ اسلام کے اعلاء پر مامور کرے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

مَیں آپ کے جانے سے چند روز بعد بہت بیمار ہو گیا یہاں تک کہ زندگی سے مایُوسی تھی۔ دمے کے متواتر دَورے ہُوئے۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، گو دمے میں بہت کچھ افاقہ ہو گیا ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۲۴) ——— (۹)

جاوید منزل لاہور

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب!

آپ کا تار گزشتہ رات کراچی سے ملا جس کو پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی۔ مَیں آپ کی بخیریت واپسی پر دِلی مُبارکباد پیش کرتا ہُوں اور دُعا کرتا ہُوں کہ اللہ آپ کا حج قبول فرمائے اور آپ کو اپنے دین کی محبت اور اپنے حبیب کے عشق سے مالا مال فرمائے۔ امید ہے کہ اِس خط کے پہنچنے تک آپ بھی جمال الدین والی میں پہنچ گئے ہوں گے۔ والسلام

محمدؐ اقبال

مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام

(۱۲۶) ——— (۱)

لاہور

۶۔ جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامے کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ کے مختصر الفاظ نے اس موقع پر میرے جذبات کی نہایت صحیح ترجمانی کی ہے۔ حالات مختلف ہوتے تو میرا طریقِ عمل بھی اس بارے میں مختلف ہوتا لیکن یہ بات دُنیا کو عنقریب معلوم ہو جائے گی کہ اقبال کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ ہاں کھلی کھلی جنگ اس کی فطرت کے خلاف ہے۔

'اسرارِ خودی' کا ریویو دیکھنے کا منتظر ہُوں۔ سی، آر، داس کا خطبۂ صدارت کانگرس

آپ نے دیکھا ہوگا۔ اُس نے اسی رُوحانی اصول کو سیاسی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اُمید
کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۲۷)————(۲)

لاہور
۱۷۔ اپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ مِل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔
مجھے آپ سے قلبی تعلق ہے اِس واسطے ہمیشہ آپ کے خط سے مسرت
ہوتی ہے۔ "پیامِ مشرق" اپریل کے آخر تک شائع ہو جائے گا۔ چند ضروری نظمیں ذہن میں
تھیں لیکن افسوس ہے انہیں ختم نہ کر سکا۔ فکرِ روزی قاتلِ رُوح ہے۔ یکسُوئی نصیب نہیں۔
ان سب باتوں کے علاوہ والدِ مکرّم کا اصرار تھا کہ جتنا ہو چکا ہے اسے شائع کر دیا جائے۔
آپ کے نوجوان دوست کے تبصرۂ پیام کو مَیں شوق سے پڑھوں گا۔ میرے ایک سِکھ
دوست 'اسرارِ خودی' کا 'بھگوت گیتا' سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ اُن کی تحریر انگریزی میں ہوگی۔
میرے کلام کی مقبولیت محض فضلِ ایزدی ہے ورنہ اپنے آپ میں کوئی ہنر
نہیں دیکھتا اور اعمالِ صالحہ کی شرط بھی مفقود ہے۔
مولینا کی کتاب 'فیہ مافیہ' کو آپ خود ایڈٹ کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ
یورپ میں وسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو

یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔ میری رائے میں آپ یہ ضروری کام خود کریں، بعد میں یورپین ایڈیشن بھی نکل آئے گی۔ جوہر کے نعتیہ کلام کو مَیں نے بھی خاص طور پر نوٹ کیا ہے، بلکہ مَیں تو ان کے رُوحانی انقلاب کو ایک مدت سے دیکھ رہا ہُوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمّد اقبال

(۱۲۸) ——————— (۳)

لاہور

۱۱۔اکتوبر ۱۹۲۳ء

مخدومی، السلام علیکم!

"پیامِ مشرق" میں چند اشعار "بوئے گل" پر ہیں جو آپ کے ملاحظہ سے گزرے ہوں گے، آخری شعر ہے ؎

زندانیٔ کہ بند ز پائش کشادہ اند
آہے گذاشت است کہ بُو نام دادہ اند

حال میں جامعہ ملیہ علی گڑھ کے رسالے میں "پیامِ مشرق" پر ریویو کرتے ہوئے مولانا محمد اسلم جیراجپوری "آہے گذاشت است" پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترکیب مکروہ معلوم ہوتی ہے، یہی مطلب کسی اور طرح ادا کرنا چاہیے۔ مَیں آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہُوں۔ مولینا سید سلیمان ندوی صاحب سے بھی استصواب کروں گا۔ چونکہ دوسری ایڈیشن جلد نکالنے کا ارادہ ہے، اِس واسطے اگر آپ کا جواب جلد مل جائے

توبہتر ہو۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلِص

محمدؐ اقبال۔ لاہور

(۱۲۹) ——— (۴)

مکرمی! پیامِ امن کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کا تبصرہ بجائے خود ایک نہایت مفید رسالہ ہے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

۳۔ نومبر ۱۹۲۳ء

نوٹ: مکتوب الیہ نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ مع اپنے مفصل تبصرہ کے شائع کیا تھا۔

(۱۳۰) ——— (۵)

لاہور

۲۶۔ نومبر ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

ابھی ایک عریضہ ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ مکرّر عرض ہے کہ آپ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں فوراً خط لکھیں کہ وہ تجویز معلومہ کورٹ کے سامنے پیش نہ کریں۔ کم از کم مجھ سے پُوچھے بغیر پیش نہ کریں۔ والسلام۔ تاکید مزید عرض کرتا ہُوں۔

مخلِص

محمدؐ اقبال

(۱۳۱) ——— (۶)

لاہور

۲۲۔ مارچ ۱۹۲۵ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں مگر آپ کا نوٹ پڑھ کر

مجھے بہت تعجب ہُوا۔ معلُوم ہوتا ہے عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون بہت سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ بہرحال مَیں آپ کا خط زیرِ نظر رکھوں گا۔ مضمون کا مسودہ ارسال فرمایئے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمدؐ اقبال

نوٹ: اقبال نے اپنے انگریزی مقالہ" اجتہاد" پر رائے طلب کی تھی؛ اور جو رائے دی گئی خاصی مخالفانہ تھی۔

(۱۳۲)————(۷)

لاہور
۵۔ جنوری ۱۹۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ کل موصول ہُوا جس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے۔ مَیں بھی ایک ہفتہ کے لیے علی گڑھ گیا تھا۔ وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز معلُوم ہوتا ہے۔ سید راس مسعُود بہت مستعد آدمی معلُوم ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی مساعی سے یونیورسٹی کی زندگی میں ایک خوش گوار تبدیلی ہوگی۔ آپ بھی کبھی وہاں جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجُود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں، مسلمان جوانوں کے دِل میں اسلام کے لیے تڑپ ہے۔ لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو! 'بانگِ درا' کی تیسری ایڈیشن جس کی تعداد دس ہزار ہوگی چھپ رہی ہے۔ غالباً دو ماہ تک تیار ہو جائے گی۔

لاہور کانگرس نے آزادیٔ کامل کا اعلان کر دیا ہے۔ جماعتی اختلافات کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہُوا۔ دیکھیئے ہندوؤں کا لبرل گروہ ان اختلافات کا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مسلمانوں میں آزادی کے لیے ایک ولولہ موجُود ہے مگر ؎

مشکل این نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت
مشکل این است کہ بے نُقل و ندیم اند ہمہ

مخلص

محمد اقبال

نوٹ: اس خط کی تاریخ جیسا کہ عام اتفاق ہوتا ہے، سال بھر کی عادت کی وجہ سے جنوری ۱۹۲۹ء لکھ گئے ہیں۔ حالانکہ جنوری ۱۹۳۰ء لکھنا چاہیے تھا۔ سید راس مسعود ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ کے وائس چانسلر ہو کر آئے تھے اور اقبال دسمبر ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتہ میں علی گڑھ آئے۔

(۱۳۳)———(۸)

لاہور
۲۷۔ جولائی ۱۹۳۳ء

جناب مکرم، السّلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ مَیں بڑی خوشی سے ایڈریس لکھوں گا لیکن اسی دسمبر میں نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو شاید مَیں ہندوستان میں نہ ہوں گا اور اگر ہُوا تو ایک اور ایڈریس لکھنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ ہاں آئندہ سال اگر سیّد راس مسعُود چاہیں تو مَیں حاضر ہُوں۔

آپ نے اپنے اخبار میں میرے مضمون کا ذکر کیا ہے جو انگریزی اخباروں میں

چھپا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ اصل میں ایک انٹرویو تھا جو ہنگری کے ایک اخباری نامہ نگار کو دیا گیا تھا۔ اُس نے بعض خاص سوالات کیے تھے جن کے جواب دیے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اُس نے اس انٹرویو کو ایک مستقل مضمون کی صورت دے کر انگریزی اخبارات میں بھیج دیا اور بہت سی ضروری باتیں چھوڑ گیا، شاید اس وجہ سے کہ اس کے مضمون کا ربط قائم رہے۔ تعجب ہے کہ لکھنؤ کے اخبار 'ہمدم' میں کسی صاحب نے اس پر اعتراضات کیے ہیں جنہوں نے مضمون مذکور کے مقاصد کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا۔

آپ نے اپنے پہلے خط میں 'وطنیت' کے اصول پر اسلام کے اصول اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے امام العصر کہا ہے جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کے چار ایڈیٹر ہیں اور چاروں مسلمان ہیں اور جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے، لکھتا ہے کہ اقبال نے 'وطنیت' کا عذرِ لنگ تراشا ہے۔ دیکھا، مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے کتنے فرومایہ ہیں! ان کو معلوم نہیں کہ اسلامیت کیا ہے اور وطنیت کیا چیز ہے۔ 'وطنیت' ان کے نزدیک لفظ وطن کا محض ایک مشتق ہے اور بس۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔

محمد اقبال

(۱۳۴) ———— (۹)

مخدومی، آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ "سچ" کے دو نمبر بھی مل گئے تھے جن کے لیے شکر گزار ہوں۔ گزشتہ پانچ چار سال کے تجربے نے مجھے بہت دردمند کر دیا ہے، اس لیے جلسوں میں میرے واسطے کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ میں کہیں نہیں جا رہا، نہ پٹنہ نہ کانپور۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۲۳ء

نوٹ: پٹنہ اور کانپور میں اس سال بہت اہم قومی اجتماعات ہو رہے تھے۔

(۱۳۵)———————(۱۰)

مکرمی ۔ السلام علیکم!

جہاں تک مجھے معلوم ہے لفظ 'برزخ' کا کوئی ترجمہ انگریزی زبان میں نہیں ہے۔ بعض مترجمینِ قرآن نے لفظ Barrier لکھا ہے مگر یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ 'برزخ' ایرانی لفظ 'پروک' کا معرب ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ قدیم ایرانیوں کے نزدیک 'پروک' کا کیا مفہوم تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، موت، برزخ، حشرونشر وغیرہ Biological اصطلاحات ہیں اور ان کی حقیقت کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے جو صوفیائے کرام نے اپنے مکاشفات کی بنا پر لکھی ہے۔ میری رائے میں تو برزخی زندگی کا ترجمہ "Burzukh life" ہی کریں۔ لیکن حقیقتِ برزخ پر ایک مفصل نوٹ دینا ضروری ہے۔ اس نوٹ میں موت، حشر وغیرہ کی حقیقت بھی اسلامی نقطۂ خیال سے واضح کرنی چاہیے۔ والسلام

۱۹۔ جون ۱۹۳۴ء محمد اقبال

نوٹ: مکتوب الیہ نے اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں دریافت فرمایا تھا کہ لفظ برزخ کو انگریزی میں کیونکر منتقل کیا جائے۔

(۱۳۶)———————(۱۱)

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ میں خدا کے فضل وکرم سے اچھا ہوں۔ صحتِ عامہ تو قریباً بحال ہو گئی ہے؛ البتہ آواز میں ابھی کسر باقی ہے۔ یہاں کے کالجوں کے مسلمان طلبہ کی ایک جمعیت ہے۔ انہوں نے ایک اپیل شائع

کی تھی کہ اقبال کے لیے جُمعہ کے روز مسجدوں میں دُعا کی جائے۔ اِس اپیل سے اخباروں اور ان کے ناظرین کو غلط فہمی ہوئی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا اور ترجمۂ قرآن کا کام جاری ہو گا۔ والسلام

۲۸۔ اپریل ۱۹۳۶ء محمدؐ اقبال

میجر سعیدؒ محمدؐ خاں کے نام

(۱۳۷) ———— (۱)

(اقبال کے نام سے ایک فوجی اسکول قائم کرنے کی تجویز کے جواب میں لکھا گیا)

مخترمی میجر صاحب!

ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی اسکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ مَیں تجویز کرتا ہُوں کہ آپ اس فوجی اسکول کا نام "ٹیپو فوجی اسکول" رکھیں۔ ٹیپوؒ ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مُسلمانوں نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ مَیں نے خود مشاہدہ کیا ہے، اِس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے، بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔

نیازمند

محمدؐ اقبال

(منقول از سیرتِ اقبال)

سیّد محفوظ علی بدایونی کے نام

(۱۳۸) ———— (۱)

لاہور
۲۱۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب سیّد صاحب، السّلام علیکم!

کیا مسلمان ریاضی دانوں میں کوئی اس بات کا بھی قائل ہُوا ہے کہ مکان کے ابعاد تین سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں؟ یا نہیں۔

شاید نصیر الدین طُوسی نے ایسے امکان کا کہیں ذکر کیا ہے مگر حوالہ یاد نہیں۔

آپ کے بدایوں میں ایک بزرگ ہیں جنہوں نے کچھ مدت ہوئی ایک رسالہ علمِ ہیئت پر شائع کیا تھا۔ غالباً کسی یُونانی رسالے کا عربی ترجمہ تھا۔ مہربانی کرکے اُن سے دریافت فرما کر مجھے مطّلع فرمائیے۔ اس وقت ان کا نام میرے ذہن سے اُتر گیا ورنہ براہِ راست انہی کی خدمت میں یہ عریضہ لکھتا اور آپ کو زحمت نہ دیتا۔ امید کہ آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر مندرجہ بالا سوال اُن سے پوچھیں گے اور اُن کے جواب سے مجھے، جہاں تک ممکن ہو جلد مطلع فرمائیں گے۔ والسّلام

مخلص
محمّد اقبال

(۱۳۹) ———— (۲)

لاہور
۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء

مخدومی، السّلام علیکم! آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ

مع الخیر ہیں۔

مَیں گزشتہ ۱۰ ماہ سے علیل ہُوں سفر بہت کم کرتا ہُوں۔ ہر تیسرے مہینے بھُوپال جاتا ہُوں۔ وہاں برقی علاج ہے جس سے کچھُ فائدہ ہے۔ اب وائنا (آسٹریا) جانے کی فکر میں ہُوں۔ یہ ظاہری علاج ہے۔ باطنی علاج صرف اس قدر ہے کہ آپ کے جدّ پر درُود پڑھتا ہُوں۔ آپ بھی دُعا فرمائیے۔ اگر بدایوں آتا تو ضرور آپ ہی کے ہاں ٹھیرتا اور آپ کے روحانیات سے مستفیض ہوتا۔ والسّلام

مخلص
محمدؐ اقبال

چوہدری نیاز علی خاں صاحب کے نام

(بانی ادارہ دارالاسلام پٹھانکوٹ)

(۱۴۰)————(۱)

لاہور
۲۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء

جناب چودھری صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آم اس سے پہلے مل گئے تھے جو نہایت شیریں ہیں۔ نیازی صاحب کے ہاتھ سے رسید لکھوا کے ارسال کر چکا ہُوں۔ مہربانی کر کے اگر ممکن ہو تو اور آم اسی قسم کے ارسال کیجیے۔

آپ ضرور تشریف لائیں۔ مَیں آپ سے ادارہ کے متعلق گفتگو کروں گا۔ اسلام کے لیے اس ملک میں نازک زمانہ آرہا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے، ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔ انشاء اللہ آپ کا ادارہ

اِس مقصد کو بااحسن وجوہ پورا کرے گا۔ علما میں مداہنت آگئی ہے۔ یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیۂ اسلام سے بے پروا اور حکّام کے تصرّف میں ہیں۔ اخبار نویس اور آجکل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت و عزّت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں۔ عوام میں جذبہ موجُود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض راہنما نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں! اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلِص

محمّد اقبال

حضرت علاّمہ مُصطفٰے المراغی شیخ جامعہ ازہر کے نام

(۱۴۱)——————(۱)

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آج تک یہاں وقوع میں نہیں آئی۔ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارہ کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اسلامی اداروں کی شان سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علومِ جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علومِ دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں موجُود ہوں اور وہ اپنی زندگیاں دینِ اسلام کی خدمت کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہم ان کے لیے تہذیبِ حاضرہ کے شور و شغب سے دُور، ایک کونے میں، ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں جو کہ اُن کے لیے ایک علمی اسلامی مرکز ہو۔ اور ہم ان کے لیے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں ہر قسم کی نئی اور پُرانی کتاب موجُود ہو، اور ان کی رہنمائی کے لیے ہم

ایک ایسا معلّم جو کامل اور صالح ہو اور قرآنِ حکیم میں بصارتِ تامّہ رکھتا ہو اور نیز انقلابِ دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو، مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوح سے واقف کرے اور تفکّرِ اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدّنِ اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔

اس تجویز کی اہمیّت آپ پر منکشف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں آپ خود اِس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میری تمنّا ہے کہ آپ ازراہِ عنایت ایک روشن خیال مِصری عالم کو جامعہ ازہر کے خرچ پر ہمارے پاس بھیج کر ممنون فرمائیں تاکہ یہ شخص ہم کو اس کام میں مدد دے۔ چاہیے کہ یہ شخص علومِ شرعیہ اور تاریخ تمدّنِ اسلامی میں ماہر ہو، نیز زبانِ انگریزی پر بھی قدرتِ کامل رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں مجھے مِصری وفد کے اراکین سے جنہوں نے پچھلے دِنوں ہمیں اپنی زیارت سے مشرّف فرمایا تھا، معلوُم ہُوا تھا کہ جامعہ ازہر اپنے خرچ پر چند مبلّغین مختلف مقامات میں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مَیں آپ سے درخواست کرنا چاہتا ہُوں کہ ایک مرکزِ اسلامی کی بنا جیسا کہ مَیں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے، مقصدِ تبلیغ کے لِیے مختلف مقامات پر مختلف مبلّغین بھیجنے سے زیادہ اولیٰ و اقرب ہے۔ مجھے توقّع ہے کہ دینِ حق کا نُور اس مرکز سے ہندوستان کے تمام اطراف واکناف میں پھیلے گا۔

نوٹ: یہ ایک خط کا اقتباس ہے۔ اصل خط عربی میں لکھا گیا تھا۔

محمدؐ امین زبیری ایڈیٹر "ظل السلطان" بھوپال کے نام

(۱۴۲)————(۱)

لاہور

۲۹-اپریل ۱۹۱۷ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآنِ کریم ہے، تدبّر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Eugenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔ زمانہ حال کی سفرجیٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Rights of woman میری نظر سے گزری ہے۔ کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں۔ جان سٹوارٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصّل مضمون لکھا تھا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

نوٹ: مکتوب الیہ محمدؐ امین زبیری وظیفہ یاب سرکار بھوپال حال مقیم علی گڑھ اس زمانہ میں رسالہ "ظل السلطان" بھوپال کے ایڈیٹر تھے۔ جس میں مسائل نسواں پر اہم مباحث ہوتے تھے۔ اسی سلسلہ میں علامہ کا یہ خط ہے۔

مولانا شوکت علی کے نام

(۱۴۳)————(۱)

(۱۹۱۷ء میں اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کے سالانہ اجلاس میں دعوتِ شمولیت کے جواب میں)

بھائی شوکت! اقبال عزلت نشین ہے اور اس طوفانِ بے تمیزی کے زمانہ

میں گھر کی چار دیواری کو کشتیٔ نوح سمجھتا ہے۔ دُنیا اور اہلِ دُنیا کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ضرور ہے مگر محض اِس وجہ سے کہ روٹی کمانے کی مجبوری ہے۔ تم مجھے علی گڑھ بُلاتے ہو، مَیں ایک عرصہ سے خُدا گڑھ میں رہتا ہُوں اور اس مقام کی سیر کئی عمروں میں ختم نہیں ہو سکتی۔ علی گڑھ والوں سے میرا سلام کہیے۔ مجھے اُن سے غائبانہ محبت ہے، اور اس قدر کہ ملاقاتِ ظاہری سے اس میں کچھ اضافہ ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ یہ چند اشعار میری طرف سے ان کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔ والسلام

نظم

کبھی اے نوجواں مُسلم تدبّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا تُو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہُوا تارا
تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہانداری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں "الفقر فخری" کا رہا شانِ امارت میں
"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض مَیں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اِک عارضی شے تھی
نہیں دُنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ عِلم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھو ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا
"غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کُن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را"

نیاز احمد کے نام

(۱۴۴)————(۱)

مکتوب الیہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے کے طالب علم تھے۔ اور سوشلزم اور کمیونزم کے مطالعہ کے بعد انہوں نے ڈاکٹر اقبال سے دریافت کیا تھا کہ تحریکاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر آیندہ تشکیلِ عالم کے سلسلہ میں اسلام کوئی قوت ہوگا یا نہیں۔

(انگریزی)

لاہور
۱۱۔ فروری ۱۹۳۱ء

ڈیئر مسٹر نیاز احمد!

آپ کا خط ملا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ مجھے افسوس ہے مگر نہ تو میرے پاس اس قدر وقت ہے اور نہ ہی ایک مختصر خط اس کا متحمل ہو سکتا ہے کہ آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان کے جوابات قلم بند کر سکوں۔ اصل میں آپ کے سوالات کے مکمل جواب کے لیے ایک کتاب درکار ہوگی۔ آپ میرے خطبات "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامی" جو میں نے علی گڑھ اور جنوبی ہندوستان میں دیے تھے، مطالعہ کیجیے۔ وہ شائع ہو چکے ہیں۔ مذہبی مسائل؛ بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ افسوس! کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں تو ایک گونہ مذہب کا وجود ہی نادارد ہے۔ اگر آپ کبھی لاہور تشریف لائیں تو مجھ سے ملیے۔ میں آپ کی دقتوں اور پریشانیوں کو رفع کرنے میں جو خدمت

بجا لا سکوں، اُس سے دریغ نہ ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۴۵) ——————— (۲)

مکتوب الیہ اس زمانہ میں لکھنؤ کے عیسائی سکول میں معلم تھے اور علامہ سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

لاہور
۲۰۔ نومبر ۱۹۳۶ء

ڈیر مسٹر نیاز!

آپ کا نوازش نامہ ملا جس کے لیے ممنون ہوں۔ میرے خیال میں آپ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ آپ کو اسلام، اُس کی مذہبی اور سیاسی تاریخ، اُس کے کلچر اور اس بحران کا مطالعہ کرنا چاہیے جو ترکی اور دُوسرے اسلامی ممالک میں مغرب کے افکار جدید کے اسلامی زندگی اور افکار پر اثر نے پیدا کر دیا ہے۔ آپ عیسائیوں کی تبلیغی طرز سے زیادہ، اسلام پر کتابیں لکھ کر اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔

اسلام میں تنخواہ دار مبلغین کی انجمنیں کبھی نہیں تھیں۔ تبلیغ کا کام انفرادی کوشش اور سرگرمی پر موقوف رہا ہے۔ افریقہ کا حلقہ بگوش اسلام ہونا ایسے مسلمانوں کی انفرادی کوششوں کا مرہونِ منّت ہے جن کے پاس اس خدمت کے ظاہری وسائل موجود نہ تھے۔ ہندوستان میں بھی اشاعتِ اسلام کا کام شخصی اور انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مخلص

محمد اقبال

منشی آدم علی بھائی کے نام

(۱۴۶) ———— (۱)

منشی صاحب موصوف نے ایک ہندو دوست کی تشفی کے لیئے جو تلاش حق کی غرض سے اسلام کا مطالعہ کر رہے تھے، ڈاکٹر صاحب مرحوم کو لکھا کہ ان کے ہندو دوست کی خاطر ایک مضمون لکھ کر بھیجیں جس سے قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت ہو۔

جناب من!

آپ کا خط مجھے ملا۔ افسوس ہے یہ مضمون ایک یا متعدد خطوط میں نہیں سما سکتا۔ آپ اُن صاحب کو لاہور بھیج دیں۔ مَیں اپنے علم و فہم کے مطابق ان کی مدد کو حاضر ہُوں۔

والسلام۔

۱۷۔ستمبر ۱۹۲۵ء

محمّد اقبال

ڈاکٹر عبّاس علی خاں کے نام

(۱۴۷) ———— (۱)

لاہور

۱۳۔جون ۱۹۳۲ء

مکرّم بندہ، السّلام علیکم!

قرآن شریف کا تحفہ جو آپ نے بہ کمالِ عنایت ارسال فرمایا ہے، ابھی موصُول ہوا۔ اِس مقدّس تحفے کے لیے مَیں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔

انشاء اللہ یہی نسخہ استعمال کیا کروں گا۔

اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

ڈاکٹر صُوفی غلام محی الدین کے نام

(۱۴۸) ———— (۱)

لاہور

۳۱۔ مارچ ۱۹۳۳ء

ڈیر صُوفی صاحب! السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ کرنیل صاحب سے مَیں اس سے پہلے واقف نہیں ہُوں۔ کیا انہوں نے اِس سے پہلے کوئی منظوم ترجمہ کیا ہے؟ اگر کیا ہو تو اس کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہُوں۔ باقی رہا یہ امر کہ کونسی نظموں کا ترجمہ کیا جائے، سو عرض یہ ہے کہ بانگِ درا کی بیشتر نظمیں میری طالب علمی کے زمانہ کی ہیں۔ زیادہ پختہ کلام، افسوس کہ فارسی زبان میں ہُوا۔ بہتر طریق یہ ہے کہ بانگِ درا سے بعض نظمیں انتخاب کر لی جائیں، باقی زبُورِ عجم اور پیامِ مشرق سے انتخاب کی جائیں۔

اِس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام و کمال ترجمہ کیا جائے۔ یہ نظم ایک قسم کی Divine Comedy ہے۔ مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے۔ اگر وہ ترجمہ میں کامیاب ہو جائے، اور اگر اس

ترجمہ کو کوئی عمدہ مُصوّر Illustrate بھی کر دے تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہو گا۔ اِس کتاب میں بعض بالکل نئے تخیلات ہیں اور مُصوّر کے لیے بہت عمدہ مسالا ہے۔ پیامِ مشرق کا ترجمہ جرمن زبان میں ہو رہا ہے۔ آرلانگن یونیورسٹی کے پروفیسر ہل کر رہے ہیں۔ بہرحال، جو بھی رائے ہو، مَیں اِس میں مدد دینے کو حاضر ہُوں۔ ترجمہ کی اشاعت وغیرہ کے متعلق شرائط بعد میں طے ہو جائیں گی، فی الحال آپ مذکورہ بالا مشوروں پر غور کیجیے اور کرنیل صاحب کی رائے دریافت کیجیے۔

مخلص

محمّد اقبال

(۱۴۹)————(۲)

ڈیر صُوفی صاحب، السلام علیکم!

آپ کا پوسٹ کارڈ مِل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ مَیں نے مسٹر ٹیوٹ کو سری نگر کے پتہ پر لکھا ہے۔ آپ نے جو تجویز کی ہے، مناسب ہے۔ مَیں بھی آپ کے تراجم دیکھ لیا کروں گا، گو یہ کام آسان نہیں ہے۔ پہلی رباعی کا ترجمہ انگریزی نمونۃً مَیں نے ان کو بھیجا ہے، اس میں بڑی دِقّت ہُوئی۔

افسوس ہے کہ نکلسن کا ترجمہ اسرارِ خودی میرے پاس موجُود نہیں ہے۔ اس سے آپ کو مدد بھی کچھ نہ ملے گی۔

باقی خیریّت ہے۔ امّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ فقط

محمّد اقبال، لاہور

نوٹ: اس خط پر علّامہ نے کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے مگر لاہور کے ڈاکخانہ کی مہر ۲۳۔ اپریل ۱۹۳۳ء کی ہے۔

(۱۵۰)————(۳)

لاہور
۲ مئی سنہ ۱۹۳۲ء

ڈیر صوفی صاحب، السلام علیکم!

والا نامہ مع رباعیات مل گیا۔ رباعیات پر نظرِ ثانی کر کے میں نے آج ہی ٹیوٹ صاحب کی خدمت میں بھیج دی ہیں۔ میری نظرِ ثانی میں محض تشریحی نوٹ تھے۔

آئندہ رباعیات کسی اچھے کاغذ پر ٹائپ کرا کر ارسال کیا کریں تو بہتر ہو۔ فقط

مخلص
محمد اقبال

(۱۵۱)————(۴)

۲۴۔ مئی سنہ ۱۹۳۲ء

ڈیر صوفی صاحب، السلام علیکم!

اس ترجمے پر نظرِ ثانی فرمائیے۔ اس کے علاوہ ہر رباعی علٰحدہ کاغذ پر لکھوائیے جس طرح آپ نے پہلے کیا ہے۔ ہر کاغذ میں تھوڑی سی جگہ صاف رہے تاکہ میں اس پہ مترجم کی راہنمائی کے لیے تشریحی نوٹ لکھ سکوں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر تاثیر نے بھی چند رباعیات کا ترجمہ کیا ہے، اسے بھی کرنل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ فقط

محمد اقبال

(۱۵۲)———(۵)

لاہور
۵۔ جون ۱۹۳۳ء

جنابِ صُوفی صاحب، السلام علیکم!

مہربانی کر کے ایک ہی دفعہ بہت سی رباعیات ہی نہ بھیج دیا کریں، تھوڑی تھوڑی بھیجا کریں۔ ان کو رباعیات کہنا غلط نہیں۔ بابا طاہر عُریاں کی رباعیات جو اس بحر میں ہیں، رباعیات ہی کہلاتی ہیں۔ ان میں قطعات بھی داخل ہیں۔ ہاں، یہ صحیح ہے کہ یہ رباعیات رباعی کے مقرّرہ اوزان میں نہیں ہیں، مگر اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔

ذوالفقار علی خاں مرحُوم کے بیٹے ڈیرہ دُون میں ہیں، مجھے ان کا ایڈریس معلُوم نہیں۔ مَیں اُن کے جنازے کے لیے مالیر کوٹلہ گیا تھا۔ فقط

محمّد اقبال

ضرار احمد کاظمی کے نام

(۱۵۳)———(۱)

لاہور
۲۵۔ جُون ۱۹۳۵ء

جنابِ من! مَیں جب تک آپ کی مصوّری کا نمونہ نہ دیکھ لُوں، کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ایک اور مشکل ہے، وہ یہ کہ شکوہ اور جوابِ شکوہ کو علیحدہ چھاپنے کا حق دس سال کے لیے مَیں ایک لوکل کمپنی کو دے چکا ہُوں۔ اس میعاد میں سے

دو سال گزر چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ فی الحال آپ مولانا حالی مرحوم کے شکوۂ ہند پر
طبع آزمائی کیجیے۔ اس کی طباعت کے بعد میں بہتر رائے قائم کر سکوں گا۔

میری رائے میں میری کتابوں میں سے صرف 'جاوید نامہ' ایک ایسی کتاب ہے
جس پر مصور طبع آزمائی کرے تو دنیا میں نام پیدا کر سکتا ہے، مگر اس کے لیے پوری مہارتِ
فن کے علاوہ الہامِ الٰہی اور صرفِ کثیر کی ضرورت ہے۔ والسّلام

محمدؐ اقبال

حالی مرحوم کی صد سالہ یادگار کی تقریب پر نوجوان مصور، اقبال کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا
اور شکوہ اور جوابِ شکوہ سے متعلق جو تصاویر تیار کی تھیں، وہ علامہ کو دکھلائیں جو انہوں نے نہایت ہی پسند کیں۔

(۱۵۴) ——— (۲)

لاہور
۱۸۔ اپریل ۱۹۳۶ء

مکرم بندہ، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ آیا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ آپ بدایوں جیسے مردم خیز خطّہ
میں اقبال ڈے منا رہے ہیں، خدا آپ کو مبارک کرے۔

مَیں اور علامہ یوسف علی صاحب نے آپ کا آرٹ بابت شکوہ اور جوابِ شکوہ
مولانا حالی کی برسی پر دیکھا تھا۔ میرا اور مبصرِ زمانہ علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب کا یہ
خیال ہے کہ اگر آپ نے کافی مشق و مہارت کے بعد اس فن میں کمال حاصل کر کے
شکوہ اور جوابِ شکوہ کو دنیائے اسلام کے سامنے پیش کر دیا تو آپ فنِ مصوّری میں

ایک نیا اضافہ کر کے اپنے فن کا ایک نیا اسکول قائم کر رہے ہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہُوں جب یہ چیز ایسی شان کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی تو دُنیا یقینی طور سے اس کو "کاظمی اسکول" کے نام سے موسُوم کرے گی۔ آپ محض فنِ مصوری میں اضافہ نہیں کر رہے بلکہ دُنیائے اسلام میں بحیثیت "مصورِ اقبال" ایک زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں جو کہ شاید قدرت آپ ہی سے لینا چاہتی ہے۔ پُوری مہارتِ فن کے بعد اگر آپ نے 'جاوید نامہ' پر خامہ فرسائی کی تو ہمیشہ زندہ رہو گے۔

میری طبیعت پہلے سے اچھّی ہے مگر حالت روز بروز ابتر نظر آتی ہے۔ بوجہ کمزوری کے دوسرے صاحب سے خط لکھوا رہا ہُوں۔ خدا سے دست بہ دُعا ہوں کہ وہ آپ کو آپ کے نیک ارادوں میں کامیابی عطا کرے۔ مجھُ کو آپ کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ آپ میرے لیے اللہ سے دُعا کریں کہ یا تو صحت کلّی دے یا ساتھ ایمان کے اُٹھا لے۔ والسّلام

محمدؐ اقبال

جاوید منزل —— لاہور

پروفیسر محمد شفیع کے نام

اسلامیہ کالج پشاور

(انگریزی)

(۱۵۵) ——— (۱)

لاہور

۲ مئی ۱۹۲۴ء

مائی ڈیئر شفیع !

حکّام کا اپنا ایک مسلک اور طریقِ کار ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مَیں حکّام سے لوگوں کی سفارش نہیں کرتا۔ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ ایسی سفارشات شاذ و نادر ہی کارگر ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود گزشتہ دو سال میں دوستوں اور دوسرے لوگوں کے اصرار پر تحریری و زبانی سفارشات کرنے پر مجبور ہُوا ہُوں، اور نتیجہ ہیچ۔ مجھے افسوس ہے آپ سے متعلق بھی میری سفارش کا نتیجہ کچھ نہ ہُوا۔ مَیں تو اس سلسلہ میں اپنے گزشتہ گناہوں سے پشیمان ہُوں۔ تجربہ نے مُجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ یہ خودداری کے قطعی منافی ہے۔ اب آپ کے لیے دُعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اب اُس کے لیے بلا نتیجہ سفارش پر سفارش کرتے چلے جانا مجھے ذلت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے لیے بہترین طریق یہ ہو گا کہ درخواست دے اور اپنے حقوق پیش کرے۔

مخلِص

محمدؐ اقبال

(۱۵۶)————(۲)

لاہور

۱۴۔جولائی ۱۹۲۸ء

ڈیئر پروفیسر شفیع! السلام علیکم آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میری صحت اب خدا کے فضل و کرم سے رُو بہ ترقی ہے۔ انشاء اللہ کامل صحت کی توقع ہے۔

خان بہادر صاحب کو مَیں نے آج ہی ڈاک میں ایک خط لکھا ہے۔ اِس میں ضروری باتیں لکھ دی ہیں۔ آپ اُن کی خدمت میں میری طرف سے زبانی شکریہ بھی ادا کریں۔ دیدمش مردے دریں قحط الرّجال

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ باقی رہا ایبٹ آباد آنا اس کے متعلق پھر عرض کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۵۷)————(۳)

لاہور

۲۱۔جولائی ۱۹۲۸ء

ڈیئر پروفیسر شفیع، السلام علیکم!

خوشحال خاں خٹک، مشہور محبِ وطن پر مَیں نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے جو "اسلامک کلچر" حیدر آباد دکن میں شائع ہو گا۔ اس کی کاپی خان بہادر اور آپ کے پاس بھی پہنچے گی۔ مَیں نے ایڈیٹر کو آج ہی اسں مضمون کا خط لکھا ہے۔

محمد اقبال

خواجہ غلام السّیّدین کے نام

(۱۵۸)————(۱)

ڈیئر سیدین صاحب، السلام علیکم!

دو بچوں کے لیے اُستانی کی ضرورت ہے جس پر مَیں اُن کی اخلاقی اور دینی تربیت کے لیے اعتبار کر سکوں۔ تہذیبِ نسواں میں اشتہار دیا تھا جس کے جواب میں ایک خط علی گڑھ سے پھر آیا ہے۔ مہربانی کر کے اس خاتون کے متعلق حالات معلوم کر کے آگاہ کریئے۔ چونکہ بچوں کی والدہ کا گزشتہ مئی میں دفعۃً انتقال ہو گیا، اس واسطے گھر کا تمام انتظام بھی اُستانی صاحبہ کے سپُرد ہو گا۔ اُن کے فرائض مندرجہ ذیل ہونگے:

(۱) بچوں کی اخلاقی اور دینی تربیت اور نگہداشت۔ لڑکا ۱۱ سال کا ہے، اسکول جاتا ہے۔ لڑکی ۵ سال کی ہے۔

(۲) گھر کا انتظام اور نگہداشت۔ اِس سے میری مراد یہ ہے کہ سب گھر کا چارج انہیں کو دیا جائے گا اور زنان خانے کے تمام اخراجات انہیں کے ہاتھ سے ہوں گے۔ مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں۔

(۱) بیوہ اور بے اولاد ہو (۲) عمر میں کسی قدر مسن ہو تو بہتر ہے (۳) کسی

شریف گھر کی ہو جو گردشِ زمانہ سے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور ہو گئی ہو۔(۴) دینی اور اخلاقی تعلیم دے سکتی ہو، یعنی قرآن اور اُردو پڑھا سکتی ہو۔ عربی اور فارسی بھی جانے تو اور بھی بہتر ہے۔ (۵) سینا پرونا وغیرہ بھی جانتی ہو (۶) کھانا پکانا جانتی ہو۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ اس سے باورچی کا کام لیا جائے گا۔

غرض کہ آپ خود ماہرِ تعلیم ہیں، اور میرے موجُودہ حالات سے بھی باخبر۔ مندرجہ بالا امور کو ملحوظ رکھ کر حالات دریافت کیجیے۔ اُمّید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا، اور آپ سے پانی پت میں ملاقات ہو گی۔

۸۔اکتوبر ۱۹۳۵ء محمدؐ اقبال

جو خط علی گڑھ سے آیا ہے، وہ اس خط میں ملفوف ہے۔ اس پر اُن کا پتہ بھی لکھ دیا ہے۔

(۱۵۹)—————(۲)

(انگریزی)

لاہور
۲۱۔جُون ۱۹۳۶ء

مائی ڈیئر سیّدین!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ابھی موصُول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ نے جو خلاصہ تیّار کیا ہے، نہایت ہی عمدہ ہے اور مجھے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت محسُوس نہیں ہوتی۔ ضربِ کلیم اُمّید ہے جون کے آخر تک شائع ہو جائے گی اور مَیں آپ کو ایک نسخہ پیشگی بھیج سکوں گا۔ اس مجموعہ میں ایک حصّہ 'تعلیم و تربیت'

کے لیے وقف ہے۔ ممکن ہے آپ کو اس میں کوئی نئی بات نظر نہ آئے؛ تاہم اگر کتاب آپ کو بروقت مل جائے تو محولہ بالا حصہ ضرور مطالعہ فرمائیے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ آپ Leibnitz's monadism کے تعلیمی نتائج سے واقف ہیں، اس کے قیاس کے مطابق انسانی 'مونیڈ' خارج سے کوئی اثر قبول کرنے سے عاری ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ انسانی مونیڈ زیادہ تر تاثّر پذیر نوعیّت کا حامل ہے۔ زمانہ ایک بڑی ہی برکت و نعمت (لا تسبوا الدھر ان الدھر ھو اللّٰہ) اگر ایک طرف موت اور تباہی لاتا ہے تو دوسری طرف وقت ہی آبادی و شادابی کا منبع ہے۔ یہی اشیاء کے پوشیدہ امکانات کو بروئے کار لاتا ہے۔ حالاتِ حاضرہ میں تغیّر کا امکان ہی انسان کی سب سے بڑی دولت اور ساکھ ہے۔

مخلص محمدؐ اقبال

میری عام صحت بہت بہتر ہے۔ آواز میں ترقّی کی رفتار نہایت سُست ہے۔

(۱۶۰)————(۳)

لاہور

۱۸۔ اپریل ۱۹۳۶ء

ڈیئر سیدین صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت بہت شکریہ قبول کیجیے۔ مَیں خدا کے فضل سے، بہ نسبت سابق بہت تندرست ہُوں۔ آواز میں بھی اب کے نمایاں فرق ہے۔ اخباروں نے میری صحّت کے متعلق غلط فہمی پھیلا دی تھی جس کی وجہ سے احباب کو تشویش لاحق ہوئی۔ بہرحال، خدا کا شکر ہے۔

"ضربِ کلیم" کے پروف دیکھ رہا ہوں، امید ہے کہ مئی کے آخر تک کتاب چھپ جائے گی۔ استانی کا اب تک کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔ آپ یہ سن کر ہنسیں گے کہ ایک نوجوان لڑکی جو خاصی تعلیم یافتہ ہے اور دینی تعلیم بھی رکھتی ہے، اتالیقی قبول کرتی ہے مگر شرط یہ کرتی ہے کہ نکاح کر لو۔ شاید کچھ عرصے کے لیے علی گڑھ بھی رہ چکی ہے۔ بہت سمجھایا، نہیں مانتی۔ آخر اس کے ساتھ negotiation بند کرنی پڑی۔

تصویر ابھی تک نہیں بن سکی کیونکہ میں لاہور سے باہر رہا۔ آئندہ موسم میں انشاء اللہ بنواؤں گا۔ جاوید اچھا ہے۔

اپنے بیوی بچوں سے میری طرف سے دعا کہیے۔ سید راس مسعود سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے بہنوئی[۱] دفعتہً انتقال فرما گئے۔ خدا تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۶۱) ———— (۴)

لاہور

۱۷۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

ڈیر سیدین صاحب!

آپ کا خط مل گیا ہے، الحمد للہ خیریت ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ کی کتاب شائع ہو گئی ہو گی۔ بہرحال جب شائع ہو جائے تو اس کی ایک کاپی بھیج دیجیے گا۔

اب تو سردی کا موسم آگیا ہے، ضرور کبھی لاہور آئیے گا۔ میں ابھی تک سفر کرنے سے ڈرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک ماہ کے بعد اس قابل ہو سکوں۔

۱؎ سید محمد محسن صاحب زیدی مرحوم بیرسٹرایٹ لا میرٹھ۔

سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیات کے مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ "افیون" اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ مَیں مسلمان ہُوں اور انشاءاللہ مسلمان مروں گا! میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادّی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہُوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا، جس کی تشریح مَیں نے ان تحریروں میں جا بجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی، جو روحانیت میرے نزدیک مغضب ہے یعنی افیونی خواص رکھتی ہے، اس کی تردید مَیں نے جا بجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم، سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۶۲)————(۵)

از لاہور
۳۱۔ جولائی ۱۹۳۶ء

ڈیئر خواجہ سیّدین!

مہربانی کرکے فوراً اطلاع دیجیے کہ آیا آپ اس وقت علی گڑھ میں ہیں یا علی گڑھ سے باہر۔ زیادہ کیا لکھوں! سید راس مسعود کے ناگہانی انتقال نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ والسّلام

محمّد اقبال

(۱۶۳)————(۶)

لاہور

۱۱۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر سیدین صاحب!

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت بہت شکریہ قبول کیجیے۔ میری صحت پہلے سے اچھی ہے، آواز میں بھی کچھ فرق ہے، مگر افسوس ہے کہ ضعفِ بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ میری خط و کتابت احباب کرتے ہیں یا کبھی جاوید میاں سے خطوط کے جواب لکھوا لیتا ہوں۔ اسلامی اصولِ فقہ کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اب یہ اُمید موہوم معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اندیشہ[1] ہے کہ میں آپ کا مضمون نہ پڑھ سکوں گا؛ البتہ اگر آپ لاہور تشریف لائیں تو اس کے بعض مقامات مجھ کو سُنا سکتے ہیں۔ "اسلامک کلچر" کا مطبع بہت اچھا ہے۔ اس کے علاوہ لاہور میں ایک اور بھی انگریزی مطبع ہے جہاں کی چھپائی بہت اچھی ہے، اگر رسالہ بہت طویل نہیں ہے تو "اسلامک کلچر" میں بھی چھپ سکتا ہے اِس کے متعلق آپ ایڈیٹر "اسلامک کلچر" ماڈل ٹاؤن لاہور سے خط و کتابت کریں۔

مسٹر نکلسن کا ترجمہ غلط ہے[2]۔ مصرع میں لفظ 'نے' ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ

---

[1] افسوس کہ یہ اندیشہ پورا ہُوا۔ علامہ، کتاب کی اشاعت سے پہلے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے؛ البتہ کتاب کا خلاصہ جو میں نے اُن کی خدمت میں بھیج دیا تھا، انہوں نے پڑھ لیا تھا اور اس کو پسند فرمایا تھا۔

[2] میں نے علامہ مرحوم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ نکلسن نے "اسرارِ خودی" کے ترجمے میں "صورت طفلاں زنے مرکب کنی" کو غلط پڑھ کر بجائے "نے" کا ترجمہ "reed" کرنے کے "ز" کو اس کے ساتھ ملا کر "زنے" پڑھا تھا اور اس کا ترجمہ "women" کیا تھا۔ یہ ہیں ہمارے بہترین مستشرقین!

"reed" ہے۔ مَیں نے ان کی توجّہ اس غلطی کی طرف دلائی تھی مگر معلوم نہیں کہ ان سے کس طرح نظر انداز ہو گئی۔ ایک جگہ اور بھی ترجمے میں اغلاط ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمیّد ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ عابد صاحب سے سلام کہیے۔

محمّد اقبال

(۱۶۴)————(۷)

لاہور
۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

ڈیئر سیدین صاحب!

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے، مَیں نے مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لیے ایک رباعی رباعیات میں سے انتخاب کر کے مرحوم کے سیکرٹری ممنون حسن خاں کو بھوپال بھیجی تھی۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے اب تک علی گڑھ کیوں نہیں بھیجی۔ یہ رباعی حقیقت میں مَیں نے اپنے کتبۂ مزار کے لیے لکھّی تھی۔ مَیں ابھی ممنون حسن صاحب کو ایک خط لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔ چند اشعار مرحوم کی وفات پر بھی لکھّے تھے جو رسالہ "اُردو" کے مسعود نمبر میں شائع ہوں گے۔ اگر وہ رباعی جو مَیں نے بھوپال لکھ کر بھیجی تھی، پسند آ گئی تو بہتر ورنہ اور فکر کروں گا۔ میری طرف سے مسعود مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے۔ ذرا موسم اچھا ہو جائے تو مَیں خود بھی تعزیت کے لیے اور مرحوم کی قبر پہ فاتحہ خوانی کے لیے علی گڑھ حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔

پنجاب یونیورسٹی سے اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وائس چانسلر مسٹر M.L. A.Darling Financial Commissioner ہیں میرے دوست ہیں، گو گزشتہ تین سال سے، بوجہ علالت، ان سے نہیں مل سکا۔ آپ اُن سے اس بارے میں خط و کتابت کریں[1]۔ اس کے علاوہ آپ مسٹر عبدالحیٔ، وزیرِ تعلیم کو لکھ سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو اور انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ باقی خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال

(۱۶۵)————(۸)

ڈیئر سیدین صاحب!

آپ کے خط کا جواب لکھ کر ابھی ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مسٹر ڈارلنگ یا مسٹر عبدالحیٔ کو آپ کا لکھنا مناسب نہیں[2]۔ یونیورسٹی کو چاہیے کہ وہ خود آپ کو دعوت دے۔ اس کے متعلق مَیں کچھ دنوں بعد بے تکلف احباب سے گفتگو کروں گا۔ مقامی کالج کھلنے کے بعد یہ گفتگو ممکن ہو سکے گی۔ جس طرح آپ کا تحریر کرنا نامناسب ہے، اسی طرح میرا تحریر کرنا بھی نامناسب ہے۔ کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ یہ لیکچر اسلامیہ کالج یا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن یا مُسلم انٹر کالجیئٹ برادرہُڈ کی دعوت پر دیے جائیں؟ والسلام

محمد اقبال

---

[1] اقبال کے فلسفۂ تعلیم کے متعلق "توسیعی خطبات" دیے جانے کی تجویز بعض احباب نے پیش کی تھی۔

[2] تجویز یہ تھی کہ اقبال کے فلسفۂ تعلیم کے بارے میں پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام "توسیعی خطبات" دیے جائیں۔

ممنون حسن خاں کے نام

(۱۶۶)————————(۱)

لاہور
۱۶۔جولائی ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون صاحب! آپ کا خط مل گیا ہے۔ مَیں بہت متردّد ہُوں۔ بارہ دن کا ملیریا اور اس پر مسلسل سر درد، مجھے اندیشہ ہے کہ مسعُود بہت کمزور ہو گئے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ان کو جلد صحتِ کامل عطا فرمائے۔ میرا یہ خط وصول کرتے ہی آپ انکی خیر خیریت سے آگاہ کریں تاکہ تردّد رفع ہو۔ اُمید کہ لیڈی مسعُود اور بچّی دونوں تندرست ہوں گی۔ میری طرف سے دُعا کیجیے۔

اب کے لاہور میں بھی بخار کا زور رہا، اور اب بھی ہے، گو نسبتاً کم ہے۔ لیکن اب برسات شروع ہو گئی ہے اور موسم بدل گیا ہے۔ باقی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سید مسعود کی خیر خیریت سے بہت جلد آگاہ کریں۔ تاکید مزید ہے۔

بھوپال میں تو آج کل خوب بارش ہوتی ہو گی۔ جاوید میاں اچھے ہیں۔ آج کل ان کو آم کھانے سے کام ہے۔ صبح و شام یہی شغلہ ان کا ہے۔ امتحان میں عربی میں فیل اور انگریزی میں فرسٹ۔ علی بخش کی طرف سے سید صاحب کو، لیڈی مسعود صاحبہ کو آداب کہیے۔ جاوید بھی سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۶۷) ———— (۲)

لاہور
۳۱- جولائی ۱۹۳۷ء

ڈیئر ممنون !

سید مسعود مرحوم کے انتقال کی ناگہانی خبر صبح اُٹھتے ہی اخبار 'زمیندار' سے معلوم ہوئی۔ مَیں نے اس خبر کو مشتبہ سمجھ کر آپ کے نام تار لکھا کہ اتنے میں سول ملٹری گزٹ سے مرحوم کے اِنتقال کی سرکاری اطلاع معلوم ہوئی۔ سخت پریشان ہُوں۔ مفصل حالات سے مجھے آگاہ کیجیے۔ میرے لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت ہے۔ مرحوم کے ساتھ جو قلبی تعلّقات میرے تھے، وہ آپ کو معلوم ہیں۔ ابھی ان کی والدہ اور لیڈی مسعود کے نام تار دیے ہیں۔ آپ کے خط کا مجھے بے چینی سے انتظار رہے۔ والسّلام

محمّد اقبال

(۱۶۸) ———— (۳)

لاہور
۳۱- جولائی ۱۹۳۷ء

ڈیئر ممنون !

صُبح میں آپ کو خط لکھ چکا ہوں۔ آج صبح سے دوپہر تک مرحُوم کے جاننے والے اور ان کے غائبانہ معترف، تعزیت کے لیے آتے رہے۔ راس مسعود کا رنج عالمگیر ہے۔ یہ تار جو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہُوں، سردار صلاح الدین سلجوقی، قونصل جنرل افغانستان مقیم شملہ کا ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ مرحُوم کے اعزہ تک پہنچا دیا

جائے ۔ مہربانی کر کے آپ یہ تار لیڈی مسعود اور مرحوم کی والدہ کو دکھا دیں ۔ والسّلام

محمّد اقبال

(۱۶۹)————(۴)

لاہور
۲؍اگست ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون!

مَیں آپ کے خط کا کئی دن سے منتظر ہُوں، مہربانی کر کے مفصّل خط لکھیے۔ علی گڑھ کے خطُوط سے معلُوم ہُوا کہ راس مسعود کے صاحبزادے انور ہندوستان میں ہیں۔ مجھے یہ بات پہلے معلُوم نہ تھی آج مَیں نے انہیں بھی خط لکھا ہے۔ اِطّلاع دیجیے کہ آیا انور اپنے مرحُوم باپ سے مِل سکا یا نہیں۔ نیز یہ کہ لیڈی مسعود صاحبہ کیسی ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے خدانخواستہ وہ علیل نہ ہوں۔ ان کی صحت و عافیت سے جلد اطّلاع دیں۔ مَیں ذرا سفر کے قابل ہو لوں تو سیّد مسعود کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے علی گڑھ جانے کا قصد رکھتا ہُوں۔ وہاں سے انشاءاللہ تعالیٰ ایک دو روز کے لیے شاید بھُوپال میں بھی آسکوں۔ زیادہ کیا لکھوں سوائے اس کے کہ بہت پریشان ہوں۔ خط کا جواب بہت جلد دو۔

والسّلام

محمّد اقبال

(۱۷۰)————(۵)

۷۔ اگست ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون صاحب! مسعود مرحُوم کے کتبۂ مزار کے لیے مَیں نے مندرجہ ذیل

رباعی انتخاب کی ہے ؎

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم

یہ رباعی میں نے اپنے کتبۂ مزار کے لیے لکھی تھی لیکن تقدیرِ الٰہی یہ تھی کہ مسعود مرحوم مجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جائے؛ حالانکہ عمر کے اعتبار سے مجھ کو ان سے پہلے جانا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ رباعی کا مضمون مجھ سے زیادہ انکی زندگی اور موت پر صادق آتا ہے۔

لیکن اگر صرف ایک ہی مطلع ان کے سنگِ مزار پر لکھنا ہو تو مندرجہ ذیل شعر میرے خیال میں بہتر ہوگا ؎

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں

باقی خیریت ہے۔ مسعود کا غم باقی رہے گا، جب تک میں باقی ہوں۔ میرے پہلے خط کا مفصل جواب دیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۷۱)————(۹)

لاہور
۲۳۔ اگست ۱۹۳۷ء

ڈیئر ممنون! مسعود مرحوم کی وفات پر جو اشعار [illegible] لکھے تھے وہ آج

مَیں نے رسالہ اُردو میں چھپنے کے لیے حیدر آباد دکن بھیج دیے ہیں۔ مدیر رسالہ مولوی عبدالحق مسعود نمبر نکالنے والے ہیں۔ امّید کہ یہ رسالہ آپ کو بھوپال میں مل جائیگا۔ خود بھی پڑھیے اور لیڈی مسعُود کو بھی سنائیے۔ لیڈی مسعُود صاحبہ کی خیریت سے آگاہ کیجیے۔ اکبر ولایت سے آیا یا نہیں، اور انور کیا اس وقت بھُوپال میں ہے، رشید صاحب بھُوپال میں ہیں یا اندور چلے گئے؟ تمام حالات وکوائف سے مفصّل آگاہ کیجیے۔ اعلیحضرت نوّاب صاحب اس وقت بھُوپال میں ہیں یا شملہ میں؟ آپ محکمہ تعلیم میں رہیں گے یا اعلیحضرت کے اسٹاف میں لیے جائیں گے؟ مؤخرالذکر جگہ آپ کے لیے بہتر ہے۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے سب خیریت ہے۔ والسّلام

آپ کا

محمدؐ اقبال

(۷)————(۱۷۲)

لاہور

۴۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون!

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ مَیں لیڈی مسعُود صاحبہ کی طرف سے بہت متفکر رہتا ہُوں۔ مجھُے اندیشہ ہے کہ ان کی صحت پر مرحُوم کی موت کا بہت خراب اثر پڑے گا۔ بچّی کی صحت اور پرورش کے لیے ان کا تندرست رہنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس خیال نے کہ راس مسعُود کوئی وصیت نہ کر سکے میرے افکار میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ آپ مجھُ کو باقاعدہ خط لکھتے رہیے۔ انور،

ریاض منزل ہی میں ہیں یا کسی اور جگہ؟ میری طرف سے انہیں دُعا کہیے۔ لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میری جانب سے بہت بہت سلام کہیے اور جو کچھ مَیں نے اُوپر لکھا ہے، عرض کر دیجیے۔ جاوید سلمہٗ تندرست ہے اور آداب کہتا ہے۔ لاہور میں یکم اگست سے لے کر اس وقت تک کہ ۴ ستمبر ہے مطلق بارش نہیں ہوئی۔ ہاں، شعیب صاحب کی خدمت میں بھی سلام کہیے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۸)————(۱۷۳)

لاہور
۲۵۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون!

مَیں نے آپ کو جو رباعی مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لیے لکھ کر بھیجی تھی اس کی ایک نقل مجھے بھیج دیں۔ شاید آپ نے وہ رباعی اب تک علی گڑھ نہیں بھیجی۔ میاں انور ملیں تو اُن سے کہیے کہ مَیں نے جو کچھ ان کو لکھا تھا، اس کے جواب کا منتظر ہوں۔ اُمّید کہ لیڈی مسعود کا مزاج اب اچھا ہو گا۔ میری طرف سے بہت بہت دُعا کہیے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۷۴)————(۹)

لاہور
۲-اکتوبر ۱۹۳۷ء

ڈیر ممنون صاحب! آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔
میری حالت بھی خدا کے فضل سے بہتر ہے لیکن ابھی طویل سفر کے لائق نہیں۔ انور کا خط بھی آج آیا تھا، ابھی اس کا بھی جواب لکھا ہے۔ رباعی اور شعر جو آپ نے خط میں لکھے ہیں۔ والدہ ماجدہ مسعود مرحوم کی خدمت میں بتوسط خواجہ غلام السیدین بھیج دیے گئے ہیں کیونکہ سیدین صاحب کا خط اس بارہ میں مجھے چند روز ہوئے آیا تھا۔
شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ ریاست بھوپال میں اسلامی فیملی لا کے متعلق علماء کے مشورہ کے بعد ایک Enactment وضع کیا گیا تھا۔ اگر آپ کو معلوم نہیں تو شعیب صاحب سے معلوم کیجیے اور اس کی ایک کاپی لے کر مجھے بھیج دیجیے۔ زیادہ کیا لکھوں، سوائے اس کے کہ مسعود نہیں بھولتا۔ ڈاکٹر عبدالباسط کہیں مل جائیں تو اُن سے میرا سلام کہہ دیجیے۔ علیٰ ہٰذا القیاس، خان بہادر ڈاکٹر احمد بخش اور ڈاکٹر رحمان صاحب سے بھی۔

والسلام

محمد اقبال

(۱۷۵)————(۱۰)

جاوید منزل لاہور
۱۹- اپریل ۱۹۳۸ء

ڈیر ممنون!

آپ کا خط کئی روز ہوئے ملا تھا۔ افسوس کہ شدید علالت کی وجہ سے مَیں جواب

نہ لکھوا سکا۔ دمے کے متواتر دوروں نے مجھے زندگی سے تقریباً مایوس کر دیا تھا مگر اب خدا کے فضل سے کچھ افاقہ ہے گو کلی طور پر ابھی صحت نہیں ہوئی۔ آنکھوں کا اپریشن مارچ میں ہونے والا تھا مگر دمے کی وجہ سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔ اب بشرطِ زندگی انشاءاللہ ستمبر میں ہوگا۔

حیات صاحب سے میرا بہت بہت سلام کہیے۔ اب آپ کے فرائضِ منصبی کیا ہیں؟ کیا آپ اعلیحضرت کی پیشی میں ہیں؟ زیادہ کیا لکھوں! اُمید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

مخلص
محمدؐ اقبال

غازی عبدالرحمٰن کے نام

(۱۷۶)————(۱)

لاہور
۱۲۔ مئی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ۔ تسلیم!

نشانِ ہلال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، یہ نشان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کے عہد میں مروّج نہ تھا۔ بعض مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ فتح قسطنطنیہ سے شروع ہُوا، بعض سلطان سلیم کے عہد میں بتاتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں میرے خیال میں ترکوں کو اس کی ترویج سے کوئی تعلق نہیں۔ غالباً صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں اس کی ترویج شروع ہُوئی (صلیبی جنگوں کے تذکرے میں بھی اس کا ذکر ملتا

ہے) اور کچھ عجب نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے اس کا آغاز ہُوا ہو۔ صلاح الدین ایوبی ترک نہ تھے، کُرد تھے۔ سُنّی دنیا اس نشان کو اپنا قومی نشان تصوّر کرتی ہے۔ ایران کا نشان اور ہے۔ میرے خیال میں اس کا استعمال محض اتفاقی طور پر شروع ہُوا۔ صلیبی سپاہی اپنے سینوں، لباسوں اور علموں پر صلیب کا نشان رکھتے تھے۔ امتیاز کے واسطے مسلمانوں نے یہ نشان شروع کر لیا۔ اس واسطے کہ اس میں روز بڑھنے کا اشارہ تھا۔ ہلال کا لفظ ہی نمو کا اشارہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ [illegible] صورت نہیں۔ تاریخی پہلو سے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے مُوجد نے اس کے نمو کے [illegible] سے جاری کیا یا چاند سُورج سے اپنا سلسلۂ نسب ملانے کے خیال سے، مگر تمام امّت کا اس پر صدیوں سے اجماع ہو چکا ہے۔ جن اسلامی قوموں کا نشان اور ہے وہ اس نشان پر کبھی معترض نہیں ہوئیں اور حدیثِ صحیح ہے کہ میری امّت کا اجماع ضلالت پر نہ ہوگا۔ اس واسطے اس کو ضلالت تصوّر کرنا ٹھیک نہیں۔ واللہ اعلم

محمد اقبال

محمد رمضان عطائی کے نام

(۱۷۷ ——— ۱)

لاہور

۱۹۔ فروری ۱۹۳۷ء

جنابِ من! مَیں ایک مدت سے صاحبِ فراش ہوں۔ خط و کتابت سے معذور ہُوں۔ باقی، شعر کسی کی ملکیت نہیں، آپ بلاتکلف وہ رباعی جو آپ کو پسند

آگئی ہے، اپنے نام سے مشہور کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ فقط

محمد اقبال، لاہور

مندرجہ بالا خط میں جس رباعی کا حوالہ ہے وہ حسب ذیل ہے ـــ

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

'ارمغانِ حجاز' میں اس رباعی کو شائع کرنے کی ممانعت علامہ مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں فرما دی تھی۔ 'ارمغانِ حجاز' میں شاعر نے اس رباعی کے مفہوم کو بہ تغیرِ الفاظ یُوں ارشاد فرمایا ہے۔

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر

مگر سچ یہ ہے کہ وہ بات پیدا نہیں ہو سکی۔ ایک شاعر کا ظرف اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ اپنا کلام یوں کسی کو دے کر اُس سے تہی دست ہو جائے۔

شبنم کا قطرہ

(۱۷۸) ـــــــــــ (۱)

معلُوم نہیں یہ سِلسلہ اب تک بھی جاری ہے یا نہیں لیکن بیس پچیس برس پہلے، گورنمنٹ کالج لاہور میں ہر سال تقسیمِ انعامات کے موقع پر ایک انعام اُردو میں بہترین نظم لکھنے والے طالب علم کو بھی ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں جب میں جماعت سالِ اوّل میں تعلیم پاتا تھا، کالج کے طلبہ کو حسبِ معمُول نظمیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ مَیں ابھی کالج میں نووارد تھا۔ کالج کی ادبی مجالس میں بھی کوئی ادبی حصّہ نہیں لیا تھا، اور چند احباب کے سوا کسی کو میرے ذوقِ شعر و شاعری کا علم نہ تھا۔ انہیں میں سے بعض

احباب نے مجھے انعامی مقابلہ کے لیے نظم لکھنے کا مشورہ دیا مگر ان دنوں کالج میں کچھ ایسی مشہور ادبی شخصیتیں موجود تھیں کہ ان کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایک دوست ایسے تھے جن کا مشورہ اصرار کی حد تک پہنچ گیا، اور جن کے اصرار میں "خود را پیش کن" سے زیادہ "امتحانِ خویش کن" کا جذبہ کارفرما نظر آتا تھا۔ آخر ان کا اصرار کامیاب ہُوا۔ انہی دنوں ایک مضمون ذہن میں گردش کر رہا تھا، اسی کو مَیں نے "شبنم کا قطرہ" عنوان دے کر نظم میں ڈھال دیا اور یہ نظم کالج کے دفتر میں پہنچا دی۔

کوئی مہینہ بھر کے بعد ایک دن اچانک انہی اصرار کرنے والے دوست نے آکر مبارکباد دی کہ آپ کی نظم اوّل قرار دی گئی ہے اور اس سال کا انعام آپ کو ملے گا۔ مَیں اسے مذاق سمجھا لیکن جب ان کے کہنے پر خود جا کر کالج کے تختۂ اعلانات پر اعلان پڑھا تو مسرّت آمیز تعجب ہُوا کیونکہ مجھے اس کی بالکل امید نہ تھی۔ کالج کے طلبہ میں تو یہ ایک طے شدہ امر تھا کہ اوّل انعام بزمِ سخن کے سکرٹری کا حصّہ ہے جو کالج کے "ملک الشعرا" کہلاتے تھے، اس وقت لاہور کے ادبی حلقوں میں خاصی شہرت کے مالک تھے اور کئی برس سے متواتر انعام لے رہے تھے۔ اعلان میں درج تھا کہ میری نظم اوّل اور اُن کی نظم دوسرے درجے پر قرار دی گئی ہے، فلاں تاریخ کو کالج کا ایک خاص جلسہ منعقد ہوگا جس میں ہم دونوں یہ نظمیں پڑھ کر سنائیں گے۔ اِس کامیابی پر میرے احباب کی، اور خاص طور پر میری خوشی کا سب سے بڑا باعث یہ تھا کہ انعامی مقابلے کا فیصلہ حضرت علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

جس روز جلسہ ہُوا میری نظم میرے حوالے کر دی گئی۔ یہ دیکھ کر میری مسرّت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نظم پر جابجا اصلاح بھی موجود تھی۔ اس وقت تو مَیں اِس اصلاح کو

نہ پُوری طرح پڑھ اور نہ اچھی طرح سمجھ سکا، اور جہاں تک مجھے یاد ہے، اُس جلسے میں
مَیں نے کہیں اصل اور کہیں اِصلاح کے مطابق نظم پڑھ دی تھی، لیکن بعد میں جب غور
سے دیکھا تو اصلاح کی اہمیّت محسوس ہوئی۔

چند روز کے بعد مَیں خود حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ ان دنوں وہ انار کلی والے بالاخانے میں قیام فرما تھے۔ مَیں جھجکتے جھجکتے اوپر پہنچا۔ انہوں نے پاس کی ایک کرُسی کی طرف اشارہ کیا۔ مَیں بیٹھ گیا۔ وہ خود ایک آرام کرسی پر لیٹے ہُوئے حُقّہ پینے میں مصروف تھے۔ سامنے، ان کے ایک ہم عمر بزرگ تشریف رکھتے تھے جو سیالکوٹ کے رہنے والے اور غالباً ان کے ہم جماعت یا بچپن کے دوست تھے۔ ان کے ساتھ وہ اپنے طالب علمی کے زمانہ کے واقعات کی یاد تازہ کر رہے تھے کہ سیالکوٹ میں وہ کس طرح مدرسہ کے اوقات کے بعد مساجد و مکاتب میں مختلف مولوی صاحبان کی خدمت میں حاضر ہو کر فارسی پڑھا کرتے تھے۔ ایک استاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اُنکا (اپنا یا شاید ان کا بتایا ہُوا) یہ شعر اب تک نہیں بھُولتا ؎

از قدِ رعنائے او من درد مند افتادہ ام
دوستاں رحمے کہ از بامِ بلند افتادہ ام

اس انداز کے دلچسپ واقعات کے بعد فرمانے لگے کہ لوگوں کو تعجّب ہوتا ہے کہ اقبالؔ کو فارسی کیونکر آگئی جب کہ اُس نے اسکول یا کالج میں یہ زبان نہیں پڑھی۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ مَیں نے فارسی زبان کی تحصیل کے لیے سکول ہی کے زمانے میں کس قدر محنت اُٹھائی اور کتنے اساتذہ سے استفادہ کیا۔

فارسی زبان کے سلسلے میں مولانا گرامی (مرحوم) کا ذکر آگیا۔ اُن کے غیر معمولی حافظہ

کی تعریف کرتے ہُوئے بتایا کہ کسی کو اشعار غزلیں یا نظمیں یاد ہوں گی مگر مولانا کو مثنویاں تک مسلسل یاد ہیں۔ وہ اس وقت اسی کمرے کے ایک گوشے میں پلنگ پر دراز تھے۔ فرمایا، لیجیے ابھی ان کے حافظے کا کرشمہ دیکھیے۔ یہ کہہ کر مولانا کو آواز دی۔ وہ اُٹھ بیٹھے۔ کہا کہ مولانا! حضرت نظامی نے وہ کیا فرمایا ہے ع

زگردِ بیاباں بیابان گرد

بس اس مصرع کا سننا تھا کہ مولانا گرامی دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں اٹھا کر جھُومنے لگے اور کہنے لگے: "اللہ اللہ! اللہ اللہ!" اس کے بعد ایک دوبار اس مصرع کو دہرایا اور پھر وہیں سے مثنوی شروع کر دی۔ مزے لے لے کر شعر پہ شعر پڑھتے گئے۔ مَیں نے مولانا گرامی کو پہلی اور آخری بار جبھی دیکھا۔ اُن کا منڈا ہُوا سر، اُٹھی ہوئی انگلیاں، نیم وجد کا عالم، جھُوم جھُوم کر زوردار اور پُرجذب آواز کے ساتھ شعر پڑھنا! یہ تمام منظر اب تک میرے تصوّر پر نقش ہے۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا اور شاید بہت دیر جاری رہتا لیکن آخر حضرت علامہ نے نہایت حسنِ اسلوب سے موضوع بدل کر گفتگو کا رُخ کسی اور طرف پھیر دیا۔

کچھ دیر بعد میری طرف مستفسرانہ انداز میں توجہ فرمائی تو مَیں نے اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ وہ اصلاح شدہ نظم اُن کے پیش کر کے، اُن کی توجہ خاص کا شکریہ ادا کیا۔ دیکھ کر فرمایا کہ ہاں، یہ نظم مجھے پسند آئی تھی۔ اس خیال سے کہ یہ کہیں شائع ہو گی، مَیں نے جہاں جہاں ضروری سمجھا، اصلاح کر دی۔ اس کے بعد کچھ وقت اصلاح کے متعلق باتیں ہوئیں، چونکہ دیر بہت ہو گئی تھی، آخر مَیں نے اجازت طلب کی اور اس محفلِ خاص سے بادلِ ناخواستہ رخصت ہُوا۔

یہ تھی حضرت علامہ کی خدمت میں میری پہلی حاضری، اور یہ تھی وہ صُورتِ حالات جس کے تحت میری نظم کو حضرت علامہ کے قلم سے اصلاح کا شرف حاصل ہُوا۔ اِس اصلاح کی عکسی تصویر اس مجمُوعے میں شامل ہے۔ فنی حیثیت سے یہ اصلاح شاید کچھ زیادہ اہم نہ سمجھی جائے کیونکہ نظم بالکل مبتدیانہ ہے، اس لیے زیادہ تر اِس میں غلطیوں کو صحیح اور سست بندشوں کو دُرست کرنے ہی کی ضرورت تھی، لیکن چند مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اصلاح میں نوکِ قلم کی استادانہ جنبش صاف نمایاں ہے۔ مثلاً

؎ اِس طرح پھرتا پھراتا جستجوئے یار میں
تھک کے آخر گر پڑا ہُوں گوشۂ گلزار میں

ع کیا کہوں پوشیدہ تھی فطرت میں از خود رفتگی

ع کوہ میں بھی دل نہ بہلا ہمرہِ دریا ہُوا

اِن مصرعوں میں تھوڑی سی تبدیلی سے اشعار کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا گیا ہے لیکن ان سب سے بڑھ کر نظم کا پہلا شعر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کیونکہ اس میں حضرت علامہ نے میرے دو مصرعوں کو ایک مصرع میں سمو کر اور دوسرا مصرع اپنی طرف سے بڑھا کر نظم کی تمہید کو مکمّل کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں نظم کے ابتدائی چند اشعار کا قلمزد ہو جانا بھی حضرت علامہ کے خاص نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے۔ اُن دنوں تو مجھے بھی تعجب اور افسوس ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحبؒ قبلہ نے ایسی عُمدہ تشبیہات کو بحال نہ رہنے دیا لیکن جُوں جوں وقت گزرتا گیا، اصلاح کی مصلحت واضح ہوتی گئی اور آخر صاف محسُوس ہونے لگا کہ حضرت علامہ کے نزدیک بے جان فن کاری اور مصنوعی شاعری کس قدر بے کار اور بے معنی چیز ہے۔

بہر صُورت، فن کے لحاظ سے اس اصلاح کی قدر وقیمت کا اندازہ کچھ بھی لگایا جائے، جہاں تک مجھے علم ہے، حضرت علامہ نے کبھی کسی کی نظم کی اصلاح اپنے قلم سے نہیں فرمائی۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس حیثیت سے یہ اصلاح یقیناً اہل ذوق کے لیے نوادرِ ادبیہ میں سے ہے، اور میرے لیے بجا طور پر باعثِ فخر ومباہات۔

نئی دہلی
۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء

اسد (ملتانی)

شبنم کا قطرہ

نظم	اصلاح
شاہدِ لالہ کا اِک زینت فزا زیور ہُوں میں نازنینِ گُل کے نازک کان کا گوہر ہُوں میں	×
دیدۂ نرگس میں مَیں اک رشکِ فرحت فال ہوں روئے زیبائے سمن پر جانشینِ خال ہوں	×
بُوند ہوں آبِ عِنَب کی مَیں بجامِ موتیا لب پہ خضرِ سبزہ کے ہوں قطرۂ آبِ بقا	×
برگِ گلبن کی صدف میں گوہرِ نایاب ہوں جھُومتی ڈالی پہ مثلِ قطرۂ سیماب ہوں	×
اِس طرح جلوہ نما ہوتا ہوں نوکِ خار پر جیسے آویزاں سرِ منصُور ہووے دار پر	×

دیکھنے کو اک ذرا سا قطرۂ بے رنگ ہوں
قطرۂ بے رنگ ہوں یا قلزمِ نیرنگ ہوں
مختلف رنگوں میں لیکن قلزمِ نیرنگ ہوں
سُننے والے سُن کہ مَیں بھی اِک خموش آہنگ ہوں

پر نہیں ہے چین میرے قلبِ مضطر کے لیے
وقف بیتابی ہے میری جانِ مضطر کے لیے
مَیں بنا ہُوں چرخ کی مانند چکّر کے لیے

پھر رہا ہوں دلبروں کی آنکھ کے تل کی طرح
×
مضطر و بیتاب ہُوں عشّاق کے دل کی طرح

گردشِ ہفت آسماں پنہاں ہے میرے سینے میں
ہے نہاں رازِ حیات رُوح میرے جینے میں
زندگی کا راز پوشیدہ ہے میرے جینے میں

ہاں ذرا سنیے مری آوارگی کی داستاں
مَیں کہاں تھا، کس لیے، اور کس طرح پہنچا یہاں!

پہلے پہلے تھا ٹھکانا اک سمندر میں مرا
تھا نہایت خرم و شاداں دل اس گھر میں مرا

یاد ہیں لہریں جو سطحِ آب پر آوارہ تھیں
ہاں یہی لہریں، یہی موجیں مرا گہوارہ تھیں

یاد آتی ہیں مجھے رہ رہ کے وہ آزادیاں
جن کی خاطر اب ترستا ہے دلِ ناشاد یاں

گاہ سونے کے لیے تہ میں چلا جاتا تھا مَیں
سطح پر بہرِ تماشا، گاہ آجاتا تھا مَیں

اتفاقاً ایک دن آیا جو سطحِ آب پر

جا پڑی میری نگہ خورشیدِ عالمتاب پر
دیکھ کر اس شعلہ رُو کو آگ سی دِل میں لگی
آہ! پھر کیا ہوتا، مَیں تھا اور تھی از خود رفتگی   کیا کہوں پوشیدہ تھی فطرت میں از خود رفتگی

دِل مرا تیرِ نگاہِ مہر نے گھائل کیا
اور وفورِ شوق نے پرواز پر مائل کیا

چھوڑی شکلِ اشک اور آہِ رسا بن کر اُڑا
مَیں ہوائے وصلِ جاناں میں ہوا بن کر اُڑا

لاکھوں لٹکے تھے مری خاطر شعاعوں کے کمند
کرّۂ خاکی سے لے کر تا بہ آں بامِ بلند   ×

میں بھی چڑھتا رہ گیا ان پر سحر سے شام تک
پر نہ پہنچا ہائے قسمت! دلربا کی بام تک   ×

شام ہونے سے تو بس میرا مقدّر سو گیا   شام آئی جس گھڑی میرا مقدّر سو گیا
بختِ دُنیا کی طرح تاریک منظر ہو گیا   میری قسمت کی طرح تاریک منظر ہو گیا

جس سے ملنے کے لیے مَیں ڈھونڈتا تھا کوئی راہ
اس کے نظارہ سے بھی آنکھیں ہوئیں محروم آہ!

ابر کے ہمراہ سرگرداں رہا مَیں رات بھر
تارے دیکھے، چاند دیکھا پر نہ وہ آیا نظر

مَیں جو تھا ناکام بھی، مایوس بھی، بے صبر بھی
میرے حالِ زار پر رونے لگا خود ابر بھی

مَیں بھی ساتھ اِس ابر کے اشکِ چکاں بن کر گرا
اور گرا کس چیز پر، مَیں اِک پہاڑی پر گرا

مِل گیا بوندوں میں، اشکِ مضطرب بن کر گرا
رفعتِ گردوں سے آخر اِک پہاڑی پر گرا

اِس پہاڑی سے مَیں بہ کر ہمرہِ دریا ہُوا
جوشِ وحشت میں روانہ جانبِ صحرا ہُوا

کوہ پر بھی دِل نہ بہلا، ہمرہِ دریا ہُوا

جب مرا بے مہر دلبر پھر نظر آیا مجھے
اور کمندِ حسنِ دل آویز سے کھینچا مجھے

آبِ دریا سے مجھے فوراً جُدا ہونا پڑا
پھر سوارِ توسنِ بادِ صبا ہونا پڑا

اس طرح سے پھرتا پھرتا مَیں تلاشِ یار میں
سرد دل ہو کر گرا آخر میاں گلزار میں

اِس طرح پھرتا پھراتا جستجوئے یار میں
تھک کے آخر گر پڑا ہوں گوشۂ گلزار میں

ہوں وہی قطرہ جو تھا اِک دن محیطِ بیکراں
ہوں وہی قطرہ جو تھا ہمراہِ دریائے رواں

ہوں وہی قطرہ جو تھا اِک دن سمندر میں نہاں

ہوں وہی قطرہ کہ جو تھا ابرِ گوہر بار میں
ہوں وہی قطرہ جو برساتھا کبھی کہسار میں

مَیں وہی قطرہ ہوں جو کالی گھٹا کے ساتھ تھا
مَیں وہی قطرہ ہوں جو اِک دن ہوا کے ساتھ تھا

بات یہ ہے اہلِ دُنیا جانتے ہیں کم مجھے
یہ سمجھتے ہیں فقط اِک قطرۂ شبنم مجھے

قطرۂ ناچیز ہوں لیکن جہاں دیدہ ہوں میں

تجربہ کار، انقلابِ آسماں دیدہ ہوں مَیں

میری ہستی، ہستیِٔ انسان سے کچھ کم نہیں
غافل انساں لیکن اِن اسرار سے محرم نہیں

مجھ میں ہے پوشیدہ رازِ زندگیٔ بے ثبات
مجھ سے پوچھو نکتۂ سربستۂ موت و حیات

محرمِ رازِ بلندی، واقفِ پستی ہوں مَیں
بہرِ انساں رہنمائے منزلِ ہستی ہوں میں

ہاں، مجسم تجربہ ہوں اور سراپا ہوش ہوں
ہوں ذرا سا قطرہ لیکن بحر در آغوش ہوں

نتیجۂ فکر محمد اسد خاں

علامہ اقبال

طالب علم فرسٹ ایئر کلاس
گورنمنٹ کالج
لاہور ——
مؤرخہ ۱۲۔ فروری سنہ ۲۱ء

سر سیّد راس مسعُود کے نام

(۱۷۹)————(۱)

(انگریزی)

لاہور
۲- جُون ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسعود!

ازراہِ کرم مجھے فوراً اپنے موجُودہ پتے اور آئندہ پروگرام سے مطلع فرمائیے۔ مَیں آپ سے اپنے متعلّق ایک نہایت اہم مسئلہ میں ملنا چاہتا ہُوں یا آپ کو تحریر کرنا چاہتا ہُوں۔ جواب واپسی ڈاک سے دیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

جس مسئلہ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہُوں اُس کا تعلّق آپ کے استعفا[1] سے نہیں۔

اقبالؔ

(۱۸۰)————(۲)

(انگریزی)

لاہور
۲۰- مارچ ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر مسعُود!

اُمّید ہے آپ اور لیڈی مسعُود صاحبہ بخیریت ہونگے۔ مَیں بھی بفضلِ خدا

---

[1] مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلر شپ سے استعفار۔

خیریت سے ہُوں ۔ میرا خیال ہے اعلیحضرت کی لاہور تشریف آوری کے لیے ۲۱۔اپریل موزوں ہو گی۔ ۲۰۔اپریل کو تو گورنر پنجاب اجلاس میں رسمی شمولیت فرمائیں گے ۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ ۲۱۔ اپریل تمام تر اعلیحضرت اور مسلمانانِ پنجاب کے لیے ہی مخصوص رہے۔ اگر اعلیحضرت انگلستان تشریف نہیں لے جا رہے ہیں تو اس انتظام کی طرف توجّہ کیجیے۔ اُمّید ہے اعلیحضرت کے لیے ایک علیحدہ دن مخصوص کرانے میں میرے منشا کو آپ نے پالیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اب یہ قطعی طور پر طے پا گیا ہے کہ اعلیحضرت عازمِ انگلستان نہ ہوں گے ۔ اگر ایسا ہے تو تار کے ذریعہ اطلاع دیجیے ۔ اور یہ اِطّلاع بھی بذریعہ تار ہی دیجیے کہ ۲۱۔ اپریل اعلیحضرت کو منظور ہے ۔ معاملہ معلومہ کی نسبت آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے ؟ مَیں اس خط کا جو اس ماہ کے آخر میں آپ مجھے لکھنا چاہتے ہیں بیتابی سے منتظر ہُوں ۔ لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں سلام اور انور کو دُعا!

ہمیشہ آپ کا

محمد اقبال

(۳)————(۱۸۱)

لاہور

۲۹۔مارچ ۱۹۳۵ء

(ضروری)

ڈیر مسعود! کئی دن ہُوئے مَیں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا مگر تا حال جواب نہیں آیا۔ شاید خط آپ کو ملا نہ ہو کیونکہ ان دنوں آپ بھوپال میں نہ تھے، والدہ ماجدہ کی علالت کی وجہ سے علی گڑھ چلے گئے تھے۔ بہر حال اگر وہ خط مل گیا ہو تو جواب لکھیے ۔ شاید آپ حیدر آباد سے کسی جواب کے منتظر ہوں گے ۔ آپ کا خیال تھا کہ

مارچ کے آخر میں آپ کسی قطعی فیصلہ کی اطلاع دے سکیں گے۔ میرے حالات اِس امر کے مقتضی ہیں کہ کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو؛ گو مَیں آپ سے چھپا نہیں سکتا کہ مجھے اس طرف سے ناامیدی ہے۔ غرض کہ مَیں آپ کے جواب کا شدّت سے منتظر ہوں۔

اِس امر کی اطلاع آپ نے نہیں دی کہ آیا ہز ہائینس جلسۂ انجمن میں جلوہ افروز ہوں گے یا نہیں۔ اور مجھ سے ہز ہائینس نے خود فرمایا تھا کہ اگر انگلستان نہ گئے تو ضرور تشریف لائیں گے۔ یہاں اِس خبر سے جوشِ مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مہربانی کرکے مطلع فرمائیے کہ آیا ہز ہائینس ولایت تشریف لے جائیں گے؟ مولوی غلام محی الدین، سکرٹری انجمن نے دو تین روز ہوئے مجھے اطلاع دی کہ آپ کی طرف سے کوئی اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ہز ہائی نس تشریف نہیں لاسکیں گے۔ مجھ کو آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ مہربانی کرکے جلد اطلاع دیجیے۔

جب سے مَیں بھوپال سے واپس آیا ہوں، لوگ زمینوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ میرے پاس کوئی ان شرائط کی کاپی نہیں ہے جن کے مطابق اراضی دی جاتی ہے۔ اِس وقت بھی جب کہ مَیں یہ خط لکھ رہا ہوں، ایک صاحب اسی غرض کے لیے بیٹھے ہیں۔ مَیں نے ان کو خط لکھ دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ خود بھوپال حاضر ہوں گے۔ شرائط کی کاپی ارسال کروا دیجیے تاکہ مَیں زمین کے خواستگاروں کو دکھا سکوں۔

زیادہ کیا عرض (کروں[1])! امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں آداب! مَیں ان کے لیے دعائے صحت کرتا ہوں۔ انور میاں کو دُعا اور حکیم صاحب سے بھی سلام کہیے۔ والسلام

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

[1] خط میں صرف "زیادہ کیا عرض" لکھا ہوا ہے۔

(۱۸۲)—————(۴)

(انگریزی)

لاہور

۱۴-اپریل ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر مسعود!

اُمید ہے کو میرا وہ خط جس میں مس فرکوہرسن کا خط ملفوف تھا مل گیا ہوگا۔ خط کشیدہ پارہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ کاغذات بھی آپ کو مل گئے ہیں جو مس موصوفہ نے آپ کو بھیجے تھے؟ مَیں اور چند دوسرے احباب اعلیٰحضرت کے استعفار کے متعلق ایک بیان ایسوسی ایٹڈ پریس میں بھیج رہے ہیں۔ میرے متعلق آپ کی جو تجویز ہے، اس کا سراغ مجھے انجام کار مل ہی گیا۔ مجھے یہ اِطّلاع ایک بہاولپوری دوست کی معرفت ملی ہے، اور یہ معلوم ہُوا ہے کہ نواب صاحب بھُوپال نے نواب صاحب بہاول پور کے نام ایک خط لکھا ہے۔ اس خط کے مضمون سے بھی مجھے تھوڑی بہت آگاہی ہوئی ہے۔ کیا میری اِطّلاع درست ہے؟ اس خط کا جواب موصول ہو جانے پر مَیں اس مسئلہ میں اپنی رائے آپ پر ظاہر کرسکوں گا۔ لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں سلام اور انور کو پیار!

ہمیشہ آپ کا

محمّد اقبال

(۱۸۳)—————(۵)

(انگریزی)

لاہور

۲۶-اپریل ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر مسعود!

نوازش نامہ موصُول ہُوا۔ آپ کی علالت کی اطلاع باعث تشویش ہوئی۔ مَیں

اُمید کرتا ہوں کہ آپ جلد صحتیاب ہو جائیں گے۔ مَیں انشاء اللہ مئی کے آخر تک بھوپال آسکوں گا۔ میری بیوی گزشتہ دس سال سے بیمار اور تلی اور جگر کے عوارض میں مبتلا ہے اور اب بوجہ بخار زیادہ کمزور ہو گئی ہے۔ ہم لوگ انشاء اللہ وسط مئی تک اپنے نئے مکان میں چلے جائیں گے۔ خدا کرے کہ اس وقت تک میری بیوی میں چلنے پھرنے کی ہمت پیدا ہو جائے!

آپ نے میرے متعلق جس دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اُس کے لیے آپ کا ممنُون ہُوں، اگرچہ مجھے آپ سے یہ کہنے میں کچھ تامّل نہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کامیابی کی کچھ زیادہ توقّع نہیں۔ مجھے کچھ عرصہ پہلے تو اس خیال سے مسرّت تھی کہ آپ کے اس کوشش میں کامیاب ہونے کی قوی امید تھی اور اس طرح میرے لیے ممکن ہو سکتا تھا کہ مَیں قرآنِ کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور ہیں، لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسُوس کرتا ہُوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیّہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسّر آئے تو مَیں سمجھتا ہُوں قرآنِ کریم کے اِن نوٹوں سے بہتر مَیں کوئی پیشکش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔

بہرحال، دیدہ باید۔ ہر امر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر عالمِ جدید میں اسلام کی اس خدمت کا شرف میرے لیے مقدّر ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے لیے ضروری ذرائع بہم پہنچا دے گا۔ لیڈی مسعُود صاحبہ کی خدمت میں سلام کہیے! علی بخش آپ دونوں کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ جاوید بھی آپ اور لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض کرتا ہے۔ اُمّید کرتا ہوں کہ آپ تندرست ہوں گے۔

ہمیشہ آپ کا! محمد اقبال

(۱۸۴)————(۶)

(انگریزی)

لاہور
۲- مئی ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر مسعود!

اُمّید ہے آپ اور لیڈی مسعُود دونوں بخیریت ہوں گے۔ الحمد للہ! میری تشویش ذرا کم ہوگئی ہے۔ میری بیوی کو ایک اپریشن کرانا پڑا۔ اگرچہ یہ بڑا ہی ہولناک اور ناقابلِ برداشت منظر تھا لیکن بظاہر ایسا معلوُم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی بچ گئی۔

مَیں انشاءاللہ مئی کے آخر میں آپ دونوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ نے کوئی اطّلاع نہیں دی اس لیے مَیں سمجھتا ہُوں معاملہ معلوم جُوں کا توں ہی ہے۔

یونیورسٹی کا چانسلر اب کون ہوگا؟ کاش! اعلیحضرت نواب صاحب بھُوپال اپنے استعفار پر دوبارہ غور فرما سکتے لیکن شعیب صاحب نے مجھُے لکھا تھا کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ لارڈ ویلنگڈن، نواب صاحب کو استعفار پر مکرّر غور کرنے پر ضرور مائل کریں گے۔ مجھے اطّلاع دیجیے کہ اعلیحضرت کا اس سلسلہ میں کیا ارادہ ہے۔ اگر اعلیحضرت رضامند نہ ہوں تو پھر کیا آپ کی رائے میں نواب صاحب بہاول پور اِس منصب کے لیے موزوں ہوں گے؟

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

علی بخش آپ اور لیڈی مسعُود صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔

(۱۸۵)———(۷)

(انگریزی)

لاہور
۲۳۔مئی ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر مسعود!

نوازش نامے کے لیے، جس سے ایک گونہ اطمینان ہوا، سراپا سپاس ہوں۔ میری خواہش تو حقیقت میں اُس انسان کی خواہش ہے جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے اور سفرِ آخرت سے پہلے کچھ نہ کچھ خدمت انجام دینے کا تمنائی ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ اعلیحضرت کی خدمتِ اقدس میں اس مسئلہ کو پیش کر دیں گے۔ اعلیحضرت کے مراحمِ خسروانہ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ بھوپال میں میری آسائش کا ان کو اس قدر خیال ہے: میری بیوی خطرناک طور پر بیمار ہے۔ شاید یہ اس کے آخری لمحات ہیں! لہٰذا میرے لیے لاہور سے باہر جانا اس وقت ممکن نہیں۔ آپ کو بعد میں اطلاع دے سکوں گا۔ مجھے اِطلاع دیجیے کہ آپ اور لیڈی مسعود صاحبہ کب بھوپال واپس آئیں گے میرا خیال ہے کہ لیڈی مسعود صاحبہ تو کچھ دیر اندور میں مزید قیام فرمائیں گی۔ اور آپ جون کے آخر میں بھوپال واپس پہنچ جائیں گے۔ لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام کہیے اور انور کو دُعا! کیا حکیم صاحب ابھی وہاں ہی ہیں؟ اُمید ہے انہیں ملازمت مل گئی ہو گی۔

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

ساڑھے پانچ بجے میری بیوی کا انتقال ہو گیا۔

اقبال

(۱۸۶)————(۸)

(انگریزی)

لاہور
۳۰۔مئی ۱۹۳۵ء

ڈیر مسعُود!

میں نے آپ کو کل خط لکھا اور کل کے خط کے تسلسل میں یہ خط لکھ رہا ہوں کیونکہ میں ایک بہت اہم بات لکھنا بھول گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ میں نے خود کو سادہ زندگی کا عادی بنا لیا ہے۔ میری ضروریات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ ایک تھوڑی سی پنشن میرے لیے کافی ہوگی۔ مہربانی کر کے یہ نہ سوچیں کہ مجھے جینے کے لیے ہزاروں کی ضرورت ہے۔ چراغِ سحر ہُوں، بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآنِ کریم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں۔ جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے، اُسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہُوں تا کہ (قیامت کے دن) آپ کے جدّ امجد (حضور نبی کریمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینانِ خاطر کے ساتھ میسّر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی، جو حضورؐ نے ہم تک پہنچایا، کوئی خدمت بجا لا سکا۔

مخلص۔ محمد اقبال

(۱۸۷)————(۹)

لاہور
۳۰۔مئی ۱۹۳۵ء

ڈیر مسعُود!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ مَیں کس زبان سے اعلیٰحضرت کا شکریہ ادا کروں! انھوں نے ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی جب کہ مَیں چاروں طرف سے

آلام ومصائب میں محصور تھا۔ خدا تعالیٰ اُن کی عمر و دولت میں برکت دے! ہندوستان کے مسلمان شرفا میں سے کون ہے جو اعلیحضرت کا اور ان کے دودمانِ عالی کا ممنونِ احسان نہیں ہے!

دوستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

یہ عریضہ اعلیحضرت کو سُنا دیجیے۔ مَیں خود حاضر ہو کر شکریہ ادا کروں گا۔ اب میری درخواست صرف اس قدر ہے کہ احکام اِس پنشن کے تو جاری ہوں گے ہی، سرکارِ عالی اپنے ہاتھ سے بھی اس مضمون کا ایک خط مجُھے لکھ دیں جو آپ نے مجھے لکھا ہے۔ یہ خط میری اولاد میں بطور یادگار کے رہے گا اور وہ اس پر فخر کریں گے۔ مَیں انشاء اللہ یا تو چالیسویں کے بعد حاضر ہوں گا یا جب آپ اور لیڈی مسعود ابتدا اگست میں، مع الخیر، اندور سے بھُوپال واپس آجائیں گے تو مہربانی کر کے مجھے یہ لکھ دیجیے کہ اگر مَیں جُون کے آخر میں آؤں تو اپنے بھُوپال پہنچنے کی کس کو اطلاع دُوں۔ ممنون کو اِطّلاع دے دوں یا جس کو آپ لکھیں؟ لیڈی مسعُود کی خدمت میں سلام! جاوید آداب کہتا ہے۔

باقی، آپ کا شکریہ کیا ادا کروں! مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی سادات کی آبائی میراث ہے، بالخصوص آپ کے خاندان کی۔

آپ کا

محمد اقبال

(۱۸۸)————(۱۰)

لاہور

۱۵۔جون ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود!

اُمید کہ آپ اور لیڈی مسعود بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ مَیں آپ کے خط کے انتظار میں ہُوں۔ اُمید کہ ضروری احکام متعلقہ پنشن جاری ہو گئے ہوں گے۔ اب صِرف مجھے اس خط کا اِنتظار ہے جس کا ذکر مَیں نے اپنے گزشتہ خط میں کیا تھا۔ اگر اعلیحضرت پچمڑی سے واپس تشریف لے آئے ہوں تو وہ خط لکھوا کر بھجوا دیجیے۔ کل اعلیحضرت ظاہر شاہ کا تار تعزیتی آیا تھا، اور آج سردار صلاح الدین سلجوُقی اعلیحضرت کا زبانی پیغام لائے ہیں، بہت حوصلہ افزا اور دل خوش کُن پیغام ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعاء ترقیِ مراتب! لارڈ لودین کا خط ابھی لندن سے آیا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ "رہوڈز لیکچرز" کے لیے کب آؤ گے۔ اب بچّوں کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہُوں! ان کی ماں کی وصیّت ہے کہ اِن بچّوں کو اپنے سے ایک دِن کے لیے بھی جُدا نہ کرنا۔ لیڈی مسعود کی خیریت سے آگاہ کیجیے اور میری طرف سے انہیں سلام کہیے۔

آپ کا

محمد اقبال

(۱۸۹)————(۱۱)

لاہور

۲۴۔جون ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود! آپ کا خط مِل گیا ہے اور اعلیحضرت کا والا نامہ بھی موصُول ہو

گیا ہے جسے مَیں نے سادہ اور خوبصورت فریم میں لگوا دیا ہے۔ آپ شاید اندور تشریف لے گئے ہوں گے۔ مَیں لیڈی مسعود کے لیے دست بدعا ہوں۔ جب ان کو فراغت ہو تو مجھے اُن کی خیریت سے بذریعہ تار مطلع کیجیے۔

مَیں انشاء اللہ وسط جولائی تک بھوپال پہنچوں گا۔ جاوید کو ہمراہ لانا ہوگا۔ علی بخش بھی ہمراہ ہوگا۔ وہ آپ کو ہر روز ایک دو دفعہ یاد کر لیتا ہے۔ شعیب صاحب کو اپنے آنے کی اطلاع دے دوں گا، مگر یہ تو فرمائیے کہ میرا ایڈریس بھوپال میں کیا ہوگا تاکہ مَیں گھر میں وہ ایڈریس چھوڑ جاؤں۔ اس طرح بچّی منیرہ کی خیریت کی خبر مجھے روز ملتی رہے گی۔ جس جگہ مجھے ٹھیرنا ہوگا اس جگہ کا پتہ لکھ دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ آپ سے ملنے کے واسطے تڑپ رہا ہوں۔ والسّلام

محمد اقبال

ہاں آپ کا پرائیویٹ سکرٹری ممنون حسن خاں ریاض منزل ہی میں ہوگا یا کہیں اور؟ مَیں اپنے آنے کی اطلاع اُسے بھی دے دوں گا۔

(۱۹۰)————(۱۲)

لاہور
۲۔جولائی ۱۹۳۵ء

ڈیر مسعود! ابھی آپ کا تار ملا جس سے اطمینانِ خاطر ہوا۔ خُدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ آپ کا خط ملنے سے اس وقت تک میری طبیعت نہایت پریشان تھی۔ گزشتہ رات بھی میں دیر تک ان کے لیے دُعا کرتا رہا۔ دورانِ قیامِ بھوپال میں انہوں نے جو توجّہ مجھ پر مبذول کی مَیں اُسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ اُمید ہے کہ اب وہ جلد

صحتِ کامل حاصل کرلیں گی اور آپ کی طبیعت کو بھی اطمینان نصیب ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ موسم سخت گرم ہے۔ بارش کا انتظار ہے۔ کل سے مطلع غبار آلود ہے۔

میری طرف سے انہیں سلام کہیے اور دعائے صحت!

آپ کا
محمد اقبال

(۱۹۱)————(۱۳)

لاہور
۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود! تمہارا خط جس میں دو نامے ملفوف تھے، ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ مَیں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچّھا ہُوں۔

انشاء اللہ ۲۴ یا ۲۵۔ اکتوبر کو پانی پت پہنچوں گا۔ جو چند اشعار فارسی کے لکھے تھے، وہ مَیں نے خواجہ سجاد حُسین صاحب کی خدمت میں اُنکی درخواست پر بھیج دیے ہیں۔ جاوید کے ماموں کو بھی آج قالین کے لیے پھر لکھ دیا ہے۔ اطمینان فرمائیے!

باقی رہا وہ معاملہ سو اس میں تمہارے اس خط کے بعد مَیں کیا عرض کروں! اعلیٰحضرت نواب صاحب بھُوپال کی پنشن قبول کرنے کے بعد کسی اور طرف بھی نگاہ کرنا آئینِ جوانمردی نہیں ہے۔ لیکن مَیں آپ کو اپنا دُوسرا Self خیال کرتا ہُوں اس واسطے جو کچھ آپ لکھتے ہیں، اس پر عمل کرتا ہُوں۔ اخباروں میں اس کا چرچا مناسب نہیں معلُوم ہوتا، اور اس کی ادائیگی بھی معرفت اعلیٰ حضرت ہی ہونی چاہیے جیسا کہ آپ نے مجھ سے زبانی کہا تھا۔ زیادہ کیا عرض کروں!

لیڈی مسعود سلام قبول کریں! جاوید سلام عرض کرتا ہے۔ علی بخش بھی آداب کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

حالی اور اقبال

محولہ بالا اشعار جو حالی کی صد سالہ برسی پر نواب صاحب بھوپال کی موجودگی میں پڑھے گئے اور اب تک اقبال کی کسی کتاب میں درج نہیں ہوئے حسب ذیل ہیں:

مزاجِ ناقہ را مانندِ عُرفی نیک می بینم
چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم

حمید اللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو
ز الطافِ تو موجِ لالہ خیزد از خیابانم

طوافِ مرقدِ حالی سزد اربابِ معنی را
نوائے او بجانہا افگند شورے کہ من دانم

بیا تا فقر و شاہی در حضورِ او بہم سازیم
تو بر خاکش گہر افشان و من برگِ گل افشانم

ایک دوسرے موقع پر حالی سے متعلق مندرجہ ذیل قطعہ کہا تھا

آں لالۂ صحرا کہ خزاں دید و بیفسرد — سیّد دگر او را نمے از اشکِ سحر داد
حالی ز نواہائے جگر سوز نیاسود — تا لالۂ شبنم زدہ را داغِ جگر داد

۲۴۔ جون ۱۹۳۵ء

(۱۹۲)―――――(۱۴)

لاہور
۲۔اکتوبر ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود! ایک خط اس سے پہلے لکھ چکا ہوں جو اُمید ہے تم کو مل گیا ہو گا۔ جواب کا ابھی تک انتظار ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اور بیگم مسعود مع الخیر ہوں گے۔ میرے ایک دوست جو یہاں کے سادات میں سے ہیں اور مرض ذیابیطس کے پرانے بیمار تھے، حال میں تندرست ہو کر وائینا (آسٹریا) سے واپس آئے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ دورانِ علاج میں انہوں نے اپنے ڈاکٹر سے میرے مرض کا ذکر بھی کیا تھا جس پر ڈاکٹر نے کہا کہ اگر وہ بیمار یہاں آجائے تو میں گارنٹی کرتا ہوں کہ بالکل تندرست ہو جائے گا۔ شاہ صاحب فروری میں پھر وائینا جانے والے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ میں بھی اُن کے ساتھ چلوں اور وہاں چل کر علاج کراؤں۔ آپ اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ فی الحال میری صحت ترقّی کر رہی ہے۔ آواز میں بھی قدرے امپرومنٹ ہے۔ ڈاکٹر عبدالباسط نے جو فوٹو میرے سینے کا لیا تھا، اُسے ڈاکٹر رحمٰن وائینا بھیجنے والے تھے۔ معلوم نہیں ابھی تک بھیجا ہے یا نہیں، میں نے ڈاکٹر صاحب (عبدالباسط) کو خط لکھ کر دریافت کیا ہے۔ وہاں سے ایکسپرٹ اوپینین آجانے پر آخری فیصلہ کروں گا، فی الحال میں آپ کی رائے چاہتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ جاوید آداب عرض کرتا ہے اور علی بخش سلام لکھواتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

بیگم مسعود صاحبہ سے سلام عرض کیجیے۔ انشاءاللہ پانی پت میں ملاقات

ہو گی۔ کل سے کوٹھی کے بقایا حصے کی تعمیر ہو گی۔ اُمید کہ پانی پت جانے تک کام ختم ہو جائیگا۔

(۱۹۳)————(۱۵)

لاہور

۱۰۔ دسمبر ۱۹۳۵ء

ڈیر مسعود! تمہارا خط ابھی ملا۔ کل شام کے قریب تار بھی ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ مَیں اعلیحضرت کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہُوں۔ معلُوم ہوتا ہے ان کو میری آسائش کا بہت خیال ہے۔ خدائے تعالیٰ اجرِ عظیم ان کو عطا فرمائے!

اس سے پہلے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہُوں۔ اُمید ہے پہنچ گیا ہو گا اور کتابوں کا پارسل بھی مل گیا ہو گا۔ اندور سے رشید صاحب کا خط بھی آیا تھا، اُن کو بھی جواب لکھ دیا تھا۔ لیڈی مسعُود صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ مَیں نے حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں انکی علالت کا تذکرہ کر دیا تھا۔ وہ نومبر میں تمہارے ساتھ دہلی آئیں تو ضرور ان کو نبض دکھائیں۔

لاہور میں گرمی کی بے انتہا شدت ہے۔ بارش کا نام و نشان نہیں ہے۔ سرحد پر جنگ باقاعدہ شروع ہو گئی ہے۔ معلُوم ہوتا ہے مسجد شہید گنج کا اثر وہاں بھی جا پہنچا ہے اور راولپنڈی میں؟ کیا تمام پنجاب میں مسجد کی بازیابی کے لیے جوش و خروش بڑھ رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا فضل کرے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ جاوید آپ کی اور لیڈی مسعُود کی خدمت میں آداب لکھواتا ہے۔ علی بخش بھی آداب عرض کرتا ہے۔

والسلام

محمد اقبال، لاہور

(۱۹۴)———(۱۶)

لاہور
۱۱۔ دسمبر ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود! کل خط لکھ چکا ہوں، آج اس تمام معاملے پر کامل غور و فکر کرنے کے بعد پھر لکھتا ہوں۔ آپ اس خط کو کانفیڈنشل تصور فرمائیں۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے بھوپال میں آپ کے بڈ رُوم میں گفتگو کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میرا خیال معلوم کر لینے کے بعد آپ نے شاید اس تجویز کو ڈراپ کر دیا ہوگا۔ اس کے بعد جس مسٹری کا آپ نے مجھ سے ذکر کیا تھا، میں سمجھ رہا تھا کہ یہ کوئی اور معاملہ ہے۔ بہرحال، آپ کو معلوم ہے کہ اعلیحضرت نواب صاحب بھوپال نے جو رقم میرے لیے مقرر فرمائی ہے۔ وہ میرے لیے کافی ہے۔ اور اگر کافی نہ بھی ہو تو میں کوئی امیرانہ زندگی کا عادی نہیں۔ بہترین مسلمانوں نے سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کی ہوس کرنا روپیہ کا لالچ ہے جو کسی طرح بھی کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ کو میرے اس خط سے یقیناً کوئی تعجب نہ ہوگا کیونکہ جن بزرگوں کی آپ اولاد ہیں، اور جو ہم سب کے لیے زندگی کا نمونہ ہیں، ان کا شیوہ ہمیشہ سادگی اور قناعت رہا ہے۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے مجھے اس رقم کو قبول کرتے ہوئے حجاب آتا ہے۔ اور میں بے حد تذبذب کی حالت میں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی ہز ہائینس آغا خان سے کیا خط و کتابت ہوئی، اور مجھے اندیشہ ہے کہ میری اس تحریر کو ناشکری پر محمول نہ کیا جائے۔ بہرحال میں نے ہز ہائی نس آغا خاں کو شکریہ کا خط لکھ دیا ہے گو اس میں مندرجہ بالا خیالات کا اظہار مطلق نہیں کیا گیا، اور اخلاقاً مجھ کو ایسا کرنے کی جرأت بھی نہ

ہونی چاہیے تھی۔ آپ جب اس معاملے پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے بہت سے پہلو ہیں، اور مَیں نے تمام پہلوؤں کو مدِّنظر رکھ کر آپ کو یہ خط لکھا ہے۔ آپ مہربانی کر کے مجھ کو جلد اس امر سے اطلاع دیں کہ آیا آپ کو میرے ان خیالات سے اتّفاق ہے یا نہیں اگر اتّفاق نہیں ہے اور اب اِس تجویز کا ڈراپ کرنا قرینِ مصلحت نہیں ہے تو پھر مَیں ایک اور تجویز پیش کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہز ہائی نس آغاخاں یہ پنشن جاوید کو عطا کر دیں، اس وقت تک کہ اس کی تعلیم کا زمانہ ختم ہو جائے یا جس وقت تک ہز ہائینس مناسب تصوّر کریں۔ بعض پرائیویٹ وجوہ کی بنا پر، جن کا کچھ نہ کچھ حال آپ کو معلوم بھی ہے، مَیں چاہتا ہوں کہ اس کی تعلیم کی طرف سے بکلّی اطمینان ہو جائے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ہز ہائینس آغاخاں میری اس تجویز کی نسبت کیا خیال کریں گے۔ مَیں نے اپنی مشکلات کا حال آپ کو لکھ دیا ہے۔ اب آپ جو تجویز چاہیں کریں اور مجھ کو اپنے خیالات سے مطلع کریں جہاں تک ممکن ہے جلد! آخری فیصلے تک اس بات کا پریس میں جانا مناسب نہیں ہے۔ اُمید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

محمّد اقبال، لاہور

(۱۹۵) ——— (۱۷)

ڈیئر مسعود! ملفوفہ خط سیّد احمد عباس کا ہے جو مدینہ منورہ میں روضۂ حضور رسالت مآب (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے محافظ ہیں۔ مَیں نے پہلے بھی تم سے ان کا ذکر کیا تھا۔ نہایت عُمدہ سفرنامہ ہندوستان کا لکھ رہے ہیں۔ عربی زبان کے ادیب ہیں اور شرفائے عرب میں ان کا خاندان بلند مرتبت ہے۔ یہ خط ہز ہائینس کی خدمت میں بھجوا دیجیے۔ چونکہ

ان کو یہاں کے دستور کا علم نہیں، اس واسطے انہوں نے اپنا خط میرے خط میں ملفوف کر دیا ہے۔ اگر اعلیحضرت نے ان کو اجازت دی تو یہاں آئیں گے۔ پٹیالہ نے ان کی بڑی قدر افزائی کی اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ اگر وہ آئیں تو تم بھی ان کو دعوت دینا۔ اور کرنل رابنسن سے بھی تو مجھے ملا دیجیے، تم کہتے تھے کہ وہ اب یہاں سے چلے جانے والے ہیں۔ والسّلام

محمد اقبال

شیش محل۔ ۱۰۔ مارچ ۱۹۳۶ء

(یہ خط بھوپال ہی میں لکھا گیا)

(۱۹۶)———(۱۸)

لاہور

۲۰۔ مئی ۱۹۳۶ء

ڈیر مسعود!

کئی دن سے تمہارا خط نہیں ملا، میں منتظر ہوں۔ خیر خیریت تو لکھ دیجیے۔ اگر تم مصروف ہو تو ممنون صاحب سے کہہ دیجیے کہ دو حرف لکھ دیا کریں۔ میری صحت خدا کے فضل سے بحال ہو گئی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس بیماری سے پہلے جو حالت تھی، وہ عود کر آئی ہے۔ البتّہ آواز میں ابھی اتنی ترقّی نہیں ہوئی جتنی کہ اُمّید تھی، گو پہلے سے بہتر ہے۔ نیازی اور انجمن حمایت اسلام کی عرضداشت کا کیا ہوا؟ کیا تم نے سر آغا خاں والے معاملہ کا اعلیحضرت سے ذکر کیا تھا؟ یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے۔ معلوم نہیں اعلیحضرت کیا خیال کریں۔

زیادہ کیا لکھوں! پنڈت جواہر لال نہرو کا خط آیا تھا۔ آج کل مسٹر محمد علی جناح

لاہور آئے ہوئے ہیں اور یہاں کی مختلف پولیٹیکل پارٹیوں میں اتحاد کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُمید کہ تم اور بیگم صاحبہ اچھے ہوں گے۔

محمد اقبال

(۱۹۷) ———— (۱۹)

لاہور
یکم۔ اگست ۱۹۳۶ء

ڈیئر مسعود! آج میرے منشی، طاہر دین آپ کی خدمت میں ضربِ کلیم کی چھ مجلد کاپیاں ارسال کر رہے ہیں۔ اِن میں سے ایک کاپی آپ کی ہے اور باقی خاندانِ شاہی کے لیے۔ ایک اعلیحضرت کے لیے، ایک ہز ہائینس کے لیے، ایک شہزادی ولیعہد کے لیے اور دو اعلیحضرت کے دونوں بھتیجوں کے لیے۔

اعلیحضرت کے لیے جو کاپی ہے اُس پر میرا نام کتاب کے صفحہ ا پر ڈیڈیکیشن کے اشعار کے نیچے لکھا ہے۔ اگر کوئی اور کاپی مطلوب ہو تو اطلاع دیجیے۔

ڈاکٹر عبدالباسط صاحب اور شعیب صاحب کے لیے علیحدہ پارسل میں کاپیاں اُن کے نام ارسال کی گئی ہیں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ بیگم مسعود سلام قبول کریں! جاوید سلام عرض کرتا ہے۔ علی بخش بھی آداب کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

مَیں خدا کے فضل سے اچّھا ہُوں۔ شاید سردیوں میں بھوپال آؤں!

(۱۹۸)————(۲۰)

لاہور
۱۲۔اگست ۱۹۳۶ء

ڈیر مسعود!

تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے! میرا بھی یہی فیصلہ ہے جو تم نے کیا ہے۔ یہ واقعی اور اٹل ہے۔ مَیں نے تو پارلیمنٹری بورڈ کی صدارت سے بھی استعفا دے دیا ہے۔ بورڈ کی میٹنگ کل ہو گی۔ آج کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں جو نوٹ اس استعفا پر نکلا ہے، ممکن ہے تمہارے ملاحظہ سے گزرا ہو۔ بورڈ کے ممبر اصرار کر رہے ہیں کہ کچھ دن کے لیے اسے ملتوی کر دوں۔ بہرحال، اس ماہ کے اختتام تک مَیں اس کی صدارت سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ جس روز کتب تمہارے نام ارسال کی گئیں، اُس روز صرف آٹھ کتابیں جلد ہو کر آئی تھیں۔ آٹھ کی آٹھ بھوپال ارسال کر دی گئیں۔ بعد میں جو جلدیں ہوئیں، وہ Inferior قسم کی جلدیں تھیں اس واسطے لیڈی مسعود کے نام ارسال نہ کی گئی۔ اُمید ہے کل تک اور عمدہ جلدیں بن کر آئیں گی تو انہیں ارسال کروں گا۔ مطمئن رہیے! مجھے یاد ہے، بھولا نہیں ہوں۔ اعلیحضرت کا خط بھی نہایت تلطف آمیز تھا جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ باقی رہی کتاب، سو یہ ایک Topical چیز ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ بعض خاص خاص مضامین پر مَیں اپنے خیالات کا اظہار کروں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک اعلانِ جنگ ہے زمانۂ حاضر کے نام، اور "ناظرین" سے مَیں نے خود ہی کہا ہے کہ میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ۔ نوائے چنگ یہاں موزوں نہیں ہے۔ اس کتاب کا

Realistic ہونا ضروری ہے اور نوائے چنگ کی تلافی Epigram-
matic style سے کی گئی ہے۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

(۱۹۹) —————— (۲۱)

لاہور

۱۵-جنوری ۱۹۳۷ء

ڈیئر مسعود! ابھی تمہارا خط ملا۔ کیا خوب! مَیں گزشتہ رات علی بخش سے کہہ رہا تھا کہ مسعود کا خط کئی دن سے نہیں آیا، فکر و تردّد ہے۔ آج دوپہر کو تمہارا خط مل گیا۔ الحمد للہ! میری صحت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ آواز میں بھی فرق آرہا ہے۔ انشاء اللہ دربارِ رسالتؐ میں جو کچھ مَیں نے عرض کیا ہے، قبول ہوگا۔ امسال دربارِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری کا قصد تھا مگر بعض موانع پیش آگئے۔ انشاء اللہ آئندہ سال حج بھی کروں گا اور دربارِ رسالتؐ میں بھی حاضری دوں گا، اور وہاں سے ایک ایسا تحفہ لاؤں گا کہ مسلمانانِ ہند یاد کریں گے۔ یہ تحفہ بھی اعلیحضرت کی نذر کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ انہیں عمرِ دراز عطا فرمائے! باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور میں الیکشن کی گرم بازاری ہے۔ پنجاب میں الیکشن کے سلسلے میں اب تک دو قتل کی وارداتیں ہو چکی ہیں۔ سرحد پر پھر جنگ، اور قصّہ وہی مسجد شہید گنج کا! اُمید کہ لیڈی مسعود بخیریت ہوں گی۔ ان کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ علی بخش آپ دونوں کی خدمت میں آداب عرض کرتا ہے۔ جاوید بھی، جو ابھی سکول سے آیا ہے، سلام عرض کرتا ہے فروری یا مارچ میں دہلی جانے کا قصد ہے۔ ممکن ہُوا تو چند روز کے لیے

بھوپال بھی آؤں گا۔

تمہارا مخلص

محمد اقبال

(۲۰۰) ——————— (۲۲)

لاہور

۱۹- اپریل ۱۹۳۷ء

ڈیئر مسعود! کئی دنوں سے تمہاری خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ اُمید ہے کہ لیڈی مسعود اور بچے خدا کے فضل و کرم سے مع الخیر ہوں گی۔ ان کی خیریت سے مطلع کیجیے۔ مَیں ایک روز کے لیے دہلی گیا تھا۔ حکیم نابینا کی دوائی سے صحت بہت ترقی کر رہی ہے۔ تم اپنی خیریت سے مطلع کرو۔ گرمی کا آغاز لاہور میں ہو گیا ہے، گو رات کو ذرا سردی ہو جاتی ہے۔ کیا آپ کا اس دفعہ کشمیر جانے کا قصد ہے؟ رات مَیں نے ایک کشمیری بزرگ سے سُنا کہ تم کشمیر کے ہوم منسٹر بننے والے ہو۔ کیا اس افواہ میں کوئی صداقت ہے؟ اُمید نہیں کہ اعلیحضرت نواب صاحب بھوپال تم کو بھوپال چھوڑنے کی اجازت دیں۔ والسلام

تمہارا مخلص

محمد اقبال

مَیں نے یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے، معاف رکھنا! آنکھ کا معاینہ کرایا ہے، اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ دوسرے معاینہ تک لکھنا پڑھنا بند کر دو۔

جاوید تم کو اور لیڈی مسعود کو سلام کہتا ہے، اور علی بخش بھی سلام عرض کرتا ہے۔

(۲۰۱)————(۲۳)

لاہور
۸- جون ۱۹۳۷ء

ڈیر مسعود!

تمہارا خط آج مل گیا جسے پڑھ کر اطمینان ہوا۔ دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری بچّی کو جلد صحت یاب کرے تاکہ تم دونوں کو اطمینانِ قلب حاصل ہو۔

جاوید اور منیرہ کی نگہداشت کے لیے اور گھر کے عام انتظام کے لیے جو ایک مدت سے بگڑا ہُوا ہے، مَیں نے فی الحال آزمائشی طور پر علی گڑھ سے ایک جرمن خاتون کو جو اسلامی معاشرت سے واقف ہے اور اُردو بول سکتی ہے، بُلوایا ہے۔ پروفیسر رشید صدیقی اور دیگر احباب نے اس کی شرافت کی بہت تعریف کی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کامیاب ہو گی تو مجھے بے فکری ہو جائے گی۔ جاوید کی عمر اس وقت قریباً تیرہ سال ہے اور منیرہ کی قریباً سات سال۔ ماں کی موت سے ان کی تربیت میں بہت نقص رہ گئے ہیں، اسی واسطے مَیں نے مذکورہ بالا انتظام کیا ہے۔ یہ جرمن لیڈی جس کا مَیں نے اوپر ذکر کیا ہے، علی گڑھ کے ایک پروفیسر کی بیوی کی بہن ہے جو ایک مدت سے علی گڑھ میں مقیم رہی ہے۔ شاید تم انہیں جانتے ہو گے۔ باقی تمہارے خط سے مجھے بے انتہا تسلی ہوتی ہے۔ اور تمہارا وعدہ بھی مجھ کو اچھی طرح یاد ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ گرمی شدید ہے۔ علی بخش سلام کہتا ہے اور جاوید سلام عرض کرتا ہے۔

ہاں! تم سن کر تعجب کرو گے کہ سر اکبر حیدری کا خط مجھ کو لندن سے آیا

ہے، اور بہت دل خوش کن۔ والسلام

محمد اقبال

(۲۰۲)——————(۲۴)

لاہور

۱۰ جون ۱۹۳۷ء

ڈیر مسعود!

پرسوں میں نے ایک خط لکھا تھا، اُمید ہے کہ پہنچا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جواب لکھتا ہوں۔

میں نے جاوید اور منیرہ کے چار guardians مقرر کیے تھے۔ یہ guardians از روئے وصیّت مقرر کیے گئے تھے جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسبِ ذیل ہیں۔

۱) شیخ طاہر الدین۔ یہ میرے کلارک ہیں جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ان کے اِخلاص پر کاملِ اعتماد ہے۔ ۲) چودھری محمد حسین ایم اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سکریٹریٹ لاہور۔ یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں اور نہایت مخلص مسلمان۔ ۳) شیخ اعجاز احمد بی، اے۔ ایل ایل، بی۔ سب جج دہلی (۴) عبدالغنی مرحوم۔ عبدالغنی بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ خاں صاحب میاں امیر الدّین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔ نمبر ۳ شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے۔ افسوس کہ دینی عقائد کی وجہ سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمان کافر ہیں۔ اس واسطے سے احمد شرعاً مشتبہ ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا آیا مسلمان بچوں کا (guardian) ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو guardian مقرر

کر دُوں ۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔ یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دُور ہو، لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہُوا تو لاہور میں رہنے والے guard-ians تمہارے ساتھ خط وکتابت کر سکتے ہیں ۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ لاہور کا درجۂ حرارت کسی قدر کم ہوگیا ہے ۔ لیڈی مسعود سلام قبول کریں! نادرہ کے لیے دُعا کرتا ہُوں ۔ اُمّید کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہوگا ۔ کہتے ہیں کہ Iodex اس کے لیے بہت مفید ہے ۔ ایک تو مرہم کی صُورت میں ہوتی ہے، دوسری سیّال صُورت میں ۔ مؤخّر الذکر کے استعمال میں سہُولت ہے ۔ والسلام

محمد اقبال

مندرجہ بالا خط کا جواب خوش قسمتی سے محفوظ ہے ۔ نقل ملاحظہ فرمائیے :

جواب

بھوپال

۱۴۔ جون ۱۹۳۶ء

نہایت پیارے اقبال!

تمہارا خط مورخہ ۱۰۔ جُون ابھی ۳ بجے مَیں نے بغور پڑھا ۔ چوتھے گارڈین کی بابت میری رائے یہ ہے کہ چونکہ مَیں نہ لاہور میں رہتا ہُوں اور نہ کوئی اُمید لاہور کے قریب رہنے کی ہے، تو مجھے مقرر نہ کرو بلکہ کسی ایسے دوست کو جو کم سے کم پنجاب ہی میں مقیم ہوں ۔ البتہ اپنی وصیت میں یہ ضرور لکھو کہ اگر guardians کو کسی معاملہ میں، جہاں تک کہ منیرہ سلمہا اور جاوید سلّمہٗ کی تعلیم کا تعلق ہے، کوئی مالی دقت پیش آئے تو پہلے مَیں مطلع کیا جاؤں کیونکہ جب تک کہ ان دونوں کی انشاءاللہ

بائیس۲۲ برس کی عمر نہ ہو جائے، مَیں ہر ممکن طریقہ سے مدد دینے کے لیے تیار ہُوں بشرطیکہ مَیں خود زندہ رہا۔ یہ خود ایک بڑی ذمّہ داری مَیں اپنے اوپر اس عشق کے ثبوت میں لے رہا ہوں جو مجھے تم سے ہے۔ یہ ضرور کرنا کہ میرے متعلق اِس سلسلہ میں جو الفاظ اپنے وصیت نامہ میں درج کرو جو کہ رجسٹرار کے پاس محفوظ کر رہے ہو، ان کی ایک نقل میرے پاس ضرور بھیج دینا۔ اگر خدا نخواستہ ضرورت پیش آئی تو یقین رکھو کہ تمہارے ان دونوں بچوں کے لیے ان کی تعلیم کے مسئلہ میں مَیں وہی کروں گا جو اپنی اولاد کے لیے۔ یہ ضرور صلاح دیتا ہُوں کہ جہاں تک جائداد وغیرہ کا تعلق ہے، اُس کا انتظام اپنے سامنے ہی ایسا کر دو کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

شکر ہے خدا کا کہ نادرہ اب ذرا بہتر ہے۔

مَیں ہُوں تمہارا چاہنے والا

راس مسعُود

لیڈی مسعُود کے نام

(۲۰۳)———(۱)

لاہور

۲۵۔ فروری ۱۹۳۶ء

ڈیر بیگم صاحبہ: آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ نان خطائی کے لیے تو مَیں نے کئی دن سے کہہ رکھا ہے، انشاء اللہ ۲۷ تک امرتسر سے تیار ہو کر آجائے گی۔ قصور کی میتھی بھی امّید (ہے) کل تک یا پرسوں تک مل جائے گی، ہمراہ لاؤں گا۔ مَیں انشاء اللہ العزیز

۲۹۔ فروری شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ۲۔ مارچ کی دوپہر آپ کی خدمت میں پہنچوں گا۔ مہربانی کر کے شعیب صاحب کو مطلع کر دیجیے گا۔ مسعود صاحب سے بھی سلام کہیے۔ انہوں نے میرے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ آج ڈاکٹر عبدالباسط صاحب کو بھی خط لکھ دیا ہے۔ اب ایک ماہ سے زیادہ نہ ٹھیر سکوں گا کیونکہ ایسٹر کی تعطیلوں میں انجمن حمایتِ اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ ہے اور بعض خاص حالات کی وجہ سے ان دِنوں میرا یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔ باقی، خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۲۰۴) ———— (۲)

لاہور

یکم اگست ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر لیڈی مسعود! مَیں آپ کو صبر و شکر کی تلقین کیونکر کروں جب کہ میرا دِل تقدیر کی شکایتوں سے خود لبریز ہے۔ مرحُوم سے جو میرے قلبی تعلقات تھے، اُن کا حال آپ کو اچھی طرح معلوُم ہے۔ اِس بنا پر مَیں صرف یہی کہہ سکتا ہوُں کہ جب تک زندہ ہوُں، آپ کے دُکھ درد میں شریک ہوُں۔ غالباً مرحُوم کے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کے دِل پر مرحُوم نے اپنی دلنوازی، بلند نظری اور سیر چشمی کا گہرا نقش نہ چھوڑا ہو۔ مسعُود اپنے باپ دادا کے تمام اوصاف کا جامع تھا۔ اس نے قدرت سے دادا کا دِل اور باپ کا دماغ پایا تھا اور جب تک جیا، اس دِل و دماغ سے ملک و ملت کی خدمت کرتا رہا۔ خدا تعالیٰ اُسے غریقِ رحمت کرے!

کل شام کے اخباروں سے معلوُم ہُوا کہ مرحُوم کی میت علی گڑھ لائی گئی ہے،

اِس وجہ سے مَیں نے کل صُبح آپ کو بھوپال کے پتہ پر تار دیا تھا اور والدہ ماجدہ مرحُوم کو علی گڑھ کے پتے پر۔ اس کے بعد ہز ایکسیلنسی سردار صلاح الدین خاں سلجوقی قونصل جنرل افغانستان، مقیم شملہ کا تعزیتی تار بھی میرے نام آیا جس میں انہوں نے خواہش کی تھی کہ ان کا پیغامِ ہمدردی مرحُوم کے اعزہ تک پہنچا دیا جائے۔ یہ تار بھی مَیں نے بھوپال ہی بھیج دیا تھا، اُمید کہ آپ تک پہنچ جائیگا۔ والدہ ماجدہ تک بھی سردار صاحب کا پیغامِ ہمدردی پہنچا دیجیے۔

زیادہ کیا لکھوں، ہم سب پریشان ہیں اور خُدا تعالیٰ سے آپ کے اطمینانِ قلب کی دُعا مانگتے ہیں۔ والسلام

محمد اقبال

علی بخش آداب کہتا ہے اور بے حد رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

نوٹ: ارمغانِ حجاز میں 'مسعُود مرحوم' کے عنوان سے اقبال نے موت وحیات کے معمہ کی کشود میں انسانی بے بسی کا ماتم کرتے ہُوئے چند اشعار میں براہِ راست سر سید راس مسعُود مرحُوم کی وفات پر اپنے رنج و قلق کا اظہار کیا ہے۔ صرف پانچ اشعار اس خط سے متعلق ہونے کی بنا پر نقل کیے جاتے ہیں:

رہی نہ آہ زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگارِ کمالاتِ احمد و محمُود

زوالِ علم و ہنر مرگِ ناگہاں اس کی
وہ کارواں کا متاعِ گراں بہا مسعُود

مجھے رُلاتی ہے اہلِ جہاں کی بیدردی
فغانِ مرغِ سحر خواں کو جانتے ہیں سرُود

نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارۂ غم دوست
نہ کہہ کہ صبر معمّائے موت کی ہے کشود

"دِلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است"

سعدی

(۲۰۵) ———— (۳)

لاہور
۲۸۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

ڈیئر لیڈی مسعود صاحبہ!

مَیں نے انور کے خط کا جواب لکھ دیا تھا۔ اِس کے بعد ڈاکٹر ظفرالحسن، پروفیسر علی گڑھ سے مشورہ کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ وارڈن نیو کالج کو خود خط لکھ سکتے ہیں۔ مسعود مرحوم نے نیو کالج ہی میں تعلیم پائی تھی اور کالج کے موجودہ وارڈن غالباً ان کو جانتے ہیں۔ اس بنا پر جو تجویز آخری میرے ذہن میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ظفرالحسن، مذکورہ بالا کالج کے وارڈن کو یہ لکھیں کہ وہ انور کے لیے سرہیری ہیگ، گورنر یو پی کو لکھیں کہ وائسرائے ہند، انور کے خاندان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہُوئے اس نوجوان کو، جو اپنے قد و قامت اور تعلیم کے لحاظ سے ہر طرح موزوں ہے، امپیریل پولیس سروس میں لیے جانے کی سفارش کریں؛ اور چونکہ انور اس وقت نواب صاحب بھوپال کی سروس میں ہے، اس لیے وائسرائے اعلیٰحضرت نواب صاحب بھوپال سے مشورت فرمائیں۔ یہ مختصر مضمون وارڈن کے اس خط کا ہونا چاہیے جو نیو کالج کا وارڈن سرہیری ہیگ

کو لکھے۔

اگر انور کی درخواست پر اعلیٰحضرت وائسرائے کی خدمت میں سفارش کرنے کو خود تیار ہو جائیں تو یہ بات سب سے اچھی ہے۔ اس صورت میں وارڈن نیو کالج صرف سر ہیری ہیگ کی خدمت میں یہ لکھیں کہ انور کی بابت وائسرائے سے خود سفارش کریں۔ اگر اس تجویز سے آپ کو اتفاق ہو تو آپ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب کو علی گڑھ خط لکھ دیں کہ وہ نیو کالج خط لکھ کر سر ہیری ہیگ کے نام سفارشی خط جلد منگوائیں۔

محمد اقبال

شیخ محمد عبداللہ (کشمیری) کے نام

(۲۰۶)—————(۱)

لاہور

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیئر شیخ عبداللہ صاحب، السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ مُسلم کانفرنس کشمیر کے اخبار پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ بزرگانِ کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سُلجھا سکیں گے۔ اس بات کے لیے میں ہر لحظہ دست بدعا ہُوں اور یقین رکھتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو بار آور کرے گا۔ لیکن جو مختلف جماعتیں سُنا ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہو گا۔ ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔ ہندی

مسلمانوں کے کام اب تک محض اِس وجہ سے بگڑے رہے ہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اس کے افراد بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھ میں کٹ پُتلی بنے رہے؛ بلکہ اس وقت ہیں۔ بہرحال؛ دُعا ہے کہ آپ کے ملک کو یہ تجربہ نہ ہو۔

افسوس ہے کہ مَیں اور مشاغل کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہوسکوں گا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال، لاہور

حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری کے نام

(۲۰۷)———(۱)

لاہور

۱۶۔جولائی ۱۹۳۷ء

جنابِ من!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ اِن حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے مَیں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سُود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مصر جائیے، عربی زبان میں مہارت پیدا کیجیے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ، تصوف، فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ پھر اگر ذہن خدا داد ہے اور دل میں خدمتِ اسلام کی تڑپ ہے، تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔ ہاں، یورپ کا فلسفہ پڑھنے کے لیے آپ یورپ کا سفر کر سکتے ہیں ــــ اگرچہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں فلسفہ اور لٹریچر کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس صورت میں بھی Thesis کے ذریعہ ڈگری حاصل کرنا فضول ہے۔ یورپ کے فلسفہ کی مختلف شاخوں کا مطالعہ کر کے ڈگری حاصل کرنا چاہیے۔ میں علیل ہوں اور خط وکتابت کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ خط بھی ایک دوست کے ہاتھ سے لکھوایا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

مسعود عالم ندوی کے نام

(۲۰۸) ــــــــــ (۱)

مخدومی جناب مدیر "الضیا"[1]!

مجلہ ضیا میں سید فضل رحمٰن صاحب انصاری کی کتاب "اے نیو مسلم ورلڈ ان میکنگ" پر آپ کا ریویو نظر سے گزرا مگر اس سے یہ نہ معلوم ہوا کہ کتاب کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اگر زحمت نہ ہو تو مہربانی کر کے جو نسخہ آپ کے پاس ہے، قیمتاً ارسال فرما دیجیے یا جہاں سے کتاب مذکور دستیاب ہو سکتی ہے وہاں لکھ دیجیے کہ مجھے

---

[1] مجلہ "الضیا" (عربی) جو مکتوب الیہ کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا (۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء ــ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء)

ایک نسخہ بذریعہ ڈیلیو ارسال کر دیں۔ اُمید کہ آپ یہ زحمت گوارا فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

مخلص

محمد اقبال

میورروڈ، جاوید منزل، لاہور

(۲۰۹) ——— (۲)

۲۸۔ نومبر ۱۹۳۵ء

مخلصی، السلام علیکم!

کتب مرسلہ آج موصول ہوگئیں۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ مولینا کاشغری[1] کی خدمت میں علحدہ عریضہ لکھ دیا ہے۔

مولینا سید سلیمان ندوی کی علالت کی خبریں بہت متردد کر رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو صحتِ عاجل مرحمت فرمائے، میری طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسارِ حالات کیجیے، اس وقت علماءِ ہند میں وہ نہایت قابلِ احترام ہستی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو دیر تک زندہ رکھے!

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۱۰) ——— (۳)

لاہور

۵۔ نومبر ۱۹۳۶ء

مخدومی مولینا، السلام علیکم!

پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں میں نے جو کچھ لکھا تھا اس کی ایک

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی، پروفیسر مدرسہ عالیہ، کلکتہ

کاپی آپ کی خدمت میں بھجوائی گئی تھی۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیے کہ وہ پمفلٹ آپ تک پہنچا یا نہیں۔

اخباروں میں مولٰنا سید سلیمان کی صحت کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خدا تعالیٰ ان کو دیر تک سلامت رکھے۔ ان کا وجود اس ملک میں غنیمت ہے۔ میری طرف سے بہت بہت سلام ان کی خدمت میں عرض کیجیے۔ کسی گزشتہ خط میں (جو اس وقت نہیں مل سکا) انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ ایک اسلامی ملک کے امیر کو اختیار ہے کہ اگر کسی ایسے امر میں جس کی شرع نے 'اجازت' دی ہو فساد پیدا ہو تو اس اجازت کو revoke کرے۔ اس کی مثالیں بھی مولٰنا نے خلافتِ راشدہ کے زمانہ کی لکھی تھیں۔ اس قول کے لیے حوالے کی ضرورت ہے۔ مہربانی کر کے آپ خود یا مولٰنا موصوف سے دریافت کر کے تحریر فرمائیں۔ مَیں نے خود اِدھر اُدھر سے تفحّص کر کے حوالہ نکالا تھا مگر افسوس کہ اب وہ کاغذ جس پر یہ سب کچھ نوٹ کیا تھا، نہیں ملتا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مولٰنا کی خدمت میں سلامِ شوق عرض کریں۔

مخلص
محمد اقبال

اس خط کے جواب کی طرف جلد توجہ فرمائیے تو ممنون ہوں گا۔

(۲۱۱) —————— (۴)

لاہور
۱۲۔ فروری ۱۹۳۶ء

ڈیئر مولٰنا مسعود عالم، السلام علیکم!

آپ کا خط عین اس وقت پہنچا جب کہ میں ابنِ قیمؒ کی اعلام الموقعین پڑھ رہا

تھا۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میرے مطلب کے لیے کافی مسالا آپ نے جمع کر دیا ہے۔ اب اگر ضرورت ہوئی تو اسی سے فائدہ اُٹھاؤں گا؛ مولٰینا سید سلیمان ندوی کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ فقہی مسائل کے اختلافات اور علماءِ اسلام کی جرح وقدح جس میں حضورؐ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عشق پوشیدہ ہے، ان تمام چیزوں کا مطالعہ بیحد روحانی لذت رکھتا ہے۔ مَیں نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ شرعی اجازت کو امیر منسوخ کر سکتا ہے۔ اعلام سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض خاص حالات میں قرآن کے تعزیری احکام میں بھی تغیّر ہو سکتا ہے، مثلاً سارق کے لیے قطعِ ید کے حکم میں خود حضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنگ کے دوران میں تغیّر کر دیا تھا۔ بہر حال جو زحمت آپ نے اُٹھائی ہے، مَیں اُس کے لیے بے حد شکر گزار ہُوں۔

جاوید اس وقت اسکول میں ہیں۔ آپ کا سلام اُن تک پہنچا دوں گا۔ رات کو قرآن پڑھا کرتے ہیں۔

محمد اقبال، لاہور

مسلم لیگ کا خطبہ میرے پاس تو موجُود نہیں ہے، البتہ کوشش کروں گا اگر مِل سکا تو بھیج دوں گا۔ مُسلم کانفرنس کا خطبۂ صدارت موجُود ہے اگر مطلوب ہو تو بھیج دُوں۔ محمد اقبال

(۲۱۲)――――――(۵)

لاہور
۱۹۔ فروری ۱۹۳۶ء

جناب مولٰینا مسعُود صاحب، السّلام علیکم!

مَیں آپ کو دونوں ایڈریس بھیج چکا ہُوں، اُمّید کہ موصُول ہو گئے ہوں گے۔

تھوڑی سی تکلیف اور دیتا ہُوں جس کے لیے معافی چاہتا ہوں

محمد لطفی جمعہ، مصر کے ایک بیرسٹر ہیں۔ انہوں نے حال میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "حیات الشرق"۔ اس کتاب کے صفحہ ۶۵ پر ترکوں کے متعلق لکھتے ہُوئے کہتے ہیں :- فالافضل للمسلمین فی الشرق ان یترکوا نغمة الانتقاد والتقریع ضد مصطفیٰ کمال وغیرہ وان یترکوہ کما ترکہم۔

'یترکوہ کما ترکہم' پر مصنّف نے حاشیۂ کتاب پر یہ نوٹ دیا ہے:

فی الحدیث الصحیح ' اترکوا الترک کما ترکوکم۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حدیث کونسی کتاب میں ہے، اس کے راوی کون ہیں اور حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال

(۲۱۳)————(۶)

لاہور

۲۵۔ فروری سنہ ۱۹۳۶ء

جناب مولینا، السلام علیکم!

ترکوں کے متعلق مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ان کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ ہیں: "یہ الحاد کی ہوا آئی ہے، کچھ دِن کے بعد نکل جائے گی"۔ جو کچھ ہُوا، جذبۂ وطن پرستی بلکہ توران پرستی کا نتیجہ تھا۔

اب جو عراق، افغانستان، ایران اور ترکی کے معاہدہ کی تجویز ہو رہی ہے، اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے 'توران پرستی' کو بحیثیت ایک پالیسی کے ترک کر دیا ہے۔ 'کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو'، حالات اس قسم کے ہیں کہ ترک، اسلام کو چھوڑ کر کبھی من حیث القوم سرسبز نہیں ہو سکتے۔ باقی، یہ بات صحیح ہے کہ ان میں افرنگ زدہ لوگ بکثرت ہیں۔ لیکن کیا عجب ہے کہ آئندہ دس سال میں افرنگ زدگی کے سرچشمے ہی کا خاتمہ ہو جائے۔ سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ باقی، آپ کی کتاب[1] کے متعلق پھر لکھوں گا۔ بہت سے خطوط لکھنے کے بعد تھک گیا ہوں۔ ۲۹ کو بھوپال جانے کا قصد ہے۔ وہاں ایک ماہ قیام رہے گا۔

محمد اقبال

(۲۱۴) ——————— (۷)

لاہور

۲۸- مئی

جناب مولینا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ میں بہ نسبتِ سابق بہتر ہوں، مگر اطباء نے لکھنا پڑھنا بند کرا دیا ہے، اس واسطے تمام دن لیٹے لیٹے گزر جاتا ہے۔ افسوس کہ آپ کی کتاب کا مسوّدہ دیکھنے سے قاصر ہوں۔ نہ فی الحال کچھ لکھنے کے قابل ہوں۔

آپ کے دوست[2] کا مجموعۂ نظم میں نے دیکھا ہے۔ ان کے اشعار اچھے ہیں۔ اُمید کہ ایک دن اس سے بہتر کہیں گے۔ فی الحال ان کے کلام میں ناپختگی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال

---

[1] مکتوب الیہ کی عربی تاریخ ہند "حاضر مسلمی الہند وغابرہم" [2] سید محمد فاروق فاروقی بانسپاری بلیادی

پروفیسر محمدؐ الیاس برنی کے نام

(۲۱۵)———(۱)

کتاب "المعیشت" مل گئی تھی، مگر میں دردِ گردہ کے دورے کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا۔ اور اب تک پورے طور پر صحت نہیں ہوئی، گو پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ آپ کی عنایت کا شکریہ ادا نہ کر سکا۔ آپ کی تصنیف اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ اُردو زبان میں علمِ اقتصاد پر یہ پہلی کتاب ہے، اور ہر پہلو سے کامل۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۸۔ مارچ ۱۹۱۷ء

(۲۱۶)———(۲)

۲۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ مجھے کیونکر اجازت میں تامّل ہو سکتا ہے، بڑے شوق سے میری نظم، جو پسندِ خاطر ہو، درج فرمایئے مگر آج کا زمانہ ہندوستان میں اور طرح کا ہے، اس کی نبض شناسی ضروری ہے۔ اگر آپ میری نظموں کے متعلق مجھ سے مشورہ کریں تو شاید بہتر ہو گا۔ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے خیال میں کون سی نظمیں اس مجموعے میں آنی چاہییں تو رائے دے سکوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال، لاہور

(۲۱۷)————(۳)

لاہور
۶۔ جون ۱۹۳۶ء

مخدومی جناب پروفیسر الیاس!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ کتاب "قادیانی مذہب" اس سے بہت پہلے موصول ہو گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب بے شمار لوگوں کے لیے چراغ ہدایت کا کام دے گی اور جو لوگ قادیانی مذہب پر مزید لکھنا چاہتے ہیں، ان کے لیے تو یہ ضخیم کتاب ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس سے ان کی محنت و زحمت بہت کم ہو گئی ہے۔ مَیں آپ کی خدمت میں مفصل خط لکھتا مگر دو سال سے بیمار ہوں اور بہت کم خط و کتابت کرتا ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ حضور نظام کا خط میری نظر سے گزرا تھا لیکن مَیں نے سُنا ہے کہ جو روپیہ اُن کی گورنمنٹ کی طرف سے پنجاب میں آتا ہے، وہ یا تو پارٹی پالیٹکس پر صرف ہوتا ہے یا ان اخباروں پر جو قادیانیوں کی حمایت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ بات کہاں تک دُرست ہے۔ مَیں نے یہ بات آپ کو بصیغۂ راز لکھ دی ہے

والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۲۱۸)————(۴)

لاہور
۱۳۔ جون ۱۹۳۶ء

مخدومی، پروفیسر صاحب!

السلام علیکم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں۔ مجھے

معلوم نہ تھا کہ آپ کو طب میں بھی دخل ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں لکھتا۔
دو سال سے اوپر ہو گئے، جنوری کے مہینے میں عید کی نماز پڑھ کر واپس آیا۔
سویاں، دہی کے ساتھ کھاتے ہی زکام ہوا۔ بھدانہ پینے پر زکام بند ہوا تو گلا بیٹھ گیا۔ یہ
کیفیت دو سال سے جاری ہے۔ بلند آواز سے بول نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے مجھے بالآخر
بیرسٹری کا کام چھوڑنا پڑا۔ انگریزی اور یونانی اطبّا، دونوں کا علاج کیا مگر کوئی خاص فائدہ
نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ مجھے کسی قدر دمہ کی شکایت ہو گئی۔ حکیم نابینا صاحب نے
فرمایا کہ تمہاری بیماری ایک ہلکا سا دمہ ہے۔ کھانسی اس شدت سے آتی تھی کہ میں بیہوش
ہو جاتا تھا، اب یہ کیفیت نہیں ہے۔ صبح بلغم نکلتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کھانا کھانے کے
بعد بھی سفید بلغم نکلتی ہے جس کے نکلنے سے آواز نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے۔ انگریزی اطبّا
کی تشخیص یہ ہے کہ ایک رگ جسے aorta کہتے ہیں اور جو قلب کے قریب
ہے، ایک مقام سے پھیل گئی ہے، اس کا دباؤ ووکل کارڈ پر پڑتا ہے جس کے سبب سے
بولنے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ان کی تشخیص یہ بھی ہے کہ طویل بیماری سے
قلب کی رگیں کمزور ہو گئی ہیں اس واسطے عام کمزوری ہو گئی ہے، اور مجھے کوئی ایسا کام
نہیں کرنا چاہیے جس میں Excitement پیدا ہو۔ ذرا سی محنت کرنے
سے دم پھول جاتا ہے یہاں تک کہ غسل کرنے میں اپنے ہاتھوں سے اپنا بدن بھی
اگر ملوں تو دم چڑھ جاتا ہے۔ عام کمزوری بھی ہے۔ یہ مختصر کیفیت میری بیماری کی ہے۔
اگر آپ کوئی دوا تجویز کریں گے تو ضرور مفید ہو گی۔ آپ عاشقانِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں
سے ہیں اس واسطے ایک اور بات آپ کے گوش گزار کرنے کے لائق ہے۔
۳۔ اپریل کی رات، ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے

سر سید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا، پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو۔ مَیں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر، جو اَب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی فارسی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہو گی۔ ۴۔اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ (ring) عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے، گو اس ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔ جسم میں بھی عام کمزوری ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمد اقبال

(۵) ———— (۲۱۹)

لاہور
۲۳۔جون ۱۹۳۶ء

مخدومی پروفیسر صاحب! السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے۔ انشاء اللہ ایک ہفتہ تک حسبِ ہدایت استعمال کرنے کے بعد نتیجے سے مطلع کروں گا۔ مجھے اُمید ہے آپ کی روحانیت اور اخلاص میری شفا کا باعث ہوں گے۔

فی الحال میری شکایات یہی ہیں جو لکھ چکا ہوں یعنی عام کمزوری، قلب کی کمزوری، دم پھولنا، قبض اور جگر کے فعل کی بے قاعدگی، بلغم وغیرہ۔ اس سے پہلے کھانسی

اور دمہ بھی تھا اور جب کھانسی ہوتی تھی تو مَیں بیہوش ہو جاتا تھا۔ بہر حال، ان سب امور کو ذہن میں رکھیے۔ اِس دوا کے استعمال کے بعد جواہر مہرہ اور سفوف کا استعمال ہوگا۔

موتی منجن اور اکسیر آئل کی دو شیشیاں جن میں دو دو اونس دوا ہو مہربانی کرکے وی پی بھجوا دیجیے۔ جس دکان سے ملتی ہوں ان کو رقعہ لکھ دیجیے کہ میرے نام وی پی ارسال کر دیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۲۰) ———— (۶)

لاہور

۲۷۔ جون ۱۹۳۶ء

مخدومی پروفیسر صاحب، السلام علیکم!

اس سے پہلے ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں۔ اُمید کہ ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔ آپ کی گولیاں کھاتے ہوئے آج چوتھا روز ہے۔ ان کے استعمال سے بلغم کا آنا کم ہو گیا ہے؛ البتہ آواز میں ابھی تک کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ ابھی گولیاں باقی پورے ہفتہ تک، انشاء اللہ، استعمال کرتا جاؤں گا۔ اگر جواہر مہرہ اور سفوف بھی جن کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا تھا، ارسال کر دیں تو عین عنایت ہوگی، یا شاید اُن کا استعمال گولیوں کے استعمال کے بعد ہونا ضروری ہے۔ بہر حال، جو مناسب ہو کیجیے۔

سفوف اور جواہر مہرہ کے استعمال کے متعلق جو ضروری ہدایات ہوں، وہ بھی لکھ بھیجیے۔ کھانے پینے کے متعلق اگر کوئی ہدایت ہو تو وہ بھی فرما دیجیے۔ دودھ، بالائی دہی اور تُرشی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔ مَیں تُرشی کے استعمال کا عادی تھا،

چونکہ دو سال سے تُرشی کا استعمال نہیں کر سکتا، میرا کھانا بالکل بے لُطف ہو گیا ہے۔ بُھوک بھی کم لگتی ہے، قبض کی بھی شکایت رہتی ہے۔ شاید مَیں نے پہلے نہیں لکّھا مجھے کئی سال تک دردِ گردہ کی شکایت رہی ہے۔ اب آٹھ سال سے اس درد کا دورہ نہیں ہُوا۔ نقرس کی شکایت البتہ ہے، کبھی کبھی اس کا دَورہ ہوتا ہے مگر زیادہ شدّت کے ساتھ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام

مخلِص

محمّد اقبال

آپ نے مرزا محمود کا تازہ اعلان پڑھا ہو گا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر قوموں کو آزادی دلانے کے لیے آتے ہیں نہ کہ غلامی سکھانے کے لیے۔ اس بنا پر اپنے پیرؤں کو سیاسیات میں حصّہ لینے کی تاکید کی ہے۔ والسّلام

(۲۲۱) ———— (۷)

لاہور

۲۹۔ جولائی ۱۹۳۶ء

مخدومی پروفیسر صاحب! آپ کا والا نامہ کل مِلا اور آج دوا کا پارسل بھی موصُول ہُوا۔ بہت شکر گزار ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ استعمال کرنے کے بعد حالات سے اطلاع کروں گا۔ سب سے (پہلے ؟) جواہر مہرہ استعمال کرنے کا قصد ہے۔

مَیں نے آپ کی خدمت میں ایک نسخہ "ضربِ کلیم" کا ارسال کیا ہے۔ افسوس کہ جدولِ اغلاط ہمراہ نہ بھیج سکا۔ وہ آج چھپیں گے، کل ارسالِ خدمت کروں گا۔ اس کے

آخری صفحہ پر چسپاں کر لیجیے زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

محمد اقبال

(۲۲۲)————(۸)

جاوید منزل، لاہور

۲۷۔ مئی ۱۹۳۷ء

جناب پروفیسر صاحب، السّلام علیکم!

آپ کی کتاب 'قادیانی مذہب' کی نئی ایڈیشن، جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمائی ہے مجھے مِل گئی ہے جس کے لیے بے انتہا شکر گزار ہُوں۔ مَیں نے سیّد نذیر نیازی ایڈیٹر 'طلوعِ اسلام' سے سُنا ہے کہ یہ کتاب بہت مقبُول ہو رہی ہے۔ آپ کی محنت قابلِ داد ہے کہ اس سے عامّۃ المسلمین کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے، اور آئندہ پہنچتا رہے گا۔

اب ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جو کہ آپ کے ذاتی افکار کا نتیجہ ہو۔ آپ کے قلم سے مُسلمان ایسی توقع رکھنے کا حق رکھتے ہیں۔ قادیانی تحریک یا یوں کہیے کہ بانیٔ تحریک کا دعویٰ مسئلہ بروز پر مبنی ہے۔ مسئلۂ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ مسئلہ عجمی مُسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اِس کی آرین ہے۔ نبوّت کا سامی تخیّل اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ میری رائے ناقص میں اِس مسئلہ کی تاریخی تحقیق قادیانیت کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی ہوگی۔ والسّلام

محمّد اقبال

صغرا بیگم ہمایوں مرزا کے نام

(۲۲۳)———————(۱)

لاہور
۲۸- نومبر ۱۹۲۲ء

مکرمہ، تسلیم!

رسالہ "النساء" کے لیے نہایت سپاس گزار ہُوں - بہت اچھا رسالہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مطالعہ مُسلمان عورتوں کے لیے بہت سبق آموز ہو گا - مَیں کچھ مدت سے اُردو میں بہت کم لکھتا ہُوں لیکن اگر کچھ اُردو اشعار ہو گئے تو بھیج دُوں گا۔ تسلیم

محمّد اقبال

(۲۲۴)———————(۲)

مخدومہ جناب صغرا ہمایوں بیگم صاحبہ!

تسلیم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ میری صحت ایک مدت سے خراب ہے اسی واسطے لٹریری مشاغل کی طرف بہت کم توجہ کر سکتا ہُوں "پیامِ مشرق" نام ایک مجموعۂ نظم جو فارسی میں ہے، تیار ہو رہا ہے۔ شاید دو تین ماہ میں شائع ہو جائے گا۔ اِنشاء اللہ ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ لیکن چونکہ اندیشہ ہے کہ بھُول نہ جاؤں، اِس واسطے اگر کتاب آپ کو نہ پہنچے تو بلا تکلف یاد دِلا دیجیے۔

آپ کے شوہر ہمایوں مرزا صاحب سے مجھے نیاز حاصل نہیں ہے لیکن

میں نے آپ کا خط، جو ہزار داستاں میں شائع ہوا ہے، پڑھا ہے۔ اس خط کے پڑھنے سے مجھے خاص مسرت ہوئی۔ فریاد مرحوم کی لٹریری عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے جن کے شاگردوں میں شاد عظیم آبادی ہوں!

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا!

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۲۸۔ فروری ۱۹۲۳ء

(۲۲۵)————(۳)

لاہور

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء

مکرمہ، تسلیم!

افسوس کہ میں وعدہ یاد نہ رکھ سکا جس سے مجھے ندامت ہے۔ اُمید کہ آپ معاف فرمائیں گی۔

بہرحال کل پبلشر کو لکھ بھیجوں گا، کہ وہ پیامِ مشرق کی ایک جلد آپ کی خدمت میں بھیج دے۔ مضمون لکھنے کی فرصت نہ ملی اور نہ ابھی کچھ مدت تک ایسی فرصت ملنے کی توقع ہے کیونکہ فرصت کے اوقات میں مجھے بعض ضروری لٹریری کاموں کی تکمیل کرنا ہے۔

محمد اقبال

(۲۲۶)———(۴)

لاہور
۱۲۔ جولائی ۱۹۲۸ء

جناب محترمہ تسلیم!
آپ کے اشعار صاف ہیں۔ افسوس کہ میں فن اصلاح سے نابلد ہوں، محض آپ کے تعمیلِ ارشاد کے خیال سے بعض جگہ کچھ الفاظ بدل دیے گئے۔ رسالہ نورجہاں امرتسر میں بھیج دیجیے۔ میری بیوی سلام عرض کرتی ہیں۔

مخلص
محمدؐ اقبال

حمید الدین خان بدایونی کے نام

(۲۲۷)———(۱)

لاہور
۱۸۔ نومبر ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ، السلام علیکم!
آپ کے دونوں خط مجھے مل گئے تھے۔ پہلے خط میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کا جواب جلدی دیا جائے۔ دوسرا خط ملا تو میں بخار کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا۔ اب کچھ افاقہ ہے۔
افسوس ہے کہ کوئی شعر اِس وقت لکھا ہوا موجود نہیں۔ مشاغل اجازت نہیں دیتے کہ جب چاہوں ادھر توجہ کر سکوں اور فکر کر کے کچھ

شعر لکھ لوں۔

مخلص
محمدؐ اقبال، لاہور

(۲۲۸)————(۲)

لاہور
۲۷-نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامہ مِل گیا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ خدا کے فضل و کرم سے اب بالکل اچھا ہُوں۔ میری زندگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں جو اوروں کے لیے سبق آموز ہو سکے۔ ہاں خیالات کا تدریجی انقلاب البتّہ سبق آموز ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی فرصت ہو گئی تو لکھوں گا، فی الحال اس کا وجود محض عزائم کی فہرست میں ہے۔

مولانا اکبر کا خط مجھے دہلی سے آیا تھا۔ اگر وہ کچھ روز وہاں ٹھیرتے تو مَیں بھی ان کی زیارت کے لیے آجاتا۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(۲۲۹)————(۳)

لاہور
۳۰-اگست ۱۹۲۱ء

مخدومی!

تبدیلِ ہوا کے لیے شملہ چلا گیا تھا، مگر وہاں جاتے ہی طبیعت اَور بگڑ گئی۔

چار پانچ روز کے بعد واپس آگیا۔ اب خدا کے فضل سے کسی قدر اچھا ہوں۔

آپ کا حسنِ ظن میری نسبت بہت بڑھ گیا ہے۔ حقیقت میں مَیں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی نسبت دنیائے شاعری سے کچھ بھی نہیں اور نہ کبھی مَیں نے Seriously اس طرف توجّہ کی ہے۔ بہرحال، آپ کی عنایت کا شکر گزار ہوں۔ باقی رہا یہ امر کہ موجودہ بیداری کا سہرا میرے سر پر ہے یا ہونا چاہیئے، اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ مقصود تو بیداری سے تھا، اگر بیداریٔ ہندوستان کی تاریخ میں میرا نام تک بھی نہ آئے تو مجھے قطعاً اس کا ملال نہیں۔ لیکن آپ کے اس ریمارک سے مجھے بہت تعجّب ہوا کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس بات کا شاید کسی کو احساس نہیں۔ مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کے تذکرہ کا دیباچہ لکھنے والے بزرگ نے جن الفاظ میں محمّد علی، شوکت علی اور میری طرف اشارہ کیا ہے، اُن سے میرے اس خیال کو اور تقویت ہوگئی ہے۔ لیکن اگر کسی کو بھی اس کا احساس نہ ہو تو مجھے اس کا رنج نہیں کیونکہ اس معاملہ میں خدا کے فضل و کرم سے بالکل بے غرض ہوں۔

معلوم نہیں کونسا شعر آپ کے پاس امانت ہے۔ بہتر ہے چھاپ دیجیے۔

مخلص

محمّد اقبال

سید نعیم الحق کے نام

(۲۳۰) ———— (۱)

(انگریزی)

لاہور
۲۵- دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق!

نوازش نامہ موصول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اگر میں کانفرنس میں شمولیت کے لیے پٹنہ آسکا تو یقیناً آپ سے ملاقات میرے لیے باعثِ مسرت ہو گی۔ لیکن پٹنہ میں میرا آنا غیر یقینی ہے کیونکہ مجھے ممکن ہے اواخر مارچ ۱۹۳۴ء میں آکسفورڈ میں لیکچروں کے ایک سلسلہ کے لیے، انگلستان جانا پڑے۔ اور یہ ضروری ہے کہ یہ لیکچر میری روانگی سے پیشتر مرتب کر لیے جائیں۔ اگر میرا ارادہ پٹنہ آنے کا ہُوا تو آپ کو مطلع کروں گا۔ کشمیر کے مسلمانوں کی امداد و اعانت آپ کا بڑا ہی کرم ہے۔ مقدمات کی تاریخیں فروری ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل ہیں:

۵ سے ۱۰ فروری تک مقدمہ سکھ چین پور۔ ۱۴ سے ۱۷ فروری تک مقدمہ علی بیگ۔ دونوں مقدمات کی سماعت جموں میں ہو گی۔ کیا آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے لیے تیار ہیں۔ ملک برکت (علی) فروری میں اپنے انتخاب میں مصروف ہوں گے۔ ہم سب آپ کی مکرر اعانت کے لیے نہایت احسان مند ہوں گے۔ اگر آپ تکلیف گوارا فرمائیں تو مجھے فوراً بذریعہ تار اپنی آمادگی سے مطلع فرمائیں تاکہ ضروری کاغذات بھیج سکوں۔ کوشش کروں گا کہ آپ کے لیے ایک مددگار مہیا کیا

جائے۔ عبدالحمید صاحب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ پٹنہ کے عبدالعزیز صاحب مسلمانوں کی امداد کو ہر وقت تیار ہوں گے۔ آپ میری طرف سے اُن کی خدمت میں کشمیر کے بے بس مسلمانوں کی امداد کی درخواست کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ آپ کے تار کا انتظار رہے گا۔

مخلص
محمد اقبال

(۲۳۱) ———— (۲)

(انگریزی)

۱۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر نعیم الحق!

نوازش نامہ اور تار کے لیے جو کل رات موصول ہوا اور جس کا جواب آج صبح بھیجا گیا، نہایت ممنون ہوں۔ آپ کی اس عنایت کا کیونکر شکریہ ادا کیا جائے کہ آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے لیے آمادہ ہیں۔ میں اس مقدمہ کا فیصلہ اور دوسرے کاغذات آپ کو بھیج رہا ہوں جس کی تاریخ پیشی جموں میں ۱۳ فروری مقرر ہوئی ہے۔

یہ بہتر ہو گا کہ آپ ۱۲ فروری کو جموں پہنچ جائیں۔

دوسرے مقدمہ کے متعلق کاغذات ابھی مجھے موصول نہیں ہوئے۔ اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہوا تو میں کاغذات موصول ہوتے ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ دوسرا مقدمہ ۵ فروری کو شروع ہوتا ہے۔ جس مقدمہ کے کاغذات میں بھیج رہا ہوں، وہ پانچ چھ دن سے زیادہ نہ لے گا۔ امید ہے آپ کے پاس

فرصت میں اس مقدمہ کی تیاری کے لیے کافی وقت ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال

تحریر مابعد:

کاغذات کے موصول ہونے کی اطلاع ضرور دیجیے اور جموں میں پہنچنے کی اطلاع شیخ عبدالحمید صاحب ایڈوکیٹ (صدر کشمیر کانفرنس) کو دیجیے۔ اور دوسرے معاملات میں بھی انہی سے براہِ راست خط و کتابت مفید ہوگی۔ م۔ا

(۲۳۲)――――(۳)

(انگریزی)

لاہور
۲۲۔جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیئر مسٹر نعیم الحق!

نوازش نامہ کے لیے جو ابھی موصول ہُوا، سراپا سپاس ہُوں۔ مجھے پٹنہ میں دوستوں کے متعلق حد درجہ تشویش تھی اور مَیں تار دینے ہی والا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ موصُول ہوگیا۔ زلزلہ کی ہولناکی سے طبیعت پر غم ویاس کی فراوانی اور پریشان خاطری کے باوجود مقدّمہ کی پیروی کی ذمّہ داریوں کو نبھانے کے لیے آپ کی ہمّت و مستعدی لائق صد ہزار داد و ستائش ہے۔ مجھے میرپور کے دوسرے مقدمہ کی نقل فیصلہ تو موصُول ہوگئی ہے لیکن ابھی دوسرے کاغذات کا انتظار ہے۔

مَیں سمجھتا ہُوں اس مقدّمہ کی پیروی کا بار بھی آپ ہی پر ڈال دینا آپ کو حد درجہ زحمت میں مُبتلا کرنا ہوگا۔ جہاں تک آپ کے مددگار کا تعلّق ہے مَیں لاہور ہی میں کِسی کو آمادہ کروں گا تاکہ وہ لاہور ہی سے آپ کے ساتھ

ہو جائے، یا پھر جموں میں آپ سے آن ملے۔

جموں کانفرنس آپ کی میزبان ہوگی۔ آپ شیخ عبدالحمید صاحب کو تحریر کر دیں۔ مَیں نے شیخ عبداللہ صاحب، صدر کانفرنس سے بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ وہ اس وقت لاہور میں ہیں لیکن جموں میں آپ کی تشریف آوری تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف کے لیے دوبارہ شکریہ عرض کرتا ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمّد اقبال

(۲۳۳)————(۴)

(انگریزی)

لاہور

۲۸- جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر نعیم الحق!

نوازش نامہ موصول ہُوا جس کے لیے ممنون ہوں۔ مَیں عبدالحمید صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ مقدمہ میں درخواستِ التوا دے دیں۔ لیکن چونکہ اب آپ مقدمہ میں وکیل ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ آپ براہِ راست کشمیر ہائی کورٹ میں درخواستِ التوا دے دیں اور وجوہ وہی تحریر کریں جو آپ نے اپنے نوازش نامہ میں تحریر فرمائی ہیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمّد اقبال

تحریر مابعد:

جس وقت آپ کشمیر پہنچیں گے، اُمید ہے کشمیر میں زبردست ایجی ٹیشن

دوبارہ شروع ہو چکی ہو گی۔

محمد اقبال

(۲۳۴)————(5)

لاہور
۹۔فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق!

نوازش نامہ موصول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ جس مقدمہ کی پیروی کے لیے مَیں نے آپ سے درخواست کی تھی، اس کی پیروی چودھری ظفراللہ خاں کریں گے۔ عبدالحمید صاحب نے مجھے یہ اطلاع دی ہے اور مَیں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو ہر قسم کی زحمت سے بچانے کے لیے مجھے فی الفور آپ کو مطلع کرنا چاہیے۔

چودھری ظفراللہ خاں کیونکر اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں، مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔ مَیں اُس تمام زحمت کے لیے جو آپ برداشت کر رہے ہیں اور اس تمام ایثار کے لیے جو آپ گوارا فرما رہے ہیں، بیحد ممنون ہُوں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

نامعلوم مکتوب الیہ کے نام

یہ خطوط سیّد نعیم الحق صاحب کا عطیہ ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ شیخ عبداللہ کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ القاب و خطاب کے پیشِ نظر میری رائے ہے کہ خط کسی اور بزرگ کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اس رائے کی تصدیق اشاعت کے بعد ہو سکے گی۔

(مرتّب)

(۲۳۵)————(۱)

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۳۳ء

جنابِ من! السلام علیکم!

آپ کا تار کل مل گیا تھا جس کے لیے بہت شکریہ ہے۔ مہربانی کر کے میری طرف سے اور جملہ ممبرانِ کشمیر کمیٹی کی طرف سے مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں بہت بہت شکریہ ادا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ پنجاب و کشمیر ان کی خدمت کی بہت قدر کریں گے۔ کل مجھے کشمیر سے تار آیا تھا کہ ضروری کاغذات مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیے گئے ہیں۔ تاریخ مقدمہ ۲۲۔ ستمبر ہے اور مقدمہ سری نگر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحمید صدر کشمیر کانفرنس ان کو مفصل ہدایات لکھ دیں گے کہ ان کو کون سے رستے سری نگر پہنچنا چاہیے یعنی جموں کے راستے یا راولپنڈی کے راستے۔ دونوں رستے اچھے ہیں۔ جموں یا راولپنڈی سے موٹر پہ جاتے ہیں اور راہ نہایت پُرفضا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ کشمیر ان کا مناسب استقبال کریں

گے۔ میرا یہ عریضہ مسٹر نعیم الحق کو دکھا دیجیے۔

مَیں براہِ راست ان کی خدمت میں لکھتا مگر معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت پٹنہ میں ہیں یا اپنے کام کے سلسلہ میں کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ مَیں نے کل رات شیخ عبدالحمید صاحب کو مسٹر موصوف کے متعلق ایک مفصّل خط لکھ دیا ہے۔

والسّلام۔

محمد اقبال

(۲۳۶)————————(۲)

جناب مولوی صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مَیں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے نعیم الحق صاحب کو آمادہ کر لیا۔ کل شیخ عبدالحمید صاحب کا تار آیا کہ نعیم صاحب کو کاغذات بھیج دیے گئے ہیں۔ باقی جو آپ نے کسی اور صاحب کے متعلق لکھا ہے اُس کے لیے بھی آپ کا بہت ممنون ہوں۔ اُن کو بھی آمادہ رکھیے۔ جب ان کی مدد کی ضرورت ہو گی تو مَیں آپ کو بذریعہ تار یا خط مطلع کروں گا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں۔ نعیم الحق صاحب کی خدمت میں مزید شکریہ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ۴ ستمبر کو میں شملہ جا رہا ہوں۔ مولوی شفیع داؤدی صاحب سے بھی ملاقات ہو گی۔

۲۔ستمبر ۱۹۳۳ء

محمد اقبال، لاہور

(۲۳۷)————————(۳)

جناب مولوی صاحب، السّلام علیکم! آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس

کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ مسٹر نعیم الحق صاحب کے خط سے جو انہوں نے شیخ عبدالحمید کو لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں کشمیر اور سری نگر دو مختلف جگہیں ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کریں کہ کشمیر ملک کا نام ہے اور سری نگر دارالسلطنت ہے۔ مقدمات جو بھی ہوں، سری نگر میں ہوں گے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اُن کو زیادہ مدت وہاں ٹھیرنا نہ پڑے گا۔ شیخ عبدالحمید صاحب کا خط مجھے آج آیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ سید نعیم الحق صاحب کا سفر خرچ کشمیر کمیٹی کی طرف سے ادا ہونا چاہیے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ سید صاحب موصوف اس حقیر رقم کو جو سفر خرچ کی صورت میں اُن کی خدمت میں پیش کی جائے، قبول نہ کریں گے۔ اور یہ کام للہ، مسلمانوں کے لیے کریں گے۔ کشمیر کمیٹی کے پاس زیادہ فنڈ نہیں ہے۔ ورنہ میں خود سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا، اس واسطے مہربانی کرکے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ اگر آپ بلا کسی قسم کے معاوضہ اور سفر خرچ کے یہ خدمت کریں تو اللہ کے نزدیک اجرِ جزیل کے مستحق ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی اور صورت میں اس کا اجر مل جائے گا۔

سید صاحب موصوف سے یہ بات طے کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیں تاکہ ان کی خدمت میں کاغذاتِ ضروری بھجواؤں اور یہ بھی اطلاع دوں کہ کس تاریخ پر ان کو سری نگر پہنچنا چاہیے۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سید صاحب موصوف کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کریں۔

مخلص
محمد اقبال

نوٹ: اس خط پر تاریخ درج نہیں۔

پیر سیّد مہر علیؒ شاہ گولڑوی کے نام

(۲۳۸) ——————— (۱)

لاہور
۸- اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرّم حضرت قبلہ، السّلام علیکم!

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوُا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوُں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہو گی۔ بہرحال، جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوُں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

مَیں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوُئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابنِ عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہو گا اگر ان سوالات کا جوابِ شافی مرحمت فرمایا جائے۔

(۱) اوّل یہ کہ حضرت شیخِ اکبرؒ نے تعلیمِ حقیقتِ زمان کے متعلّق کیا کہا ہے اور ائمۂ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

(۲) یہ تعلیم شیخِ اکبرؒ کی کون کون سی کُتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اِس

سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اوّل کے جواب کی روشنی میں خود بھی اِن مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

(۳) حضرات صُوفیاء میں سے اگر کسی اور بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو اُن بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سیّد انور شاہ مرحُوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا، اس کا نام تھا فی درایۃ الزمان' جناب کو ضرور اس کا علم ہو گا۔ مَیں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے' اس واسطے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

مَیں نے سُنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا ہے اِس واسطے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامّل تھا۔ لیکن چونکہ مقصود خدمتِ اسلام ہے' مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔ باقی اِلتماسِ دُعا!

مخلِص

محمدؐ اقبال، بیرسٹرایٹ لا' لاہور

مس فارقوہرسن کے نام

(۲۳۹)———(۱)

(انگریزی)

لاہور

۲۲- مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیئر مس فارقوہرسن!

عنایت نامہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ جواب فوراً دے رہا ہوں کیونکہ احتمال ہے کہ آیندہ ہفتہ بعض اہم مصروفیات کی وجہ سے مجھے خط و کتابت کی فرصت میسّر نہ آسکے گی۔ گزشتہ نومبر ہی لندن میں ہم میں سے بعض کو کابینہ کے اندرونی اختلافات کا کچھ اندازہ سا ہو رہا تھا تاہم ہمیں انتظار کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل سے نہایت مایوس ہو رہا ہوں۔ بمبئی کے فسادات نے جو ابھی تک فرو نہیں ہوئے، مجھے بے حد پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا آغاز ایک خونریزی کی صورت اختیار کرے گا اور یہ بدامنی ایسے نتائج پیدا کرے گی جو بے حد ناگوار ہوں گے۔ بعض لوگوں کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں اس بے چینی کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کی سوویت استوار ہو جائے گی۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ بہترین برطانوی واقف کار کو بھی اس امر کا قطعاً اندازہ نہیں کہ اِس بظاہر پُرسکون سمندر کی گہرائیوں میں کیسے کیسے طوفان بیتاب ہیں۔ وہ ہندوستانی جو اعلیٰ مناصب پر فائز ہو کر برطانوی پالیسی کو قریب سے دیکھ سکتے

ہیں، متلاشیانِ روزگار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں کبھی کبھار چالاک و ہوشیار لوگ بھی نظر آجاتے ہیں لیکن یہ طبقہ یکسر محروم بصیرت ہے۔ دُنیا بہ اُمّید قائم ہے، خدا کرے بہتر حالات پیدا ہوں۔

مَیں یورپ، شمالی افریقہ، ترکی اور ہسپانیہ کی سیاحت کا مقصد رکھتا ہُوں۔ دو ایک ماہ میں قطعی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔

جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے، مَیں ایک اپیل شائع کرنے پر بجوشی آمادہ ہُوں۔ مَیں نے پہلے بھی آپ کو لکھّا تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں کی اعانت حاصل کریں۔ ایسی اپیل میں اُن کی شمولیت نہایت مؤثر ثابت ہو گی۔ کیا ہز ہائینس آغا خاں اپنے طور پر نظام کو نہیں لکھ سکتے؟ اپیل پر اُن کے دستخط لازمی ہیں، اور اپیل مصر و فلسطین کے زعمائے فکر و عمل کے مشورے سے مرتّب ہونی چاہیے۔ مَیں نے ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر سے اس تحریک کی تائید میں پراپیگنڈا شروع کرنے کو کہا ہے۔ اُمّید ہے اُس کے اخبار کے چند پرچے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہوں گے۔ میرے خطبہ کے نسخے آئندہ ڈاک سے مرسلِ خدمت ہونگے اور اُمّید ہے اس خط کے ساتھ ہی مل جائیں گے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک نسخہ پہلے بھی ارسالِ خدمت کر چکا ہُوں۔

سالخوردہ شوکت علی نے ایک نوجوان انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے اور اب امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہندو اخبارات میں اس شادی پر خوب خوب تبصرے ہورہے ہیں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مُسلمانوں کی اعانت کے سلسلہ میں آپ کی کوششیں ہماری دِلی احسان مندی کی حقدار ہیں۔

مخلص
محمد اقبال

تحریر مابعد :۔

مَیں نے آج ہوائی ڈاک سے برطانوی "فلیسوف میکٹیگرٹ" پر ایک مقالہ بھیجا ہے۔ وہ کیمبرج میں میرے ماسٹر تھے اور قریباً دو سال ہوئے رحلت کر گئے۔ ان سے متعلق یہ مقالہ مَیں نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کی فرمائش پر لکھا ہے، اور انڈین سوسائٹی جرنل میں شائع ہوگا۔ ممکن ہے اس میں آپ کے لیے کوئی چیز دلچسپی کی پائی جائے۔

(۲۴۰)————(۲)

(انگریزی)

لاہور

۲۷۔ فروری ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت ناموں کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ مَیں ۲۵۔ فروری کو لاہور پہنچا اور اس وقت ان کاموں کو نپٹا رہا ہُوں جو میری غیر حاضری میں جمع ہو گئے تھے۔ آپ کا عنایت نامہ جس میں ڈیلی ایکسپریس کے تراشے ملفوف تھے کل شام ملا۔ تراشے مَیں نے اپنے نوٹ کے ساتھ فوراً اخبارات میں بھیج دیے۔ افسوس ہے خالد شیلڈرک نے انگلستان میں ایسے مرکز کے قیام کی مخالفت کی۔ مجھ تک یہی اطلاع پہنچی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ انھوں نے نیشنل لیگ کے متعلق بھی نازیبا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگر یہی حقیقت ہے تو افسوس ہے۔ بہر حال جو کچھ بن پڑے، ہمیں تو کرنا ہی چاہیے۔ مَیں جلد وائسرائے سے ملنے دہلی جاؤں گا۔ سر اکبر حیدری نے تجویز کی تھی کہ مَیں حیدرآباد پہنچوں۔ مَیں ضرور جاؤں گا لیکن فی الحال سر

اکبر حیدری علیل ہیں۔ دوران سفر میں ایک حادثے میں اُن کا بازو ٹوٹ گیا۔ مَیں نے آج انہیں لکھا ہے۔ جواب موصُول ہونے پر فیصلہ کروں گا۔

اُمّید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۴۱)———————(۳)

(انگریزی)

لاہور

۲۔ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

مقامی مُسلم انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" کا ایک تراشہ ملفوف ہے۔ اُردو اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصّہ لیا ہے۔

اُمّید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلِص

محُمّد اقبال

(۲۴۲)———————(۴)

(انگریزی)

لاہور

۹۔ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

اُمّید ہے نیاز نامے شرفِ ملاحظہ حاصل کر چکے ہوں گے۔ مَیں آج صُبح

دہلی سے واپس پہنچا ہوں۔ وہاں ترکی کے پرنس حمی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی سکیم سے مختلف ایک منصوبہ اُن کے ذہن میں بھی ہے۔ جب وہ لندن پہنچیں تو بہتر ہو گا آپ اُن سے تبادلۂ خیال فرمادیں۔ وہ ہندوستان سے وسط مارچ میں روانہ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ حیدر آباد کو اس مسئلہ سے دلی وابستگی ہے اور ان کی ایسوسی ایشن کے لیے ریاست کی طرف سے معقول سالانہ امداد کی منظوری نہایت اغلب ہے۔ ذاتی طور پر اُن کے منصوبے سے متعلق میرے ذہن میں کچھ اعتراضات تھے اور ہیں۔ میں انہیں اس کی تفصیلات سے بعد میں مطلع کروں گا۔ اس وقت محض اطلاع مقصود ہے۔ کیونکہ ان کے پراپیگنڈے کا اثر لازماً آپ کی سکیم پر پڑے گا۔

اگر لندن آنے کا پھر اتفاق ہُوا تو آپ سے مفصل گفتگو ہو گی۔ نہ آسکا تو آپ کو لکھوں گا۔ میرا آنا یقینی نہیں کیونکہ جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہونے والے ہندوستانی مندوبین کی تعداد غالباً کم کر دی جائے گی، اور میں خواہ مخواہ دوسروں کے پیچھے بھاگے پھرنے کا عادی نہیں۔ آپ کا شکریہ!

مخلص

محمدؐ اقبال

(۲۴۳) ——————— (۵)

(انگریزی)

لاہور
۲۲۔ نومبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیئر مس فارقوہرسن!

عنایت ناموں کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مسلم ہند کی جانب سے نیشنل لیگ

کی بروقت سعی کے لیے آپ کا شکریہ۔ اُمّید ہے کہ آپ حکومت کی احمقانہ فلسطینی حکمت عملی کے خلاف برطانوی رائے عامّہ کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوں گی۔ "نجات دہندہ گاندھی" ایک کتاب ارسالِ خدمت ہے۔ آپ کو یاد ہوگا آپ نے مجھے اے۔ این فیلڈ کی ایک کتاب دی تھی جس میں یہودی بین الاقوامی زرداروں کے ناپسندیدہ مشاغل کا تذکرہ تھا۔ جو کتاب آپ کو بھیج رہا ہوں، اس سے آپ کو فیلڈ کی کتاب کے مطالعہ سے معاشیات کے ایک ہندوستانی طالب علم کے ردِّعمل کا اندازہ ہو سکے گا۔ اُس کا خیال ہے گاندھی بین الاقوامی یہودی زرداروں کی سازش میں شامل اور اُن کا ایجنٹ ہے۔ اُمّید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال

(۲۴۴)————(۶)

(انگریزی)

لاہور
۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت نامہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ہم سب آپ کے اور لارڈ ازلنگٹن کے فلسطینی عربوں کی نہایت ہی گراں قدر خدمات بجا لانے کے لیے دلی احسان مند ہیں۔ لندن میں آپ سے اپریل ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں دوبارہ ملاقات میرے لیے بیحد مسرت کا موجب ہوگی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے مجھے روڈز خطبات کے لیے دعوت دی ہے۔ مَیں نے یہ دعوت قبول کر لی ہے۔ مَیں جس موضوع پر یہ خطبات دینا چاہتا ہوں، وہ مشکل اور خاصی تحقیق و تفتیشِ علمی کا طالب ہے، اِس لیے ممکن ہے

آئندہ تین ماہ میں یہ کام انجام نہ پا سکے۔ بہر حال، اپنے پروگرام سے آپ کو آگاہ کرونگا۔
یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ گاندھی، سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور اب
بقولِ خود 'ہریجن سدھار' میں مصروف ہیں۔

پنڈت جواہر لعل اب کشتی کے ناخدا ہیں۔ اغلب ہے کہ ہندوستان
کی سیاست اپنا رُخ بدل لے اور شاید کمیونزم کے راستے پر پڑ لے۔ اِس سلسلہ میں
مزید گفتگو ملاقات پر ہو گی۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۴۵)————(۷)

(انگریزی)

لاہور
۲۸۔ جولائی ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

دونوں عنایت ناموں کے لیے جو پے بہ پے تازہ اور گزشتہ ڈاک سے
موصول ہوئے، ممنون ہوں۔ افسوس ہے مَیں اب تک علیل ہوں۔ مجھے گلے کی
تکلیف ہے جس نے گزشتہ پانچ ماہ سے ڈاکٹری علاج کو وقفِ ناکامی کر رکھا ہے۔
ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی صدری پیچیدگی ہے، اور وائنا میں علاج کا مشورہ دیتے ہیں۔
یہ بڑی ہی شومیِ قسمت ہے۔ حیران ہوں کہ ۱۹۳۵ء میں انگلستان میں اپنی مصروفیات
سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ اگر میرے ذرائع اس کے متحمّل ہوئے تو وائنا میں
چار پانچ ماہ قیام رہے گا۔ اس وقت ایک تجربہ کار دہلوی حکیم کے زیرِ علاج ہوں۔

وہ جلد صحت یابی کی اُمید دلاتے ہیں۔ کچھ دیر اور اُن کا علاج کروں گا۔ اگر اُن کا علاج ناکام رہا تو لارڈ لووین کو خطبات کے التوا کے لیے لکھوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اُن کے لیے پریشانی کا موجب ہوگا لیکن کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ بول تو سکتا ہُوں لیکن نہایت مدھم آواز میں۔ مقدمات کی پیروی اور جلسوں کی تقریر؛ دونوں سے قاصر ہُوں۔ میری بیوی اور بچّوں کو اس صُورتِ حال سے شدید پریشانی لاحق ہے۔ مجھے ہمیشہ آپ کی پاک باطنی پر یقین رہا ہے۔ میرے لیے دُعا فرمائیے۔

ہندوستانی مُسلمان، عربوں کے لیے آپ کی خدمات کو بہ نظرِ ستائش دیکھتے ہیں۔ گزشتہ ہفتہ لارڈ ازلنگٹن کا خط اخبارات میں بھیج دیا گیا۔ انگلستان میں مسلم سنٹر کے قیام کی تجویز نہایت اعلیٰ ہے اور مجھے یقینِ کامل ہے کہ نظام بخوشی اس مسئلہ میں آپکا ساتھ دینگے۔ معلُوم ہُوا ہے کہ وہ ملکِ معظّم کی جوبلی کے سلسلہ میں انگلستان آ رہے ہیں۔ اُمید ہے آپ کو اُن سے ملاقات کا موقع ملے گا اور آپ اس عظیم الشّان تحریک کی غایت اُن پر بالمشافہ واضح کر سکیں گے۔ مجھے یہ معلُوم کر کے خوشی ہوئی کہ نواب رام پور اور صاحب زادہ عبدالصمد صاحب سے آپ کی ملاقات ہُوئی۔ صاحب زادہ صاحب میرے دوست اور نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ نواب بھوپال بھی انگلستان میں ہیں۔ کیا آپ کی ان سے مُلاقات ہوئی؟ اگر نہ ملی ہوں تو اُن سے ضرور ملیے۔ ملکِ معظّم کی جوبلی کے سلسلہ میں تمام والیانِ ریاست ہائے ہند، انگلستان میں ہوں گے۔ اگر اس وقت مَیں بھی انگلستان پہنچ گیا تو اس کارِ عظیم میں آپ کی ہر ممکن اعانت سے دریغ نہ کروں گا۔ شیخ اصغر علی صاحب کا پتہ آپ کے خط سے ملا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کہیں یورپ میں ہیں۔ کئی ماہ ہوئے انہیں ایک خط بھی لکھّا تھا لیکن جواب نہ ملا۔ شاید میرا خط اُن تک

نہ پہنچا ہو۔ بہترین تمناؤں اور دلی احترام کے ساتھ۔ مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد :۔

سرہنری لارنس نے قرطاسِ ابیض کی تجاویز پر ایک نہایت عُمدہ کتابچہ شائع کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں طوفان پل رہے ہیں۔ ڈاکٹر ڈالفس کا قتل ایک خطرناک علامت ہے۔

(۲۴۶)————(۸)

(انگریزی)

میورروڈ۔ لاہور

۲۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

مَیں بدستور بیمار ہُوں اس لیے فلسطین رپورٹ پر اپنی رائے اور وہ عجیب و غریب خیالات اور احساسات جو اُس نے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں بالخصوص اور ایشیائی مُسلمانوں کے دلوں میں بالعموم پیدا کیے ہیں یا کر سکتی ہے، تفصیل سے تحریر نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ نیشنل لیگ آف انگلینڈ وقت شناسی کا ثبوت دے اور اہلِ برطانیہ کو عربوں کے خلاف جن سے برطانوی سیاست دانوں نے اہلِ برطانیہ کے نام سے حتمی وعدے کیے تھے، ناانصافی کے ارتکاب سے بچالے۔ طاقت کا سرچشمہ فراست ہے۔ جب طاقت عقل و دانش کو پسِ پشت ڈال کر محض اپنی ذات ہی پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔ پرنس محمد علی مصری نے ایک معقول تعمیری تجویز پیش کی ہے جو ہر طرح اہلِ برطانیہ کیلیے لائقِ توجہ

ہے۔ ہمیں یہ کبھی بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ فلسطین، انگلستان کی کوئی ذاتی جائداد نہیں۔ فلسطین تو انگلستان کے پاس جمعیۃ الاقوام کی طرف سے زیرِ انتداب ہے اور مسلم ایشیا، لیگ آف نیشنز کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کا ایک ایسا ادارہ سمجھتا ہے جسے انہوں نے کمزور مُسلم سلطنتوں کے علاقوں کی تقسیم کے لیے وضع کر رکھا ہے۔

فلسطین پر یہودیوں کا بھی کوئی حق نہیں۔ یہودیوں نے تو اس ملک کو رضامندانہ طور پر، عربوں کے فلسطین پر قبضہ سے بہت پہلے خیرباد کہہ دیا تھا۔

صہیونیت بھی کوئی مذہبی تحریک نہیں۔ علاوہ اس امر کے کہ مذہبی یہودیوں کو صہیونیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خود فلسطین رپورٹ نے اس امر کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔

فلسطین رپورٹ کو منصفانہ نظر سے پڑھنے والے کے دل میں یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ تحریکِ صہیونیت کا آغاز یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن مہیّا کرنے سے کہیں زیادہ برطانوی سامراج کے لیے میڈیٹرینین میں ایک ساحلی کنارہ حاصل کرنے کے لیے ہُوا تھا۔

بحیثیتِ مجموعی، رپورٹ کا منشا مقاماتِ مقدّسہ کا عربوں سے بجبر، مستقل انتداب کی صُورت میں جو کمیشن نے برطانوی سامراجی ہوس کی پردہ پوشی کے لیے وضع کیا ہے، خرید لینا ہے۔ اس فروخت کی قیمت عربوں کے لیے تھوڑا سا روپیہ اور ان کی سخاوت و مردانگی کا ایک قصیدہ اور یہودیوں کا ایک علاقہ پر قبضہ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ برطانوی مدبرین عربوں کے خلاف صریح عناد کی پالیسی سے دستکش ہو کر اُن کا ملک اُن کے حوالے کر دیں گے۔ مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ عرب، انگریزوں اور بشرطِ ضرورت

فرانسیسیوں سے بھی مصالحت کے لیے تیار ہوں گے۔ اگر پراپیگنڈے کے زور سے اہلِ برطانیہ کو عربوں کے خلاف دھوکہ دیا گیا تو مجھے اندیشہ ہے موجودہ حکمتِ عملی کے نتائج خطرناک ثابت ہونگے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(۲۴۷)———(۹)

(انگریزی)

میو روڈ لاہور
۶۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مس فارقوہرسن!

آپ کے نوازش ناموں کے لیے جو یکے بعد دیگرے موصول ہوئے ممنون ہوں۔ مجھے اس اطلاع سے نہایت مسرت ہوئی کہ نیشنل لیگ مسئلہ فلسطین میں گہری دلچسپی لے رہی ہے اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ لیگ انجام کار اہلِ برطانیہ کو حقیقتِ حال کے محسوس کرانے اور عربوں کی دوستی سے محرومی کے سیاسی عواقب سے کماحقہٗ آگاہ کرنے میں کامیاب ہوگی۔ مصر، شام اور عراق سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق قائم ہے۔ نجفِ اشرف کے شیعوں نے تقسیمِ فلسطین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ ایرانی وزیرِ اعظم اور ترکی صدرِ جمہوریہ نے بھی تقریریں کی ہیں اور احتجاج کیا ہے۔ خود ہندوستان میں اس مسئلہ پر جذبات روز بروز شدت اور تلخی اختیار کر رہے ہیں۔ اگلے ہی روز دہلی میں پچاس ہزار مسلمانوں کے اجتماع نے فلسطین کمیشن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

اخبارات میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی ہے کہ کانپور میں مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں مسلمانوں کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئی ہیں۔ اس قدر تو اب بالکل واضح اور

قطعی ہے کہ تمام دنیائے اسلام مسئلۂ فلسطین پر متحد الخیال ہے۔

میری خواہش تو تھی کہ آپ کو ایک مفصّل خط لکھوں جس میں اس مسئلہ پر ایک سیر حاصل بحث کروں لیکن افسوس ہے بیمار ہوں اور مجھے اپنی بیوی کی وفات کی وجہ سے بعض ایسے امور کی طرف بھی توجّہ کرنی پڑتی ہے جن سے مجھے کبھی دلچسپی نہ تھی۔ مجھے قوی اُمیّد ہے کہ نیشنل لیگ انگلستان کو اس نازک سیاسی حماقت سے بچالے گی اور ایسا کرنے میں وہ انگلستان اور عالمِ اسلام دونوں کی خدمت بجالائے گی۔ سر عبدالقادر سے میرا اسلام کہیے۔ مجھے اس اطّلاع سے خوشی ہوئی کہ وہ مسئلۂ فلسطین میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

مخلص

محمّد اقبال

مَیں نے آپ کا خط اُردو اور انگریزی اخبارات کو لاہور، دہلی اور کلکتہ میں بھیج دیا ہے۔

(۲۴۸)

علّامہ اقبال کا بیان

مسئلۂ فلسطین

مجھے نہایت افسوس ہے کہ مَیں اِس جلسۂ عام میں جو مسلمانانِ لاہور آج فلسطین رپورٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی غرض سے منعقد کر رہے ہیں، شمولیت سے قاصر ہُوں۔ لیکن مَیں مُسلمانوں کو یقین دلانا چاہتا ہُوں کہ

عربوں کے ساتھ جو ناانصافی برتی گئی ہے، مجھے اس کا ایسا ہی شدید احساس ہے جیسا مشرقِ قریب کی صورتِ حالات سے واقف کسی شخص کو ہو سکتا ہے۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ اہلِ برطانیہ کو اب بھی اس وعدہ کے ایفا پر مائل کیا جا سکتا ہے جو انگلستان کی طرف سے عربوں سے کیا گیا تھا۔ مجھے مسرت ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے، اپنی ایک تازہ بحث میں ملکِ معظم کی حکومت کے فیصلہ پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے مسئلہِ تقسیمِ فلسطین کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے۔

یہ فیصلہ مسلمانانِ عالم کو ایک موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ پُوری قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کریں کہ وہ مسئلہ جس کا حل برطانوی سیاست دان تلاش کر رہے ہیں، محض قضیہِ فلسطین ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہوگا۔

مسئلہِ فلسطین کو اگر اس کے تاریخی پسِ منظر میں دیکھا جائے تو فلسطین ایک خالص اسلامی مسئلہ ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو فلسطین میں مسئلہ یہود کا تو ۱۳ صدیاں ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے یروشلم میں داخلہ سے قبل خاتمہ ہو چکا تھا۔ فلسطین سے یہودیوں کا جبری اخراج کبھی بھی عمل میں نہیں آیا۔ بلکہ بقول پروفیسر ہوکنگ، یہود اپنی مرضی اور ارادہ سے اس ملک سے باہر پھیل گئے اور ان کے مقدس صحائف کا غالب حصہ فلسطین سے باہر ہی مرتب و مدوّن ہُوا۔ مسئلہِ فلسطین کبھی بھی عیسائیوں کا مسئلہ نہیں رہا۔ زمانہ حال کے تاریخی انکشافات نے 'پیٹر دی ہرمٹ' کی ہستی ہی کو محلِ اشتباہ قرار دے دیا ہے۔ بالفرض اگر یہ اعتراف بھی کر لیا جائے کہ حروبِ صلیبیہ فلسطین کو عیسائیوں کا مسئلہ بنانے کی کوششیں تھیں تو

اس کوشش کو صلاح الدین کی فتوحات نے ناکام بنا دیا۔ لہٰذا میں فلسطین کو خالص اسلامی مسئلہ سمجھتا ہوں۔ مشرقِ قریب کے اسلامی ممالک سے متعلق برطانوی سامراجی ارادے کبھی بھی اس طرح بے نقاب نہ ہوئے تھے جیسے رائل کمیشن کی رپورٹ نے انہیں رسوا کر دیا ہے۔ فلسطین میں یہود کے لیے ایک قومی وطن کا قیام تو محض ایک حیلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی امپیریلزم مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ میں مستقل انتداب اور سیادت کی شکل میں اپنے ایک مقام کی متلاشی ہے۔ بقول ایک ممبر پارلیمنٹ کے یہ ایک خطرناک تجربہ ہے اور اس سے برطانوی مسئلہ بحیرۂ روم کا حل میسر نہیں آتا۔ برطانوی مدبرین کو جاننا چاہیے کہ برطانوی امپیریلزم کی مشکلات کا حل تلاش کرتے کرتے، وہ برطانوی امپیریلزم کے لیے ایک مصیبت برپا کر رہے ہیں۔ ارضِ مقدس بشمول مسجدِ عمرؓ کی مارشل لا کی دھمکی کے ماتحت، جس کے ساتھ ساتھ عربوں کی مروت و سخاوت کا قصیدہ بھی پڑھا گیا ہے، فروخت برطانوی سیاست کا کارنامہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے تدبر کا ماتم ہے۔

یہودیوں کو زرخیز زمین اور عربوں کے لیے کچھ نقدی اور پتھریلی اور بنجر زمین کا عطیہ کوئی سیاسی دانائی نہیں۔ یہ تو برطانوی تدبر کی شان سے گرا ہوا ایک نہایت ہی کمینہ سودا ہے جو اس نامور قوم کے لیے باعثِ ندامت ہے جس کے نام پر عربوں سے آزادی اور اتحاد کے قطعی وعدے کیے گئے تھے۔

میرے لیے ناممکن ہے کہ اس مختصر بیان میں فلسطین رپورٹ کی تفاصیل سے اور ان تازہ تاریخی حالات سے جن کی بنا پر یہ معرضِ ظہور میں آئی، بحث کر سکوں۔

یہ رپورٹ مسلمانانِ ایشیا کے لیے بڑی بڑی عبرتوں کی سرمایہ دار ہے۔ تجربہ

نے اس امر کو بہ تکرار واضح کر دیا ہے کہ مشرقِ قریب کے اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت و استحکام عربوں اور ترکوں کے فوری اتحادِ مکرر پر موقوف ہے۔ ترکوں کو دُنیائے اسلام سے علحدہ کر دینے کی حکمتِ عملی ابھی تک جاری ہے۔ گاہے گاہے اب بھی یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ ترک تارکِ اسلام ہو رہے ہیں۔ ترکوں پر اس سے بڑا بہتان نہیں باندھا جا سکتا۔ اِس شرارت آمیز پراپیگنڈے کا شکار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو تاریخ تصوراتِ فقہِ اسلامی سے نابلد ہیں۔ مسئلہ فلسطین کے امکانات ممکن ہے مسلمانوں کو اس متحدہ انگریزی فرانسیسی ادارہ، جسے جمعیۃ الاقوام کا پُرشکوہ لقب دیا گیا ہے، کی رکنیت کی حیثیت پر غور کرنے پر مجبور کریں اور ایک ایشیائی جمعیۃ الاقوام کے قیام و ترتیب پر مجبور ہوں۔ عربوں کو جن کا شعورِ مذہبی ظہورِ اسلام کا موجب بنا جس نے مختلف اقوامِ ایشیا کو ایک حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ متحد کر دکھایا، ترکوں سے ان کی مصیبت کے زمانہ میں غداری کے نتائج سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ عربوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اُن غریب بادشاہوں پر جو خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، مسئلہ فلسطین پر ایک آزادانہ اور ایماندارانہ فیصلہ سے قاصر ہیں، اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ عربوں کا فیصلہ پورے غور و خوض کے بعد ایک آزاد فیصلہ ہونا چاہیے جس کے لیے انہیں مسئلہ زیرِ بحث کے تمام پہلوؤں پر پوری پوری ضروری معلومات میسر ہونی چاہییں۔

موجودہ زمانہ ایشیا کی غیر عربی اسلامی سلطنتوں کے لیے بھی ایک ابتلا و آزمائش کا دَور ہے کیونکہ تنسیخِ خلافت کے بعد مذہبی اور سیاسی نوعیت کا یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے جو تاریخی قوتیں اُن کے سامنے لا رہی ہیں۔

ڈاکٹر نکلسن کے نام

(۲۴۹)————(۱)

فلسفۂ سخت کوشی

لاہور
۲۴۔جنوری ۱۹۲۱ء

محترمی ڈاکٹر نکلسن!

شفیع کے نام آپ نے جو مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ اس سے مجھے یہ معلوم کرکے بے حد مسرت ہوئی کہ اسرارِ خودی کا ترجمہ انگلستان میں قبولِ عام حاصل کر رہا ہے۔ بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے، دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔"دی ایتھینیم" والے مضمون میں جو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں، وہ بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ لیکن اس غلطی کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر عائد نہیں ہوتی۔ اُس نے اپنے مضمون میں میری جن نظموں کا ذکر کیا ہے، اگر اُسے ان کی صحیح تاریخِ اشاعت کا بھی علم ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میری ادبی سرگرمیوں کے نشوو ارتقا کے متعلق اس کا زاویۂ نگاہ بالکل مختلف نظر آتا۔

وہ انسانِ کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے خلطِ مبحث کرکے میرے انسانِ کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کرلیا ہے۔ مَیں نے آج سے قریباً بیس سال قبل اِنسانِ کامل کے متصوّفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نطشے کے عقائد

کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا۔ نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں۔ یہ مضمون "انڈین انٹی کیوری" میں شائع ہُوا۔ جب ۱۹۰۸ء میں مَیں نے "ایرانی الٰہیات" پر ایک کتاب لکھی تو اس کتاب میں اِس کو شامل کر لیا گیا۔

انگریزوں کو چاہیے کہ میرے خیالات کو سمجھنے کے لیے جرمن مفکّر کے بجائے اپنے ایک ہم وطن فلسفی کے افکار کو رہنما بنائیں۔ میری مراد الگزنڈر سے ہے جس کے گلاسگو والے خطبات پچھلے سال شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں اُس نے "خدا اور الوہیت" کے عنوان سے جو باب لکھا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ صفحہ ۳۴۷ پر لکھتا ہے:

> "گویا ذہنِ انسانی کے نزدیک الوہیت دوسری اعلیٰ تجربی قوت ہے جسے کائناتِ عالم وجود میں لانے کی سعی کر رہی ہے۔ قیاس و اجتہاد کی رہنمائی سے ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ بطنِ گیتی میں اس قسم کی ایک قوت موجود ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قوت کیا ہے۔ ہم نہ تو اسے محسوس کر سکتے ہیں نہ ہمارا ذہن اُس کے تصوّر پر قادر ہے۔ انسان ابھی تک ایک نامعلوم خُدا کے لیے قربان گاہیں تعمیر کر رہا ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ الوہیت کیا چیز ہے، اس کا احساس کیسا ہوتا ہے، اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم خدا بن جائیں۔"

الگزنڈر کے خیالات میرے عقائد کی نسبت زیادہ جسارت آمیز ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جذبۂ الوہیت جاری و ساری ہے۔ لیکن مَیں الگزنڈر کی طرح یہ نہیں مانتا کہ یہ قوت ایک ایسے خدا کے وجُود میں جلوہ آرا ہو گی جو وقت کا تابع ہو گا۔ اس باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قوت ایک اکمل و اعلیٰ انسان کے پیکرِ خاکی میں ظاہر ہو گی۔ خدا کے متعلق میرا عقیدہ الگزنڈر کے عقیدے سے مختلف ہے لیکن اگر انگریز ان جزوی اختلافات سے قطعِ نظر کر کے انسانِ کامل کے تخیّل پر اپنے ایک ہم وطن مفکّر

کے افکار کی روشنی میں نظر ڈالیں تو انہیں یہ عقیدہ اس قدر اجنبی اور غیر مانوس نہیں معلوم ہوگا۔

مجھے مسٹر ڈکنسن کی تنقید بدرجۂ غایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اسکے متعلق چند باتیں عرض کر دوں۔ براہِ کرم انہیں یہ خط دکھا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں اِس امر سے دلچسپی ہوگی کہ میں ان کے ریویو کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہوں۔

(۱) مسٹر ڈکنسن کے نزدیک مَیں نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے (انہوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے) انہیں اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ مَیں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوتِ پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رُو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اُس کا فرض ہے، لیکن مَیں اُن تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہُوں جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہو (حکایت میاں میرؒ اور شہنشاہِ ہندوستان)

مسٹر ڈکنسن نے صحیح فرمایا کہ جنگ خواہ حق و صداقت کی حمایت میں ہو خواہ ملک گیری اور فتح مندی کی خاطر، تباہی اور بربادی اس کا لازمی نتیجہ ہے اس لیے اُس کے استیصال کی سعی کرنا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچایتیں اور کانفرنسیں استیصالِ حرب نہیں کر سکتیں۔ اگر اس سعی میں ہمیں پیش از پیش کامیابی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ملِ مستغمر جن ملتوں کو تمدن و تہذیب میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتیں، اُنہیں اپنے سہام جور و تعدی کا شکار بنانے کے لیے زیادہ پُر امن وسائل اختیار کر لیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو ہمارے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیاں سُلجھائے، ہمارے تنازعات کا فیصلہ کرے

اور بین الملی اخلاق کی بُنیاد مستحکم و استوار کر دے۔ پروفیسر میکنزی کی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے یہ دو آخری پیراگراف کس قدر صحیح ہیں! مَیں انہیں یہاں لفظ بہ لفظ نقل کر دیتا ہُوں:

"کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراجِ کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لیے محض عرفان اور حقیقت سے آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ جسے یوں کہنا چاہیے کہ یہ معاملہ کرنے کے لیے ہم نور و حرارت، دونوں کے محتاج ہیں۔ غالباً عہدِ حاضرہ کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں۔ ہمیں معلم بھی چاہیے اور پیغمبر بھی۔ ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے..... یہ قول صحیح ہے کہ عہدِ حاضرہ کے پیغمبر کو محض "بیابان کی صدا" نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عہدِ حاضرہ کے 'بیابان' آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں۔ جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جدوجہد کا بازار گرم ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔

غالباً ہمیں پیغمبر سے بھی زیادہ عہدِ نَو کے شاعر کی ضرورت ہے یا ایک ایسے شخص کا وجود ہمارے لیے مفید ثابت ہو گا جو شاعری اور پیغمبری کی دوگونہ صفات سے متصف ہو۔ عہدِ ماضی کے شاعروں نے ہمیں فطرت سے محبت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے ہمیں اس قدر تیز نگاہ بنا دیا ہے کہ ہم مظاہرِ فطرت میں انوارِ ربانی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ابھی ایک شاعر کے منتظر ہیں جو ہمیں اسی وضاحت کے ساتھ پیکرِ انسانی

میں صفاتِ الٰہی کے جلوے دکھادے۔ ہائنے نے ازراہِ تفنّن اپنے آپ کو "روح القدس کا سپاہی" کہا تھا۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو درحقیقت روح القدس کا سپاہی ہو۔ جو اس حقیقت پر ہماری آنکھیں کھول دے کہ ہمارے بلند ترین نصب العین روزمرہ کی زندگی میں پورے ہورہے ہیں، اور اگر اس زندگی کو ترقّی دینے کی سعی کی جائے تو ہمیں محض راہبانہ ریاضت اور نفس کشی ہی کا موقع نہیں ملے گا بلکہ ایسا ارفع و اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے گا جو تمام خیالات، تمام جذبات اور تمام مسرّتوں کو ترقّی کے بلند مقام پر پہنچا سکتا ہے۔"

انگریزوں کو چاہیے کہ اس نوع کے خیالات کی روشنی میں انسانِ کامل کے متعلّق میرے افکار کا مطالعہ کریں۔ ہمارے عہدنامے اور پنچایتیں جنگ و پیکار کو صفحۂ حیات سے محو نہیں کرسکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیّت ہی ان مصائب کا خاتمہ کرسکتی ہے۔ اور اِس شعر میں مَیں نے اسی کو مخاطب کیا ہے ؎

باز در عالم بیار ایامِ صُلح
جنگ جویاں رابدہ پیغامِ صُلح

(۲) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے "فلسفۂ سخت کوشی" کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس باب میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کا مدار علیہ وہ خیالات ہیں جو مَیں نے حقیقت کے متعلّق اپنی نظموں میں ظاہر کیے ہیں۔ میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے جو تصادم کے واسطہ سے ربط و امتزاج پیدا کرکے "کُل" کی صورت میں تبدیلی کی سعی کررہے ہیں۔ اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط پر منتج ہوگا۔ دراصل بقائے شخصی اور زندگی کے علوّ و ارتقا کے لیے تصادم

نہایت ضروری ہے۔ نطشے بقائے شخصی کا منکر ہے۔ جو لوگ حصولِ بقا کے آرزومند ہیں، وہ اُن سے کہتا ہے: "کیا تم ہمیشہ کے لیے زمانے کی پشت کا بوجھ بنے رہنا چاہتے ہو!" اس کے قلم سے یہ الفاظ اس لیے نکلے ہیں کہ زمانے کے متعلق اس کا تصوّر غلط تھا۔ اُس نے کبھی مسئلۂ زمان کے اخلاقی پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بخلاف اس کے میرے نزدیک بقا انسان کی بلند ترین آرزو اور ایسی متاعِ گراں مایہ ہے جس کے حصول پر انسان اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں عمل کی تمام صور و اشکالِ مختلفہ کو جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہے، ضروری سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک اُن سے انسان کو زیادہ استحکام و استقلال حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے سکون و جمود اور اس نوع کے تصوّف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو، مردود قرار دیا ہے۔

میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں حالانکہ اس باب میں نطشے کے خیالات کا مدار غالباً سیاست ہے۔ جدید طبعیات سے ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ مادّی قوّت کے جزوِ لایتجزیٰ نے ہزارہا سال تک ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد موجُودہ صُورت اختیار کی ہے پھر بھی وہ فانی ہے اور اسے مٹا دیا جا سکتا ہے۔ قوّتِ ذہنی کے جوہر یعنی ذاتِ بشر کی بھی یہی کیفیت ہے۔ صدہا برس کی مسلسل جدّوجہد اور تصادم و پیکار کے بعد وہ موجُودہ صُورت تک پہنچا ہے پھر بھی عوارضِ ذہنی کے مظاہرِ مختلفہ سے اس کی بے ثباتی اور عدمِ استحکام ظاہر ہے۔ اگر وہ بدستور قائم و باقی رہنا چاہتا ہے تو یقیناً وہ ماضی کے درسِ عبرت کو فراموش نہیں کر سکتا۔ اُسے لامحالہ ان قوتوں سے اپنے قیام

کی خاطر استمداد کرنی پڑے گی جو آج تک اُس کے استحکام کی ضامن رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ فطرت کا ارتقا ان قوتوں میں اصلاح کر دے یا اُن میں سے بعض کو (مثلاً تصادم اور جنگ و پیکار کو جو استحکام کے قوی عوامل میں سے ہیں) جو اس کے ارتقار کی کفیل بنی رہی ہیں، بالکل مٹا دے اور اس کے استحکام و بقا کی خاطر بعض ایسی قوتیں عرصۂ شہود میں لے آئے جن سے انسان آج تک ناآشنا رہا ہے۔ لیکن مَیں بتا دینا چاہتا ہُوں کہ مَیں اس باب میں کسی نصبُ العین کا پرستار نہیں ہُوں۔ اِس لیے میرے نزدیک اِس نوع کے اِنقلاب کا زمانہ ابھی بہت دُور ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ یورپ کی جنگِ عظیم میں انسان کی بصیرت و موعظت کا جو سرمایہ پنہاں ہے، وہ اِس سے عرصۂ دراز تک متمتع نہ ہو سکے گا۔

اِن سطور سے واضح ہو گیا ہے کہ مَیں نے محض اخلاقی زاویۂ نگاہ سے تصادم و پیکار کو ضروری قرار دیا ہے۔ افسوس کہ مسٹر ڈکنسن نے "فلسفۂ سخت کوشی" کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے!

(۳) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے عالمگیر ہے لیکن باعتبار اطلاق و انطباق مخصوص و محدود۔ ایک حیثیت سے ان کا ارشاد صحیح ہے۔ اِنسانیت کا نصبُ العین شعر اور فلسفہ میں عالمگیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، لیکن اگر اسے مؤثر نصبُ العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطبِ اوّلیں نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک ایسی مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرۂ مخاطبت محدُود کر دیں گے جو ایک مستقل عقیدہ اور معیّن راہِ عمل رکھتی ہو لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے

ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے نزدیک اِس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔

اسلام ہمیشہ رنگ ونسل کے عقیدے کا، جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں ہے، نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس' اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دراصل اسلام بلکہ کائناتِ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ ونسل کا عقیدہ ہے۔ اور جو لوگ نوعِ انسان سے محبت رکھتے ہیں' ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علمِ جہاد بلند کر دیں۔ مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ قومیت کا عقیدہ، جس کی بنیاد نسل یا جغرافی حدودِ ملک پر ہے' دُنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے اور مسلمان' عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے مَیں ایک مسلمان اور ہمدردِ نوع کی حیثیت سے انہیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہُوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشو و ارتقا ہے۔ نسل اور حدودِ ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیاتِ اجتماعی کی ترقّی اور تربیت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔ اگر اُسے یہی حیثیت دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن مَیں اس چیز کا مخالف ہُوں کہ اسے انسانی قوتِ عمل کا مظہرِ اتم قرار دیا جائے کیونکہ تنہا یہی جماعت میرے مقاصد کے لیے موزوں واقع ہوئی ہے۔ مسٹر ڈکنسن کا یہ خیال بھی تسامح سے خالی نہیں کہ اِسلامی تعلیمات کی رُوح کسی خاص گروہ سے مختص ہے۔ اسلام تو کائناتِ انسانیت کے اتحادِ عمومی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کر لیتا ہے' اور کہتا ہے:

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ۔

میرے خیال میں مسٹر ڈکنسن کا ذہن ابھی تک یورپ والوں کے اس قدیم عقیدے سے آزاد نہیں ہُوا کہ اسلام سفّاکی اور خونریزی کا درس دیتا ہے۔ دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسان اِس میں داخل ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ نسل اور قومیّت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور ایک دوسرے کی شخصیت تسلیم کر لیں۔ انجمنیں، حکم برداریاں، اس قسم کے عہد نامے جن کا ذکر مسٹر کینز نے کیا ہے، ملکیت خواہ وہ جمہوریت کی ہی قبا میں پوشیدہ کیوں نہ ہو، انسان کو فوز و فلاح سے آشنا نہیں کر سکتی بلکہ انسانی فلاح تمام انسانوں کی مساوات اور حریت میں پنہاں ہے۔ آج ہمیں اِس چیز کی ضرورت ہے کہ سائنس کا محلِ استعمال قطعی طور پر بدل دیا جائے۔ ان خفیہ سیاسی منصوبوں سے احتراز کیا جائے جن کا مقصد بھی یہ ہے کہ کمزور و زبوں حال یا ایسی اقوام جو عیّاری اور حیلہ گری کے فن میں چنداں مہارت نہیں رکھتیں، صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں۔ مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مُسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح جنگ کرتے رہے ہیں، انہوں نے بھی فتوحات کی ہیں۔ مجھے اِس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے بعض قافلہ سالار ذاتی خواہشات کو دین و مذہب کے لباس میں جلوہ گر کرتے رہے ہیں لیکن مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور ملک گیری ابتداءً اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں تھی۔

اسلام کو جہاں ستانی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے، میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی۔ اس طرح وہ اقتصادی اصولِ نشوونما نہ پا سکے جن کا ذکر قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جا بجا آیا ہے۔ یہ

صحیح ہے کہ مُسلمانوں نے ایک عظیمُ الشّان سلطنت قائم کرلی، لیکن ساتھ ہی ان کے سیاسی نصب العین پر غیر اسلامی رنگ چڑھ گیا اور انہوں نے اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں کہ اسلامی اصولوں کی گیرائی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

• بلاشبہ اِسلام کا مقصد انجذاب ہے، مگر اِس انجذاب کے لیے کشور کشائی درکار نہیں بلکہ صِرف اسلام کی سیدھی سادی تعلیم جو الٰہیات کے دقیق اور پیچیدہ مسائل سے پاک اور عقلِ انسانی کے عین مطابق واقع ہوئی ہے، اس عقدہ کی گرہ کشائی کرسکتی ہے۔ اِسلام کی فِطرت میں ایسے اوصاف پنہاں ہیں جن کی بدولت وہ کامیابی کے بامِ بلند پر پہنچ سکتا ہے۔ ذرا چین کے حالات پر نظر ڈالیے جہاں کسی سیاسی قوت کی پشت پناہی کے بغیر اسلام کے تبلیغی مشن نے غیر معمولی کامیابی حاصل کرلی اور لاکھوں انسان اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے! مَیں بیس سال سے دنیا کے افکار کا مطالعہ کر رہا ہُوں، اور اس طویل عرصے نے مجھ میں اِس قدر صلاحیّت پیدا کر دی ہے کہ حالات و واقعات پر غیر جانبدارانہ حیثیت سے غور کرسکوں۔

میری فارسی نظموں کا مقصود اِسلام کی وکالت نہیں بلکہ میری قوتِ طلب و جستجو تو صرف اس چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشری نظام تلاش کیا جائے۔ اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشری نظام سے قطع نظر کر لیا جائے جس کا مقصدِ وحید ذات پات، رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اِسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے، اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا

ہے۔ اور حسنِ معاملت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنجِ گراں مایہ سے محروم ہے۔ اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیضِ صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مَیں اس بارے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہُوں۔ مَیں نے اسرارِ خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنھیں آپ نے دیباچۂ 'اسرار' میں شامل کر لیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں مَیں نے مغربی مفکّرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لیے اختیار کیا گیا تھا تاکہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بآسانی سمجھ لیں۔ ورنہ قرآنِ حکیم، صُوفیائے کرام اور مُسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابنِ عربی اور عراقی (وحدت الوجود) واحد محمود (کثرتِ وجود) الجیلی (انسانِ کامل کا تصوّر) اور مجدّدِ سرہندیؒ (ذاتِ بشریہ متعلق ذاتِ حق) چنانچہ مَیں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبانِ اُردو جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں یہی طریقِ استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ "اسرار" کا فلسفہ مُسلمان صوفیا اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں۔ قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، پُوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا تعلق الٰہیات ہی کے مسائل سے ہے۔ عہدِ جدید کا ایک مُسلمان اہلِ علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا مبدا، اور سرچشمہ قرآنِ مجید ہے، تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پُرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اہل

مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں!

مخلص
محمدؐ اقبال

قائدِ اعظم محمدؐ علی جناحؒ کے نام

(۲۵۰) ———— (۱)

(انگریزی)

لاہور
۲۳ مئی ۳۶ء

ڈیئر مسٹر جناح!

والا نامہ ابھی موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے کام کی ترقی و کامرانی کی اطلاع موجبِ صد ہزار مسرت ہوئی۔ مجھے اُمید ہے کہ پنجاب پارٹیاں بالخصوص احرار و اتحادِ ملت تھوڑی بہت نزاع و کشمکش کے بعد انجام کار آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ اتحادِ ملت کے ایک سرگرم کارکن نے چند روز ہوئے مجھ سے یہی رائے ظاہر کی تھی۔ مولوی ظفر علی خاں کے رویّہ کے متعلق ابھی خود اتحادِ ملت والے کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں لیکن ان باتوں کے لیے ابھی خاصا وقت ہے۔ ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ اتحادِ ملت والوں کو اسمبلی میں اپنی نمائندگی سپرد کرنے کے متعلق رائے دہندگان کا کیا خیال ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ ملاقات کا آرزو مند۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(۲۵۱)―――――(۲)

(انگریزی)

لاہور
۹۔جون ۳۶ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

میرا تیار کیا ہوا مسودہ ارسالِ خدمت ہے۔ کل کے ایسٹرن ٹائمز کا ایک تراشہ بھی ملفوف ہے۔ یہ گورداسپور کے ایک قابل وکیل کا خط ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والے بیان میں تمام اسکیم کی پُوری تفصیل موجُود ہو گی اور ساتھ ہی اب تک اس اسکیم کے خلاف جتنے اعتراضات کیے گئے ہیں، اُن کا جواب بھی موجُود ہوگا۔ اِس بیان میں، لگی لپٹی رکھے بغیر، ہندوستانی مُسلمانوں کی موجودہ حیثیت کا ہندوؤں اور حکومت، دونوں سے متعلق ایک واضح اور صاف صاف اعلان ہونا چاہیے۔ اِس بیان میں یہ انتباہ بھی موجود ہونا چاہیے کہ اگر مسلمانانِ ہند نے موجُودہ اسکیم کو اختیار نہ کیا تو وہ نہ صرف جو کچھ گزشتہ پندرہ برس میں حاصل کر چکے ہیں، اُسے ہی کھو دیں گے بلکہ اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کر کے اپنے لیے خسارے کا باعث ہوں گے۔

مخلص
محمّد اقبال

تحریر مابعد:

مَیں نہایت ممنون ہُوں گا اگر اخبارات میں بھیجنے سے قبل مجوّزہ بیان کی نقل مجھے بھیج دیں۔ اس بیان میں بعض دوسرے مسائل کی طرف بھی توجّہ لازمی ہے مثلاً

(۱) مرکزی اسمبلی کے لیے بالواسطہ انتخاب نے ہمارے لیے یہ لازمی ولابدی کر دیا ہے کہ صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان نمائندے ایک کُل ہند پالیسی اور پروگرام پر متحد ہو جائیں تاکہ وہ مرکزی اسمبلی میں صرف ایسے لوگوں کو بھیج سکیں جو مرکزی اسمبلی میں اسلامی ہند کے اُن مرکزی مسائل کی تائید وحمایت کریں جو ہندوستان کی دوسری بڑی قوم کی حیثیت سے مسلمانوں سے متعلّق ہوں۔ جو لوگ اس وقت صوبائی پالیسی اور پروگرام کے حامی ہیں، وہی آئین میں مرکزی اسمبلی کے لیے بالواسطہ انتخاب کے طریق کو جزوِ آئین بنوانے کے ذمّہ دار ہیں۔ بلاشبہ ایک غیر ملکی حکومت کی مصلحتوں کا یہی تقاضا تھا۔ اب جبکہ قوم بالواسطہ انتخابات کی مصیبت کا علاج، لیگ اسکیم کے مطابق، ایک کُل ہند طریقِ انتخابات کے ذریعہ جسے تمام صُوبائی اُمیدواروں کو لازماً اختیار کرنا ہوگا، کرنا چاہتی ہے تو پھر وہی سورما دوبارہ ایک غیر ملکی حکومت کے اشارہ پر قوم کو اپنی شیرازہ بندی کی کوششوں میں ناکام بنانے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔

(۲) اسلامی اوقاف (جیسا کہ مسجد شہید گنج نے ضرورت کا احساس کرایا ہے) سے متعلق قانون اور اسلامی ثقافت، زبان، مساجد اور قانونِ شریعت سے متعلق مسائل پر بھی بیان میں توجّہ کرنے کی ضرورت ہے۔

محمّد اقبال

(۲۵۲) ——— (۳)

لاہور
۲۵۔جون ۱۹۳۶ء

(صیغہ راز)

(انگریزی)

مائی ڈیر مسٹر جناح!

سر سکندر حیات دو ایک روز گزرے، روانہ ہو چکے ہیں۔ میرا خیال ہے

کہ وہ بمبئی میں آپ سے مل کر بعض اہم امور پر گفتگو کریں گے۔ کل شام دولتانہ مجھ سے ملے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ممبران حسبِ ذیل اعلان کے لیے تیّار ہیں:

"کہ اُن تمام امور میں جو مسلمانوں سے بحیثیت ایک کُل ہند اقلیّت کے متعلّق ہیں، وہ لیگ کے فیصلے کے پابند ہوں گے اور صوبائی اسمبلی میں کسی غیر مسلم پارٹی کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔"

بشرطیکہ صُوبائی لیگ بھی حسبِ ذیل اعلان کرنے کو تیّار ہو:

"کہ وہ مُسلم ارکانِ اسمبلی جو لیگ کے ٹکٹ پر صُوبائی اسمبلی میں پہنچتے ہیں، اُس پارٹی سے موالات کریں گے جس میں مُسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہو۔"

ازراہِ کرم اوّلیں فرصت میں مجھے مطّلع فرمایئے کہ اِس تجویز کے متعلّق آپ کی کیا رائے ہے۔ سر سکندر حیات سے جو گفتگو ہو، اُس کے نتیجہ سے بھی مطّلع فرمایئے۔ اگر آپ سر سکندر حیات کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ہمارے ساتھ شامل ہو سکیں گے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمّد اقبال

(۲۵۳) ———— (۴)

(انگریزی)

میورروڈ۔ لاہور
۲۳۔ اگست ۳۶ء

مائی ڈیر مسٹر جناح!

اُمّید ہے میرا اِس سے پیشتر کا خط آپ کو مِل گیا ہو گا۔ پنجاب پارلیمنٹری

بورڈ اور یونینسٹ پارٹی میں مفاہمت کے متعلّق کچھ گفتگو ہو رہی ہے۔ ازراہِ کرم ایسی مفاہمت کی شرائط اور اس سے متعلّق اپنی رائے سے مطلّع فرمایئے۔ اخبارات سے معلوم ہُوا تھا کہ آپ نے بنگال پروجا پارٹی اور پارلیمنٹری بورڈ میں مصالحت کرادی ہے۔ اس مصالحت کی شرائط سے اِطّلاع دیجیے۔ چونکہ پروجا پارٹی یونینسٹ کی طرح ایک غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہے، بنگال میں یہ مصالحت یہاں بھی آپ کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۵۴)――――――(۵)

لاہور (انگریزی)

۲۰۔ مارچ ۳۷ء (بصیغہ راز)

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

اُمّید ہے پنڈت جواہر لعل نہرو کا وہ خطبہ جو انھوں نے آل انڈیا نیشنل کانونشن کے اجلاس میں فرمایا ہے، آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہوگا اور ہندوستانی مسلمانوں سے متعلّق اس خطبہ میں جو مسلک کارفرما ہے، اُس پر آپ نے پورے طور پر غور کیا ہوگا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہے کہ ہندوستان اور اسلامی ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقیات کے پیشِ نظر دستورِ جدید ہندی مسلمانوں کو اپنی تنظیم کے لیے ایک نادر موقع بہم پہنچاتا ہے۔

اگرچہ ہم ملک میں تمام ترقی پسند پارٹیوں کے ساتھ موالات کے لیے تیار ہیں؛

تاہم ہمیں اس حقیقت کو ہرگز پسِ پشت نہ ڈالنا چاہیے کہ ایشیا میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقتدار کا دار و مدار تمام تر ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ لٰہذا میری تجویز ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانوینشن کو ایک پُر زور جواب دیا جائے۔ آپ کو چاہیے کہ دہلی میں جلد از جلد ایک آل انڈیا مُسلم کانوینشن منعقد کریں جس میں نئی صُوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم راہنماؤں کو بھی دعوتِ شمولیت دی جائے۔ آپ کو چاہیے کہ اس اسلامی مؤتمر کی طرف سے پوری قوّت اور قطعی وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں۔ یہ امر لابدی ہے کہ ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کی دُنیا کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہندوستان میں حل طلب مسئلہ صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ ہندی مسلمانوں کی اکثریت کی نگاہ میں ہندوستان میں تہذیبِ اسلامی کا مستقبل اگر معاشی مسئلہ سے زیادہ اہم نہیں تو اس سے کسی طرح کم اہمیت کا حامل بھی نہیں۔

اگر آپ ایسی کانوینشن منعقد کر سکیں تو اُن مسلم ارکانِ مجالس واضعِ قوانین کی حیثیت کا پول بھی کھُل جائے گا جنھوں نے مسلمانوں کی خواہشوں اور تمناؤں کے خلاف اپنی اپنی جُداگانہ پارٹیاں قائم کر لی ہیں۔ مزید برآں اس کانوینشن سے ہندوؤں پر بھی یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی تدبیر خواہ وہ کس قدر ہی عیارانہ کیوں نہ ہو، ہندی مُسلمانوں کو اپنی ثقافتی وحدت سے غافل نہیں کر سکتی۔ مَیں چند روز تک دہلی آ رہا ہُوں اور اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو کروں گا۔ میرا قیام افغانی قونصل خانہ میں ہو گا۔ اگر آپ کو کچھُ فرصت میسّر آ سکے۔ تو وہیں ہمارا مقامِ ملاقات ہونا چاہیے۔

ازراہِ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائیے۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد:

معاف فرمائیے! ضعفِ بصارت کی وجہ سے یہ خط مَیں نے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔

(۲۵۵)————(۶)

(انگریزی)

لاہور

۲۲-اپریل ۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

دو ہفتے گزرے مَیں نے دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھا تھا۔ معلوم نہیں شرفِ ملاحظہ حاصل کر سکا یا نہیں۔ بعد میں جب میں خود دہلی پہنچا تو آپ تشریف لے جا چکے تھے۔ اُس خط میں مَیں نے تجویز کی تھی کہ ہم فوراً کسی مقام پر مثلاً دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کانونشن منعقد کریں اور ایک مرتبہ پھر حکومت اور ہندوؤں دونوں کے لیے مسلمانوں کی پالیسی کا اعلان کیا جائے۔ چونکہ صورتِ حال نازک تر ہوتی جا رہی ہے اور پنجاب کے مُسلمان اُن وجوہ کی بنا پر جن کی تشریح و تفصیل اس وقت غیر ضروری ہے، کانگرس کی طرف مائل ہو رہے ہیں، مَیں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس مسئلہ پر جلد از جلد غور کریں اور اس کے متعلق اوّلین فرصت میں فیصلہ کریں۔ مسلم لیگ کا اجلاس تو اگست تک کے لیے ملتوی ہو چکا ہے لیکن

حالات اسلامی پالیسی کے فوری اعلانِ مکرّر کے مقتضی ہیں۔ اگر کانونشن کے اجلاس سے قبل مقتدر مسلمان لیڈروں کا ایک دَورہ بھی ہو جائے تو کانونشن یقیناً نہایت کامیاب رہے گی۔ ازراہِ کرم اس خط کا جواب اوّلین فرصت میں دیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۵۶)————(۷)

(انگریزی)

لاہور

۲۸۔ مئی ۳۷ء

(بصیغہ راز)

مائی ڈیر مسٹر جناح!

نوازش نامہ موصول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ یہ اطلاع کہ لیگ کے دستور و پروگرام میں جن تغیرّات کی طرف مَیں نے آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی، وہ آپ کے پیشِ نظر رہیں گے، موجبِ مسرّت و اطمینان ہوئی۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ اسلامی ہند کی نزاکتِ حالات کا آپ کو پُورا پُورا احساس ہے۔ لیگ کو انجامِ کار یہ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا کہ وہ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندہ بنی رہے یا مُسلمان عوام کی نمائندگی کا حق ادا کرے جنہیں اب تک نہایت بجا طور پر لیگ میں کوئی وجہِ دلکشی نظر نہیں آئی۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو عام مسلمانوں کی بہبودی کی ضامن نہ ہو، عوام کے لیے باعثِ کشش نہیں ہو سکتی۔

نئے دستور کے ماتحت بڑی بڑی اسامیاں تو اعلیٰ طبقات کے بچّوں کے لیے وقف ہیں، اور چھوٹی چھوٹی وزرار کے دوستوں اور رشتہ داروں کی نذر ہو جاتی ہیں۔

دوسرے اعتبارات سے بھی ہمارے سیاسی ادارات نے غریب مسلمان کی اصلاحِ حال کی طرف قطعاً کوئی توجّہ نہیں کی۔

روٹی کا مسئلہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مُسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سو سال سے اُن کی حالت مسلسل گرتی چلی جا رہی ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اُن کے افلاس کی ذمّہ داری ہندو کی ساہوکاری و سرمایہ داری پر عائد ہوتی ہے لیکن یہ احساس کہ ان کے افلاس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی حصّہ دار ہے، اگرچہ ابھی قوی نہیں ہُوا لیکن یہ نظریہ بھی پوری قوّت و شدّت حاصل کر کے رہے گا۔

جواہر لال کی منکرِ خدا اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثّر پیدا نہ کر سکے گی۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ مُسلمانوں کو افلاس سے کیونکر نجات دلائی جا سکتی ہے۔ لیگ کا مستقبل اس امر پر موقوف ہے کہ وہ مُسلمانوں کو افلاس سے نجات دِلانے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر لیگ کی طرف سے مسلمانوں کو افلاس کی مصیبت سے نجات دِلانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تو مُسلمان عوام پہلے کی طرح اب بھی لیگ سے بے تعلّق ہی رہیں گے۔

خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اِس مسئلہ کا حل موجُود ہے اور فقہِ اسلامی کا مطالعہ مقتضیاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر دوسرے مسائل کا حل بھی پیش کر سکتا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے۔ ایک مصیبت تو یہ ہے کہ کسی ایک آزاد اسلامی

ریاست یا ایسی چند ریاستوں کی عدم موجودگی میں شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ اس ملک میں محال ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور میں اب بھی اسے ہی مسلمانوں کے افلاس اور ہندوستان کے امن کا بہترین حل سمجھتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں اس طریقِ کار پر عملدرآمد اور اس مقصد کا حصول ناممکن ہے تو پھر صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے، اور وہ خانہ جنگی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کئی سالوں سے شروع ہے۔

مجھے توی اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں، مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین کی سی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔ جواہرلال کی اشتراکیت خود ہندوؤں میں کشت و خون کا موجب ہوگی۔ معاشری جمہوریت اور برہمنیت کے درمیان وجہِ نزاع، برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان وجہِ نزاع سے مختلف نہیں ہے۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ کا سا ہوگا یا نہیں میں اس سے متعلق تو کوئی پیش گوئی نہیں کرسکتا۔ لیکن مجھے اس قدر صاف نظر آتا ہے کہ ہندو دھرم معاشری جمہوریت (سوشل ڈیموکریسی) اختیار کرلیتا ہے تو خود ہندو دھرم کا خاتمہ ہے۔

اسلام کے لیے سوشل ڈیموکریسی کی کسی موزوں شکل میں ترویج، جب اُسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو، حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ مسائلِ حاضرہ کا حل مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ لیکن جیسا اوپر ذکر کرچکا ہوں، اسلامی ہندوستان میں ان مسائل کے حل بآسانی رائج کرنے کے لیے ملک کی تقسیم کے ذریعہ ایک یا زائد اسلامی ریاستوں کا قیام اشد لازمی ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت

نہیں آن پہنچا؛ شاید جواہر لال کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ بہترین جواب ہے۔

بہرحال، مَیں نے اپنے خیالات آپ کی خدمت میں اس اُمّید پر پیش کر دیے ہیں کہ آپ اُن پر اپنے خُطبہ یا لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں پُوری پُوری توجّہ مبذول کر سکیں۔

اسلامی ہندوستان کو اُمّید ہے کہ اس نازک دَور میں آپ کی فطانت و فراست ہماری موجُودہ مشکلات کا کوئی حل تجویز کر سکے گی۔

مخلص

محمدؐ اقبال

تحریر مابعد:

اس نیاز نامہ کے موضوع پر میرا ارادہ تھا کہ آپ کے نام اخبارات میں ایک کھُلا خط شائع کراؤں لیکن مزید غور پر مَیں نے موجُودہ وقت کو اس کے لیے موزوں نہ پایا۔

(۲۵۷)————————(۸)

(انگریزی)

لاہور

۲۱۔جون ۳۷ء

(بصیغہ راز)

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

نوازش نامہ کل موصول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ کی بے پناہ مصروفیت سے آگاہی رکھنے کے باوجود آپ کو اکثر لکھتے رہنے کے لیے

معذرت خواہ ہُوں۔ اِس وقت مسلمانوں کو اس طوفانِ بلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشہ گوشہ سے اُٹھنے والا ہے، صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے رہنمائی کی توقّع ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں ہم فی الحقیقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ فوج اور پولیس موجُود نہ ہو تو یہ خانہ جنگی چشم زدن میں عالمگیر ہو جائے۔ گزشتہ چند ماہ سے ہندو مُسلم فسادات کا ایک سلسلہ سا قائم ہو چکا ہے۔ صرف شمال مغربی ہند میں ان تین ماہ میں کم ازکم تین فرقہ وارانہ فسادات رونما ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے توہینِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کم ازکم چار وارداتیں پیش آ چکی ہیں۔ توہینِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان چاروں وارداتوں میں مجرم فی النّار کر دیا گیا۔ سندھ میں قرآنِ کریم کے نذرِ آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ صورتِ حال کا نظرِ غائر سے مطالعہ کرنے کے بعد مَیں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اِن حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں نہ معاشی بلکہ خالص سیاسی ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریّت کے صوبوں میں بھی ہندو اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کر دینا ہے۔ آئین کی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ اپنی اکثریت کے صُوبوں میں بھی مسلمانوں کا دار و مدار تمام تر غیر مُسلموں پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مُسلم وزارت نہ صِرف کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ وزارت کو خود مسلمانوں سے ناانصافی برتنی پڑتی ہے تاکہ وہ لوگ جن کی امداد پر وزارت قائم ہے خوش رہ سکیں اور دوسروں پر ظاہر کیا جا سکے کہ وزارت قطعی طور پر غیر متعصّب ہے۔ لہٰذا یہ ایک عالم آشکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پاس اِس آئین کو رد کرنے کے خاص وجُوہ موجُود ہیں۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ دستورِ جدید ہندوؤں ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اُن صُوبوں میں جہاں ہندو آبادی کی اکثریت ہے، حکومت میں ہندوؤں

کو قطعی اکثریت حاصل ہے اور وہ مسلمانوں کو بالکل نظرانداز کر سکتے ہیں۔ برخلاف
اس کے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا دستِ نگر رکھا گیا ہے۔
مجھے اس امر میں قطعاً ذرہ برابر شک وشبہہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ موجودہ دستور
ہندی مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ مزید برآں یہ دستور تو اس معاشی
تنگدستی کا جو شدید تر ہوتی چلی جارہی ہے، کوئی علاج ہی نہیں۔ فرقہ وارانہ فیصلہ ہندوستان
میں مسلمانوں کی سیاسی ہستی کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن کسی قوم کی سیاسی ہستی کا ایسا اعتراف
جو اُس کی معاشی پسماندگی کا کوئی حل نہ تجویز کرتا ہو اور نہ کر سکے' اُس کے لیے بے سُود
ہے۔ کانگرس کے صدر نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جُداگانہ سیاسی حیثیت
ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت یعنی ہندو مہا سبھا نے
جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں' بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں
کی متحدہ قومیت کا وجود ہندوستان میں ناقابلِ قبول ہے۔

ہندوستان میں قیامِ امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلّط سے بچانے
کی واحد ترکیب اُس طریق پر ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ مسلم صوبوں کے ایک
جُداگانہ وفاق میں اسلامی اصلاحات کا نفاذ ہے۔ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال
کے مسلمانوں کو ہند اور بیرونِ ہند کی دوسری اقوام کی طرح حقِ خود اختیاری سے کیونکر
محروم کیا جاسکتا ہے! میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال
کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظرانداز کر دینا چاہیے۔ مسلم اکثریت
و مسلم اقلیت کے صوبوں کا بہترین مفاد اس وقت اسی طریق سے وابستہ ہے۔ لیگ
کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیت کے صوبہ میں منعقد کرنے کے بجائے پنجاب میں

منعقد کرنا بہتر ہو گا۔ لاہور میں اگست تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میری رائے میں آپ کو لاہور میں وسط اکتوبر میں جب موسم خوش گوار ہو جاتا ہے، لیگ کے اجلاس کے انعقاد کے امکان پر غور کرنا چاہیے۔ پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور لیگ کے آئندہ اجلاس کا لاہور میں اِنعقاد پنجابی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لیے ازحد مفید ہو گا۔

اندریں حالات یہ بالکل عیاں ہے کہ ہندوستان کا امن نسلی، مذہبی اور لسانی میلانات کی بنا پر ملک کی تقسیمِ مکرّر پر موقوف ہے۔ اکثر برطانوی مدبّر بھی اس نظریے کے قائل ہیں۔ ہندو مسلم فسادات جو اس دستورِ جدید کے جلو میں پوری تیزی سے رونما ہو رہے ہیں، اُمید ہے ان پر یہ حقیقت ناقابلِ تردید طور پر واضح کر دیں گے۔ مجھے یاد ہے اِنگلستان سے میری روانگی کے وقت لارڈ لودین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہندوستان کی مشکلات کا حل تو تمہاری اسکیم میں موجود ہے لیکن اس کے بارور ہونے کے لیے پچیس سال کی مدت درکار ہو گی۔ پنجاب کے بعض مُسلمان تو پہلے ہی شمال مغربی ہند کی ایک مُسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پر غور کر رہے ہیں اور یہ خیال پھیلتا جا رہا ہے۔

اس امر میں میں آپ کا ہم خیال ہوں کہ ہماری قوم ابھی تک نظم و ضبط سے محروم ہے، اور شاید ایسی کانفرنس کے انعقاد کے لیے ابھی وقت سازگار نہیں لیکن مَیں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے خطبہ میں کم از کم اِس طریقِ عمل کی طرف اشارہ ضرور کر دینا چاہیے جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو انجام کار مجبوراً اختیار کرنا ہی پڑے گا۔

میرے خیال میں تو دستورِ جدید سارے ہندوستان کو ایک ہی وفاق میں مربُوط کر لینے کی تجویز کی بنا پر حد درجہ یاس انگیز ہے۔

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۵۸)————(۹)

(انگریزی)

لاہور

۱۱۔ اگست ۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر جناح!

واقعات نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ لیگ کو اپنی تمام تر توجہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں پر مبذول کرنی چاہیے۔ لیگ کے دہلی دفتر نے مسٹر غلام رسُول کو اطلاع دی ہے کہ مسلم لیگ کے اجلاس کی تاریخ تاحال مقرر نہیں ہوئی۔ اندریں حالات مجھے اندیشہ ہے کہ اگست اور ستمبر میں اجلاس منعقد ہی نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا مَیں مکرّر درخواست کرتا ہُوں کہ لیگ کا اجلاس اکتوبر کے وسط یا آخر میں لاہور میں منعقد کیا جائے۔ پنجاب میں لیگ کے لیے روز افزوں سرگرمی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور مجھے قوی اُمید ہے کہ لاہور میں لیگ کا اجلاس لیگ کی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب ثابت ہوگا اور عوام کو لیگ کے حلقۂ اثر میں لانے کے لیے ایک اہم ذریعہ۔ ازراہِ کرم اس خط کا دو حرفی جواب ضرور دیں!

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۵۹)―――――(۱۰)

(انگریزی)

لاہور

۷۔ اکتوبر ۳۷ء

(بصیغہ راز)

مائی ڈیر جناح!

اُمید ہے پنجاب سے خاصی تعداد لکھنؤ اجلاس میں شمولیت کے لیے پہنچے گی۔ یونینسٹ مُسلمان بھی سر سکندر کی قیادت میں شمولیت کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان آپ سے متوقع ہیں کہ اِس پُر آشوب زمانے میں آپ ان کے مستقبل سے متعلق اُن کی کامل اور واضح ترین راہنمائی فرمائیں گے۔ میری تجویز ہے کہ لیگ کمیونل اوارڈ Communal Award سے متعلق اپنی پالیسی ایک مناسب قرارداد کی صُورت میں واضح کر دے۔ خود پنجاب اور معلوم ہُوا ہے کہ سندھ میں بھی بعض گمراہ مُسلمان اِس فیصلہ کو اس طرح بدل دینے کے لیے تیار ہیں کہ یہ ہندوؤں کے حق میں زیادہ مفید ہو جائے۔ ایسے لوگ بخوشی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنا موجُودہ اثر و اقتدار بحال رکھ سکیں گے۔ ذاتی طور پر مَیں سمجھتا ہُوں کہ انگریز، ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتا ہے اور ہندو، کمیونل اوارڈ کا خاتمہ کرنے والوں کے لیے بدیدۂ و دل فرشِ راہ ہوں گے۔ اِس لیے برطانوی حکومت اپنے مُسلمان ایجنٹوں کے کندھوں پر ہی اس کا جنازہ اُٹھوانا چاہتی ہے۔

لیگ کونسل کے لیے ۲۸۔ افراد کی فہرست تیار کر دوں گا۔ مسٹر غلام رسُول آپ کو وہ فہرست دکھا دیں گے۔ مجھے اُمید ہے یہ انتخاب پُورے غور و خوض سے کیا جائے گا۔ ہمارے آدمی لاہور سے ۱۳ ار کو روانہ ہوں گے۔

مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے۔ لیگ کے مقاصد کے لیے مُسلمان عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمارے لیے یہ ایک نادر موقع ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ لیگ اس مسئلہ پر ایک مناسب قرار داد ہی منظور نہیں کرے گی بلکہ لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں کوئی ایسی راہِ عمل بھی معین کی جائے گی جس میں مسلمان عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں۔ اس طریق سے ایک طرف تو لیگ کو ہر دلعزیزی حاصل ہو گی اور دوسری طرف شاید فلسطین کے عربوں کو کچھ فائدہ پہنچ جائے۔

ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام، دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔ ایشیا کے دروازے پر ایک مغربی چھاؤنی کا مسلّط کیا جانا اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے پُرخطر ہے۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد:

لیگ کو اس امر کی قرار داد پاس کرنی چاہیے کہ کوئی صُوبہ دوسری اقوام کے ساتھ کمیونل اوارڈ سے متعلق کوئی سمجھوتہ کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق تمام ہندوستان سے ہے، لٰہذا اسے طے کرنے کا حق صرف لیگ ہی کو حاصل ہو گا۔ شاید ایک قدم آگے بڑھا کر آپ کہہ سکتے ہیں موجُودہ فضا کسی فرقہ وارانہ مصالحت کے لیے سازگار نہیں۔

(۲۶۰)————(۱۱)

لاہور　　　　　　　　(انگریزی)

۳۰-اکتوبر ۳۷ء　　　　　　　　(بصیغہ راز)

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

اُمید ہے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی قرارداد آپ کے ملاحظہ سے گزری ہو گی۔ آپ کی بروقت تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ ہم سب کانگرس کی قرارداد پر آپ کے خیالات کے منتظر ہیں۔ لاہور کے اخبار 'ٹریبون' نے تو اس پر مخالفانہ اظہارِ رائے کر دیا ہے، اور مجھے اُمید ہے ہندو بالعموم اس کی مخالفت ہی کریں گے۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اس کا اثر خواب آور نہ ہونا چاہیے۔ ہمیں مسلمانوں کی تنظیم کے لیے اپنی تمام قوتیں ہمیشہ سے زیادہ گرمجوشی کے ساتھ وقف کر دینی چاہییں اور اس وقت تک دم نہ لینا چاہیے جب تک پانچ صوبوں میں مُسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی اور بلوچستان کو اصلاحات نہیں ملتیں۔

یہاں افواہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک حصہ لیگ کے مسلک پر دستخط کرنے کو تیار نہیں۔ ابھی تک سر سکندر اور ان کی پارٹی نے دستخط نہیں کیے، اور آج صُبح معلُوم ہُوا کہ وہ لیگ کے آئندہ اجلاس تک انتظار کریں گے۔ جیسا کہ خود اُن میں سے ایک ممبر نے مجھ سے کہا ان کا منشا صوبائی لیگ کی قوتِ عمل کو معطّل کر دینا ہے۔

چند دن تک جملہ حالات و واقعات سے آپ کو آگاہ کروں گا اور پھر عمل کے لیے آپ کی ہدایات کا منتظر رہوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اجلاسِ لاہور

سے قبل کم ازکم دو ہفتے پنجاب کے دورے کے لیے ضرور وقف کریں گے۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۶۱) ——— (۱۲)

(انگریزی)

لاہور

یکم نومبر ۳۷ء

(ضروری)

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

سر سکندر حیات خاں اپنی پارٹی کے چند ممبران کے ساتھ کل میرے پاس تشریف لائے۔ لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے اختلافات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ طرفین کی طرف سے اس سے پہلے بھی اخبارات میں بیانات شائع ہوئے ہیں اور ہر فریق نے جناح سکندر معاہدہ کی شرائط کی اپنے مقصد کے موافق تشریح و توضیح کی ہے۔ اس سے بہت زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، یہ بیانات جلد ہی آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسالِ خدمت کروں گا۔ جس معاہدہ پر سر سکندر کے دستخط ہیں، معلوم ہوا ہے وہ آپ کے پاس ہے۔ ازراہِ کرم اس کی ایک نقل اوّلین فرصت میں مرحمت فرمائیں۔ مزید برآں یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ نے یہ منظور کر لیا تھا کہ صوبائی پارلیمنٹری بورڈ یونینسٹ پارٹی کے اختیار میں رہے۔ سر سکندر نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے یہ قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا اُن کا مطالبہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کو بورڈ میں اکثریت حاصل ہونی چاہیے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، ایسی شرط جناح سکندر معاہدہ میں موجود نہیں۔

ازراہِ کرم اوّلین فرصت میں اِس خط کا جواب مرحمت فرمائیں۔ ہمارے آدمی صُوبہ میں دَورہ کر رہے ہیں اور مختلف مقامات پر لیگ کی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ گزشتہ شب لاہور میں ایک نہایت کامیاب جلسہ منعقد ہُوا۔ اُمّید ہے ایسے ہی اور بھی جلسے ہوں گے۔

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۶۲)————(۱۳)

لاہور
۱۰۔ نومبر ۳۷ء

(انگریزی)

(بصیغہ راز)

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

سر سکندر اور اُن کے دوستوں سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اب میری قطعی رائے ہے کہ سر سکندر لیگ اور پارلیمنٹری بورڈ پر اپنا پُورا پُورا قبضہ چاہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ اُن کے معاہدہ میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل از سرِ نو عمل میں آئے گی اور یونینسٹوں کو بورڈ میں اکثریت حاصل ہو گی۔ سر سکندر کہتے ہیں کہ آپ نے بورڈ میں اُن کی اکثریت تسلیم کر لی تھی۔ مَیں نے چند دن ہوئے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آیا آپ نے فی الواقعہ پارلیمنٹری بورڈ میں یونینسٹ اکثریت منظور کر لی تھی، ابھی تک جواب کا انتظار ہے۔ ذاتی طور پر مَیں سر سکندر کو وہ اکثریت دینے کا مخالِف نہیں جس کے وہ طالب ہیں لیکن عہدہ دارانِ لیگ میں ردّ و بدل کا مطالبہ یقیناً منشائے معاہدہ سے تجاوز کرنا ہے، بالخصوص موجُودہ معتمد (جنہوں نے

لیگ کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں) کی علیحدگی کا مطالبہ معقولیت سے دُور ہے۔

سر سکندر یہ بھی چاہتے ہیں کہ لیگ کی مالیات پر بھی اُن ہی کا آدمی مسلط ہو۔ مجھے تو اس تمام کھیل کا مقصد لیگ پر پہلے قبضہ جمانا اور پھر اس کا جنازہ نکال دینے کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ صُوبے کی رائے سے آگاہی رکھتے ہوئے مَیں لیگ کو سر سکندر اور ان کے دوستوں کے حوالے کر دینے کی ذمّہ داری لینے کو تیار نہیں۔ اِس معاہدہ نے پہلے ہی صُوبہ میں لیگ کے وقار کو صدمہ پہنچایا ہے اور یونینسٹوں کی چالیں اسے اور بھی چرکے لگائیں گی۔ انہوں نے اب تک لیگ کے مسلک پر دستخط نہیں کیے، اور مَیں سمجھتا ہُوں نہ ہی وہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لیگ کا اجلاس لاہور میں فروری کی بجائے اپریل میں منعقد ہو۔ میرے خیال میں وہ اپنی زمیندارہ لیگ کے قیام و استحکام کے لیے اس طرح مہلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً آپ کو علم ہو گا کہ لکھنؤ سے واپسی پر سر سکندر نے ایک زمیندارہ لیگ کی بنا ڈالی تھی جس کی شاخیں اب صُوبہ بھر میں قائم کی جا رہی ہیں۔

ازراہِ کرم مجھے مطلع فرمائیے کہ اندریں حالات ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اوّل تو بذریعہ تار اپنی رائے سے مطلع فرمائیے وگرنہ اوّلین فرصت میں پوری تفصیل سے تحریر فرمائیے۔

مخلص

محمّد اقبال

لسان العصر اکبر الہ آبادی کے نام

(۲۶۳) ——————— (۱)

لاہور
۶- اکتوبر ۱۱ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ سیّد صاحب، السلام علیکم!

کل ظفر علی خاں صاحب سے سُنا تھا کہ جناب کو چوٹ آگئی۔ اُسی وقت سے میرا دل بے قرار تھا اور مَیں عریضہ خدمتِ عالی میں لکھنے کو تھا کہ آج جناب کا محبّت نامہ ملا۔ دست بدعا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس تکلیف کو رفع کرے اور آپ کو دیر تک زندہ رکھّے تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُس قلب کی گرمی سے متاثر ہوں جو خدا نے آپ کے سینے میں رکھا ہے۔

مَیں آپ کو اُسی نگاہ سے دیکھتا ہُوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے، اور وہی محبّت و عقیدت اپنے دِل میں رکھتا ہُوں۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرفِ نیاز حاصل ہو اور مَیں اپنے دِل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دُوں۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن مَیں اس ہجوم میں تنہا ہُوں۔ ایک فردِ واحد بھی ایسا نہیں جس سے دِل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جاسکے۔

طعنہ زن ہے ضبط اور لذّت بڑی افشا میں ہے
ہے کوئی مشکل سی مشکل راز داں کے واسطے

لارڈ بیکن کہتے ہیں "جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے۔" سو یہی حال میرا لاہور میں ہے۔ اِس کے علاوہ گزشتہ ماہ میں بعض معاملات کی وجہ سے

سخت پریشانی رہی اور مجھے بعض کام اپنی فطرت اور طبیعت کے خلاف کرنے پڑے اور ان ہی میں طبعِ سلیم میرے لیے شکنجے کا کام دے گئی۔ کیا خوب کہا گیا ہے عرفیؔ ؎

رستم زندّعی بقبول غلط ولے
در تابم از شکنجۂ طبعِ سلیمِ خویش

نا تمام نظم کے اشعار آپ نے پسند فرمائے، مجھے یہ سن کر مسرت ہوتی ہے کہ آپ میرے اشعار پسند فرماتے ہیں۔ "غرّہ شوال" پر چند اشعار لکھے تھے، زمیندار اخبار کے عید نمبر میں شائع ہوئے۔ ان کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ مَیں نے چند اشعار آخر میں ایسے لکھے ہیں کہ ترکی و اٹلی کی جنگ نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اگر زمیندار اخبار آپ تک نہ پہنچا ہو تو تحریر فرمائیے، بھجوا دوں گا۔

خواجہ حسن نظامی واپس تشریف لے آئے۔ مجھے بھی اُن سے محبت ہے، اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہُوں۔ خدا آپ کو اور مُجھ کو بھی زیارتِ روضۂ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دِل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھیے کب جوان ہوتی ہے! شیخ عبدالقادر لائل پور میں سرکاری وکیل ہو گئے۔ اب وہ لاہور سے وہاں چلے گئے۔ کچھ دن ہوئے یہاں آئے تھے مگر مَیں اُن سے نہ مِل سکا۔ آرڈر قائم کرنے کا خیال تھا، اور اب تک ہے۔ مگر اس راہ میں مشکلات بے حد ہیں، اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اِس مذاق کے لوگ کہاں ہیں۔ بہر حال، میں ہم خیال پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہُوں اور کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ آپ دُعا کریں۔

خیریتِ مزاج سے مطلع کیجیے۔ مجھے اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔
خدا آپ کو صحت کامل کرامت فرمائے۔

دُعاگو

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۲۹۴) ——— (۲)

لاہور
۹۔ نومبر ۱۹۱۱ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کے دونوں نوازش نامے یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ الحمدللہ کہ جناب خیریت سے ہیں۔

ترکوں کی فتح کا مژدۂ جانفزا پہنچا، مسرت ہوئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ دل کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں رُوح کیا چاہتی ہے اور آنکھوں کو کس نظارے کی ہوس ہے۔ مَیں ایک زبردست تمنّا کا احساس اپنے دِل میں کرتا ہُوں۔ گو اِس تمنّا کا موضوع مجھے اچھی طرح سے معلُوم نہیں۔ ایسی حالت میں مجھے مسرت بھی ہو تو اس میں اضطراب کا عنصرِ غالب رہتا ہے۔ لاہور کی بستی میں کوئی ہمدمِ دیرینہ نہیں۔ نام و نمود پر مرنے والے بہت ہیں۔ قومی جلسوں سے بھی پہلو تہی کرتا ہُوں۔ ہاں، آپ کے خطوط جو میرے پاس سب محفوظ ہیں، بار بار پڑھا کرتا ہُوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ ارادہ کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں استدعا کروں کہ خط ذرا لمبا لکھا کیجیے مگر مَیں خود لمبا خط لکھنے سے گھبراتا ہُوں۔ پھر

میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو لمبا خط لکھنے کی زحمت دُوں یہ ایک قسم کی روحانی خودغرضی ہو گی جس کا ارتکاب میرے نزدیک گناہ ہے۔ آپ کی ملاقات کے لیے دِل تڑپ رہا ہے۔ خدا جلد کوئی سامان پیدا کرے۔ کیا آپ دربار کے موقع پر دہلی تشریف لائیں گے؟

زمیندار میں یہ پڑھ کر نہایت افسوس ہُوا کہ 'اُردو شاہنامہ' تلف ہوگیا۔ جو شعر اس میں شائع ہوئے ہیں، وہ بڑے زور کے ہیں۔

ع رگِ موج سے خون جاری کریں

اِس مصرع پر تو فردوسی اور نظامی بھی رشک کرتے!

ہاشم طال عمرہٗ کو میری طرف سے بہت بہت پیار کیجیے۔ میری رُوح کو اس نام سے ایک خاص تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کرے اور دین دُنیا میں اُسے بامُراد کرے! سکول کی خواندگی میں اس کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہو گا۔ مگر باوجُود اس کے کس قدر خوش نصیب لڑکا ہے کہ پیرانِ مشرق سے فیض کی نظر لے رہا ہے۔ یہی نظر صبغۃ اللہ ہے۔ وما احسن صبغۃ!

اب کوئی دِن جاتا ہے کہ پیرانِ مشرق دُنیا میں نہ رہیں گے اور آئندہ زمانے کے مسلمان بچے نہایت بدنصیب ہوں گے۔

میاں ہاشم! اب وقت ہے، اس کی قدر کرنا اور جو کچھ پیرِ مشرق سے لے سکتے ہوئے لینا۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اِس تربیت کے فیض سے زندگی بھر تمہاری رُوح لذت اُٹھائے گی۔

خادم

محمد اقبال، لاہور

(۲۶۵) ——— (۳)

لاہور
۱۶۔ جولائی ۱۴ء

مخدوم مکرّم حضرت قبلہ مولینا، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا جس کو پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی۔ حضرت! مَیں آپ کو اپنا پیر و مرشد تصوّر کرتا ہُوں۔ اگر کوئی شخص میری مذمّت کرے جس کا مقصد آپ کی مدح سرائی ہو تو مجھے اس کا مطلق رنج نہیں بلکہ خوشی ہے۔ جب آپ سے ملاقات اور خط وکتابت نہ تھی، اس وقت بھی میری ارادت وعقیدت ایسی ہی تھی جیسی اب ہے اور انشاء اللہ جب تک زندہ ہُوں، ایسی ہی رہے گی۔ اگر ساری دُنیا متفق اللسان ہو کر یہ کہے کہ اقبال پوچ گو ہے تو مجھے اس کا مطلق اثر نہ ہوگا کیونکہ شاعری سے میرا مقصد، بقول آپ کے، حصولِ دولت وجاہ نہیں محض اظہارِ عقیدت ہے۔

عام لوگ شاعرانہ انداز سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اُن کو کیا معلوم کہ کسی شاعر کی داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اگر داد دینے والا شاعر ہو، تو جس کو داد دینا مقصود ہو، اُس کے رنگ میں شعر لکھے یا بالفاظِ دیگر اس کا تتبع کرکے، اس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔ مَیں نے بھی اِس خیال سے چند اشعار آپ کے رنگ میں لکھے ہیں مگر عوام کے رجحان وبدمذاقی نے اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیا اور میرے اس فعل سے عجیب وغریب نتائج پیدا کر لیے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ عطا کرے۔ نقّاد کو جو خط آپ نے لکھا ہے: مَیں اُسے شوق سے پڑھوں گا۔ اگر وہ شائع ہو جائے، رسالہ کی کاپی بھیج دیجیے گا، میرے پاس نقّاد نہیں آتا۔

سبحان اللہ "غم بڑا مدرکِ حقائق ہے" زندگی کا سارا فلسفہ اس ذرا سے مصرع میں مخفی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور میں اب کے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ ابر روز آتا ہے مگر لاہور کی چار دیواری کے اندر اُسے برسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگست کے ابتدا میں چند روز کے لیے شملہ جانے کا قصد ہے کچہری تین اگست سے بند ہو جائے گی۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۲۶۶)————(۴)

لاہور

۱۷۔ دسمبر ۱۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

کل خط لکھ چکا ہوں، مگر آپ کے اس شعر کی داد دینا بھول گیا ؎

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

سبحان اللہ! کس قدر باریک اور گہرا شعر ہے۔ ہیگل جس کو جرمنی والے افلاطون سے بڑا فلسفی تصور کرتے ہیں، اور تخیل کے اعتبار سے حقیقت میں ہے بھی افلاطون سے بڑا، اس کا تمام فلسفہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ آپ نے ہیگل کے سمندر کو ایک قطرہ میں بند کر دیا یا یوں کہیے کہ ہیگل کا سمندر اس قطرے کی تفسیر ہے۔

ہیگل لکھتا ہے کہ اصولِ تناقض ہستیٔ محدود کی زندگی کا راز ہے، اور ہستیٔ مطلق

کی زندگی میں تمام قسم کے تناقض جو ہستیِ محدود کا خاصہ ہیں، گداختہ ہو کر آپس میں گھُل مِل جاتے ہیں۔

کیمبرج کی تاریخ ہندوستان کے لیے جو مضمون اُردو لٹریچر پر مجھے لکھنا ہے، اُس میں اس شعر کا ضرور ذکر کرونگا۔ اسی رنگ کے فلسفیانہ اشعار اور بھی لکھیے کہ خود بھی لذت اٹھاؤں اور اوروں کو بھی اس لذّت میں شریک کروں۔ آج مہاراجہ کشن پرشاد کا خط آیا تھا۔ معلُوم ہُوا کہ خواجہ نظامی حیدر آباد سے اورنگ آباد چلے گئے، خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی! مَیں بھی وہاں گیا تھا اور عالمگیر علیہ الرحمۃ کے مزارِ پاک پر حاضر ہُوا تھا۔ میرے بڑے بھائی بھی ساتھ تھے، کہنے لگے مَیں قنات کے اندر نہ جاؤں گا (مزار کے گرد قنات تھی) کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے۔ والسلام

مخلِص

محمد اقبال

(۲۶۷)——————(۵)

لاہور

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی، تسلیم!

آپ کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ مجھے اس بات سے تردد ہے کہ آپ کی علالت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتِ کامل عطا فرمائے۔ آپ کے خطُوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھُلتی ہے، اس واسطے مَیں ان خطُوط کو محفوظ رکھتا ہُوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت لوگوں

کو ان سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ واعظِ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے؛ ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینان (خاطر) روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، گو عملی حالت کے اعتبار سے بہت سست عنصر واقع ہوا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔

شیعوں کے متعلق آپ نے خوب لکھا۔ میرا مدت سے یہی خیال ہے۔ امامت کا مسئلہ سوسائٹی کو انتشار سے محفوظ رکھنے والا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ مذہبی حقائق کا معیار عقل ہو۔ مَیں نے کئی دفعہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صوفی بننے کی نسبت شیعہ ہو جانا ضروری ہے۔ اگر تقلید ضروری ہے تو اولادِ علی مرتضٰیؓ سے بڑھ کر اور کون امام ہوگا؛ البتہ امامت کے اصول میں ایک نقص ہے، اور وہ یہ کہ عوام کو مجتہدین سے تعلق رہتا ہے اور قرآن سے تعلق کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل کوئی تعلق نہیں رہتا۔ "مذہب بغیر قوت کے محض ایک فلسفہ ہے"۔ یہ نہایت صحیح مسئلہ ہے، اور حقیقت میں مثنوی لکھنے کے لیے یہی خیال محرک ہوا۔ مَیں گزشتہ دس سال سے اسی پیچ و تاب میں ہوں۔

انیس احمد کو میں جانتا ہوں۔ انہوں نے ایک رسالہ تعلیمِ قرآن پر بھی لکھا تھا۔ اچھا رسالہ تھا مگر بعض لوگ اُن پر بدظن ہیں۔ چند روز ہوئے لاہور میں بھی آئے تھے مجھ سے نہیں ملے۔ 'معراج الدین' کہاں سے دستیاب ہوتی ہے؟

قرآن کے متعلق عربی میں بعض نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر افسوس ہے کہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوتیں۔ جرمنی کے علماء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر جنگ کی وجہ سے وہاں سے نہیں آسکتیں۔ انشاء اللہ بعد از جنگ بہت سی کتابیں علومِ قرآنی کے متعلق وہاں سے منگواؤں گا۔ مدت ہوئی چند شعر فارسی کے لکھے تھے، عرض کرتا ہوں:

خوش آنکه رختِ خرد را به شعلهٔ مے سوخت
مثالِ لاله متاعے ز آتشے اندوخت
تو هم ز ساغرِ مے چهره را گلستاں کن
بهار خرقه فروشی به صوفیاں آموخت
دلم تپید ز محرومیٔ فقیهِ حرم
که پیرِ میکده جامے به فتویٔ نفروخت
مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمه تواں حاصلِ سکندر سوخت

فزوں قبیلهٔ آں پخته کار باد که گفت
چراغِ راهِ حیات است جلوهٔ امید
بیار باده که گردوں بکامِ ما گردید
مثالِ غنچه نواها ز شاخسار دمید
خورم به یادِ تنک نوشیٔ امامِ حرم
که جز بصحبتِ یارانِ رازداں نچشید
چناں ز نقشِ دوئی شستم لوحِ خاطرِ خویش
که وحشیِ تو هم از آهوئے خیال رمید
نوا ز حوصلهٔ دوستاں بلندتر است
غزل سرا شدم آنجا که هیچ کس نشنید

غالباً یہ اشعار آپ کے لیے نئے نہ ہوں گے کیونکہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید کچھ عرصہ ہُوا مَیں نے یہ اشعار آپ کی خدمت میں تحریر کیے تھے۔ خیریتِ مزاج سے مطلع فرمائیے۔

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۲۶۸)————(۶)

لاہور

۲۵۔ اکتوبر ۱۵ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامہ ملا۔ دونوں اشعار لاجواب ہیں:

فطرت کی زباں جس کو سمجھو

سبحان اللہ! یہ طرز اور معنی آفرینی خاص آپ کے لیے ہے، کوئی دوسرا یہاں مجالِ دم زدن نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شعر:

"—— جو کچھ قسمت بھی ہوتی"

کئی دفعہ پڑھ چکا ہُوں۔ اس کا لُطف کم ہونے میں نہیں آتا۔

کبھی موقع ہوتا ہے تو دل کا دُکھڑا آپ کے پاس روتا ہُوں۔ یہاں لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکرِ مناصب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہوگیا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صُوفیا کی دُکانیں

ہیں مگر وہاں سیرتِ اسلامی کی متاع نہیں رہتی۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخرکار صوفیا غالب آ گئے یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں، وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہردلعزیز نہیں ہوسکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولینا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کرسکتا ہوں! صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کردوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۲۶۹)————(۷)

لاہور

۲۷۔ جنوری ۱۶ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

انشاء اللہ اختلافِ رائے کا اثر پرائیویٹ تعلقات پر نہ ہوگا۔ میں نے تو

صرف ایک دو خط شائع کئے تھے، اور وہ بھی اس وقت جب خواجہ حسن نظامی نے خود مضامین لکھے اور اپنے احباب سے لکھوائے۔ اُن مضامین کی مجھے کوئی شکایت نہیں۔ شکوہ صرف اس امر کا تھا کہ پرائیویٹ خطوں میں تو وہ مجھے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں کہ تمہاری نیت پر کوئی حملہ نہیں، لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں۔ مَیں نے خود خواجہ حسن نظامی سے اس امر کی شکایت کی تھی اور نہایت صاف باطنی کے ساتھ لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ ناانصافی نہ کریں، علمی بحث ہونی چاہیے۔ حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کو قائل کرنا اور راہِ راست پر لانا۔

بہرحال، وہ معذور ہیں۔ وہ صوفی ضرور ہیں مگر تصوّف کی تاریخ و ادبیات و علوم القرآن سے مطلق واقفیت نہیں رکھتے۔ اس واسطے مجھے اِن کے مضامین کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔

علّامہ ابن جوزیؒ نے جو کچھ تصوّف پر لکھا ہے، اس کو شائع کر دینے کا قصد ہے۔ اس کے ساتھ تصوّف کی تاریخ پر ایک مفصّل دیباچہ لکھوں گا۔ انشاءاللہ اس کا مسالا جمع کر لیا ہے۔ منصور حلاج کا رسالہ "کتاب الطواسین" فرانس میں مع نہایت مفید حواشی کے شائع ہو گیا ہے۔ دیباچے میں اس کتاب کو استعمال کروں گا۔ فرانسیسی مستشرق نے نہایت عمدہ حواشی دیے ہیں۔ رہبانیت کے متعلق جو آیہ شریفہ آپ کے خیال میں ہو، ضرور لکھیے۔

ع وائے بر ہستی اگر مقصود ہستی ہو چکا

نہایت خوب ہے۔ سیدھے، آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہے۔ عبدالماجد صاحب نے جو شعر آپ کا پسند کیا، نہایت خوب ہے۔ مَیں نے بھی

اسی مضمون کا ایک شعر لکھا تھا:

گُل تبسّم کہہ رہا تھا زندگانی کو، مگر
شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

خادم

محمدؐ اقبال

(۸)————(۲۷۰)

لاہور
۴۔فروری ۱۹۱۶ء

مخدوم و مکرّم حضرت مولانا، السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ مَیں تصوّف کی تاریخ پر ایک مبسُوط مضمون لکھ رہا ہُوں جو ممکن ہے ایک کتاب بن جائے۔چونکہ خواجہ حسن نظامی نے عام طور پر اخباروں میں میری نسبت یہ مشہور کر دیا ہے کہ مَیں صوفیائے کرام سے بدظن ہُوں، اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف اور واضح کرنی ضروری ہے ورنہ اس طویل مضمون کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

چونکہ مَیں نے خواجہ حافظ پر اعتراض کیا ہے، اس واسطے اُن کا خیال ہے مَیں تحریکِ تصوّف کو دُنیا سے مٹانا چاہتا ہُوں۔ 'سِرِ اسرارِ خودی' کے عنوان سے انہوں نے ایک مضمون 'خطیب' میں لکھا ہے جو آپ کی نظر سے گزرا ہو گا۔ جو پانچ وجوہ انہوں نے مثنوی سے اختلاف کرنے کے لکھے ہیں، انہیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ تصوّف سے فارغ ہو لوں تو تقویۃ الایمان کی طرف توجہ کروں۔ فی الحال جو فرصت

ملتی ہے، وہ اسی مضمون کی نذر ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ ضروری کتب لاہور کے کتب خانوں میں نہیں ملتیں۔ جہاں تک ہو سکا، مَیں نے تلاش کی ہے، اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اس مضمون کو پڑھ کر خوش ہوں گے۔ منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین تمام فرانس میں شائع ہو گیا ہے، وہ بھی منگوایا ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ فی الحال مثنوی کا دوسرا حصہ بھی ملتوی ہے۔ مگر اس میں عالمگیر اورنگ زیبؒ کے متعلق جو اشعار لکھے ہیں، اُن میں سے ایک عرض کرتا ہُوں:

درمیانِ کارزارِ کُفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

آپ کا قطعہ "حضرت اقبال اور خواجہ حسن" بہت خوب رہا۔ صرف ایک بات ہے کہ خواجہ صاحب کو تو کبھی رقص اور سُکر نصیب ہوتا ہو گا، مَیں اس نعمت سے محروم ہُوں۔ والسلام

آپ کا خادم
محمدؐ اقبال

(۱۷۲) ———— (۹)

لاہور
۱۱-جون ۱۸ء

مخدومی، تسلیمات!

کل ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہُوں۔ آج اور کل دو اور خط آپ کے موصُول ہوئے۔ مَیں نے خواجہ حافظؒ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ اُن کے دیوان سے

مے کشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظؒ پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر ہے۔ اپنے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا، اس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے خواجہ حافظؒ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا نہ اُن کی شخصیت سے، نہ اُن اشعار میں 'مے' سے مراد وہ 'مے' ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں، بلکہ اس سے وہ حالتِ سُکر Narcotic مراد ہے جو حافظؒ کے کلام سے بحیثیتِ مجموعی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ حافظؒ ولی اور عارف تصور کیے گئے ہیں، اس واسطے اُن کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل ہی نظر انداز کر دی ہے اور میرے ریمارک تصوف اور ولایت پر حملہ کے مترادف سمجھے گئے۔

خواجہ حسن نظامی نے ایسا سمجھ کر اخباروں میں لکھا، اس واسطے مجھے مجبوراً تصوف پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا۔

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کون سا تصوف میرے نزدیک قابلِ اعتراض ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ نئی بات نہیں۔ حضرت علاء الدولہ سمنانیؒ لکھ چکے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ لکھ چکے ہیں۔ میں نے تو محی الدین اور منصور حلاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانیؒ اور جنیدؒ نے ان دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ ہاں، ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔ اگر اسی کا نام مادیت ہے تو قسم بخدائے لایزال! مجھ سے بڑھ کر مادہ پرست دُنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ معاف کیجیے گا، مجھے آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا ہے (ممکن ہے غلطی پر

ہوں) کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظؒ کے متعلق لکھے گئے تھے۔ باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش! آپ کو ان کے پڑھنے کی فرصت مِل جاتی کہ آپ ایک مُسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔

عجمی تصوّف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اِسلامی تصوف دِل میں قوّت پیدا کرتا ہے، اور اس قوّت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔

میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالکِ اسلامیہ میں قابلِ اصلاح ہے۔ Pessimistic Literature کبھی زندہ نہیں رہ سکا۔ قوم کی زندگی کے لیے اس کا اور اس کے لٹریچر کا Optimistic ہونا ضروری ہے۔ اسرارِ خودی میں حافظؒ پر جو کُچھ لکھا گیا ہے، اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں جن کا عنوان یہ ہے:

"درحقیقتِ شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ"

اِن اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائے گا۔

امّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

پنڈت کشوری لعل سے بہت عرصہ ہُوا ملاقات ہوئی تھی۔ معلُوم نہیں وہ آج کل کہاں ہیں۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہو گا، مگر خدارا آج کل صرف کعبہ ہی بتائیے ورنہ مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس وقت اسلام کا دُشمن سائنس نہیں (جیسا کہ بعض لوگ نادانی سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کی پوزیشن

سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے) مگر اس کا دشمن یورپ کا Territorial Nationalism ہے جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اُکسایا ، مصر میں "مصر، مصریوں کے لیے" کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو Pan Ind-ian Democracy کا بے معنی خواب دکھایا۔ آپ تو گروہ بندی پر بڑا زور دیتے ہیں بلکہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے "مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط" گو مجھے اس مصرع سے اتفاق نہیں تاہم مذہبِ اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مذہب کا مقصد صرف گروہ بندی ہے اور کچھ نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا مصرع سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کے قلم و زبان سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہے! آپ کے نزدیک تو کعبہ کے سوا کوئی اور مقام نہ ہونا چاہیے۔ یہی میرا بھی مذہب ہے۔

خیریت مزاج سے آگاہ کیجیے۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۱۰)————(۲۷۲)

لاہور

۲۰- جولائی ۱۸ء

مخدومی! نوازش نامہ کل ملا تھا۔ اس سے پیشتر ایک پوسٹ کارڈ بھی ملا تھا۔ آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں بلکہ میری

بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔ مَیں نے کسی گزشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لیے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجیے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔

ع آں چناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو

اور اسرارِ خودی میں کوئی تناقض نہیں۔

یہ بات تو میں نے پہلے حصّہ میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پہ بیان کی ہے:

اندکے اندر حرائے دِل نشیں
ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزّائے ہوس را سر شکن
ہر کہ در اقلیم لَا آباد شُد
فارغ از بندِ زن و اولاد شُد

(اسرارِ خودی)

مَیں اس خودی کا حامی ہُوں جو سچّی بے خودی سے پیدا ہوتی ہے یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت اِلی الحق کرنے کا، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔

بندۂ حق پیشِ مولا لاستے
پیشِ باطل از نعم برجاستے

دوسرے حصّے میں عالمگیرؒ کی ایک حکایت ہے۔ اس میں یہ شعر ہے:

؎ ایں چنیں دِل خود نما و خود شکن

دارد اندر سینۂ مومن وطن

مگر ایک اور بے خودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک وہ جو Lyric Poetry کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔

(۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے ، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔

پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رُجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوّف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتہ عجمی تصوّف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظؒ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے، اُن کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیاتِ قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں، زیرِ نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیاتِ دُنیا بیشک لہو و لعب ہے۔ میں نے بھی پہلے حصّہ میں (اسرارِ خودی) یہی لکھا ہے :

در قبائے خسروی درویش زی

دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

پھر دوسرے حصے میں ہے جس میں حضرت عمرؓ کا ایک قول منظوم کیا ہے:

راہ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی، آزاد میر
سبحہ اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا شمار
از تَعِش حُرًّا شوی سرمایہ دار

غرض یہ کہ سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع ہیں اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے۔ جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے وہ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا میں داخل ہے۔ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔ مسلمان کی تعریف پہلے حصے میں یوں کی گئی ہے (اسرارِ خودی):

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبعِ مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نباشد کافر است
تابعِ حق دیدنش، نادیدنش
خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش
در رضایش مرضیٔ حق گم شود
ایں سخن کے باورِ مردم شود

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے۔ عنایت کیا رحم کیجیے اور اسرارِ خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے

پتھر سے زخم آیا اور اُس کی تکلیف سے اُس نے آہ و فریاد کی، اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے ۔ والسّلام

مخلِص

محمّد اقبال

(۲۷۳) ——————— (۱۱)

لاہور

۲۵۔جولائی ۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم!

والا نامہ کل ملا تھا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ گرمی کی یہاں بھی شدّت ہے۔ برسات اب کے خالی جاتی معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا اور میرا قصد بھی فاتحہ جناب امیرؒ میں شریک ہونے کا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ میری بیوی کچھ عرصہ سے بیمار ہے اور ابھی تک رُو بصحت کامل طور پر نہیں ہوئیں۔ خواجہ صاحب کو بھی مَیں نے یہی لکھا تھا کہ وہ اچھی ہو گئیں تو حاضر ہوں گا۔ اگر اب نہ جا سکا تو تعطیلوں میں انشاءاللہ دہلی جانے کا قصد ہے کہ ایک مدت سے آستانۂ حضرت محبوب الٰہیؒ پر حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ ان گرما کی تعطیلوں میں اللہ اس ارادے کو پُورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے! خواجہ حسن نظامی سے دلی محبّت ہے جس پر اختلافِ خیال قطعاً کوئی اثر نہیں کر سکتا۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اختلاف بھی کم از کم میرے علم اور سمجھ کے مطابق کوئی ایسا اختلاف نہیں۔ وہ کچھ عرصہ ہُوا

یہاں تشریف لائے تھے۔ مَیں نے اصرار کیا کہ وہ ایک روز قیام فرمائیں لیکن وہ ٹھہر نہ سکتے تھے۔ زبانی باتیں ہوتیں تو بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جاتیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہو، اُس سے اُس محبت میں کمی واقع نہیں ہو سکتی جو مجھُ کو اُن سے ہے۔ وہ ایک نہایت محبُوب آدمی ہیں۔ ان کو جان کر اُن سے محبت نہ رکھنا ممکن نہیں۔

ع غم بڑا مدرکِ حقائق ہے

اِس مصرع کی پہلے بھی داد دے چُکا ہُوں۔ آپ کے اکثر اشعار میں حقائقِ حیات اس سادگی اور بے تکلفی سے منظوم ہوتے ہیں کہ شیکسپیئر اور مولٰنا روم یاد آجاتے ہیں۔ آپ کے اِس شعر "جہاں ہستی ہوئی محدود الخ" پر ریویو کرتے ہوئے مَیں نے کسی انگریزی فلسفے کا حوالہ دے کر کہا تھا کہ خیالات و افکار بھی آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کل مثنوی مولٰنا روم دیکھ رہا تھا کہ یہ شعر نظر پڑا ؎

ہر خیالے را خیالے مے خورد
فکر ہم بر فکرِ دیگر مے چرد

سبحان اللہ! ایک خاص باب میں اُنہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے سوا ہر ہستی آکل و ماکول ہے اور اس ضمن میں شوپن ہار (فلاسفر جرمنی) کے فلسفے کو اس خوبی سے نظم کر گئے ہیں کہ خود شوپن ہار کی روح پھڑک گئی ہو گی۔

کل شام ایک محفل میں آپ کے شعر ؎

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جس کے ساتھ ہے الخ

پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اگرچہ یہ شعر مشاعرے میں پڑھا نہیں گیا، تاہم تمام

شہر میں مشہور ہے۔

بن خاکِ راہ ناچ لیا کر ہوا کے ساتھ

پر آج گفتگو رہے گی۔ یہ شعر بھی حقائق سے خالی نہیں۔ ایک فارسی رباعی ہو گئی تھی، عرض کرتا ہوں:

گل گفت کہ عیشِ نو بہارے خوشتر
یک صبح چمن ز روزگارے خوشتر
زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
مُردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

زیادہ التماسِ دعا!

مخلص
محمد اقبال

(۲۷۴)————(۱۲)

سیالکوٹ
۱۲۔ اگست ۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم! والا نامہ لاہور سے ہوتا ہُوا ملا۔
الحمد للہ کہ جناب کا مزاج بخیر ہے۔ واقعی آپ نے سچ فرمایا کہ ہزار کتب خانہ ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف۔ اسی واسطے تو جب کبھی موقع ملتا ہے، اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہُوں اور پہاڑ پر جانے کی بجائے اُن کی گرمیٔ صحبت سے مستفید ہوتا ہُوں۔

پرسوں شام کھانا کھا رہے تھے اور کسی عزیز کا ذکر کر رہے تھے جس کا

حال ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ دورانِ گفتگو میں کہنے لگے: "معلوم نہیں، بندہ اپنے رب سے کب کا بچھڑا ہُوا ہے۔" اِس خیال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریباً بیہوش ہو گئے اور رات دس گیارہ بجے تک یہی کیفیت رہی۔ یہ خاموش لیکچر ہیں جو پیرانِ مشرق سے ہی مل سکتے ہیں۔ یورپ کی درسگاہوں میں ان کا نشان نہیں۔ اگست کے آخر تک انشاء اللہ یہیں قیام رہے گا۔

تہذیبِ نسواں یا صحیح معنوں میں تخریبِ نسواں نے اگر کچھ لکھا ہے تو اس کا بہترین جواب خاموشی ہے، تردید کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ پرچہ قدیم اسلامی شعار کو بہ نگاہِ حقارت دیکھتا ہے، گو ابھی صاف صاف لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مَیں نے سُنا ہے سیّد عبد الرؤف لاہور تشریف لائے تھے اور چیف جج صاحب سے بھی ملے تھے۔ گورنمنٹ میں نام ضرور پیش ہے اور بعض حکام مائل بھی ہیں مگر مجھے باوجود ان سب باتوں کے اُمّید نہیں۔ اسی واسطے اس موقع پر مَیں کسی سے نہیں مِلا اور میرے بعض احباب مجھ سے ناراض ہیں کہ شملہ جانے کی جگہ سیالکوٹ آ گیا ہُوں۔ مگر مَیں اُن احباب کو معذور جانتا ہُوں کہ وہ میری قلبی کیفیات سے آگاہ نہیں ہیں۔ بہر حال، جو کچھ عِلمِ الٰہی میں ہے، ہو جائے اور وہی انسب و اولیٰ ہو گا۔

باقی، خُدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے، خیریت سے آگاہ کیجیے۔ کل شام سے طبیعت نہایت مشتعل ہے۔ وکیل اخبار لکھتا ہے کہ کسی انگریزی اخبار نے مدینہ منورہ کی بہت توہین کی ہے۔ کمزوروں کے پاس سوائے بددُعا کے اور کیا ہے!

والدِ مکرم سلامِ شوق عرض کرتے ہیں۔

مخلص
محمّد اقبال

(۲۷۵)————(۱۳)

لاہور
۱۴۔ ستمبر ۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ ابھی ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ابھی تو مسلمانوں کو اور اُن کے لٹریچر کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے!

مَیں ۹۔ ستمبر کو لاہور واپس آ گیا تھا مگر تُرشی کے زیادہ استعمال سے دانت میں سخت درد ہو گیا۔ جس نے کئی روز تک بے قرار رکھا۔ اب خدا کے فضل سے بالکل اچھا ہُوں۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی) کے اگست کے نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک ریویو دونوں مثنویوں پر لکھا ہے۔ نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اگر اس ریویو کی کوئی کاپی مل گئی تو ارسالِ خدمت کروں گا۔ آج زمانہ میں ایک ریویو نظر سے گزرا۔ 'زمانے' کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے جنکو کئی دفعہ پڑھا ہے' اور ابھی کئی بار پڑھوں گا۔ بالخصوص اِس شعر نے

جب عِلم ہی عاشقِ دُنیا ہُوا، الخ

بہت اثر دِل پر کیا۔ مگر اس شعر کو

یہ صلحِ کُل فقیری، فقرہ یا شاہی لطیفہ ہے

آپ کے اشعار میں دیکھ کر بہت تعجب ہُوا۔ یہ کس کا شعر ہے؟ شاہی لطیفہ کی داد دینا میرے قلم کے امکان سے باہر ہے۔

ایک نہایت مخلص نوجوان یہاں لاہور میں ہے، تاجرِ کُتب ہے اور مجھ

سے کہتا ہے کہ شکوہ اور جوابِ شکوہ کو پھر شائع کرنا چاہیے مگر مولینا اکبر دیباچہ لکھیں۔ میں نے آپ کی طرف سے ہر چند عذر کیا مگر وہ مُصر ہے۔ آخر میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ مولینا کی خدمت میں عرض کر دوں گا۔ ایسی فرمائش کرتے ہوئے حجاب آتا ہے کہ مجھے آپ کے ضعف و ناتوانی کا حال معلوم ہے۔ تاہم اگر کسی روز طبیعت شگفتہ ہو اور آلام و افکار کا احساس شگفتگیٔ طبع سے کم ہو گیا ہو تو دس پندرہ سطور اس کی خاطر لکھ ڈالیے۔ یہ لڑکا آپ کا غائبانہ مرید ہے۔

کلکتہ کے فساد کے حالات اخبار میں پڑھے تھے، آج مزید حالات پڑھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے اور اُن کے لیڈروں کو آنکھیں عطا فرمائے کہ وہ اِس زمانے کے میلانِ طبیعت کو دیکھیں۔ مجھے بھی کلکتہ سے بُلاوا آیا تھا اور میں جانے کو قریباً تیّار بھی تھا، مگر جب مطبوعہ خط کا مضمون والدِ مکرّم کو سنایا تو اُنھوں نے فرمایا کہ حُکّام غالباً یہ جلسہ بند کر دیں گے۔ بعد میں ایسا ہی ہُوا ۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

مخلص
محمد اقبال

(۱۴) ——— (۲۷۶)

لاہور
۲۸- اکتوبر ۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم!

نوازش نامہ دو تین روز ہوئے موصول ہُوا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ لاہور

میں وبائے انفلوئنزا کی بہت شدت ہے یہاں تک کہ گورکن میسّر نہیں آتے۔ دوا سے بھی اس مرض کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے، دُوسرا دوا موجُود نہیں، اور ڈاکٹر خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے! پنجاب میں اس وقت اس کا حملہ نہایت شدید ہے۔ لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہیں، اور ابھی کمی کے کوئی آثار نہیں۔ امرت سر میں بھی یہی کیفیت ہے۔ اُمیّد کہ الہ آباد میں خیریّت ہوگی۔ مسلمانوں پر خصوصیّت سے زیادہ نظرِ عنایت ہے۔ دُعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔

'زمانہ' میں ریویو دیکھا تھا۔ خیر، اچھا ریویو تھا، مگر آپ کی شاعری پر ریویو لکھنے کا حق آج تک کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکا۔ 'زمانے' نے جو اشعار اِنتخاب کیے، وہ دو چار روز ہوئے بار روم میں مزے لے لے کر پڑھے گئے۔ وقت کی مصلحت نہیں، ورنہ آپ کے اشعار پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا اور زندگی رہی تو انشاء اللہ کچھ ضرور لکھوں گا۔

مطلع آپ کا لاجواب ہے:

کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

سُبحان اللہ والیہ المصیر!

معارف میں کسی ہندو شاعر کا شعر نظر سے گزرا ؎

بسکہ از شرمِ تو در پرواز رنگِ گلشن است
رشتۂ نظّارہ بندد در ہوا گلدستہ را

اور کچھ عرصہ ہُوا اخبار 'الخلیل' میں کسی نے ایک نہایت عمدہ شعر لکھا تھا ؎

شب چو اندازِ ہم آغوشیِ او یاد کنم
خویش را تنگ بہ بر گیرم و فریاد کنم

للہ در من قال!

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۷۷)――――――(۱۵)

لاہور
۲۸۔ نومبر ۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم!

نوازش نامہ مل گیا، اور اس سے پیشتر بھی ایک خط ملا تھا۔ جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی جس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ آج کل معمول سے زیادہ مصروفیت ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر فلسفہ ڈاکٹر بیگ، چیچک کی بیماری سے دفعتاً انتقال کر گئے اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے اصرار پر دو ماہ کے لیے کالج کے ایم، اے کی جماعت مجھ کو لینی پڑی۔ اُمّید ہے دو ماہ تک نیا پروفیسر مل جائے گا۔ یہ لڑکے شام کو ہر روز میرے مکان پر آجاتے ہیں۔ دن میں جو تھوڑی بہت فرصت ملتی ہے، اس میں اُن کے لیکچر کے لیے کُتب دیکھتا ہوں۔ لیکچر کیا ہیں، انسان کی ذہنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے جسے عرفِ عام میں تاریخِ فلسفہ کہتے ہیں۔ ابھی کل شام ہی میں اُن کو آپ کا یہ شعر سُنا رہا تھا ۔

مَیں طاقتِ ذہن غیر محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی
کہ ہوش مجھ کو ملا ہے تُل کر نظر بھی مجھ کو ملی ہے نپ کے

سُبحان اللہ ! کیا خُوب کہا ہے۔ جزاک اللہ !

بہرحال، ان لیکچروں کے بہانے سے ان لڑکوں کے کان میں کوئی نہ کوئی مذہبی نکتہ ڈالنے کا موقع مِل جاتا ہے۔

ع جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

مَیں آپ کا مقصود خُوب سمجھتا ہُوں۔ سیدھے سادے الفاظ میں حقائق بیان کر دینا آپ کا خاص حصّہ ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آپ کی رباعی: اور شکریہ یہ ہے کہ موت آجاتی ہے
بہت عرصہ سے مَیں نے نوٹ کر رکھی ہے۔

بہت عرصہ سے کوئی شعر نہیں لکھا۔ مثنوی کا تیسرا حصّہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہُوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں جو دو یا تین ماہ ہُوئے، لکھے تھے۔ عرض کرتا ہوں :

ے در جہاں مانندِ جُوئے کوہسار
از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیل بے زنہار خیز
فارغ از پست و بلندِ راہ شو

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریّت ہے۔ بال بچّے سب یہیں ہیں، اور الحمد للہ خیریّت سے ہیں۔ آج ۲۸۔ نومبر ہے۔ فتح کی خوشی میں بہت بڑا جلسہ ہونے والا ہے۔ شاید شام کو میں بھی اس جلسے میں جاؤں۔ والسّلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا

مخلص
محمد اقبال، لاہور

(۲۷۸) ——— (۱۶)

لاہور
۲۰۔ اپریل ۱۹۱۹ئ

مخدومی، السلام علیکم!

والا نامہ مل گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور خط آپ کا ملا۔ اس وقت تک خُدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ اُمید کہ آنجناب بخیر و عافیت ہوں گے۔ لاہور کے حالات آپ نے اخباروں میں دیکھ لیے ہوں گے۔ گاندھی صاحب کا خاموش مقابلہ یہاں تک رنگ لایا ہے کہ حکّام لاہور اور پنجاب کے دیگر مقامات میں مارشل لا (آئینِ عسکری) کے اجراء پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے، عجب زمانہ آرہا ہے!

زجہا گذشتہ باشی بجہا رسیدہ باشی

ٹھیک ہے۔ جو شخص

زجہاں گذشتہ باشی بجہاں رسیدہ باشی

پڑھتا ہے، وہ زبان اور شعر، دونوں کے ذوق سے معرّا ہے۔

آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر یہ زمانہ گھر سے باہر نکلنے کا نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس مُلک کے لوگوں کی حالت پر رحم کرے!

مومن کو چاہیے کہ خدا ہی کا ہو رہے۔ چند روز ہوتے ایک مصرع ذہن میں آیا تھا، دوسرا مصرع نہیں ہو سکا۔

ع   ایں سرِ خلیل است بآذر نتواں گفت

غور فرمائیے، کچھ ذہن میں آئے تو مطلع کیجیے۔ خواجہ صاحب کا خط؎ آیا ہے، وہ

خیریت سے ہیں۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

نوٹ: اس لفافہ پر Passed by censor کی سلپ لگی ہوئی ہے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام

(۲۷۹) ——————— (۱)

لاہور
۲۷ ستمبر ۳۶ء

مخدومی جناب مولٰینا! نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کا خط مع تجویز ملا تھا۔ مگر مَیں علالت کے باعِث جلد جواب نہ لکھ سکا۔ پہلے سے اچھا ہُوں مگر افسوس کہ ابھی سفر کے لائق نہیں۔ خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ ہو۔ رات بھر ریل میں سفر کرنے سے قبض ہو جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے، اور یہ سلسلہ کئی کئی دِن رہتا ہے۔ بہر حال، اگر اُردو کانفرنس کی تاریخوں تک مَیں سفر کرنے کے قابل ہو گیا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا، لیکن اگر حاضر نہ بھی ہو سکا تو یقین جانیے کہ اس اہم معاملے میں کلیّۃً آپ کے ساتھ ہُوں۔ اگرچہ مَیں اُردو زبان کی بحیثیتِ زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کی تجویز میں اختلاف کی کوئی زیادہ گنجائش نہیں۔ میرے خیال میں صرف

دو باتیں زیرِ بحث آئیں گی:

اوّل یہ کہ فنڈ کہاں سے آئے گا۔ عام مُسلمانوں کی حالت اِقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے۔ امراء توجّہ کریں تو کام بن سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ اکثر مسلمان امراء مقروض ہیں!

دوم یہ کہ صدر انجمن کا مستقر کہاں ہو۔ میرے خیال میں اُس کا مستقر لاہور ہونا چاہیے اور اس کے لیے ایک سے زیادہ وجوہ ہیں:

(۱) مُسلمانوں کو اپنے تحفّظ کے لیے جو لڑائیاں آئندہ لڑنا پڑیں گی ان کا میدان پنجاب ہوگا۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دِقّتیں پیش آئیں گی کیونکہ اسلامی زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آئندہ رزمگاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے!

(۲) آپ انجمن اُردو سے متعلق ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی کامیابی بھی لاہور ہی میں ہو سکتی ہے کیونکہ ایک بڑا پبلشنگ سنٹر ہے اور بہت سا طباعت کا کام مُسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ انگریزی پبلشنگ کی طرف بھی یہاں کے مُسلمان توجہ کر رہے ہیں۔

(۳) یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادّہ زیادہ ہے۔ سادہ دل صحرائیوں کی طرح ان میں ہر قسم کی باتیں سُننے اور اُن سے متاثر ہو کر ان پر عمل کرنے کی صلاحیّت اور مقامات سے بڑھ کر ہے۔ ایک معمُولی جلسے کے لیے آٹھ دس ہزار مسلمانوں کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، بلکہ بیس بیس ہزار کا مجمع بھی غیر معمُولی نہیں۔ یہ بات پنجاب کے ہندوؤں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

باقی رہا آپ کے خط کا آخری فقرہ، سو مَیں اس کے لیے آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ انسان جب تک زندہ ہے افکار و تردّدات لازمۂ حیات ہیں۔ ع

مرتا ہُوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

معنوی اعتبار سے تو مدّت ہوئی مَیں نے اسے آپ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب ظاہری اعتبار سے بھی چھوڑتا ہُوں کیونکہ آپ ایک صاحبِ عزم آدمی ہیں اور یہ بات مجُھے مدّت سے معلُوم ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمیّد کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ والسلام

مخلِص

محمد اقبال

(۲۸۰)————————(۲)

لاہور

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مخدومی مولٰینا! مَیں تو علی گڑھ حاضر ہونے کا مصمّم ارادہ رکھتا تھا مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہُوا۔ اس بنا پر بقیۂ علاج کے لیے بھوپال بھی نہیں جا سکا۔ علیٰ ہٰذا القیاس فلسطین کانفرنس کی صدارت سے بھی اسی بنا پر انکار کرنے پر مجبُور ہُوا حالانکہ مسئلۂ فلسطین سے مجُھے بے حد دلچسپی ہے۔

آپ کی تحریک سے مُسلمانوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ بہت سے اعتبار سے یہ تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سر سیّد رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۸۱)——————(۳)

لاہور
۲۸۔اپریل ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب!

آپ کا والا نامہ بمع رُوداد اور اغراض و مقاصدِ انجمن ملا۔ مجھ کو ان اغراض و مقاصد سے پورا اتفاق ہے۔ نیز انجمن کی رجسٹری کرانا بھی منظور ہے۔

اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے آپ کا دلّی میں نقلِ مکان کرنا بہت ضروری ہے۔ معلوم نہیں آپ کے حالات ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کر سکتا! لیکن افسوس کہ ایک تو علالت پیچھا نہیں چھوڑتی، دُوسرے بچّوں کی خبر گیری اور اُن کی تعلیم و تربیت کے فکر اَفکار دامنگیر ہیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(۲۸۲)——————(۴)

لاہور
۲۳۔اگست ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولانا!

مسعُود مرحوم کا اخلاص، اس کی دردمندی اور اس کا اخلاق جس میں اس کے باپ اور دادا، دونوں کی جھلک نظر آتی تھی، اب ہندوستان میں یہ باتیں کہاں نظر آئیں گی!

جس روز مرحوم کی ناگہانی موت کی خبر لاہور پہنچی ہے، مَیں نے اسی روز چند اشعار لکھے۔ تھے جو ارسال خدمت کرتا ہُوں، مگر یہ اشعار مرثیہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ مرثیہ لکھنا مجھے آتا بھی نہیں۔ میرے لیے مرحوم کا غم محض ایک محرّک ہے اُس یقین کی آرزو اور تلاش کا کہ مرحوم باوجود ہم سے جُدا ہونے کے مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ آنسو بہانا ایک فطری امر ہے مگر میرا غم اسی یقین سے ہلکا ہوتا ہے۔ گزشتہ چالیس سال سے میرے قلب کی یہی کیفیت چلی آتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مرحُوم کے متعلق مَیں آپ کو کچھ دنوں بعد ایک اور خط لکھوں گا۔ فی الحال اس خط کی رسید سے مطّلع کر دیجیے تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ اشعار مرسلہ آپ تک پہنچ گئے ہیں۔ سر اکبر حیدری سے ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیجیے۔ اخبارات میں دیکھا ہے کہ وہ ولایت سے واپس آگئے ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

مجھے ضعفِ بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے۔ نظم کا ان سے دوسرا بند الٹا لکھا گیا ہے۔ معاف فرمائیے!

(۲۸۳)———(۵)

لاہور
۹۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب!

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہُوں۔

اُردو زبان کے تحفظ کے لیے جو کوششیں آپ کر رہے ہے، ان کے لیے مسلمانوں کی آئندہ نسلیں آپ کی شکر گزار رہوں گی۔ مگر آپ سے زیادہ اس بات کو کون سمجھ سکتا ہے کہ زبان کے بارے میں سرکاری امداد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشوونما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات وجذبات کے ادا کر سکنے پر ان کی بقا کا انحصار ہے۔ آپ کی کوششوں کا مرکز وہی پروگرام ہونا چاہیے جو آپ علی گڑھ میں وضع کر چکے ہیں۔ کبھی کبھی پنجاب کا دورہ بھی لازم ہے۔

آپ کو یاد ہو گا کسی گزشتہ خط میں آپ نے مجھے لکھا تھا کہ مجھے اپنے دنیاوی افکار سے مضطرب نہ ہونا چاہیے بلکہ اس اضطراب کو اپنے احباب کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ کیا اس معاملے میں آپ نے کوئی عملی اقدام کیا؟ اگر اب تک نہیں کیا تو مَیں سمجھتا ہُوں کہ اس وقت موقع ہے کیونکہ سر اکبر حیدری نے اپنے گزشتہ خطوں میں اُمید دلائی ہے یا ایسے اشارات کیے ہیں جن سے اُمید بندھتی ہے۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۲۸۴)―――――――(۶)

۷۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولٰنا!

سلام مسنون۔

مَیں نے سُنا ہے لیگ کی طرف سے آپ کو بھی لکھنؤ آنے کی دعوت دی۔

گئی ہے۔ براہِ عنایت اس سفر کی زحمت ضرور گوارا فرمائیے۔ اُردو کے متعلق اگر لیگ کے کھلے سیشن میں کوئی مناسب قرارداد منظور ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اثر بہت اچھا ہو گا۔

تھوڑا عرصہ ہوا میں نے آپ کی خدمت میں ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا۔ رسید تو اس کی واپس آگئی تھی لیکن خط کے جواب کا ابھی تک منتظر ہوں۔

اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۸۵)————(۷)

لاہور

۲۳۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولنا! مزاج شریف

السلام علیکم۔ الہ آباد یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری آپ کو مبارک ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی نے آپ کی قدر شناسی کر کے اہلِ ہنر کی نگاہوں میں خود کو مستحق مبارک باد کر لیا ہے۔ اس واسطے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے میں الہ آباد یونیورسٹی کو بھی ان کی نکتہ شناسی پر مبارک باد دیتا ہوں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۸۶)————(۸)

جاوید منزل، لاہور
۱۵۔ مارچ ۱۹۳۸ء

ڈیئر مولوی صاحب!

سلام مسنون۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ سارٹن کی انگریزی کتاب "مقدمۂ تاریخِ سائنس" کا ترجمہ نیازی صاحب آپ کے لیے اُردو میں کر رہے ہیں۔ مَیں نے ترجمہ کا ایک حصّہ خود بھی دیکھا ہے۔ نصف سے زیادہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ چونکہ گزشتہ پانچ چار برس سے نیازی صاحب کے حالات اچھے نہیں رہے، اس لیے وہ باطمینان ترجمے کا کوئی حِصّہ آپ کو نہ بھیج سکے۔ ترجمہ اب صاف ہو رہا ہے اور نیازی صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اپریل سے ماہ بماہ آپکی خدمت میں پہنچتا رہے گا۔ نیازی صاحب آپ کی مدد کے مستحق ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں آپ انہیں تھوڑا سا وقت اور دیجیے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ ترجمے کی اقساط بھیج سکیں۔

مخلص
محمد اقبال

محمد جمیل کے نام

(۲۸۷)————(۱)

(انگریزی)

لاہور
۱۸۔ فروری ۱۹۲۹ء

مائی ڈیئر مسٹر جمیل!

ابھی ابھی آپ کا نوازش نامہ اور تصویری کارڈ موصول ہوئے۔ بہت بہت

شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ تک یہ اطلاع پہنچانا میرے لیے باعثِ مسرت ہے کہ میں آزمائش میں ثابت قدم نکلا اور اب باوجود مالی مشکلات کے ایران و ترکی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔ خداوندِ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس سفر کے لیے، جو میں محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و بلندی کے لیے اختیار کر رہا ہوں، زادِ راہ میسر آجائے گا۔ مجھے اِس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ میرا سفر میسور مُسلم نوجوانوں میں تاریخی تحقیق کے شوق و ذوق کا باعث ہُوا۔ سیٹھ محمد ابا نے مجھے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سے متعلق ایک قلمی مسودہ جو ایک شخص کے پاس ہے، جو ہمیں سُلطان کے مقبرہ پر ملا تھا، ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مجھے اُمید ہے وہ اِس کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ اُن تک میرا اسلام شوق پہنچا دیجیے اور ان سے کہیے کہ اسلام کی خدمت کے لیے ان کے ذوق و جوش نے میرے دل پر ایک ایسا اثر پیدا کیا ہے جو کبھی محو نہ ہوگا۔ مَیں دست بدعا ہوں کہ انہیں بنگلور کے حاجی سر اسماعیل کی سی عظمت و منزلت حاصل ہو۔

چودھری محمد حسین صاحب بخیریت ہیں اور تصاویر کی موجودہ قسط اور آئندہ اقساط ان کی دلچسپی اور مسرت کا باعث ہوں گی۔ چودھری صاحب کو بھی سلطان مرحوم کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور آج کل وہ سلطان پر ایک مختصر آرٹیکل مرتب کر رہے ہیں۔ وہ سفرنامہ مدراس بھی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس میں تمام تصاویر جو آپ ارسال فرماسکیں کام آئیں گی۔ مَیں آپ کے دوست عمر ہولسٹ کے لیکچروں کی اشاعت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ اُن میں کوئی خاص نئی بات تو ہے نہیں لیکن مَیں سمجھتا ہُوں شاید عیسائی قارئین پر اُن کا کچھ اثر ہو۔

اسلام کے ثقافتی اور فلسفیانہ پہلو پر ابھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ جرمن زبان میں چند کتابیں ہیں جن کا حال ہی میں کلکتہ کے صلاح الدین خدا بخش صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن وہ کتابیں بھی کچھ یونہی سی ہیں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۸۸)————(۲)

(انگریزی)

لاہور

۲۱۔ مئی ۱۹۲۹ء

مائی ڈیئر مسٹر جمیل!

عید کارڈ ملا۔ شکریہ۔ آپ کی خیریت کی اطلاع باعث مسرت ہوئی۔ میں بھی الحمد للہ بخیریت ہوں۔ میں ترکی اور مصر کے سفر کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، زرمی طلبد والا معاملہ ہے اور ہندوستان کے مسلمان امراء اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت واہمیت سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ تاریخِ اسلام میں یہ دور نہایت نازک ہے۔ اگر مناسب ذرائع اور طریق اختیار کیے جائیں تو اسلام اقوامِ عالم کو اب بھی مسخر کر سکتا ہے۔ مجھ سے جو خدمت ممکن ہوئی بجا لاؤں گا۔ مسٹر حامد حسن اور حاجی سیٹھ جمال محمد صاحب کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کر دیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۸۹)————(۳)

(انگریزی)

لاہور
۲۴-اگست ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

آپ کا نوازش نامہ محررہ بیس ماہ حال ابھی ابھی موصول ہُوا جس کے لیے نہایت ممنون ہُوں۔ آج کل عدالتیں تعطیلاتِ گرما کے سلسلہ میں بند ہیں اور مَیں اپنے آخری تین خطبات مرتّب کر رہا ہُوں جو اُمید ہے اواخر اکتوبر تک مکمل ہو جائیں گے۔ ابھی تک اسلامی ممالک کی سیاحت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مالی مشکلات ہنوز سدِ راہ ہیں۔ سلطان شہید پر میری نظم اس کتاب کا حصّہ ہو گی جسے مَیں اپنی زندگی کا ماحصل بنانا چاہتا ہُوں۔ لیکن میں سمجھتا ہُوں اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ مَیں نے اس کا ایک حصّہ کچھ عرصہ ہُوا مرتّب کیا تھا لیکن پھر ضروری مشاغل کی بنا پر اس کو نامکمل چھوڑ دینا پڑا۔

سلطان شہید کے کسی روزنامچہ کا مجھے علم نہیں۔ لیکن اگر واقعی کوئی روزنامچہ موجُود ہو تو اس کا ایک نسخہ نہایت شوق سے حاصل کروں گا۔ اگر آپ کے پاس موجُود ہو تو کچھ دیر کے لیے مستعار مرحمت فرمائیے۔ مَیں اس سے ضروری نوٹ لے کر واپس کر دونگا۔

چودھری محمد حسین صاحب ہر شام یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ سردیوں میں سفر نامہ کی تالیف و ترتیب پوری گرمجوشی سے شروع کر سکیں گے۔ مجھے اس اطلاع سے بیحد مسرت ہُوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النّبی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی تقریب کے لیے ایک ولولہ پیدا ہو گیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ ہندوستان میں ملّتِ اسلامیہ

کی شیرازہ بندی کے لیے رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہو سکتی ہے۔ مستقبل قریب میں جو حالات پیدا ہونے والے ہیں، اُن کے پیشِ نظر مسلمانانِ ہند کی تنظیم اشد لازمی ہے۔ (عبدالمجید صاحب قرشی) بانیٔ تحریک (سیرت) آج تشریف لائے ہوئے تھے۔ مَیں نے انہیں بتایا ہے کہ کس طرح اِس تحریک کو ہندوستان میں خدمتِ اسلام کے لیے مفید و مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔ اِن تفاصیل پر صرف بالمشافہ گفتگو ہی ہو سکتی ہے۔ ان کا ضبطِ تحریر میں لے آنا مناسب نظر نہیں آتا۔ آپ کا مکتوب چودھری صاحب کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے وہ سفرنامہ سے متعلق آپ کو مفصل اطلاع دیں گے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۹۰)——————(۴)

(انگریزی)

لاہور
۴۔ نومبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

ہلالِ احمر فنڈ کے لیے دس روپیہ کے عطیہ کا شکریہ! مَیں آپ کا عطیہ سکرٹری صاحب کے پاس بنک میں جمع کرانے کے لیے بھیج دوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ احبابِ بنگلور جن سے مَیں نے اس سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے، فراخ دلی سے چندہ دیں گے۔ مَیں نے سیٹھ حاجی اسمٰعیل اور ایڈیٹر الکلام کے علاوہ عبدالغفور صاحب کو بھی تار دیا ہے۔ ازراہِ کرم ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے

وہ ان حضرات کو یاد دلاتی ہے۔ افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانانِ ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہِ جمعیت و تقویت ہے۔ بچہ سقہ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت قتل ہو چکا ہے اور نادر خاں بادشاہ بتدریج استحکام حاصل کر رہے ہیں۔

میرے خطبات اب مکمل ہو چکے ہیں اور غالباً اسی ماہ علی گڑھ میں اُن کے سُنانے کے لیے جاؤں گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے بھی اواخر جنوری ۱۹۳۰ء میں اسی سلسلہ میں حاضری کی دعوت موصول ہوئی ہے۔ مدراس کی طرف سے بھی دعوت نامہ موصول ہُوا ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حاضر نہ ہو سکوں گا۔

سلطان شہیدؒ کے روزنامچہ کے لیے جو سلسلہ جنبانی آپ نے شروع کی ہے، اُس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ اگر آپ ایک نسخہ بھجوا سکیں تو میرے لیے یہ ایک گنجِ گراں بہا ہو گا۔ اس روزنامچہ سے اُمید ہے کہ سلطان سے متعلق مجوزہ نظم میں مجھے سلطان شہید کے صحیح صحیح حالات پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔ ازراہِ کرم مطلع فرمائیے کہ وہ مالکِ کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کیا۔ مَیں بخوشی مناسب قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط نقل لے لیجیے۔

چودھری صاحب بخیریت ہیں اور ہر شام تشریف لاتے ہیں۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۲۹۱)————(۵)

(انگریزی)

لاہور، ۴۔ مارچ ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر جمیل!

آپ کے خوبصورت عید کارڈ کے لیے، جو ابھی ابھی موصول ہُوا، سراپا سپاس

ہوں۔ میری طرف سے بھی عید مبارک قبول فرمائیے۔ مَیں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان اور دوسرے (اسلامی) ممالک کے نوجوانوں کو اپنے لطف و کرم سے فیضیاب و شادکام کرے اور اپنی رحمتِ بے پایاں سے اُن کا دامنِ اُمّید بھر دے۔

میرے خطبات زیرِ طباعت ہیں اور اُمّید ہے دو ماہ تک شائع ہو جائیں گے۔ مَیں ناشر سے کہہ دوں گا کہ ان کے شائع ہوتے ہی ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیج دے۔ لیکن اگر میں بھول جاؤں تو آخر اپریل تک مجھے بلاتکلف یاد دِلا دیجیے۔

جہاں تک مجھے علم ہے گولڈزی ہر کی کوئی انگریزی تصانیف نہیں ہیں۔ وہ ایک جرمن (؟) یہودی ہے اور انگریزی میں نہیں لکھتا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں کوئی خاص چیز مجھے تو نظر نہیں آئی۔ مَیں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ اُن کی تصانیف سیاسی پراپیگنڈا یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔

افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں معدودے چند افراد کو اُس ملک کے انقلاب کے اسباب سے واقفیت ہے۔ میری رائے میں امیر امان اللہ کی واپسی کے کوئی امکانات نہیں۔ جہاں تک مَیں جانتا ہوں، افغان اُسے نہیں چاہتے۔ اعلیٰ حضرت نادر خاں ملک کو شاہراہِ ترقی پر ڈالنے کی بیحد کوشش فرما رہے ہیں وہ افغانوں کے محبوب ہیں اور نیم پنجابی بھی۔ ان کی والدہ لاہور میں پیدا ہوئیں اور یہیں پرورش پائی۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۹۲)————(۶)

(انگریزی)

لاہور
۶۔ دسمبر ۱۹۳۴ء

ڈیر مسٹر جمیل!

نوازش نامہ موصول ہُوا۔ یاد آوری کے لیے ممنُون ہُوں۔ گزشتہ گیارہ ماہ سے گلے کی تکلیف میں مُبتلا ہُوں۔ شاید علاج کے لیے وِاینا جانا پڑے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے میرے خطبات شائع کیے تھے۔ ایک خطبہ بہ عنوان "کیا مذہب ممکن ہے" بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے آپ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کلکتہ یا بمبئی سے حاصل کر سکتے ہیں، یا پھر براہِ راست لندن سے۔

میری اُردو نظموں کا ایک مجمُوعہ جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہو گا۔ ایک دو مہینے ہوئے ایک فارسی نظم 'مسافر' شائع ہوئی تھی۔ یہ میری سالِ گزشتہ کی سیاحتِ افغانستان کا تذکرہ ہے۔

مخلِص

محمد اقبال

(۲۹۳)————(۷)

(انگریزی)

بھوپال۔ شیش محل
۶۔ مارچ ۱۹۳۶ء

ڈیر مسٹر جمیل!

نوازش نامہ موصُول ہُوا۔ یاد آوری کے لیے ممنُون ہُوں۔ مَیں بدستور بیمار ہوں۔

بھوپال میں برقی علاج ہو رہا ہے۔ بوجہ علالت روہڈز لیکچر فی الحال منسوخ کر دیے گئے ہیں۔ بالِ جبریل گزشتہ سال شائع ہوئی اور ضربِ کلیم اُمید ہے آئندہ اپریل میں شائع ہو جائے گی۔ ان دونوں کتابوں کے لیے تاج کمپنی لاہور کو اور "اسلام اور احمدیت" کے لیے انجمن خدّام الدّین لاہور کو لکھیے۔

مخلص

محمّد اقبال

بھوپال

میر حسن الدّین کے نام

(۲۹۴)————(۱)

جنابِ من، السّلام علیکم!

مجھے کوئی تامّل نہیں۔ آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہُوا ہے اور خود میرے خیال میں بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اس کتاب کا اب تھوڑا سا حصّہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے، آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔

محمّد اقبال، لاہور

۱۱۔جنوری ۲۷ء

نوٹ: (اجازتِ ترجمہ Persian Metaphysics سے متعلق)

عطیہ بیگم کے نام اقبال کے مکاتیب

عطیہ بیگم صاحبہ بانیہ "اکیڈمی آف اسلام" کے نامِ گرامی سے پاکستان اور ہندوستان کا ہر تعلیم یافتہ مسلمان اچھی طرح آشنا ہے۔ اُن کے خاندان کے ذوقِ علمی کا اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ ۱۹۰۷ء میں جب مسلمانانِ ہند ابھی انگریزی تعلیم کی عِلت و حُرمت کے مباحث میں اُلجھے ہوئے تھے، عطیہ کو تکمیلِ تعلیم کے لیے انگلستان بھیجا گیا اور وہ بھی فلسفہ ایسے ادق اور دماغ سوز مضمون میں۔ اُن کی ذہانت، قابلیت اور وسعتِ مطالعہ کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہوگا کہ عطیہ اور اقبال مستند اہلِ علم اور ماہرینِ فلسفہ کے علمی مباحث میں شامل ہوتے رہے۔ اور اقبال نے عطیہ کی رائے کی وقعت کو عملاً تسلیم کیا یہاں تک کہ انہیں اپنا پی، ایچ، ڈی کا مقالہ اور تاریخِ عالم کا مسودہ پورا پورا سنایا۔

عطیہ بیگم اس زمانے میں اپنا ایک روزنامچہ لکھتی جاتی تھیں۔ وہ روزنامچہ ان خطوط کی طرح محفوظ ہے، اور اسی کی مدد سے موصوفہ نے اکیڈمی آف اسلام کی طرف سے اقبال کے زیرِ عنوان ایک مقالہ انگریزی زبان میں شائع فرمایا ہے جس میں یہ خطوط شامل ہیں اور اقبال کے قیامِ یورپ کے حالات و واقعات پورے طور پر قلمبند کر دیے گئے ہیں۔

عطیہ بیگم صاحبہ نے ازراہِ علم دوستی عقیدتمندان و دوستدارانِ اقبال کے وسیع تر حلقہ تک اِن خطوط کے پہنچانے کے لیے مجھے ان انگریزی خطوط کو "مکاتیبِ اقبال" حِصّہ دوم میں شامل کر لینے کی بخوشی اجازت مرحمت فرمائی ہے جس کے لیے میں اُن کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان خطوط کا ضروری پس منظر جو ان کے سمجھنے میں معاون ہوگا، اُن کے انگریزی مقالہ "اقبال" سے پیشِ خدمت ہے۔

مُلاقاتِ اوّل

اقبال اور عطیہ بیگم کی پہلی ملاقات کی کیفیت نہایت پُرلطف ہے۔ مس بیک کی

طرف سے جن کا دولت کدہ اُس زمانے میں ہندوستانی طلبہ کا ماویٰ و ملجا تھا، عطیہ بیگم کو ایک خاص دعوت دی جاتی ہے کہ یکم اپریل کو تشریف لائیں تا کہ محمد اقبال نامی ایک قابل و ہونہار نوجوان سے اُن کی ملاقات کرائی جا سکے جو خاص اسی غرض سے کیمبرج سے لندن آ رہے ہیں۔

چونکہ مس عطیہ فیضی، اقبال کے نام تک سے بھی آشنا نہیں، یہ دعوتِ خاص انہیں ایک گونہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اقبال آئے۔ ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد عطیہ بیگم نے رفعِ حیرت کے لیے اس ملاقات کی علتِ مخصوص دریافت فرمائی تو اقبال نے ایک ماہر قاصد کی طرح عطیہ بیگم کے کمالات کو تقریبِ ملاقات کے لیے اپنی سپر بنایا اور کہا: "آپ کو اپنے 'سیاحت نامہ' کی بدولت ہندوستان اور انگلستان میں جو شہرت حاصل ہو چکی ہے، وہی میرے اِس اشتیاقِ ملاقات کا باعث ہوئی ہے۔" عطیہ بیگم نے تسلیم بجا لاتے ہوئے فرمایا: "کیمبرج سے لندن تک کے سفر کی زحمت محض اس ذرہ نوازی کے لیے میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ مذاق برطرف، مَیں اِس تکلیف فرمائی کی عِلتِ غائی جاننے کی آرزومند ہُوں۔" مس عطیہ کی اِس صاف گوئی سے اقبال کو اظہارِ مقصد کا، جس کے لیے وہ ایک دلآویز تمہید باندھ رہے تھے، موقع میسر آ گیا اور وہ بلا تمہیدِ مزید یُوں گویا ہوئے:

"مَیں سید اور بیگم علی بلگرامی کی طرف سے آپ کے لیے کیمبرج آنے کی دعوت لے کر حاضر ہُوا ہُوں اور اس پر مامُور ہُوں کہ آپ کی قبولیت اُن تک پہنچا دوں۔ اگر آپ دعوت رد کریں گی تو میرے لیے یہ ایک ایسا داغِ ناکامی ہو گا جس کا مَیں عادی نہیں۔ اگر دعوت کو شرفِ قبولیت بخشیں گی تو یہ میزبانوں کے لیے باعثِ افتخار ہو گا۔"

ایسے ادا فہم، رمز آشنا اور نکتہ سنج قاصد کے لیے کامرانی بیتاب تھی۔ دعوت قبول کر لی گئی اور ۲۲۔اپریل کو مس عطیہ بیگم، اقبال اور شیخ عبدالقادر کی معیت میں کیمبرج پہنچیں۔ سید علی بلگرامی کے دولت کدہ پر اقبال نے یہ گراں قدر اور مقدس امانت پیش کرتے ہوئے ایک فارسی شعر پڑھا اور فرمایا: "مجھے اگر کبھی ناکامی کا اندیشہ لاحق ہُوا ہے تو

محض مس عطیہ کو یہ دعوت قبول کرانے میں۔ انہوں نے آپ کے پاسِ خاطر سے دعوت قبول فرما کر میری قاصدی کو داغِ ناکامی سے بچا لیا۔" آج کون ہے جسے میزبان، قاصد اور مہمان کی عظمت سے انکار ہو؟

مس بیک کے ہاں ابتدائی تعارف کے بعد ہی اپنے مخصوص ذوقِ مشترک کی بنا پر اقبال اور عطیہ بیگم میں فلسفہ موضوعِ گفتگو بن گیا۔ (مس عطیہ نے فلسفۂ قدیم و جدید میں تکمیل حاصل کی تھی) اس مختصر صحبت میں نطشے اور افلاطون پر دونوں کے نکتہ ہائے نگاہ میں ایک اختلاف پایا گیا۔

اقبال نے چند خطوط میں اس اختلافِ علمی میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ مس عطیہ نے اپنے دلائل پیش کیے اور یہ تحریری مناظرہ ختم ہو گیا۔ افسوس اس تحریری مناظرہ کی کوئی یادگار باقی نہیں! دونوں کی ملاقاتِ اوّل میں ان کے باہمی ذوقِ سخن نے حافظؒ کو بھی موضوعِ گفتگو بنا لیا۔ اور دونوں طرف سے حافظ کے اشعار آبدار جو نوکِ زبان تھے، سنائے جانے لگے۔ عطیہ نے دیکھا کہ اقبال حافظ کے بڑے مداح ہیں۔ اقبال نے کہا: "جب میرا ذوق جوش پر آتا ہے تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں۔"

اقبال نے عطیہ سے 'بابا فغانی' کی تصانیف کے مطالعہ کی سفارش بھی کی کیونکہ وہ ہندوستان میں کمیاب ہیں۔

بعد کی ملاقاتیں

ملاقاتِ اوّل کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق مس عطیہ کو اقبال لندن میں دعوتِ طعام دیتے ہیں۔ دعوت میں جرمن پروفیسران بھی شامل ہیں اور وہی فلسفیانہ مسائل پر گرماگرم بحث جاری ہے۔ مس عطیہ اپنی سہیلیوں سے چائے کی دعوت میں اقبال کا تعارف کراتی ہیں تو مختلف علوم و فنون میں ماہر عورتوں کا ایک مجمع موجود ہے۔

پروفیسر آرنلڈ کے ہاں اربابِ علم کی ایک محفل منعقد ہوتی ہے تو اُس میں بھی دونوں موجود ہیں۔ فلسفۂ مرگ و حیات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی لیکن اقبال خاموش ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ خاص طور پر اقبال کو اظہارِ خیال کی دعوت دیتے ہیں تو اقبال برجستہ فرماتے ہیں:

" زندگی،موت کی ابتدا ہے اور موت، زندگی کا آغاز۔"

پروفیسر آرنلڈ کے ہاں ہی ان کی دوبارہ ملاقات ہوتی ہے اور آرنلڈ اقبال کو ایک نادر عربی قلمی نسخہ کے مطالعہ کے لیے جرمنی بھیجنے کی تجویز کرتے ہیں، اور تھوڑی بہت کسرِ نفسی اور معذرت کے بعد آرنلڈ کے اصرار پر اس خدمت کے لیے آمادگی ظاہر فرماتے ہیں۔

اگلے ہی روز ایک علمی مجلس میں پھر دونوں موجود ہیں۔ وہی علمی فضا، وہی دقیق مسائل پر بحث مباحثہ۔ جرمن اور عربی کتب سے اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔ گرما گرم بحث جاری ہے۔ اقبال حسبِ موقع حافظ کے اشعار بھی مثال اور سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ دوسرے فلاسفہ سے اُس کا موازنہ اور اس کے نصب العین کی وضاحت بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔

ہندوستانی طلبہ کا ایک جشن تفریح منعقد ہے۔ ڈاکٹر انصاری بھی شامل ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے کمالات سے حاضرین کو محظوظ کر رہا ہے۔ اقبال نے حاضرین میں سے ہر ایک کا ایسا نقشہ مزاحیہ اشعار میں کھینچا ہے کہ سُننے والے مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ اشعار لکھنے کی کوشش کی تو اقبال نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ ایک باہمی تفریح کی وقتی چیز ہے، لائقِ دوام نہیں۔

بعد کی دو ملاقاتوں میں اقبال نے امتحان کے لیے جو مقالہ تیار کیا تھا، اور اپنا مسودہ تاریخِ عالم جو جرمن امتحان کے لیے لکھا تھا، مس عطیہ کو پورا پورا سنایا اور اُن کی رائے کی قدر کی۔ ایک دوسری ملاقات میں ان کے مباحثِ علمی میں ایک جرمن پروفیسر بھی شامل نظر آتے ہیں۔

۱۶۔ جولائی ۱۹۰۷ء کو اقبال اپنی کتاب "علم الاقتصاد" کا اصل مسودہ اور اپنے اُس مقالہ کا مسودہ جس پر انہیں ڈگری ملی، مس عطیہ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ دونوں مسودات اور اقبال کا ایک جرمن زبان میں لکھا ہُوا خط بعد میں عطیہ سے پروفیسر آرنلڈ نے بطور یادگار لے لیے۔

اس وقت کہ یہ سطور زیرِ تحریر ہیں، عطیہ بیگم پھر لندن میں ہیں، اور مَیں نے انہیں لکھا ہے کہ وہ پاکستان ہائی کمشنر کی معرفت کوشش کریں کہ اقبال کی یہ یادگاریں پاکستان کو واپس مل جائیں اور انہیں عجائب خانہ میں جگہ ملے۔

جرمنی

اقبال جرمنی چلے گئے۔ عطیہ کی تکمیلِ تعلیم کے لیے بھی پروفیسر آرنلڈ نے انہیں مشورہ دیا کہ ہندوستان واپسی سے پہلے جرمنی ضرور جائیں اور وہاں کے نظامِ تعلیم کا مطالعہ کریں اور فلسفہ کے پروفیسروں سے ملیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کو اطلاع دے دی کہ مس عطیہ ان کی تجویز پر چند دنوں کے لیے جرمنی آئیں گی۔

مس عطیہ اپنے بھائی ڈاکٹر فیضی اور چند دوسرے ہندوستانی طلبہ کی معیت میں جرمنی پہنچتی ہیں۔ ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں قیام کرتی ہیں۔ اقبال نے ان کے لیے جرمنی کے مشہور مقامات کی سیر کا ایک پروگرام تیار کر رکھا ہے اور قابلِ مطالعہ کتابوں کی ایک فہرست بھی مرتب کر رکھی ہے۔

اقبال جرمنی میں بے حد خوش ہیں۔ انگلستان کی سی دل گرفتگی جرمنی میں نہیں پائی جاتی۔ جرمنی میں گھر کی سی فضا موجود ہے۔ اقبال کی قابل اُستانیاں سیر و تفریح اور علمی مباحث میں ساتھ ہیں۔ ان کی قابلیت کا یہ حال ہے کہ اقبال کے ایک جرمن پروفیسر کی کم عمر لڑکی اقبال سے سوال پوچھتی ہے اور حسبِ ضرورت جوابات کی ایسی وضاحت کرتی جاتی ہے کہ اقبال اظہارِ تاسف کے طور پر دانتوں میں انگلی کاٹنے لگ جاتے ہیں۔

عطیہ اور اس کے ساتھیوں کا جرمنی میں دس دن تک قیام رہا اور پھر وہ لوگ ہندوستان چلے آئے۔

مس عطیہ نے اس مقالہ میں دو دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔ ایک اقبال سے متعلق ہے اور دوسرا اقبال نے اپنے والدِ بزرگوار کے متعلق خود مس عطیہ کو سُنایا۔ ایک روز جب مس عطیہ جرمنی میں تھیں اور ایک پارٹی کسی خاص مقام کو روانہ ہونے والی تھی، اقبال روانگی سے بہت دیر پہلے مراقبہ میں چلے گئے اور دیر تک عالم و مافیہا سے غافل بے حس و حرکت آنکھیں بند کیے بُت بنے بیٹھے ہیں۔ جرمن استانیاں پریشان ہیں کہ اقبال کو کیا ہو گیا اور کیا وہ دوبارہ کبھی ہوش میں آئے گا۔ جب پارٹی اقبال کے کمرے میں جمع ہوئی اور مس عطیہ بھی پہنچیں تو اقبال کو اس کی ایک استانی کی مدد سے عطیہ نے جھنجھوڑا اور اُردو میں کہا، یہ جرمنی ہے

ہندوستان نہیں۔ کیا کر رہے ہو؟ اقبال ایسے اُٹھے گویا گہری نیند سے بیدار ہوئے ہیں۔

دوسرا واقعہ جو اقبال کے والدِ بزرگوار کے صاحبِ کشف ہونے پر دلالت کرتا ہے، اقبال نے مس عطیہ سے خود بیان فرمایا۔

اقبال کی عمر گیارہ برس تھی جب ایک رات غیر معمولی آہٹ سن کر وہ بیدار ہوئے۔ والدہ کو دیکھا تو وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے جا رہی ہیں۔ اقبال بھی پیچھے پیچھے ہو لیے۔ دیکھا تو ان کے والد کے گرداگرد، جو دروازے کے باہر بیٹھے ہیں، ایک حلقۂ نور بنا ہُوا ہے۔ اقبال نے والد کے پاس جانا چاہا تو والدہ نے منع کر دیا اور اسے سمجھا بجھا کر واپس سونے کے لیے بھیج دیا۔ صُبح اُٹھتے ہی اقبال، والدِ بزرگوار سے رات کی کیفیت کی تشریح کے طالب ہوئے تو انہیں بتایا گیا کہ رات کو اُن کے والدِ بزرگوار کو مراقبہ میں معلُوم ہُوا ہے کہ کابل کا ایک قافلہ جو شہر کی طرف آرہا ہے، شہر سے پچیس میل دُور بڑی مشکل میں مبتلا ہے۔ اس کارواں میں ایک مریض ہے جس کی حالت خطرناک ہو چکی ہے اور اب قافلہ سفر سے معذور ہے، اور یہ کہ اقبال کے والدِ بزرگوار کو جا کر ان کی مدد کرنی چاہیے۔ اس کے بعد اقبال کے والدِ بزرگوار نے غالباً کچھ دوا دارو جمع کیا اور پوری تیزی سے قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اقبال بھی ساتھ تھے۔ ٹانگہ قافلے کے پاس پہنچا تو واقعی اہلِ قافلہ ایک شخص کی علالت کی وجہ سے بیحد پریشان تھے۔ اقبال کے والدِ بزرگوار نے پہنچتے ہی پُوچھا۔ مریض کہاں ہے۔ اس مریض کے کچھ اعضاء معطل ہو گئے تھے۔ اقبال کے والدِ بزرگوار نے مریض کے جسم پر ایک راکھ سی دوا کے طور پر چھڑکی اور کہا کہ مریض انشاءاللہ اچھا ہو جائے گا لیکن یہ قدرتِ خدا ہی کو حاصل ہے کہ اس کے وہ اعضا جو معطل ہو چکے ہیں دوبارہ دے دے۔ چوبیس گھنٹے میں مریض کی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اہلِ قافلہ نے معقول فیس ادا کرنی چاہی جسے قبول نہ کیا گیا۔ چند دِنوں کے بعد یہ قافلہ سیالکوٹ پہنچا تو مریض شفایاب ہو چکا تھا۔

یہ خطُوط انگریزی میں لکھے گئے۔ زبان کی خُوبی، لطافت اور حُسنِ بیان ان خطوط کا خاص حصہ ہے۔ ابتدائی عمر میں اقبال کی یہ انشاء پردازی اہم اور نازک مسائل پر اظہارِ خیال کا پیرایہ اس کی قادر الکلامی کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

عطاء اللہ مرتبِ اقبال نامہ
۵۔ مارچ ۱۹۴۹ء

عطیہ بیگم کے نام

(۲۹۵)————(۱)

(انگریزی)

ٹرنٹی کالج کیمبرج
۲۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء

مائی ڈیر مس فیضی!

حسبِ وعدہ اپنی ایک نظم بھیج رہا ہوں۔ دِقتِ نظر سے مطالعہ کے بعد اپنی تنقید سے ممنون فرمایئے گا۔ خیال تھا کہ اپنی اردو کتاب "علم الاقتصاد" بھی پیش کرتا، افسوس ہے میرے پاس یہاں کوئی نسخہ موجود نہیں۔ ہندوستان سے اس کا حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں، اسی ہفتہ اس کے لیے لکھوں گا۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲۹۶)————(۲)

(انگریزی)

لاہور
۱۳۔ جنوری ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

گرامی نامہ کے لیے جو ابھی ابھی موصول ہو کر باعثِ تسکین ہوا، سراپا سپاس ہوں۔ میرا ارادہ تعزیت کے لیے خود بمبئی حاضر ہونے کا تھا لیکن ۲۹۔ دسمبر کو جب میں کانفرنس کے مباحث میں شریک تھا، وطن سے بھائی جان کی تشویشناک علالت کی اطلاع بذریعہ

تار ملی۔ مَیں اسی روز سیالکوٹ چلا گیا اور بقیہ تعطیلات ان کی تیمار داری میں صرف ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اب بالکل تندرست ہیں۔ مَیں تو سمجھتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں از سرِ نو زندگی بخش کر مجھے ایک حد درجہ المناک حادثہ سے بال بال بچا لیا ہے۔ ایک عرصہ سے وہ میرے کفیل چلے آرہے ہیں۔

جنجیرہ آنے کی دعوت کے لیے آپ کا، نوابِ صاحب اور بیگم صاحبہ کا ممنُونِ احسان ہُوں۔ یہ دعوت میرے لیے مسرّت و منفعت کی سرمایہ دار تھی لیکن آپ جانتی ہیں مَیں نے حال ہی میں اپنا کاروبار شروع کیا ہے اور اس کے لیے میری یہاں موجُودگی اشد ضروری ہے۔ افسوس ہے مجھے دوسروں کی خاطر آپ کے لطفِ صحبت سے محروم ہونا پڑ رہا ہے۔ میری دلی آرزو تھی کہ اس حادثہ میں آپ اور آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کے غم و الم میں شریک اور آپ کا غم غلط کرنے میں کوشاں ہوتا لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ مَیں خود اپنے جذبات کی پائمالی پر مجبُور ہُوں۔ ناساعد حالات کے مقابلے میں مجھے سپر ڈال ہی دینی پڑی ہے۔

اُمید ہے میری یہ دنیا پرستی جو شاعری میں حماقت کے ہم معنی ہے، ناگوارِ خاطر نہ ہوگی۔ ان ناسازگار حالات کی وجہ سے میرے لیے مستقبلِ قریب میں جنجیرہ آنا مشکل ہے؛ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ستمبر کی تعطیلات میں جب چیف کورٹ بند ہو، آپ سے ملاقات کے لیے آسکوں۔ میرے لیے آپ کی، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی صحبت دلی مسرّت اور دماغی منفعت کی سرمایہ دار ہے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں مؤدّبانہ سلام عرض کرنے کے بعد انہیں ایک ایسے دُور افتادہ دوست کی خیرسگالی کا یقین دلائیے جسے ناموافق حالات نے

اُن سے ملاقات کی فوری مسرّتوں سے یوں بیدردانہ محروم کر دیا ہے لیکن جسے یہ ناموافق حالات بھی دولتِ تخیّل سے محروم کر دینے پر قادر نہیں۔

مخلص

محمّد اقبال

تحریر مابعد :

فلسفۂ عجم شائع ہو چکا ہے۔ جلد ایک نسخہ خدمتِ عالی میں مُرسل ہوگا۔ غزلوں کا مجموعہ جلد شائع کرنے کا آرزو مند ہُوں۔ یہ مجموعہ ہندوستان میں طبع ہوگا، جرمنی میں جلد بندھے گی اور ایک 'ہندوستانی خاتون' کے نام سے فخرِ انتساب حاصل کرے گا۔

(۲۹۷)————(۳)

(انگریزی)

لاہور

۹۔ اپریل ۱۹۰۹ء

مائی ڈیئر مس فیضی !

عنایت نامہ آج موصُول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ مَیں یہ نہیں بتاؤنگا کہ میر محمد صاحب کون بزرگ ہیں۔ آپ انہیں نہیں، اُن کی بیگم صاحبہ کو جانتی ہیں۔ مجھے اُمّید ہے آپ اس اشارہ سے اُن کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

بلاشبہ چند روز قبل مَیں نے علی گڑھ کے شعبۂ فلسفہ کی پروفیسری اور گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ تاریخ کی پروفیسری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مَیں قیدِ ملازمت سے آزاد رہنا چاہتا ہُوں اور دوسرے میرا ارادہ تو اوّلین فرصت میں اس ملک سے ہجرت کر جانے کا ہے۔ وجہ آپ کو معلوم ہے۔ صرف بھائی جان کی طرف سے مُجھ پر جو ایک اخلاقی قرض و فرض مسلّط ہے، وہ زنجیرِ پا بنا ہُوا ہے۔ میری زندگی حد درجہ تلخ ہے (یہاں

اقبال نے اپنی ایک خانگی اور ذاتی پریشانی کا ذکر کیا ہے — مرتب) اس مصیبت کا واحد علاج یہی ہے کہ مَیں اس بدنصیب ملک کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ جاؤں یا پھر شراب نوشی کی لت ڈالوں کہ خودکشی کا مرحلہ آسان ہو جائے۔ کتابوں کے بوسیدہ و عقیم اوراق میرے لیے سرمایۂ مسرت سے عاری ہیں۔ میری رُوح کا سوز انہیں اور تمام سماجی رسم و رواج کو جلا کر خاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ کہتی ہیں دُنیا کو ایک خدائے خیر نے پیدا کیا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن دُنیا کے حقائق تو کسی دوسرے نتیجے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر عقل انسانی ہی کو معیار قرار دیا جائے تو یزداں کی نسبت ایک قادرِ مطلق اور ابدی اہرمن پر ایمان لانا زیادہ آسان نظر آتا ہے۔

ان مزخرفات کے لیے معذرت خواہ ہُوں۔ مَیں ہمدردی کا طالب نہیں۔ مَیں تو اپنی رُوح سے وہ بار ہلکا کرنا چاہتا تھا جس کے نیچے وہ دبی چلی جا رہی ہے چونکہ آپ مجھے بخوبی جانتی ہیں، مَیں نے اپنے جذبات کے اظہار میں باک نہیں سمجھا۔ یہ صیغۂ راز کی باتیں ہیں۔ براوکرم کسی سے ان کا ذکر نہ کریں۔ اُمید ہے اب آپ سمجھ چکی ہوں گی کہ مَیں نے ملازمت سے کیوں انکار کیا۔ افسوس ہے آپ کے لیے استانی مہیا نہ کر سکا۔ انجمن کے سیکرٹری نے چند روز ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آج کل اُستانی کا مہیا آنا بے حد مشکل ہے۔ مَیں نے چند روز گزرے، ایک پبلک جلسہ میں "سماج کے ارتقا میں مذہب کے عنصر کا مفہوم" کے عنوان پر ایک تقریر کی تھی۔ مَیں نے صرف چند ضروری نوٹ لکھ لیے تھے، معلوم نہیں کسی نے پُورے نوٹ قلمبند کیے یا نہیں۔ انجمن میں میرا لیکچر "اسلام ایک سیاسی و مذہبی نصب العین کی حیثیت سے" کے زیرِ عنوان انگریزی میں ہو گا۔ اگر یہ لیکچر شائع ہُوا تو ضرور مرسلِ خدمت ہو گا۔ ایڈیٹر "آبزرور" سے کہوں گا کہ آبزرور کا ایک پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔

عبدالقادر صاحب چیف کورٹ میں پریکٹس کے لیے لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے نہایت افسوس ہُوا ہے کہ آپ کو باور نہیں آتا کہ مَیں آپ سے اور نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے جو مجھ پر بے حد شفقت فرماتے ہیں، ملاقات کے لیے بمبئی آنے کا آرزومند ہُوں۔ مَیں تو ضرور حاضر ہونا چاہتا ہُوں لیکن آیا یہ ممکن ہو سکے گا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یقین مانیے آپ لوگوں کی صحبت سے زیادہ تسکین مجھے کہیں میسّر نہیں۔

دو تین ہفتے گزرے آپ کی سہیلی Wegenast کا خط آیا۔ وہ نہایت سچّی اور نیک دِل لڑکی ہے۔ مَیں نے اُسے اور بڈھی نیک دل اُستانی کو بھی لکھا ہے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کیجیے اور انہیں میری رفاقت کا جو اگرچہ ان کے لیے کسی مصرف کی نہیں، لیکن خلوص و ثبات کی سرمایہ دار ہے، یقین دلائیے۔

مخلِص

محمد اقبال

(۲۹۸)————(۴)

(انگریزی)

لاہور

۱۷۔اپریل ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

حرفِ تسکینؔ[1] کے لیے آپ کا شکریہ — آپ کے خط سے مجھے بڑی تقویت

---

[1] گزشتہ خط میں اقبال نے اپنی ایک خانگی اذیت کا ایک دردناک خاکہ پیش کیا تھا جس کے جواب میں عطیہ بیگم
(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

ملی۔ میں بھی آپ سے ملاقات کا متمنی ہوں تاکہ اپنی ساری ہستی کو آپ سے کھول کر بیان کرسکوں۔ آپ فرماتی ہیں کہ آپ مجھ سے بہت سے سوالات کرنا چاہتی ہیں، تو پھر کیوں نہیں کرتیں؟ میرے نام لکھے ہوئے آپ کے خطوط کو میں ہمیشہ ایک محفوظ صندوق میں رکھتا ہوں۔ انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں آپ سے کوئی بات چھپاتا نہیں، بلکہ ایسا کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے خطوط طمانیت بخش نہ تھے لیکن ان وجوہ کی بنا پر جو آپ نے اپنے گزشتہ عنایت نامہ میں بیان کیں، ایسا ہونا ناگزیر تھا۔

مجھے فراموشگاری کا مرتکب نہ گردانیے۔ یہ میری فطرت و عادت کے خلاف ہے۔ میں تو آپ کے قلم سے اس امر کی توضیح وتشریح کا طالب ہوں۔

گزشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گزرنا پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ دوزخ تو سردی کے لحاظ سے ایک برفستان ہے۔ دوزخ کے اربابِ اختیار نے میری حیرت کو بھانپ لیا اور کہا کہ اس مقام کی فطرت تو حد درجہ بارد ہے۔ لیکن اس سے گرم تر مقام فہم وگمان سے بالاتر ہے کیونکہ اس کے گرمانے کے لیے ہر شخص اپنا ایندھن ساتھ لاتا ہے۔ میں بھی اس سلسلہ میں امکان بھر کوئلہ جمع کرنے کی فکر میں ہوں لیکن یہاں کوئلہ کی کانوں کی بہت قلت ہے۔

عبدالقادر صاحب سے اکثر چیف کورٹ کے کمرۂ وکلا میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ ایک عرصے سے آپ کے متعلق ہماری باہمی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ میری کم گوئی[1] اب بڑھتی جارہی ہے۔

میرا سینہ یاس انگیز اور غم انگیز خیالات کا خزینہ ہے۔ یہ خیالات میری روح کی

(گزشتہ سے پیوستہ) نے کلماتِ تسکین تحریر فرمائے اور اس اضطراب و مایوسی کو اقبال کی شان کے منافی قرار دیا۔ (مرتب)

[1] سخن اے ہمنشین از من چہ خواہی   کہ من با خویش دارم گفتگوے   غالباً اس کیفیت کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ مرتب

تاریک بانبیوں سے سانپ کی طرح نکلے چلے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے مَیں ایک سپیرا بن جاؤں گا۔ گلیوں میں پھروں گا اور تماش بین لڑکوں کی ایک بھیڑ میرے پیچھے پیچھے ہو گی۔

یہ خیال نہ فرمائیے کہ مَیں مبتلائے یاس ہو چکا ہُوں۔ یقین مانیے میری تیرہ بختی میرے لیے ایک لُطف ولذّت کی سرمایہ دار ہے، اور مَیں اُن لوگوں پر ہنستا ہُوں جو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے ہیں۔ دیکھیے کس طرح سامان مسرت بہم کرتا ہوں!

چند روز ہوئے مِس Wegenast کا خط آیا تھا۔ جب اُسے جواب لکھوں گا تو وہ دِن یاد کراؤں گا جب آپ جرمنی میں تھیں۔ (افسوس ہے کہ وہ دن اب ہمیشہ کے لیے گزر گئے) وہ اس وقت اپنے ہی شہر میں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت ہائیڈل برگ استانی صاحبہ کے پاس ان کے پڑھانے کے کام میں اعانت کے لیے پہنچ چکی ہوں گی۔ اطمینان فرمائیے کہ وہ بہمہ وجوہ خیریّت سے ہے۔ بدخطی کے لیے معذرت خواہ ہُوں۔ خیالات کا ایک طوفان ہے کہ اُمڈا چلا آرہا ہے۔ معلُوم نہیں کیا لکھ چکا ہُوں۔ ہر لمحہ اپنے خیالات ہمراہ لاتا ہے۔ خیالات کی بے ربطی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

اُستانی سے متعلق مہتمم زنانہ مدارس انجمن نے ایک درخواست بھیجی ہے۔ ان سے خط وکتابت کے بعد آپ کو اِطلاع دوں گا لیکن مَیں جاننا چاہتا ہُوں کہ اُسے لڑکیوں کے کسی مدرسہ میں جنجیرہ پڑھانا ہو گا یا بمبئی۔

بڑے بھائی جان کا تبادلہ ایک مقام پر جو بمبئی سے سولہ میل ہے، ہو گیا ہے۔ وہ عنقریب وہاں پہنچ جائیں گے۔ آبزرور اخبار کے دو پرچے ارسالِ خدمت ہیں، اُمید ہے آپ کی دِل چسپی کا موجب ہوں گے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

مخلص

محمّد اقبال

اس خط کے ابتدائی حصّے میں جس خواب کا ذکر ہے، اس کی کیفیت اقبال نے "سیرِ فلک" کے نام سے غالباً اس خط کے بعد نظم کی تھی۔ چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

(مرتّب)

کیا بتاؤں تمہیں ارم کیا ہے — خاتمِ آرزوے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور — بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جام بدست — پینے والوں میں شورِ نوشانوش
دُور جنّت سے آنکھ نے دیکھا — ایک تاریک خانہ سرد و خموش
طالعِ قیس و گیسوئے لیلےٰ — اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر — کرۂ زمہریر ہو رُو پوش
مَیں نے پُوچھی جو کیفیت اُس کی — حیرت انگیز تھا جوابِ سروش
یہ مقامِ خنک، جہنّم ہے — نار سے، نُور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے — جن سے لرزاں ہے مردِ عبرت کوش

اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں!

(۲۹۹) ——————— (۵)

(انگریزی)

لاہور
۱۷۔ جولائی ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

گرامی نامہ کے لیے جو ابھی ابھی موصول ہُوا، سراپا سپاس ہُوں۔ آج صبح سے طبیعت غیر معمولی طور پر بشاش ہے، لہٰذا اگر نیاز نامہ میں ظرافت کی چاشنی محسوس کریں تو معذور سمجھیں۔ مَیں نے اپنا منصوبہ بدل نہیں دیا۔ میری غیر حاضری سے آپ کوئی مخالف نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ مجھے بعض وقت دو کشتیوں، ایک دخانی جہاز، دو ٹانگوں اور دو گھاٹیوں کے خیال سے خوف ضرور لاحق ہوتا ہے[لے]۔ یہ سفر تو ایک ہفت خواں سے کم نہیں جسے عبور کر لینے پر مجھے رستم کی سی شہرت نصیب ہو سکتی ہے۔ رستم کی ضرورت تو اشد تھی، اور مجھے اپنی ضرورت کی نوعیت کا پُورا پُورا علم بھی نہیں ہے۔ مَیں جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہُوں تو عام طور پر اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتا ہُوں، جدھر چاہیں بہا لے جائیں۔

مجھ پر آپ کی بے پایاں عنایات کا آپ کو غالباً علم ہی نہیں لیکن مجھے ان کا اس قدر احساس ہے کہ اس کے اظہار سے میری زبانِ قلم قاصر ہے۔ چونکہ ناقابل بیان احساسات کا حیطۂ بیان میں لے آنا ممکن نہیں، آیئے اس قصّہ کو یہیں چھوڑ دیں۔

آپ بھی تو فرماتی ہیں کہ آپ قطعی فیصلہ کر چکی ہیں اور اب اس میں کسی تغیّر کی گنجائش نہیں۔ وہ شکایاتِ شیریں جنہیں آپ غلطی سے 'حقیر' کے نام سے تعبیر کرتی ہیں،

لے جنجیرہ پہنچنے کے لیے مصائب و وسائل سفر کا یہ خاکہ عطیہ بیگم نے اپنے خط میں اقبال کی آگاہی کے لیے کھینچا تھا۔

اُن کی نوعیت سے مجھے بھی تو آگاہ فرمائیے۔ اگر یہ شکایات مجھ سے ہیں تو ازراہِ کرم انہیں تشنۂ تفصیل نہ رہنے دیجیے۔

بلاشبہ ہر شخص کے لیے زندگی موت کے انتظار کا نام ہے۔ مَیں بھی اگلے جہان کی سیر کا آرزومند ہُوں۔ وہاں پہنچ کر چاہتا ہوں کہ اپنے خالق کی زیارت کروں اور اس سے خواہش کروں کہ میری ذہنی کیفیت کی عقلی وضاحت کی جائے، اور یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ مجھ سے آپ کو شکایت نہ ہونی چاہیے۔ مَیں تو خود اپنے لیے بھی ایک معما ہوں۔ برسوں گزرے مَیں نے کہا تھا:

اقبال بھی اِقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

بہت لوگوں نے میرے متعلق اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے تنہائی میں بارہا اپنے آپ پر ہنسی آئی ہے۔ مَیں اب ان خیالات وبیانات کا ایک قطعی جواب دینے والا ہُوں۔ آپ اُسے مخزن کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گی۔

مَیں نے نہایت عمدگی سے اپنے متعلق دوسروں کے خیالات کا اظہار تو کر دیا ہے لیکن جواب ابھی نظم کرنا باقی ہے۔

مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہُوا کہ شمالی ہندوستان میں میری ذات سے عقیدت و احترام کے فقدان سے آپ کو انتہائی قلق ہُوا۔ یقین مانیے مجھے دوسروں کے احترام کی پروا نہیں۔ مَیں دوسروں کی واہ واہ پر زندہ رہنے کا قائل نہیں ؎

جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے

لوگ ریاکاری سے عقیدت رکھتے ہیں اور اسی کا احترام کرتے ہیں، مَیں ایک بے ریا زندگی بسر کرتا ہوں اور منافقت سے کوسوں دُور ہُوں۔ اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لیے وجہِ حصُولِ احترام و عقیدت ہو سکتی ہے تو خدا کرے مَیں اِس دُنیا سے ایسا بے تعلق اور بیگانہ جاؤں کہ میرے لیے ایک بھی آنکھ اشکبار اور ایک بھی زبان نوحہ خواں نہ ہو۔

پبلک کے احترام و عقیدت کا خراج اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو عوام کے غلط نظریاتِ اخلاق و مذہب کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ مجھے عوام کے احترام کی خاطر اُن کے نظریات کو قبول کر کے اپنے آپ کو گرانا اور روحِ انسانی کی فطری آزادی کو دبانا نہیں آتا۔ بائرن، گوئٹے اور شیلے کو اپنے معاصرین کا احترام حاصل نہ ہو سکا۔ مَیں اگرچہ فنِ شعر میں ان کی ہمسری کا دعوے دار نہیں ہو سکتا، تاہم مجھے فخر ہے کہ کم از کم اس اعتبار سے ان کی ہمنشینی کا حقدار ضرور ہُوں۔

کیا مَیں نے کبھی آپ کی رہنمائی کی ہے؟ آپ کو تو کبھی میری طرف سے علمی رہنمائی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اِتنا تو مجھے ضرور یاد پڑتا ہے کہ مَیں نے افلاطون سے آپ کو روشناس کرایا اور بس۔ یہ مطالعہ اس قدر کم اور سرسری تھا کہ اس سلسلہ میں آپ کی علمی رہنمائی کے شرف کا اپنے کو حقدار نہیں سمجھتا۔

آپ فرماتی ہیں کہ مَیں آپ کی خواہشات کے عدمِ احترام کا مرتکب ہُوں۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ آپ کی خواہشات کا احترام مَیں نے ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور آپ کی خوشنودی کے لیے امکان بھر کوشاں رہا ہُوں۔ البتہ جب کبھی کوئی امر ہی میرے حیطۂ اقتدار سے باہر ہُوا تو مَیں مجبُور رہا۔ میری فطرت کا تقاضا میری رہنمائی ایک دوسری طرف ہی کر رہا ہے۔

"وگرنہ آپ زیادہ محتاط ہوتے"۔ افسوس ہے مَیں آپ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہُوں۔ ازراہِ کرم ذرا وضاحت فرمایئے مجُھے کس اعتبار سے زیادہ محتاط رہنا چاہیئے مَیں ہمہ تن آپ کی خدمت کے لیے آمادہ ہُوں۔ مَیں تو اپنی فطرت کے تقاضے سے پرستاری پر مجبُور ہُوں، میری پرستش کوئی کیا کرے گا! لیکن وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوتے ہیں، عوام پر ظاہر ہوں تو پھر مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی، دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجُھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدتؔ پیش کرے گی۔

لفٹنٹ گورنر لاہور گورنمنٹ کالج کی پروفیسری کے لیے سکرٹری آف سٹیٹ سے میری سفارش کرنے پر آمادہ تھے لیکن میں نے اپنے میلانِ طبع کے خلاف اس اسامی کی اُمیدواری سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حالات مقتضی ہیں کہ میں ہر مسئلہ میں مالی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھوں۔ اگرچہ اسی نقطۂ نگاہ کے خلاف میں نے چند سال قبل بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ اللہ کے بھروسہ پر مَیں نے وکالت ہی کو اپنا پیشہ اختیار کیے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کیا آپ مجُھے اس نظم کی جو مَیں نے میونک سے آپ کو بھیجی تھی، نقل ارسال فرما سکتی ہیں؟ میرے پاس کوئی نقل نہیں اور مَیں اُسے محفوظ رکھنا چاہتا ہُوں۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلامِ نیاز۔

مخلص

محمد اقبال

ؔ پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند   جہانے را دِگر گوں کرد یک مردے خود آگاہے (مرتب)

نظمِ محوّلہ بالا حسب ذیل ہے:

جستجو جس گُل کی تڑپاتی تھی اے بُلبل مجھے
خوبیٔ قسمت سے آخر مِل گیا وہ گُل مجھے

خود تڑپتا تھا، چمن والوں کو تڑپاتا تھا مَیں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا مَیں

میرے پہلو میں دِلِ مضطر نہ تھا، سیماب تھا
ارتکابِ جرمِ اُلفت کے لیے بیتاب تھا

نامرادی محفلِ گُل میں مری مشہور تھی
صُبح میری آئنہ دارِ شبِ دیجور تھی

از نفس در سینۂ خوں گشتہ نشتر داشتم
زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشر داشتم

اب تاثّر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گلشن پر گراں میری غزل خوانی نہیں

عشق کے کانٹے سے لالے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

غازۂ الفت سے یہ خاکِ سیاہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدمِ دیرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصِل مجھ کو آزادی ہُوئی
دِل کے لُٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہُوئی

ضَو سے اُس خورشید کی اخترِ مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزیکہ خاشاکِ مرا وا سوختی

میونک (جرمنی) دُور افتادہ! اقبال

(۳۰۰) ———— (۶)

(انگریزی)

لاہور
۳۰۔ مارچ ۱۹۱۰ء

[۱] مائی ڈیئر مس عطیہ!

ملامت نامہ کے لیے جس سے مَیں بے حد لذّت اندوز ہُوا، سراپا سپاس ہُوں۔ ایک دوست کی ملامت سے زیادہ لُطف کسی دوسری چیز میں نہیں۔ ہز ہائینس کا دعوت نامہ حیدر آباد ہی میں موصول ہُوا تھا۔ مَیں نے فوراً بعد آپ کو لکھا تھا کہ جنجیرہ آنا میرے لیے ممکن نہیں۔ کل واپسی پر آپ کا لُطف انگیز ملامت نامہ موصُول ہُوا۔ مَیں نے تو ہز ہائینس کو تار دے دیا تھا کہ مَیں کالج کی مصروفیت کی وجہ سے جو بارہا میرے لیے ایک بار ثابت ہوئی ہے، شرفِ حاضری سے محروم رہ گیا ہُوں۔

مَیں اگر حیدر آباد میں چندے اور ٹھہر جاتا تو مجھے یقینِ واثق ہے کہ اعلیٰحضرت حضور نظام مجُھے شرفِ باریابی بخشتے۔ مَیں حیدر آباد میں جملہ اکابر سے مِلا اور اکثر نے مجھے اپنے ہاں دعوت پر بُلایا۔ میرا سفرِ حیدر آباد بلامقصد نہ تھا۔ عندالملاقات عرض کروں گا۔ خاندانِ حیدری سے ملاقات ہی مقصودِ سفر نہ تھا۔ مَیں ان سے اس سفر میں ہی مِلا ہُوں،

قبل ازیں ان سے مجھے نیاز حاصل نہ تھا۔ بیگم حیدری کا کرم ہے کہ انہوں نے ان عنایت آمیز الفاظ میں میرا ذکر فرمایا۔ مجھے ان کا اہلِ عرب کا ساجذبہ بے حد پسند آیا اور ان کے ہاں مجھے گھر کی سی آسائش میسر آئی۔ مَیں ان تمام امور میں جو اُن کی توجہ یا ہمدردی کا مرکز ہیں، اُن کے فہم و فراست کا مدّاح ہوں۔ حیدری اور بیگم حیدری ہی کے اثر سے مجھے حیدرآباد کی معاشرت کے بعض بہترین نمائندوں سے ملاقات کا موقع میسر آیا۔ حیدری صاحب ایک پابندِ وضع اور وسیع المشرب بزرگ ہیں۔ ان سے ملاقات سے قبل میری رائے تھی کہ وہ اعداد و شمار سے کام رکھنے والے ایک خشک طبع انسان ہوں گے، لیکن مَیں نے دیکھا ہے کہ قدرت نے انہیں دردِ دل اور فکرِ بلند کی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ اُن دونوں کے لیے میرے دل میں بے حد احترام ہے۔ ایک حقیقی گھر کا نقشہ ایک تو مَیں نے آرنلڈ صاحب کے ہاں دیکھا تھا اور دُوسرا اُن کے ہاں۔ بیگم حیدری اپنے وجدان کی بدولت ہم مردوں کی نسبت، جن کا سرمایہ بے جان استدلال ہے، بہتر معاملہ فہم ہیں۔

مجھ پر ایک کرم فرمائیے اور نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے معذرت پیش کیجیے۔ حیران ہُوں کہ ہز ہائینس کے تار کے جواب میں جو خط مَیں نے اُنہیں لکھا، کیا ہو گیا۔ شومیِ قسمت سے مَیں اپنے تعلقِ خاطر کے اظہار و اعلان کا عادی نہیں، لیکن اسی عدم اعلان و اظہار کی بدولت میرے تعلقِ خاطر میں ایک گہرائی و گرمجوشی پائی جاتی ہے۔ مگر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ مَیں ایک بے حس انسان ہوں۔ ازراہِ کرم نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کو یقین دلائیے کہ مَیں بندۂ فرمان ہُوں۔ جب کبھی حالات نے مساعدت کی، مَیں انتہائی مسرت کے ساتھ بخیرہ حاضر ہُوں گا۔

میری دس روز کی رخصتِ اتفاقیہ ۲۸ کو ختم ہوئی۔ مَیں ۲۳ کو حیدرآباد سے

لاہور کے لیے روانہ ہوا۔ چار دن کا سفر ہے۔ واپسی پر مجھے حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانوار پر بھی حاضر ہونا تھا۔ حضرت عالمگیر پر ایک ایسی وجد انگیز نظم لکھوں گا کہ اُردو والوں نے آج تک دیکھی نہ ہو گی۔ ۲۹۔ صبح کو لاہور پہنچا۔ سیدھا کالج گیا، اور وہاں سے کچہری۔ آپ خود ہی اندازہ فرمائیے کہ اندریں حالات میرے لیے جنجیرہ کا سفر کیونکر ممکن تھا۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے ملاقات کی مسرت سے اِسی بنا پر مجھے محروم رہنا پڑا۔

اُمید ہے یہ تصریح آپ کے لیے کافی ہو گی اور آپ میری طرف سے وکیل کی خدمات انجام دیں گی۔ اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا مجھے خود اعتراف ہے، لیکن فراموشگاری اور ریاکاری کا کبھی مرتکب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن شاید جیسا کہ آپ خیال کرتی ہوں گی، مَیں تو خود اپنے لیے بھی ایک معمّا ہوں۔ لیکن یہ راز سب پہ عیاں ہے ع

وہ راز ہُوں کہ زمانے پہ آشکار ہوں مَیں

میرے طور طریقے انوکھے ہو سکتے ہیں لیکن اس دُنیا میں ایسوں کی کیا کمی ہے جن کے اطوار مجھ سے بھی حیرت انگیز ہیں۔ موقع ہی انسان کی فطرت کا حقیقی معیار ہے۔ اگر کبھی وقت آیا تو آپ کو دکھا دُوں گا کہ مجھے اپنے احباب سے کس قدر تعلق خاطر ہے اور اُن کے لیے کس قدر دل سوزی مجھ میں پائی جاتی ہے۔ زندگی کسے پیاری نہیں! لیکن اپنے آپ میں اس قدر قوت ضرور پاتا ہُوں کہ جب ضرورت پڑے اسے دوسروں پر نثار کر دوں۔ فراموشگاری و ریاکاری کو اشارۃً و کنایۃً بھی مجھ سے منسوب نہ کیجیے کہ اس سے میری رُوح کو اذیّت ہوتی ہے۔ میری فطرت سے متعلق آپ کی ناواقفیت پر لرز جاتا ہوں۔ کاش! میں اپنا باطن آپ پر عیاں کر سکتا تاکہ میری رُوح پر فراموشگاری کا جو حجاب آپ کو نظر آتا ہے، دُور ہو جاتا۔

اس ناگزیر فروگذاشت کے لیے میری طرف سے ان کی خدمت میں معذرت پیش کیجیے اور مجھے مطلع کیجیے کہ میری تصریح اُن کے نزدیک قابلِ قبول ثابت ہوئی ہے یا نہیں۔

ہمیشہ آپ کا
محمّد اقبال

(۳۰۱)———(۷)

(انگریزی)

لاہور
۷۔اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

کرم نامہ کے لیے، جو آج صُبح موصُول ہُوا، سراپا سپاس ہُوں۔ معلُوم نہیں آپ کیوں بھُول جاتی ہیں کہ مَیں نے حیدر آباد سے آپ کو دو خط لکھے۔ ایک آپ کی طرف اطّلاع کے موصُول ہونے سے پیشتر اور دوسرا آپ کا تار ملنے کے بعد۔ اپنے دوسرے خط میں مَیں نے تار ملنے کی اطّلاع دی اور جنجیرہ نہ آسکنے کی مفصّل وجہ بیان کی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے شومیٔ قسمت سے میرا دوسرا خط شرفِ ملاحظہ سے محروم رہا ورنہ مَیں یُوں ہدفِ ملامتِ بے دریغ نہ بنتا۔ مَیں یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہُوں کہ نیاز نامہ کیونکر آپ تک نہ پہنچا۔ مجھُے اندیشہ ہے کہ آپ میری نیّت اور میرے عمل سے متعلق ایک افسوسناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کا تدارک بِلا ملاقات ممکن نہیں۔ مَیں محسُوس کرتا ہُوں کہ ہمارے تعلقات کے بیشِ نظر اب ہماری ملاقات اشد لابد ہوچکی ہے، لہٰذا مَیں اس کے لیے ضرور وقت نکالوں گا اگرچہ آپ کا خیال ہے کہ اِس گزارشِ احوالِ واقعی کے لیے کوئی موقع میسّر نہ آسکے گا۔ مجھُے اُمّید ہے مَیں اپنے اخلاص و صداقت کا آپ کو قائل کرسکوں گا۔ مجھے

آپ کی فطری نیکی پر ایسا ہی اعتماد ہے۔ فی الحال آپ سے صرف یہی درخواست کروں گا کہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میرا جواب پیش کر دیں۔ میری دانست میں وہ آپ کی نسبت عفو و درگذر کی لذت سے زیادہ آشنا ہیں۔

ہمارے درمیان جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کے متعدد اسباب ہیں، اور یہی اسباب غیر شعوری طور پر آپ کے دِل و دماغ پر مسلط ہیں۔ ان اسباب نے میری شومیٔ قسمت سے آپ کو مجھ سے اس حد تک بدظن کر دیا ہے کہ اب آپ مجھ پر دروغ بافی کی تہمت طرازی تک اُتر آئی ہیں اور میرے تعلقات کو خلوص و صداقت سے معرّا سمجھتی ہیں۔

میری سیاحتِ حیدر آباد سے متعلق کوئی نتائج اخذ نہ کیجیے مثلاً یہ کہ اعلیٰحضرت حضور نظام میری قدر افزائی فرما رہے ہیں۔ اس معاملہ میں خود میری تحریر کا انتظار فرمایئے۔ مَیں نے اتنا سفر اِن زمانے میں جب کہ میرے پاس قطعاً گنجائش نہ تھی، صرف ملاقاتوں کے لیے ہی اختیار نہیں کیا تھا۔ حیدر آباد کی سوسائٹی کے متعلق اِتنا ہی کہوں گا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔

آج صبح تک آپ کا تازہ عنایت نامہ موصُول ہونے سے قبل تو میری رائے تھی کہ حیدر آباد سے واپسی پر آپ کا جو کرمت نامہ موصُول ہُوا تھا، اُس میں خیراندیشی کی ایک بین السطور جھلک ضرور موجُود تھی لیکن اس تازہ گرامی نامہ نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ ایسا محسُوس کرتا ہُوں کہ آپ فی الحقیقت مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔ مَیں نہایت پریشان خاطر ہُوں اور جب تک اپنی بریّت پیش نہ کروں، یہی کیفیت قائم رہے گی۔ یقین کیجیے، مجھ میں یا میری نیازمندی میں قطعاً کوئی تغیر واقع نہیں ہُوا۔ میری پیش گوئی ہے کہ ایک دن خود آپ کو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔

میں نے کب اعلیٰحضرت حضور نظام کی طرف سے اپنی قدر افزائی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے۔ مجھے تو ان باتوں کی مطلق پروا نہیں۔ اگرچہ لوگ بدقسمتی سے مجھے بحیثیت ایک شاعر ہی کے جانتے ہیں لیکن میں شاعر کی حیثیت سے شہرت کا آرزومند نہیں ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے ایک اطالوی شہزادی کا خط آیا تھا جس میں اُس نے میری چند نظمیں مع انگریزی ترجمہ کے طلب کی تھیں لیکن شاعری کے لیے میرے دِل میں کوئی ولولہ موجود نہیں، اور اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ جب مجھے ممالکِ غیر سے ایسے شائستہ اشخاص کی قدردانی میسّر آئے تو مجھے ایک ہندوستانی والیِ ریاست کی قدردانی کی کیا پروا ہو سکتی ہے!

مائی ڈیر مس عطیہ! میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجیے اور نہ ہی مجھ پر ایسا عتاب فرمائیے جو آپ کے خط سے ٹپک رہا ہے۔ آپ نے تمام حقیقت تو سُنی نہیں، آپ کو میری اُن مشکلات کا جو میری روش کا باعث ہوئی ہیں، کچھ اندازہ ہی نہیں۔ میرے رویّہ کی مفصّل تشریح ایک طویل خط کی طالب ہے جس کی طوالت ناگواری کی حد تک پہنچ جائے گی۔ اور شاید یہ داستانِ طویل متعدد خطوط کی طالب ہو اور ایک نیاز نامہ اس کا متحمل نہ ہو سکے۔ مزید برآں اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ کاغذ کے نقوشِ بے جان سے الفاظ کی آواز زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ کاغذ جذباتِ انسانی کی حرارت کا کب متحمل ہوتا ہے، اور کئی امور ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کا ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں ہوتا۔

میری نیت سے متعلق فیصلہ دینے میں عجلت سے کام نہ لیجیے۔ آپ مجھے دنیائے عمل میں قدم رکھنے اور بک جانے کا الزام دیتی ہیں شاید اس الزام میں حقیقت

کا ایک شمّہ ضرور موجود ہے لیکن جب آپ پر تمام حالات منکشف ہوں گے تو آپ کو میرے طرزِ عمل کے لیے وجہِ جواز بھی نظر آجائے گی۔ دوسرے اعتبارات سے مَیں اب تک ایک خواب دیکھنے والا ہی ہُوں، اور بقول آپ کے ایک دوست کے جیسا کہ انہوں نے اُردو ادب پر اپنے ایک مقالہ میں مجھے خطاب دیا "سہانے خواب دیکھنے والا"۔

ہز ہائینس نے بجا طور پر میرے پتے کے متعلق آپ کو سند سمجھا، اور یہ کیوں نہ کہوں کہ آپ نے ایسی سند ہونے سے انکار کر دیا۔ مَیں تو اس سند کے اختیارات تسلیم کرنے کو تیار ہُوں، اور ہمیشہ تیار رہوں گا۔ بعض لوگ ادھر بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آپ کے متعلق مجھے بھی ایسی ہی سند سمجھتے ہیں۔ لیکن میری مایوسی کا اندازہ کیجیے جب مجھے دُوسروں کی زبانی معلُوم ہُوا کہ لاہور آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے مفتخر ہونے والا ہی نہیں بلکہ ہو چکا ہے، آپ نے تو دو حرفی اطلاع تک سے دریغ فرمایا۔ آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی اور اس سے میرے قلق میں مزید اضافہ ہُوا۔ میری رائے میں ان امور پر گفتگو ملاقات ہی پر اُٹھا رکھنی چاہیے۔ اِس سلسلہ میں قلم روکتا ہُوں۔ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے؛ البتہ ضرور نہیں کہ وہ باتیں اسی نوعیت کی ہوں۔

کُچھ دیر پہلے مجھے آپ کا اعتماد حاصل تھا اور آپ کو میرا پاسِ خاطر بھی ملحوظ تھا۔ انھی تعلقات کے پیشِ نظر کم از کم میری ایک درخواست تو قبول فرمائیے۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے بعد معذرت عرض کیجیے کہ میری مجبوریوں کے پیشِ نظر میری فروگذاشت سے درگذر فرمادیں۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونا خود میرے لیے صد ہزار مسرت کا سرمایہ دار ہوتا۔ زیادہ نہیں کہوں گا مبادا میرے خلوص پر شبہہ کیا جائے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آپ میرے خطوط آپ سے متعلق میرے رویہ کے

غلط اندازے کی روشنی میں مطالعہ کرتی ہیں اور یہ کوشش نہیں کرتیں کہ آپ کا خیال جس غلط راستہ پر پڑ چکا ہے، اُسے اُس سے ہٹا لیں۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو ازراہِ کرم خلوص و دیانت کی خاطر (اور اس جنس میں میری تہی مائگی مسلم اور آپ کا دامن مالا مال ہے) اُس وقت تک انتظار کیجیے کہ حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے۔ مقتضائے انصاف یہی ہے۔ آپ منصف ضرور ہیں، خواہ بعض اوقات ضد ہی کیوں نہ کر بیٹھیں اور آمادۂ جفا ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ اُن دنوں کی یاد میں جو بیت چکے ہیں لیکن جن کی یاد میرے قلب میں تازہ ہے، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ تک میرا پیغام پہنچا دیجیے اور ان سے عرض کیجیے فروگذاشت کو لاپروائی پر محمول نہ فرمادیں اور نہ ہی یہ خیال فرمادیں کہ میرے دل میں ان سے بہتر مقام کسی دوسرے کو میسّر آگیا ہے۔

لاہور واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا تو مَیں نے نواب صاحب کو تار دے دیا کہ کالج سے متعلق مصروفیات کی بنا پر جنجیرہ حاضر نہ ہو سکا۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ میرے تار کو شرفِ ملاحظہ حاصل ہُوا یا اُس کا بھی وہی حشر ہُوا جو میرے حیدرآباد والے خط کا ہُوا، اور جس کی عدم رسیدگی شدید غلط فہمی کا موجب ہوئی۔

نظم کی نقل کے لیے، جو آپ نے ارسال فرمائی ممنون ہوں۔ اس کی اشد ضرورت تھی۔ مَیں نے ہر چند حافظہ پر زور دیا، یہ اشعار یاد نہ آئے۔

نظموں کی اشاعت کے لیے مختلف حصصِ ملک سے تقاضے آرہے ہیں۔ ایک صاحب نے جنہیں آپ سے ملاقات حاصل ہے، اپنی خدمات اِس سلسلہ میں پیش کی ہیں۔ وہ خود مقدمہ لکھیں گے، ہندوستان کے بہترین مطبع میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرائیں گے اور جرمنی میں اس کی جلد بندھوائیں گے۔ لیکن مجھ میں اب شاعری

کے لیے کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کسی نے میری شاعری کا گلا گھونٹ دیا ہے اور مَیں محرومِ تخیّل کر دیا گیا ہُوں۔

شاید حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ پر جن کے مرقدِ منوّر کی مَیں نے حال ہی میں زیارت کی سعادت حاصل کی ہے، میری ایک نظم ہوگی جو میرے آخری اشعار ہوں گے۔ اس نظم کا لکھنا مَیں اپنا فرض سمجھتا ہُوں۔ میرا خیال ہے اگر مکمل ہوگئی تو کافی عرصہ تک زندہ رہے گی۔ آپ کی باصرہ خراشی خاصی ہو چکی، اب مُجھے خط ختم کرنا ہے۔ ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔ دن کے کام کے بعد تھک کر چُور ہو چکا ہُوں اور اب ایک گونہ اندوہ کے ساتھ لیٹ جاتا ہُوں۔ ملامت کے لیے مکرر شکریہ۔

مخلِص

محمد اقبال

(۳۰۲)—————(۸)

(انگریزی)

لاہور

۷۔ جولائی ۱۹۱۱ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

افسوس ہے آپ کے عنایت نامہ کا جو کچھ عرصہ گزرا موصُول ہُوا تھا، تاخیر سے جواب دے رہا ہُوں۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں ایک خاص پریشانی میں مبتلا رہا۔ بدنصیبی سایہ کی طرح میرے ساتھ لگی رہی ہے اور اس کی اس درجہ وفاداری کی وجہ سے مجھے اس سے اُنس ہوتا جا رہا ہے۔ تفصیل سے پھر کسی وقت لکھوں گا۔

نظموں کا مجموعہ بخوشی ارسالِ خدمت کروں گا۔ ایک دوست نے میری نظموں

کی ایک بیاض ارسال فرمائی ہے، کاتب انہیں خوش خط لکھ رہا ہے۔ جب کتابت ختم ہو چکے گی تو نظرِ ثانی کروں گا۔ جو نظمیں اشاعت کے قابل سمجھی جائیں گی، انہیں دوبارہ لکھواؤں گا اور ایک نقل آپ کی خدمت میں بھی پیش کروں گا۔ ممنونیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپ کی مسرت ہی میرا صلہ ہے۔ بلکہ اُس تحسین و ستائش کے لیے جس کا میں مستحق نہیں ہُوں، مَیں خود آپ کا احسان مند ہُوں۔ لیکن یہ تو ارشاد ہو کہ یہ مجمُوعہ جو ایک دِلِ خونچکاں کے نواہائے غم کے سوا کچھ نہیں، آپ کے کس مصرف کا ہے۔ اُن میں زندہ دلی نام کو بھی نہیں۔ لہٰذا مَیں نے انتساب میں کہا ہے ؎

خندہ ہے بہرِ طلسمِ غنچہ تمہیدِ شکست
تو تبسّم سے مری کلیوں کو نامحرم سمجھ
دَرد کے پانی سے ہے سرسبزیٔ کشتِ سخن
فطرتِ شاعر کے آئینے میں جوہر غم سمجھ

اشاعت کے لیے اِنتخاب میرے لیے ایک مشکل مرحلہ ہے۔ گزشتہ پانچ چھ سال سے میری نظمیں زیادہ تر پرائیویٹ نوعیت کی حامل ہیں اور مَیں سمجھتا ہُوں پبلک کو انہیں پڑھنے کا حق نہیں۔ بعض تو مَیں نے تلف کر ڈالی ہیں تاکہ کوئی انہیں چُرا کر شائع نہ کرا دے۔ بہر حال، دیکھوں گا کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جا سکتا ہے۔

قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بوعلی قلندرؒ کی مثنوی کے طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اِس راہ کی مشکلات کے باوجُود مَیں نے کام شروع کر دیا ہے۔ تمہیدی بند ملاحظہ فرمائیے ؎

نالہ را اندازِ نو ایجاد کن　　　بزم را از ہاؤ ہو آباد کن

آتش استی بزمِ عالم بر فروز　　دیگراں را ہم ازیں آتش بسوز
سینہ را سرمنزلِ صد نالہ ساز　　اشکِ خونیں را جگر پر کالہ ساز
پشتِ پا بر شورشِ دُنیا بزن
موجۂ بیرونِ ایں دریا بزن

بقیہ اشعار حافظہ سے اُتر گئے ہیں۔ اُمید ہے عدالت سے واپسی پر یاد آ جائیں گے۔ دس بج چکے ہیں، مجھے جانا ہوگا۔ ایک تازہ غزل جو ادیب میں شائع ہوئی ہے ملفوف ہے۔

مَیں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ صاحب کو (جنہیں اُمید ہے آپ جانتی ہوں گی) لکھا ہے کہ مجھے اُن اشعار کا انگریزی ترجمہ بھیجیں جو مَیں نے شہزادی دلیپ سنگھ کی ایک سہیلی مس گوٹمن کے لیے اس وقت لکھے تھے جب اُنھوں نے شالا مار باغ سے ایک خوبصورت پھُول توڑ کر مجھے پیش کیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اصل میرے پاس محفوظ نہیں، لیکن آپ کے لیے تلاش ضرور کروں گا۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں نیاز۔

مخلص
محمد اقبال

(۳۰۳)――――――(۹)

(انگریزی)

لاہور
۱۴۔ دسمبر ۱۹۱۱ء

ڈیر مس فیضی!

ابھی ابھی آپ کا عنایت نامہ موصول ہُوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مسز

نائیٹڈ کو اگر آپ کی رائے میں وہ اُردو نظم سمجھنے سے قاصر ہیں، تو میری نظم نہ دکھایئے۔ یہ میری تازہ غیر مطبُوعہ نظم ہے۔ چند مزید اشعار جو پرسوں صبح چار بجے موزوں ہو گئے تھے۔ درج کر دیے گئے ہیں۔ اس بحر میں پہلے مَیں نے کبھی نہیں لکھا۔ اس نظم میں موسیقیت کی فراوانی ہے۔ کاش میں خود آپ کو اور بیگم صاحبہ کو ترنّم سے سُنا سکتا!

مخلص
محمّد اقبال

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ ربابِ خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
بربطِ کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار
محشرستانِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منّت کشِ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

آہ! اُمید محبت کی بَر آئی نہ کبھی
چوٹ اِس ساز نے مضراب کی کھائی نہ کبھی

مگر آتی ہے نسیمِ چمنِ طُور کبھی
سمتِ گردوں سے ہوائے نفسِ حور کبھی
چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے رِہا رُوحِ گرفتارِ حیات

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اُٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اُٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

مسز نائیڈو صاحبہ کی خدمت میں سلام کہیے اور اُن کو یہ اشعار دکھائیے۔ مَیں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ مس عطیہ آپ کو دکھائیں گی۔

اقبال

ہندوؤں نے بنگال کی دو حصّوں (ہندو بنگال اور مُسلم بنگال) میں تقسیم کو حکومت کی طرف سے بنگالی قومیت کے قلب پر ایک ضربِ کاری سے تعبیر کیا ہے لیکن حکومت نے دہلی کو دارالسلطنت قرار دے کر اپنے فیصلے کی خود ہی پُوری ہوشیاری سے تنسیخ بھی کر دی ہے۔ بنگالی سمجھتا ہے جیت اُس کی رہی لیکن اُسے نظر نہیں آتا کہ اس کی اہمیت گھٹا کر صفر کر دی گئی ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق دو شعر ہو گئے ہیں:

~ مندمل زخمِ دلِ بنگال آخر ہو گیا — وہ جو تھی پہلے تمیزِ کافر و مومن گئی
تاجِ شاہی آج کلکتے سے دہلی آ گیا — مل گئی بابو کو جُوتی اور پگڑی چھن گئی

محمدؐ اقبال

نوٹ: اس خط میں نظم "دعا" بھی ملفوف تھی جو اضافہ کے ساتھ بانگِ درا میں شامل کی گئی؛ البتہ یہ شعر بانگِ درا میں شامل نہیں ہے

آتش منشی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے — اس بادیہ پیما کو وہ آبلہ پا دے

(۳۰۴)————(۱۰)

(انگریزی)

لاہور

۲۹۔مئی ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر عطیہ بیگم! آپ کے میموریل سے متعلق مجھے ابھی تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

میرا خیال ہے کہ مسئلۂ فلسطین کے متعلق آپ کی معلومات درست نہیں۔ میں نے مفتیٔ فلسطین کو مشورہ دیا کہ وہ کم از کم وسط اکتوبر تک ہندوستان کا قصد نہ فرمائیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشورہ اُن کے نزدیک قابلِ قبول بھی ہوگا یا نہیں۔ شوکت علی صاحب میرے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں، وہ حقیقت میں ایک ایسی ستائش ہے جس کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا۔ میں بھی تو اُن کی طرح ایک تودۂ خاک سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہوں۔ ہسپانیہ میں میری پرائیویٹ سکرٹری نے جو ایک برطانوی لڑکی تھی، میرے متعلق اپنے رویّہ میں دفعتہً ایک تبدیلی پیدا کر لی اور میری خدمت ایک پرائیویٹ سکرٹری کے بجائے ایک مرید کی طرح انجام دینے لگی۔ میں نے اُس سے اپنی روِش میں اس نہایت ہی واضح تبدیلی کی وجہ دریافت کی تو اُس نے کہا کہ اُس نے مجھے ایک فرشتہ پایا ہے، اور اقرار کیا کہ وہ مثبت طور پر تو اپنے محسوسات کی وضاحت نہیں کر سکتی؛ البتّہ منفی طور پر یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ کوئی بیوقوف نہیں ہے۔

اگر آپ کو ہندوستان کی مُسلم خواتین کانفرنس سے متعلق اصرار ہے تو آپ کو اس کا انعقاد کسی دوسری کانفرنس یا لیگ کے زیرِ اہتمام نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ ایک جُداگانہ اور آزاد تنظیم ہونی چاہیے۔ اس کے مسلکِ عمومی سے متعلق آپ بلاشبہہ ممبران

کانفرنس ہی سے مشورہ کر سکتی ہیں۔ اواخر جولائی میں میرے یورپ جانے کا امکان ہے! اگر اس تجویز نے عملی صورت اختیار کی تو آپ کو اطلاع دوں گا۔

مخلص

محمد اقبال

(ماخوذ از جنگ کراچی۔ اقبال ایڈیشن ۱۹۶۶ء)

اصل حسبِ معمول انگریزی میں ہے

پروفیسر محمّد اکبر منیر کے نام

(۳۰۵) ———— (۱)

(یہ خط اس وقت لکھا گیا جب مکتوب الیہ اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔اے کے متعلم تھے۔ بعد میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے اور مختلف سرکاری کالجوں میں کام کرتے رہے ہیں، اور اب پنشن یاب ہو چکے ہیں)

(انگریزی)

لاہور

۱۲۔جنوری ۱۹۱۸ء

ڈیر مسٹر محمد اکبر!

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ کی نظم جو ملفوف تھی، مَیں نے نہایت دلچسپی سے پڑھی۔ آپ نے اپنے عنایت نامہ اور نظم میں جس قدر میری تعریف و توصیف فرمائی ہے، اس کے لیے آپ کا نہایت شکر گزار ہُوں اگرچہ مَیں جانتا ہُوں کہ اس تحسین و ستائش کا سزاوار نہیں۔ آپ کی نظم سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ نے مشق جاری رکھی اور غور و فکر کی عادت ڈالی تو ایک روز آپ کو اس میدان میں بہت بڑی کامیابی نصیب ہو گی۔

شعر کا منبع و ماخذ شاعر کا دماغ نہیں، اس کی رُوح ہے۔ اگرچہ تخیل کی بے پایاں وسعتوں سے شاعر کو محفوظ رکھنے کے لیے دماغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۰۶)——————(۲)

(یہ مکتوب بحرین کے پتہ پر لکھا گیا جہاں مکتوب الیہ اس زمانے میں ملازم تھے)

لاہور
۲۱-اپریل ۱۹۲۰ء

مکرم بندہ، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مِل گیا ہے جسے پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ یہ ایک نادر موقع مِل گیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے بڑا فائدہ اٹھائیں گے۔ واپسیِ ہندوستان پر بھی یہ تجربہ آپ کے لیے ازبس مفید ہو گا۔ عربی زبان سیکھنے کے لیے میری رائے ناقص میں مصر، بیروت سے بہتر ہے۔ فلسفے کی مندرجہ ذیل کتب فی الحال پڑھیے، پھر اور لکھ دوں گا۔

(نوٹ: اس کے بعد چار انگریزی کتابوں کے نام درج ہیں)

یہ سب کتابیں غالباً لاہور سے مِل جائیں گی۔ راما کرشنا کو لکھنا چاہیئے نہ ملیں تو وہ انگلستان سے منگوا دے گا۔

فوٹو کی نسبت یہ عرض ہے کہ اس وقت میرا کوئی فوٹو میرے پاس موجود نہیں۔ ہاں، بنواؤں گا تو آپ کی خدمت میں ایک کاپی ضرور مرسل ہو گی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ شیرازی صاحب سے بھی میرا سلام کہیے۔ اُمید کہ مقتضیاتِ زمانہ سے اُدھر

کے لوگ باخبر ہوتے جائیں گے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ایام لائے۔

مخلص

محمدؐ اقبال ، لاہور

(۳۰۷)――――(۳)

(یہ خط بھی بحرین کے پتہ پر ہی لکھا گیا)

لاہور،
۴۔اگست ۱۹۲۰ء

مکرم بندہ ، السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ ایران جانے والے ہیں۔ شیراز فارسیوں کے کلچر کا مرکز ہے، اور مجھے یقین ہے کہ وہاں کا قیام آپ کے لیے بہت مفید ہوگا۔ حال کی ایرانی شاعری میں کچھ نہیں؛ البتہ اس قوم کی بیداری کے شواہد کے طور پر اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔ علاوہ اس کے زبان کی تحصیل کے لیے بھی مفید ہے۔ ایرانی شاعری کا تو قاآنی پر خاتمہ ہو گیا۔ خالص فلسفہ میں اگر کتابیں آپ کو مل جائیں تو انہیں جمع کرتے جائیے، قلمی ہوں یا مطبوعہ۔ تصوف کی کتب کا جمع کرنا بھی مفید ہوگا۔ حال کے ایرانی حکماء میں ہادی سبزواری مشہور ہیں۔ ان کی کتاب اسرار الحکم میری نظر سے گزری ہے محض افلاطونیت کا چربہ ہے اور بس۔ حال کے دیگر حکماء میں سے اگر کسی کی تصنیفات آپ کے ہاتھ آجائیں تو غنیمت ہے۔ فلسفے اور تصوف کی کتابوں پر اگر خرچ ہو تو پروا نہ کیجیے، اس میں مجھے بھی شریک سمجھیے؛ البتہ کتاب خریدنے میں احتیاط لازم ہے۔ کیونکہ نوّے فی صد کتابوں میں کچھ بھی نہیں ہوتا لوگ نام کی وجہ سے

خرید لیتے ہیں۔

ایک کتاب غالباً "لطائف غیبی" نام ایران میں شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر براؤن نے لٹریری ہسٹری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اُن اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے جو شیعہ حضرات نے وقتاً فوقتاً خواجہ حافظؒ پر کیے ہیں۔ اگر کہیں سے دستیاب ہو جائے تو میرے لیے خرید کر کے بھیج دیجیے۔

یونانیوں کے فلسفے پر حال ہی میں ایک نہایت عمدہ چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی ہے:

A Critical History of Greek Philosophy

By W.T.Stace

اسے ضرور پڑھیے۔ میکمیلن سے ملے گی۔ اس سے زیادہ صاف اور واضح کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ بعد کا یورپین فلسفہ سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس وقت پریس میں ہے، غالباً سردیوں میں شائع ہوگا۔ پروفیسر نِکلسن کا خط آیا تھا۔ انہوں نے وہاں کی لٹریری سوسائٹیوں میں اس کتاب کے مضمون پر متعدد لیکچر دیے ہیں جن کی وجہ سے اس نئے فلسفے کا وہاں بڑا چرچا ہے۔

اب میں گوئٹے کے "دیوان" کے جواب میں ایک دیوانِ فارسی لکھ رہا ہوں۔ جس کا ایک تہائی حصّہ لکھ چکا ہوں۔ اسرارِ خودی کا ترجمہ یورپ کی اور زبانوں میں بھی ہو جائے تو تعجب نہیں۔ مَیں نے سُنا ہے فرانس میں بھی اس کا چرچا ہے۔ یہ غالباً پروفیسر نِکلسن کے لیکچروں کی وجہ سے ہُوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوان کا ترجمہ بھی ضرور ہوگا کیونکہ یورپ کی دماغی زندگی کے ہر پہلو پر اس میں نظر ڈالی گئی ہے اور مغرب

کے سرد خیالات و افکار میں کسی قدر حرارت ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ ہندوستان اور بالخصوص پنجاب سے بیشمار لوگ (مسلمان) افغانستان کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ اس وقت تک پندرہ بیس ہزار آدمی (اور ممکن ہے کہ زیادہ) جا چکا ہوگا۔

محمد اقبال

(۳۰۸)————(۴)

لاہور، ۳۰۔ جنوری ۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اس سے پہلے بھی آپ کا ایک نہایت دلچسپ خط ملا تھا مگر میری صحت کچھ عرصے سے خراب ہے، جواب لکھنے سے قاصر رہا۔ عصر آزادی میں آپ کی دونوں نظمیں دلآویز ہیں۔ انشاء اللہ آپ کی زبان شستہ ہو جائے گی اور ایران کا قیام آپ کی شاعری کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ ملا صدرالدین شیرازی کی تفسیر قرآن کے لیے ممنون ہوں۔ یہ چیز عجیب و غریب ہوگی۔ اُمید کہ چند روز تک یہاں پہنچ جائے گی۔ میں حال میں ان کی کتاب "ملا صدرا" کا مطالعہ کر رہا ہوں، اور اگر وقت نے مساعدت کی تو ان کے خیالات پر کچھ لکھوں گا بھی۔

عرصے سے میرا ارادہ ایک انٹرنس کورس فارسی ترتیب دینے کا ہے۔ جدید فارسی نظم و نثر کے کچھ عمدہ اور آسان نمونے مل جائیں تو یہاں کے طلبہ کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ اگر آپ کو چند ایسی کتب نظم و نثر مل جائیں تو میرے لیے خرید کر لیجیے۔ نظمیں مشہور اساتذۂ حال کی ہوں اور سلیس اور آسان طرزِ جدید میں لکھی گئی ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔

پولیٹیکل نظموں کی ضرورت نہیں۔ ایک کتاب 'سفینۂ طالبی' سُنا ہے بہت اچھی ہے مگر ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ کتاب یا کوئی اور کتاب اسی قسم کی مل جائے تو خوب ہے۔ غرض کہ آپ یہاں کے انٹرنس کے طلبہ کی ضروریات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ فارسی کے ذریعہ سے بھی جدید خیالات اور احساسات طلبۂ ہند تک پہنچیں۔ انگریزی کورسوں میں مضامین کا تنوع نہایت دل چسپ ہوتا ہے۔ انتخاب میں وہ بھی زیرِ نظر رہے۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ عدم تعاون روز افزوں ہے اور گورنمنٹ تشدد پر آمادہ ہے۔ زمانۂ حال کی طبیعت میں ہیجان واضطراب ہے۔ معلوم نہیں باطنِ فطرت میں کیا کیا اسرار ہیں جو ظہور پذیر ہوں گے۔

فلسفہ کی کتابوں کے نام دوسرے صفحے پر لکھتا ہوں، لاجک کی فی الحال آپ کو ضرورت نہیں ہے۔

(اس کے بعد انگریزی میں فلسفہ کی تین کتابوں کے نام دیے ہیں۔ مرتب)

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۳۰۹)————(۵)

ڈیر مسٹر منیر، السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

اخبار استخر جس میں آپ کی نظم شائع ہوئی، ملاحظہ سے گزرا۔ آپ کی زبان دانی میں بہت ترقی کر رہی ہے۔ اللّٰھم زد فزد! خیالات کے لیے طبیعت پر زور

دینا چاہیے۔ مطالبِ جلیلہ کی مشرقی نظم کو بہت ضرورت ہے۔ حکیم سنائی اور مولانا روم کو زیرِ نظر رکھنا چاہیے۔ اِس قسم کے لوگ اقوام و ملل کی زندگی کا اصلی راز ہیں۔ اگر یہی لوگ غلط راستے پر پڑ جائیں تو اقوام کی ممات بھی انہی کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مولانا روم کے تو اسرار و حقائق زندہ جاوید ہیں۔ حکیم سنائی سے طرزِ ادا سیکھنا چاہیے کیونکہ مطالبِ عالیہ کے ادا کرنے میں اُن سے بڑھ کر کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ایرانی اخبارات میں اِس قسم کی نظمیں شائع کیا کیجیے۔ مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ جائیں گی، اور اگر ان کے اختلافات کا تصفیہ نہ ہو سکا تو اللہ حافظ ہے۔ مضامینِ اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہو گا اور دُنیا پھر ایک دفعہ جلالِ اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔ ہندوستان میں بظاہر مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے بعد امن و سکون ہے مگر قلوب کا ہیجان حیرت انگیز ہے اِتنے عرصے میں اتنا اِنقلاب تاریخِ اُمم میں بے نظیر ہے۔ ہم لوگ جو انقلاب سے خود متاثر ہونے والے ہیں، اس کی عظمت اور اہمیت کو اس قدر محسوس نہیں کرتے۔ آئندہ نسلیں اس کی تاریخ پڑھ کر حیرت میں ڈوب جائیں گی۔ ایشیا کی مسلمان اقوام کی حرکت بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ کیا عجب کہ اِس نئی بیداری کو ایک نظر دیکھنے کے لیے مَیں بھی جولائی یا اگست کے مہینے میں ایران جا نکلوں۔ میرے ایک دوست سردار جوگندر سنگھ ایڈیٹر 'ایسٹ اینڈ ویسٹ' اصرار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئٹے کے رستے ایران چلوں۔ اگر ممکن ہو سکا تو ضرور اُن کا ساتھ دوں گا۔ اس دفعہ مجھے دردِ نقرس (گوٹ) کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ کامل دو ماہ چارپائی سے اُتر نہیں سکا۔ چونکہ میری فطرت کو ایران سے ایک مناسبت خاص ہے، ممکن ہے وہاں کی آب و ہوا کا اچھا اثر مجھ پر ہو۔

"سفینہ طالبی" مَیں نے یہاں تلاش کی۔ افسوس! نہ مِل سکی۔ آپ کو نثر کی جو عمدہ کتب مِل سکیں، بھیج دیجیے۔ نظم نہ ملے تو نہ سہی، نثر کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر حکایات کی کوئی عمدہ کتاب ہو تو وہ بھی ارسال کیجیے، یعنی ایسی کتاب جس میں چھوٹی چھوٹی حکایاتِ لطیف اور معنی خیز ہوں۔

مُلّا صدرا کی تفسیر بھی پہنچ گئی تھی۔ بعض مقامات تو خُوب ہیں مگر بحیثیتِ مجموعی اس کا پایہ تفاسیر میں بہت کم ہے۔

اُردو نظم 'خضرِ راہ' جو مَیں نے حال میں لکھی ہے، ارسالِ خدمت کروں گا۔ گوئٹے کے دیوان کے جواب میں "پیامِ مشرق" مَیں نے لکھی ہے جو قریب الاختتام ہے۔ اُمّید ہے اس سال کے اختتام سے پہلے شائع ہو جائے گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ فارسی کُتب جہاں تک ممکن ہو، جلد ارسال کیجیے۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۳۱۰)————(۶)

(یہ مکتوب بغداد کے پتہ پر لکھا گیا)

لاہور، ۲۔ فروری ۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم!

خط آپ کا ابھی مِلا ہے جسے پڑھ کر مجھے بڑی خُوشی ہوئی۔ آپ کو اسلامی ممالک کے سفر سے بہت فائدہ ہُوا ہے، اور ہوگا۔ اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں، نہایت

دِل چسپ ہیں، اور بالخصوص 'مسلمانے نمی بینم' نے تو مجھے رُلا دیا۔ اللّٰہم زِد فزِد!
مَیں نے ایک عرصہ ہُوا آپ کو بغداد کے پتے پر خط لکھا تھا یا شاید شیراز کے پتے پر۔
اُمید نہیں کہ وہ خط آپ تک پہنچا ہو کیونکہ اس خط میں اُس کی طرف کوئی اشارہ
نہیں۔ اِس عرصے میں مَیں نے ایک کتاب 'پیامِ مشرق' نام لکھ کر شائع کی ہے۔
چونکہ آپ کا مستقل پتہ معلوم نہ تھا، اور آپ نے خط اُس وقت لکھا جب آپ طہران
سے رخصت ہونے والے تھے، اِس واسطے میں نے احتیاطاً اُسے نہ بھیجا، اس خیال
سے کہ ضائع نہ ہو جائے۔ اب اُس کی پہلی ایڈیشن ختم ہو چکی ہے، دوسری ایڈیشن
جس میں بہت سا اضافہ ہے، چند روز تک شائع ہو جائے گی۔ جہاں آپ کا مستقل قیام
کچھ عرصہ کے لیے ہو، مطلع فرمائیے تاکہ میں وہ کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کر سکوں۔
یہ کتاب گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ دُنیا
کے دِل میں انقلاب ہے، اس واسطے قلوبِ انسانی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔
اسلام کی عظمت کا زمانہ انشاء اللہ قریب آ رہا ہے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال، لاہور

۲- فروری ۲۴ء

(۳۱۱) ———— (۷)

(یہ مکتوب گورنمنٹ کالج ملتان کے پتہ پر لکھا گیا جہاں
مکتوب الیہ پروفیسری کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔)

لاہور
۱۷- مارچ ۲۵ء

ڈیر مسٹر اکبر منیر!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔

زندگی کا راز یہی ہے، جہاں رہو، جس حالت میں رہو، خوش اور مطمئن رہو۔ دُنیا میں بہت کم آدمی ہیں جو اپنی زندگی کے مختلف احوال و مقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم سب لوگ اپنی زندگی کا محض ایک خارجی مشاہدہ کر سکتے ہیں، اندرونی علل و اسباب و نتائج ہماری نظر سے مخفی رہتے ہیں۔ ہاں، لاہور میں بہار کا آغاز ہے مگر

دلم بہ ہیچ تسلّی نمی شود حاذق!
بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم

ماہِ نو ضرور مرتّب کیجیے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ زبورِ عجم کے لیے ایک مدت درکار ہوگی۔ بہت سے اور مشاغل ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اگر اسی کام میں سراپا محو ہو سکتا تو اب تک ختم ہو گیا ہوتا۔ والسلام

محمد اقبال

(۳۱۲)——————(۸)

(انگریزی)

لاہور
۹۔ نومبر ۱۹۲۸ء

مائی ڈیئر مسٹر منیر!

آپ نے اپنے بھائی کی وساطت سے نظموں کا جو مجموعہ ارسال فرمایا، اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ مَیں نے اس مجموعہ کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ آپ کا قیامِ ایران یقیناً آپ کے لیے نہایت سُودمند ثابت ہُوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوت اور جِلا آ گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے ماہِ نو جلد بدرِ کامل میں مبدّل ہو جائے گا۔

آپ کا
محمد اقبال

(۳۱۳) —————— (۹)

لاہور
مارچ ۳۳ء

ڈیئر اکبر منیر!

آپ کا خط ابھی ملا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

مَیں ۱۱۔ مارچ کی شام یہاں سے دہلی جاؤں گا۔ غالباً ۱۴۔ مارچ کی صُبح واپس آؤں گا۔ ۱۱۔ مارچ کے دن کسی وقت آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

شادِ اقبال

اقبال کے خطوط کے اوّلین مجموعہ کی اشاعت کا شہرت و فخر جناب محی الدین صاحب قادری پروفیسر ادبِ اُردو جامعہ عثمانیہ کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ انہوں نے اقبال نامہ یعنی پیشِ نظر مجموعہ کی جلد اوّل کی اشاعت سے قبل شادِ اقبال کے نام سے اقبال اور مہاراجہ سرکشن پرشاد (حیدرآباد) کی باہمی خط و کتابت جو متعدد اعتبارات سے اہم ہے شائع کر دی۔ میں جملہ عقیدتمندانِ اقبال کی طرف سے انکی خدمت میں دلی تشکر کا ہدیہ پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے 'شادِ اقبال' کے اس انتخاب کی اقبال نامہ حصہ دوم میں شمولیت کی بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ قارئین کرام اور دوستدارانِ اقبال "شادِ اقبال" کے مطالعہ سے اقبال سے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

(عطاء اللہ، مرتّبِ اقبال نامہ)

سرکشن پرشاد کے نام

(۳۱۴)—————(۱)

لاہور

یکم نومبر ۱۶ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم مع التعظیم!

نوازش نامہ مِل گیا ہے۔ سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گزار ہُوں کہ اس دُور افتادہ دُعاگو کو بالالتزام یاد فرماتے ہیں۔

لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا۔ اگر سیاحت کے مقصد سے گھر سے باہر نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہنچے۔ مقصد محض آرام تھا۔ لاہور کورٹ میں تعطیل تھی، کچہری بند تھی اور میں چاہتا تھا کہ کسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں، چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں کے لیے آرام کروں۔ پہاڑ پر جانے کے لیے سامان موجود تھا مگر صرف اسی قدر کہ تنہا جاسکوں۔ تنہا جاکر ایک پُرفضا مقام میں آرام کرنا اور اہل وعیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروّت معلوم ہُوا، اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں، مگر آدمیوں کی آمد ورفت نہ تھی۔

اسی تنہائی میں مثنوی اسرارِ خودی کے حصہ دوم کا کچھ حصّہ لکھا گیا اور ایک نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے جس کا نام ہوگا "اقلیمِ خاموشاں"۔ یہ نظم اُردو میں ہو گی اور اس کا مقصد یہ دِکھانا ہوگا کہ مُردہ قومیں دُنیا میں کیا کرتی ہیں۔ ان کے عام حالات وجذبات وخیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہُوں۔ حیدرآباد کے ارباب حل و عقد خوابیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور حقیقتِ مضمرہ پر اُن کی آنکھیں کھولے۔ ایسا ہو تو آپ کی قدر ان کو معلوم ہو گی اور داغ مرحُوم کا یہ قول صادق آئے گا:

تو مجُھ کو چاہے اور مجُھے اجتناب ہو

کیا خواجوئے کرمانی کا دیوان سرکار کے کُتب خانے میں قلمی یا طبع شُدہ موجُود ہے؟

خادمِ دیرینہ

محمد اقبال، لاہور

(۳۱۵)————(۲)

لاہور

۱۳۔اکتوبر ۱۶ء

سرکارِ والاتبار، تسلیم!

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے مَیں سرکار کا سپاس گزار ہُوں۔ راجہ گوبند پرشاد مرحُوم و مغفور کی خبرِ رحلت معلوُم کر کے افسوس ہُوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دُنیا سے ناشاد جائے! لیکن گوبند پرشاد باقی ہے اور یہ جُدائی محض عارضی ہے ؎

پستیِ عالم میں ملنے کو جُدا ہوتے ہیں ہم

عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں۔ سردی آ رہی ہے۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اُٹھتا ہُوں پھر اس کے بعد نہیں سوتا، سوائے اس کے کہ کبھی مصلّے پر اونگھ جاؤں۔ یہ موسم نہایت خوشگوار ہے اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لیے موزوں۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدمبوسی کا موقع دیجیے۔ یہاں کے دِلوں پر آپ کا نقش ابھی تک موجُود ہے ؎

کبھی اِس راہ سے شاید سواری تیری گزری ہے
کہ میرے دل میں نقشِ پا ترے توسن کے نکلے ہیں

"اقلیمِ خاموشاں" تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں۔ مقصود اقلیمِ خاموشاں سے محشر ہے تاکہ دیدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے ؎

طالبِ دیدار محشر کا تمنّائی ہُوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جُرم ناشکیبائی ہُوا

زیادہ کیا عرض کروں کہ سرکار سے دُور ہُوں، اور جیتا ہُوں۔

مخلِص

محمدؐ اقبال

ہاں، یہ عرض کرنا بھُول گیا کہ لاہور میں کچھُ عرصہ سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں، یعنی سرکار علامہ شیخ عبد العلی طہرانی۔ معلوُم نہیں کبھی حیدرآباد میں بھی ان کا گزر ہُوا یا نہیں۔ عالمِ متبحّر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالبِ قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علمِ جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتا ہُوں۔ اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو

خوب ہو کہ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے۔

(۳) ——————(۳۱۶)

۶۔ دسمبر ۱۶ء

سرکارِ والا تبار!

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اخبار میں حضور نظام کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر نظر سے گزری تھی مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بھی ان کی معیت میں ہیں، اس واسطے کل جو عریضہ لکھا، وہ حیدر آباد کے پتے پر لکھا گیا۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ معلوم نہیں بمبئی میں آپ کا قیام کب تک رہے گا۔ "دیارِ پیرِ سنجر" کی زیارت ضرور کیجیے۔ میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا میں اُڑتا ہُوا وہاں پہنچا تھا۔ فضائے آسمانی سے یہ آواز آ رہی تھی ؎

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سُنا تھا
ہم آنکھوں سے وہ زیر و بم دیکھتے ہیں

اِس شعر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سرکار کو اس دربارِ فلک آثار میں بہت گزر ہے، اُمید کہ اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی جائے گی۔

بہر حال، میں آپ کے سفرِ پنجاب کے امکان سے فی الحال خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور نہالِ آرزو بار آور ہو۔ جس اثر کو سرکار ڈھونڈتے ہیں، اس کے متعلق آپ کا خادمِ دیرینہ عرض کرتا ہے ؎

دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ تری حدیثِ گداز میں

مگر اُمید کیفیتِ مستقل اور نا امیدی عارضی ہے۔ اس کا ثبوت بھی انشاء اللہ مِل جائے گا، مطمئن رہیے۔ آرزو شرط ہے۔

نا امید از آرزوے پیہم است
نا امیدی زندگانی راسم است

غم و اضمحلال کا آپ کے دربار میں کیا کام ہے، ان کو رخصت کا اشارہ فرمائیے۔

اے کہ در زندان غم باشی اسیر — از نبی تعلیم لَا تَحْزَنْ بگیر
ایں سبق صدیق را صدیق کرد — سر خوش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خُدا داری زغم آزاد شو — از خیالِ بیش و کم آزاد شو

خادمِ دیرینہ
مُحمد اقبال

(۳۱۷) ———— (۴)

لاہور — ۵۔ جنوری ۱۹۱۷ء

سرکارِ والاتبار، تسلیم مع التعظیم!

محبت نامہ مِل گیا ہے جس کے لیے اِقبال سراپا سپاس ہے۔ الحمدللہ کہ آئینہ دل گردِ غرض سے پاک ہے۔ اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے، اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ و اسنیٰ ہے۔ دِل تو بہت عرصہ سے آرزومندِ آستانہ بوسی ہے۔ مگر کیا کیا جائے، ایک مجنوں اور سو زنجیریں۔ تین چار ماہ ہُوئے کہ ارادہ مصمم سفرِ حیدرآباد کا کر لیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ مِلی۔ خاموش رہا۔

اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں۔ کئی باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدرآباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ حافظ------ علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصہ سے جانتا ہوں۔ وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ میں ان کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ ایک دفعہ بنگلور میں ان کی وجہ سے بہت فساد ہونے کو تھا۔ ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں ان کے حالات بلا رُو رعایت لکھوں تاکہ فساد رفع ہو۔ میں نے جو کچھ معلوم تھا، لکھ دیا۔ الحمدللہ کہ فساد رفع ہو گیا اور حافظ صاحب مع اپنے مریدوں کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں۔ بے اعتنائی ان لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں، اس طرزِ عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ اُن کی سمجھ اور گرفت سے بالاتر ہیں۔ عنقائے بلند آشیاں کس کے قابو میں آسکتا ہے۔ قریب ہے کہ آپ سب سے مستغنی ہو جائیں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

خادمِ کہن

محمدؐ اقبال

(۳۱۸)————(۵)

لاہور

۷۔ مارچ ۱۷ء

سرکارِ والاتبار، تسلیم مع التعظیم!

والا نامہ پرسوں مل گیا تھا جس میں سرکار دولت مدار کے حیدر آباد واپس جانے کی خبر تھی۔ لہٰذا یہ عریضہ حیدر آباد ہی کے پتہ پر لکھتا ہوں کہ سرکار کل بمبئی سے رُخصت ہو جائیں گے۔

فارسی غزل کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ کا والا نامہ بار رُوم میں ملا تھا۔ یہاں کے وکالت پیشہ احباب میں بعض ذوقِ سخن رکھتے ہیں۔ اہلِ پنجاب کے دلوں پر آپ کا نقش تو پہلے سے ہے۔ فارسی غزل "کیستم من" جب پڑھی گئی تو اربابِ ذوق سرمست ہو گئے۔ واقعی لاجواب غزل ہے۔ انہیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔ کیا خُوب ہو اگر سرکار عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروز اہلِ بصیرت ہو۔

مجھے جو خلوص سرکار سے ہے، اس کا راز معلُوم کرنا کچھ مُشکل نہیں۔ یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے۔ سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے، مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمد للہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں، اور نہ انشاء اللہ ہو گا۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔

اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں، اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔

اللہ اکبر سے دو چار روز ہوئے کہ ملاقات ہوئی تھی، آپ کا تذکرہ بھی ہوا تھا۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کا دور دورہ پھر ہو جائے گا۔ مطمئن رہیے۔ آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوبہ نے بہت لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ کسی روز اُنکی خدمت میں بھی جانے کا قصد ہے۔ شاد کا پیغام بھی پہنچا دوں گا۔

قید سے گھبرانا کیا! اس کی شدت لطفِ آزادی کو دوبالا کردے گی۔ عرصہ ہوا میں نے پھول سے خطاب کیا تھا:

ؔ اگر منظور ہے تجھ کو خزاں ناآشنا رہنا
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خُو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابہ گِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تُو کر لے

تصویریں ابھی کوئی پاس نہیں، نئی بنوا کر سرکار کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے، ذہین و طبّاع ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آج کل اس فکر میں ہوں کہ اُس کو کہیں مرید کرا دوں یا اس کی شادی کر دوں کہ اُس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے۔

ناز تا ناز است کم خیزد نیاز   ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز

اس کی تصویر بھی اِنشاء اللہ حاضر ہو گی۔ والسلام

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۶)————(۳۱۹)

لاہور

۱۰- اپریل ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم!

یہ سن کر کمال مسرت ہوئی کہ سرکار والا حیدر آباد تشریف لے آئے۔ اقبال پھر مبارکباد عرض کرتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مبارک اور کئی مبارکبادوں کا پیش خیمہ ہو!

سرکار نے بجا ارشاد فرمایا کہ انسان تدبیر کا مجاز اور اس پر معناً قادر ہے۔ مگر اس معاملے میں جس قدر تدابیر اقبال کے ذہن میں آسکتی ہیں، اُن سب کا مرکز ایک وجود ہے جس کا نامِ گرامی شاؔد ہے۔ تدبیر اور تقدیر اسی نام میں مخفی ہیں۔ پھر اقبال انشاء اللہ العزیز ہر حال میں شاد ہے۔ لاہور میں ہوں یا حیدر آباد میں ؏

اگر نزدیک گر دُورم غبارِ آں سر کویم

(بیدؔل)

یہاں پنجاب اور یو پی کے اخباروں میں چرچا ہُوا تو دُور دُور سے مبارک باد کے تار بھی اُڑ گئے۔ اور اضلاعِ پنجاب کے اہلِ مقدمات جن کے مقدمات میرے سپُرد ہیں، ان کی گونہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال، مرضئ مولا از ہمہ اولیٰ۔ کل پنجاب کی مشہور انجمن حمایتِ اسلام لاہور جو سرکار کی فیاضی سے بھی مستفیض ہو چکی ہے، اپنا سالانہ اجلاس کرے گی۔ بھوپال کے پرنس حمید اللہ خاں صدارت کے لیے آئے ہیں، اُن کا جلوس سُنا بڑی دھوم دھام سے نکلے گا۔ بازاروں کی آرائش ہو رہی ہے۔ کیا دل کش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے ؎

بزمے کہ در آں سفرہ کشد جلوۂ دیدار
کونین غبارے ست کہ از بالِ مگس ریخت

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۲۰)————(۷)

لاہور
۱۹۔مئی ۱۷ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم مع آداب و تعظیم!

سرکار کا والا نامہ ملا جس سے اطمینان ہُوا۔ یہ خط میرے اُس عریضے کے جواب میں ہے جس میں مَیں نے سرکار کی علالتِ طبع کے متعلق استفسار کیا تھا۔ افسوس کہ ۱۴۔اپریل کا لکھا ہُوا خط مجھ تک نہ پہنچا۔ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا ؏
گم ہو وہ نگیں جس پہ کُھدے نام ہمارا

بہر حال، یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہُوئی کہ سرکار کا مزاج اب خدا کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ آج کل لاہور میں بھی موسم عجیب و غریب ہے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں لُو کی شدت و حرارت ناقابلِ برداشت ہُوا کرتی ہے مگر آج کل یہ حال ہے کہ قریباً ہر روز آسمان ابر آلُود رہتا ہے اور صُبح کے وقت خاصی سردی ہوتی ہے۔ مغرب سے آفتاب نکلنے کا یہی مفہوم ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و اسقام سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے کہ آپ کی ذات نوعِ انسان کے لیے سرچشمۂ فیوض و برکات ہے۔ کل مولٰینا اکبر کا خط آیا تھا۔ اس خط

میں ایک لطیف مطلع انھوں نے لکھا ہے :

زباں سے قلب پر صُوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

مَیں فارسی مثنوی کے دوسرے حِصّے کی تکمیل میں مصروف ہوں، اس کا نام "رموزِ بے خودی" ہو گا۔ یونیورسٹی امتحانوں کے کاغذات سے فرصت ہو گئی ہے، اُمید کہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ حال میں ایک اُردو غزل لکھی تھی، اِس کے دو ایک شعر ملاحظہ کے لیے لکھتا ہُوں :

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دَہر آشوبی
تو ہے زنّاریِ بُت خانۂ ایّام ابھی

باقی، خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ سرکار کا مزاجِ مبارک بخیر و عافیت ہو گا۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۲۱) ———————— (۸)

لاہور
۳۰۔ جون ۱۷ء

سرکارِ والا، تسلیم !

نوازش نامہ مل گیا۔ فارسی مثنوی یا قصیدہ خوب لکھا گیا ہے۔ مَیں نے اُسے

شروع سے آخر تک پڑھا۔ چونکہ سرکار نے ترمیم و تنقیح کے لیے ارشاد فرمایا تھا، اس واسطے کہیں کسی جگہ ترمیم کی جرأت کی ہے۔ طوالت کے خیال سے وجوہ ترمیم نہیں لکھے، سرکار پر خود بخود روشن ہو جائے گا۔ چند اشعار کے گرد لکیر کھینچ دی ہے، اُن کی اشاعت میرے خیال میں مناسب نہیں۔ کچھ اس وجہ سے کہ

بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی شانِ صداقت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ اپنی صفائی کے گواہ پیش کریں۔ اہلِ نظر کو یہ اشعار کھٹکیں گے۔ آئندہ سرکار کو اختیار ہے کہ ان کی اشاعت ہو یا نہ ہو۔ یہ اشعار صفحہ دس گیارہ پر ہیں۔ سرکار کے ارشاد کی تعمیل میں مَیں نے تقریظ کے طور پر چند اشعار اس قصیدے کی پشت پر لکھ دیئے ہیں۔ آخر کے شعر میں ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اس جگہ کر دی ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ تو کُوچ کر گئے۔ اب تو عرش کے قریب ہوں گے یا وہاں تک پہنچ گئے ہوں گے۔ ایک اور بزرگ لاہور کے قریب ہیں۔ ذرا بارش ہو تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دُعا ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دُور کرے۔ وہاں کے حالات سُن کر تعجب ہوتا ہے۔ مگر یہ چند روزہ باتیں ہیں۔ وہ وقت دُور نہیں کہ سب کی آنکھیں کُھل جائیں گی۔

آپ مجھ ہی سے دریافت فرماتے ہیں کہ کب تک آستانہ شاد تک حاضری ہو گی، اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ سب کچھ نزنکار کے قبضۂ قدرت میں ہے جب اُسے منظور ہو گا، حاضر ہوں گا۔ اِس وقت کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آئندہ کا علم اقبال کو ہے نہ شاد کو۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال

(۳۲۲)———(۹)

لاہور

۲۰-جنوری ۱۸ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم!

نوازش نامہ ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ کے کلام میں بے جا تصرف کیا۔ کئی روز سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پیغام پہنچا دوں گا۔ تصوف پر جو مضامین انہوں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں، اُن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ نہ مَیں نے آج تک کوئی مضمون اس بحث پر اُن کے اخبار میں لکھا نہ ان کو نہ کسی اور کو لکھنے کی تحریک کی۔ مولوی صاحب سے میرے قدیمی تعلقات ہیں محض اِس بنا پر بعض لوگ یہ گمان کر بیٹھے کہ مضامین میری تحریک سے لکھے جاتے ہیں حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضامین کے اکثر اُمور سے مجھے سخت اختلاف ہے اور کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔ خواجہ صاحب کو یہی بدظنی تھی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب ان کی بدگمانی رفع ہو گئی تو انہوں نے مجھے معذرت کا خط لکھا جس کے جواب میں مَیں نے انہیں مزید یقین دلایا کہ اس بحث سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

مَیں نے دو سال کا عرصہ ہُوا، تصوّف کے بعض مسائل سے کسی قدر اختلاف کیا تھا اور وہ اختلاف ایک عرصہ سے صوفیائے اسلام میں چلا آتا ہے۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ بعض ناواقف لوگوں نے میرے مضامین کو تصوّف کی دشمنی پر محمول کیا۔ مجھے تو اس اختلاف کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محض اس وجہ سے

اپنی پوزیشن کا واضح کرنا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب نے مثنوی اسرارِ خودی پر اعتراض کیے تھے۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لیے مفید ہے، اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا، اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی نہ بحث کرنا میرا شعار ہے بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو، وہاں سے گریز کرتا ہوں۔ غرض کہ سرکار بھی مطمئن رہیں۔ مجھے اس بحث سے جو ہو رہی ہے کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی اکثر باتوں سے بالکل اختلاف ہے۔ مولوی ظفر علی خاں سے مَیں نے بارہا کہا یہ بحث نتیجہ خیز نہیں اور عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی کوئی دلچسپی نہیں مگر ہر آدمی اپنے خیالات کا بندہ ہے، میرے کہنے پر انھوں نے عمل نہیں کیا اس واسطے مَیں بھی خاموش ہو رہا۔

حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے۔ یونیورسٹی کے کاغذات ان کی طرف سے کبھی کبھی آجاتے ہیں کہ یہیں سے مشورہ لکھوں۔ اُدھر سے مولوی عبدالحق صاحب اِصطلاحاتِ علمیّہ کی ایک طویل فہرست ارسال کرتے ہیں کہ ان کے تراجم اردو پر تنقید کروں۔ گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں۔ ترجمہ کرنے والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا تو یہ کام بھی انہیں سے لینا چاہیے۔ اصل میں یہی حصہ ان کے کام کا مشکل ہے۔

میرا جذبِ دل تو بوڑھا ہو گیا۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہٖ ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پھر کیوں اقبال کو وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا؟ کیا حضور نظام کے ساتھ آپ دہلی نہ تشریف لائیں گے؟

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال

(۳۲۳)————(۱۰)

لاہور

۱۱۔جون ۱۸ء

سرکار والا تبار!

آداب عرض کرتا ہُوں۔

والا نامہ ایک عرصہ کے بعد ملا۔ کئی دن گزر گئے مَیں نے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ایک نسخہ مثنوی رموزِ بیخودی کا بھی ڈاک میں ڈالا تھا۔ مگر نہ خط کا جواب مِلا نہ مثنوی کی رسید۔ آج بعد از انتظارِ شدید سرکار کا والا نامہ مِلا مگر مثنوی کی رسید اس میں بھی نہیں۔ اقبال کے دِل سے شاد کی یاد کیونکر فراموش ہو سکتی ہے! کاش، آپ سے ملاقات ہوتی اور کچھ عرصہ کے لیے آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا لیکن کوئی بات اپنے بس کی نہیں۔

سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہُوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرمادے۔

اِنشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دُعا کروں گا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دِکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اُٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے

پہلے بھی اور بعد میں بھی دُعا کروں گا کہ اس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ دُعا قبول ہو جائے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ گرمی کا زور ہے۔ بارش اُمید ہے جلد شروع ہو گی۔ طالع کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اطمینان نصیب کرے اور عزت و آبرو محفوظ رکھے ع

اس دَور میں آبرو بہت ------ (امیر)

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے دعائے بلندیٔ مراتب کے

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۳۲۴) ———— (۱۱)

لاہور

۲۹۔ مارچ ۱۹ ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم!

والا نامہ مع کتابوں کے ایک پیکٹ کے مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ مثنوی آئینۂ وحدت بلحاظ زبان اور خیالات کے بالخصوص پسند ہے:

ع اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ پیرِ سنجرؒ کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ پھر جاؤں گا اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اچھی قوالی سنائی۔ سرکار بہت یاد آئے۔ خدا کرے

کہ ملاقات ہو اور بہت سی باتیں ہوں جن کے اظہار کے لیے دل تڑپتا ہے۔ افسوس کہ حیدر آباد دُور ہے اور اقبال کا عزم کمزور و ناتوان ہے ورنہ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ تو آستانۂ شاد پر حاضر ہُوا کرے۔ کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے اِس پر اشعار لکھیے یا اس پر مصرع لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا:

ایں سرِ خلیل است بآزر نتواں گفت

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور جُملہ متعلّقین اور متوسّلین اچھے ہونگے۔

مخلصِ قدیم

محمّد اقبال، لاہور

(۳۲۵) ———— (۱۲)

سرکارِ والا مرتبت، تسلیم!

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ سرکارِ عالی مع اقربا و احباب خیریت سے ہیں۔ بندۂ درگاہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہے۔ سرکار نے اقوامِ ہند کے متعلّق جو کچھ بھی فرمایا، بجا ہے۔ جو مسائل انسان حل نہ کر سکے، اب معلوم ہوتا ہے قدرت خود انہیں حل کرنا چاہتی ہے۔ یہاں کے حالات ملاقات ہو تو عرض کروں۔ تحریر سے ادا نہیں ہو سکتے۔

آج آٹھ دن سے مارشل لا یعنی قانونِ عسکری یہاں جاری ہے۔ پنجاب کے بعض دیگر اضلاع میں بھی گورنمنٹ یہی قانون جاری کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے قصور اور امرتسر میں قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا، اُن کو گرفتار کیا گیا ہے اور اُن پر

مقدمات چلائے گئے ہیں۔ کل سے اُن کا ٹرائل بھی شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم کرے مگر خواجہ حافظ کا شعر تسکین کا باعث ہے۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِّ غیب
باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

میرا ارادہ رامائن کو اُردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہوگا، مسیح جہانگیری نے رامائن کے قصّے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی۔ اگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لیے عاریۃً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہوگا۔ اس کے متعلق اور مشورہ سے بھی سرکار دریغ نہ رکھیں۔ زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل وکرم سے اچھا ہوں۔

خیریتِ مزاج سے آگاہ فرمایا کیجیے۔

مخلصِ قدیم
محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۲۶)————(۱۳)

لاہور
۱۷۔ستمبر ۱۹ء

سرکارِ والاتبار تسلیمات عرض!

عید کارڈ موصول ہوگیا تھا جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ پنجاب میں عید امسال بہت سی قربانیاں لے کے گئی؛ تاہم مبارک ہے کہ انشاء اللہ نتائج مبارک ہوں گے۔ اُمید کہ مع اعزہ واقربا ہر طرح خیر وعافیت سے ہوں گے۔ ملاقات کو جی ترستا

ہے مگر کیونکر ہو؟ گزشتہ سرما میں دہلی گیا تھا، خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ قوالی کی صحبت ہوئی، آپ بہت یاد آئے۔

'زمانے' کے گزشتہ نمبر میں سرکار کی ایک نظم نظر سے گزری۔ معنوی ملاقات تو ہوگئی، ظاہری باقی ہے۔ خدا کو منظور ہوا تو اس کا وقت بھی آجائے گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا آغاز ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے اسکالرشپ اور علمی قدردانیوں سے ارکانِ یونیورسٹی کو طرح طرح کے فائدے ہوں گے۔ بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں؟ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے ؎

به یزدان روز محشر برہمن گفت فروغ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم صنم از آدمی پائندہ تر بود

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۲۷)————(۱۴)

لاہور
۱۵۔ دسمبر ۱۹ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم!

والا نامہ کل شام موصول ہُوا، جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ اس سے پہلے سرکار کا کوئی نوازش نامہ نہیں ملا بلکہ میں اپنے عریضے کے جواب کا منتظر تھا۔ الحمدللہ کہ خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح سے خیریت ہے۔ سردی کا خوب زور ہے۔ جشنِ صلح کی تیاریاں بھی ہیں۔ آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا۔

لاہور کے مسلمانوں نے ایک عام جلسے میں یہ قرار دیا ہے کہ جشنِ صُلح میں شرکت نہ کی جائے۔ مَیں بھی اس جلسے میں شریک تھا۔ پولیٹیکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہُوا کرتا، اِس جلسے میں اس واسطے شریک ہُوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیرِ بحث تھا۔

حیدرآباد کے نئے دَور کے ------- آپ کی مساعی بارآور کرے۔ دیکھیں برار کی گُتھی نئی وزارت سے سُلجھتی ہے یا نہیں۔ کیا عجب ہے کہ اقبالِ آصف جاہی یہاں اپنا کام کر جائے اور حضور نظام کی یہ آرزو پوری ہو۔ آمین!

آپ کی زیارت کو دِل بہت چاہتا ہے مگر بقول سرکار کے دکن کا انقلابی دَور آپکی کشش سے متحد ہو جائے تو شاید کوئی صُورت مصافحہ و معانقہ کی بھی پیدا ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بظاہر کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ خاکِ پاکِ پنجاب دامنگیر معلوم ہوتی ہے۔

مولٰینا اکبر آجکل دہلی کے حجرۂ رین بسیرا میں مقیم ہیں۔ انشاءاللہ ۲۲، دسمبر کو مَیں بھی ان کی زیارت کے لیے دہلی جاؤں گا --------- دھوم دھام کے جلسے ہیں یعنی کانگریس اور لیگ کے -------- ریشپشن کمیٹی کی صدارت کے لیے مجھ سے کہا گیا تھا لیکن دُور رہتا ہُوں۔ اس کے علاوہ مولٰینا اکبر کی کشش دہلی کھینچ رہی ہے ؏

بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ

محمد اقبال، لاہور

(۱۵)――――(۳۲۸)

لاہور

۲۹- دسمبر ۲۲ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم!

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کہ سرکارِ عالی کو ----- کے فرض سے سبکدوشی ہوئی۔ انشاء اللہ باقی فرائض بھی بوجوہِ احسن انجام پذیر ہوں گے۔ سرکار نے جو کچھ حیدر آباد کے لڑکوں کے متعلق ارشاد فرمایا، بالکل بجا ہے۔ فی زمانہ شرفائے ہند کی لڑکیوں کے بَر کا معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔ پنجاب کی حالت حیدر آباد سے نسبتاً بہتر ہے۔ گو دُور دراز کے رشتوں میں دقّتیں ہیں، صاحبزادیوں کے متعلق اگر ضروری کوائف سے مجھے آگاہی ہو جائے تو شاید مَیں کوئی مفید مشورہ عرض کر سکوں۔ ایک آدھ موقع میرے خیال میں ہے لیکن چونکہ معاملہ اہم ہے اس واسطے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے۔ جس مآل اندیشی سے سرکار اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا اس قدر تیز احساس شاید کسی باپ کو نہ ہوگا۔ آپ کے علم، بزرگی، معاملہ فہمی اور روایاتِ خاندانی کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پنجاب میں سرکار شاد کے پائے کے لوگ کہاں! ہاں، لڑکوں کی تعلیم اور چال چلن کے متعلق حیدر آباد کی نسبت بہتر اطمینان ہو سکتا ہے۔ بہر حال، سرکارِ عالی سے ضروری آگاہی حاصل کرنے کے بعد میں کچھ مزید امور عرض کروں گا۔ اس قسم کے معاملات میں اور نیز دیگر معاملات میں بے تکلفانہ خط و کتابت کرنی محض سرکارِ عالی کی وسعتِ خیال کی وجہ سے ہے ورنہ کجا وزیرِ نظام اور کجا اقبال ہیچ میرز! اقبال، سرکار کی درویش منشی

اور اپنی صاف باطنی پر بھروسہ کر کے بے تکلفانہ عرض و معروض کر لیا کرتا ہے۔

اُمید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔ اِس عریضے کا جواب اگر جلد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔

مخلصِ قدیم

محمّد اقبال، لاہور

(۳۲۹) ———— (۱۶)

لاہور

۱۹۔ مارچ ۲۳ء

سرکارِ والاتبار، تسلیم!

والا نامہ کل مِل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ معاملہ معلومہ کی تحقیقات کے بعد سرکار کو عریضہ لکھوں، اس واسطے اتنی تعویق خط لکھنے میں ہوئی۔ افسوس ہے اس معاملے میں میرا اطمینان نہ ہُوا۔ انشاء اللہ ----- اور طرف خیال کروں گا۔ اگر کوئی صورت حسبِ مراد نکل آئی تو ----- ٹیلیفون کا سلسلہ جاری ہے اور کئی اطراف میں۔ اِطمینان فرمایئے۔ خدا نے چاہا تو نقش حسبِ مراد بیٹھے گا۔ مگر اقبال آپ کی استقامت اور سکونِ قلب کی داد دیتا ہے۔ کل کسی اخبار میں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے اشعار دیکھنے میں آئے۔ ماشاء اللہ خُوب لکھتے ہیں۔ سادگی اور سلاست میں کلام حضور کا اپنا جواب نہیں رکھتا۔ برار کے استرداد میں یاد آوریٔ اقبال کی ضرورت ہے۔

"پیامِ مشرق" جو مَیں نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے "دیوانِ مغربی" کے جواب میں لکھا ہے، چھپ رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کی ایک کاپی پیش کروں گا۔ مجھے

یقین ہے کہ سرکار اُسے پسند فرماویں گے۔

انسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال میں دونوں قوموں کے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکارِ عالی کا مزاج بخیر ہو گا اور جُملہ متعلقین اور متوسلین بھی تندرست ہوں گے۔

مخلِص

محمد اقبال، لاہور

(۳۳۰)————(۱۷)

لاہور

۱۴۔ جنوری ۲۴ء

سرکارِ والاتبار، تسلیم!

نوروز کارڈ کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ مَیں یکم جنوری سے ۹ جنوری تک لاہور سے باہر تھا۔ نواب صاحبان کرنال (پنجاب) کے مقدمات کی خاطر اتنے روز لاہور سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ وہاں سے واپس آیا تو سرکارِ عالی کا نوروز کارڈ پایا جو حقیقت میں نصف ملاقات تھا۔ سرکار اور صاحبزادگان والاتبار کی تصویریں نہایت صاف اور ستھری ہیں۔ مصوّر کا فن قابلِ داد ہے۔ یہ خط شبیر حسن صاحب جوشؔ ملیح آبادی لکھنوی کی معرفی کے لیے لکھتا ہوں۔ یہ نوجوان نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں۔ مَیں نے ان کی تصانیف کو ہمیشہ دل چسپی سے پڑھا ہے۔ اس خداداد قابلیت کے علاوہ لکھنؤ کے ایک معزّز خاندان سے ہیں جو اثر و رسُوخ کے ساتھ لٹریری شہرت بھی رکھتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ

سرکار ان کے حال پر نظرِ عنایت فرماویں گے، اور اگر ان کو کسی امر میں سرکار عالی کے مشورے کی ضرورت ہوگی تو اس سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

سرکارِ والا کی شرفا پروری کے اعتماد پر اس درخواست کی جرأت کی گئی ہے۔

اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مفصّل عریضہ اِنشاء اللہ پھر لکھوں گا۔

مخلِص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۳۱)————(۱۸)

لاہور

۲۸- دسمبر ۲۶ء

سرکارِ والا تبار!

خوبصورت کرسمس کارڈ (کے لیے) جس سے سرکار کی ملاقات بھی ہر سال ہو جاتی ہے، اقبال سراپا سپاس ہے۔ مبارک باد کا تار تو بھیجا تھا مگر مفصّل عریضہ لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اِس کی وجہ یہ کہ اب کے مَیں خود بھی اہلِ لاہور کے اصرار سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں گرفتار تھا۔ الحمد للہ کہ تین ہزار کی مجارٹی سے کامیاب ہُوا اور اب فرصت پا کر یہ عریضہ سرکار والا کی خدمت میں لکھ رہا ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار والا کا تقرر حیدر آباد کے لیے بے انتہا برکات کا باعث ہوگا بلکہ مَیں تو اس بات کا اُمیدوار ہُوں کہ سرکار کا وجودِ باجُود اُن تمام مشکلات کے ازالے کا باعث ہوگا جو اس وقت ہندوستانی رؤسا کو درپیش ہیں۔ اگر سرکار کے اثر و رسُوخ کی وجہ سے چیمبر آف پرنسز

ہندوستانی رؤسا اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو اپنا سوال بنا لے تو حیرت انگیز
نتائج کے پیدا ہونے کی توقع ہے۔ رائل کمیشن ہندوستان میں عنقریب آنے والی ہے۔
اس مسئلے کی چھان بین کے لیے بین الاقوامی قانون جاننے والوں کی ایک جماعت تیار
کرنی چاہیے جو کمیشن کے سامنے شہادت دینے والوں کو اس مسئلے کے مالہٗ وماعلیہ
میں پورے طور پر تیار کرے۔ اگر اس مسئلے میں اقبال کی ضرورت ہو تو وہ بھی اپنی بساط
کے مطابق حاضر ہے۔ انشاءاللہ سرکار والا اُسے اپنی خدمت میں قاصر نہ پائیں گے۔ مگر
یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے، اس کی طرف فوری توجہ ہونا چاہیے اور اس کے حل کا
طریق بھی یہی ہے جو مَیں نے اُوپر عرض کیا۔ برار کے متعلق جو طریق اختیار کیا گیا تھا میری
ناقص رائے میں صحیح نہ تھا۔ انشاءاللہ ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کروں گا۔ اُمید کہ
حضور والا مع متعلقین و متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

نیاز مندِ دیرینہ

اِقبال

(۳۳۲) ———— (۱۹)

(مکتوب الیہ کے نام مندرجہ ذیل دو خطوط مولوی عبدالرزاق صاحب حیدرآبادی کا عطیہ
ہیں جو لمعہ صاحب کی وساطت سے موصول ہوتے ہیں یہ مکاتیب شاد اقبال میں موجود نہیں)
(عطاء اللہ مرتب اقبالنامہ)

لاہور

۱۷۔ دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا! خط لکھ چکنے کے بعد آپ کا خط مِل گیا تھا اِس واسطے نئی اُردو
کی اِصطلاح میں حرفِ شکایت واپس لیتا ہوں۔ آج آپ کا دوسرا خط مِلا۔ الحمدللہ کہ

خیریّت ہے ۔ مولوی اکبر کے خط سے معلوم ہُوا تھا کہ خواجہ نظامی سیرِ دکن میں مصروف ہیں ۔ اورنگ آباد سے خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی ۔ انقلابِ وزارت کی خبر بھی اخباروں میں پڑھی تھی ؎

تغیّرِ روز کا کچھ دید کے قابل نہ تھا نرگس
بتا پھر کس کے نظّارے کو تُو نے آنکھ کھولی ہے ؟

بہر حال، تغیّر اگر قابلِ دید بھی ہو تو امیر مرحوم کا اصول قابلِ عمل ہے ؎

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر ، دہن تصویر کا

خادمِ مخلص
محمدؐ اقبال

(۳۳۳) ——————— (۲۰)

لاہور
۲۸۔ دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا ، تسلیم !

آپ کا نوازش نامہ عین اس وقت ملا جب مَیں سیالکوٹ سے لاہور کے لیے تیار ہو رہا تھا ۔ والدہ مرحومہ کا چہلم تھا جو بخیر و خوبی ختم ہُوا ۔ ابھی لاہور پہنچا ہُوں ۔ نظم "ست بچن" نہایت عمدہ ہے مگر مجھے اس کی اشاعت میں اس وجہ سے تامّل ہے کہ اس خیال کی اشاعت آپ کی طرف سے کئی دفعہ ہو چکی ہے ، نظم میں بھی اور نثر میں بھی ۔ اعادہ بسا اوقات ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا ممکن ہے کہ

تکرار کو کسی اور وجہ پر محمول کرے۔ لیکن اگر اشاعت مطلوب ہو تو اس میں جو شخصی عنصر ہے، اسے نکال ڈالیے اور باقی اشعار پر نظرِ ثانی فرمالیجیے کیونکہ بعض بعض جگہ کچھ الفاظ کھٹکتے ہیں ------ (تحریر حذف کی گئی) ------ پہلے عریضہ میں حضرت امیر مرحوم کا ایک شعر لکھ چکا ہوں، نظر باز اس پر عمل پیرا ہوا کرتے ہیں۔

افسوس کہ "تزک عثمانیہ" کے لیے کچھ نہیں لکھ سکا، مگر قانونی مسائل میں اشعار کے لیے کہاں سے وقت نکلے! دل اور دماغ دونوں کام کرنا چاہتے ہیں مگر پیٹ کا حکم ہے کہ ہماری رضا کے بغیر ایک خیال یا ایک تاثر بھی اپنے اندر داخل نہ ہونے دو۔ عجب کشمکش کی حالت ہے مگر شکایت نہیں کہ ہمارے مذہب میں شکایت ہی کفر ہے۔ بہر حال، ان تعطیلوں میں چند فارسی اشعار نظم ہو گئے تھے، اگر پسند ہوں تو تزکِ عثمانیہ میں طبع فرمائیے۔

(دوسرا) صفحہ ملاحظہ فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں، بجز اس کے کہ زندہ ہوں۔۔۔

فقط ــــ آپ کا خادم

محمد اقبال، لاہور

خوش آنکہ رختِ خرد از شعلۂ مے سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستاں کن
بہار خرقہ فروشی بصوفیاں آموخت
دِلم تپید ز محرومیِ فقیہِ حرم
کہ پیرِ میکدہ جامے بفتوئے بفروخت

عجب مدار ز سر مستیم کہ پیرِ مغاں
قبائے رندیٔ حافظ بقامتِ من دوخت
مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت
صبا! بہ مولدِ حافظ سلامِ ما برساں
کہ چشمِ نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت

(مکاتیب ۲۱ تا ۵۰ شاد اقبال سے بہ اجازت ماخوذ ہیں)

(۳۳۴) ——— (۲۱)

لاہور
۴۔ دسمبر ۱۶ء

سرکارِ والا تبار!

نوازش نامہ ابھی مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں۔ سرکار علامہ عبد العلی ہروی طہرانی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اِس سے پیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سُن چکے ہیں۔ فرماتے تھے کہ حیدر آباد کا سفر کروں گا تو مہاراجہ بہادر سے ضرور ملاقات کروں گا۔ دوسری ملاقات کے موقع پر اور باتیں بھی اُن سے کروں گا اور جو کچھ وہ فرمائیں گے، دوسرے خط میں عرضِ خدمتِ والا کروں گا۔

لاہور میں سردی خوب ہو رہی ہے۔ کرسمس آ رہا ہے۔ علی گڑھ اور لکھنؤ میں کانفرنس اور کانگرس کے اجلاس کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور صاحبانِ تعلیم و سیاست سفر کر رہے ہیں۔ اِدھر پنجاب میں گرانیِ اشیائے خوردنی اور خصوصاً غلے کی گرانی کی وجہ سے

لوگ بد دل ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ انگلستان میں جنگ کی وجہ سے مرغی کی قیمت ۶ﷲ اور ایک انڈا ۶ آنے کو بکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اقوامِ عالم کو اس مصیبتِ عظیم سے نجات دے۔ اُمیدکہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلصِ دیرینہ

محمد اقبال

(۳۳۵)————(۲۲)

لاہور

۱۷ دسمبر ۱۶ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم مع التعظیم۔

نوازش نامہ بمبئی کا لکھا ہوا مل گیا جس کے لیے ممنون و مشکور ہوں۔ الحمدللہ کہ سرکارِ عالی کا مزاج بخیر ہے۔ امسال لکھنؤ اور علی گڑھ میں جلسے ہیں مگر بندۂ درگاہ بوجہ سردی کہیں نہیں گیا۔ سرکار اگر اجمیر اور لاہور تشریف لائیں تو زہے سعادت، اقبال کو آستاں بوسی کا موقع مل جائے گا۔ اب تو آپ کی زیارت کو بہت عرصہ ہو گیا۔ دل آرزومند ہے کہ آستانۂ شاد پر حاضر ہو کر شادمانی سے بہرہ اندوز ہو۔ سُنا ہے کہ حیدر آباد میں طاعون کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عروس البلاد کو آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ و مصئون رکھے۔ آمین! معلوم نہیں سرکار کا قیام بمبئی میں کب تک رہے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ خدائے قادر و قیوم نے "کشن پرشاد" کو ذوالمنن کا ہم عدد کیا ہے۔ اقبال پر بھی نظرِ عنایت رہے اور اوقاتِ خاص میں اس

شرمندۂ عقبیٰ کو یاد رکھا جائے۔

بندۂ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۳۶)————(۲۳)

لاہور

۲۳- فروری سنہ ۱۷ء

سرکار والا تبار! تسلیم-

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ قاضی پیٹ سے ایک نوازش نامہ ملا تو ضرور تھا مگر اس میں سرکار کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر تھی، لہٰذا بمبئی کا ایڈریس معلوم کرنے کے لیے انتظار ضرور ہوا۔ الحمد للہ کہ آج بمبئی سے سرکار کا والا نامہ ملا۔ خودی و بے خودی سے کوئی تعلق نہیں، مگر خودی کی بھی انتہائے کمال یہی ہے کہ دوست کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے ع

ترکِ خود سوئے حق خلوت گزیں

کل بمبئی سے ایک جوہری کا خط ملا- یہ شخص میرا ہم جماعت و ہم مدرسہ ہے۔ ذہانتِ خداداد، قوتِ ایجاد رکھتا ہے اور زیوروں کی ساخت میں کمال۔ مجھے لکھا کہ مہاراجہ بہادر بمبئی آنے والے ہیں، میری معرفی کرا دیجیے کہ "قدرِ گوہر شہ بداند"۔ میں نے اُسے بھی محض اس خیال سے جواب نہ دیا کہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بمبئی میں جلوہ افروز ہوں گے یا ابھی بمبئی چشم براہ ہے۔ بہر حال، یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سرکار بفضلہٖ مع الخیر بمبئی واپس تشریف لے آئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلدے میں خیر و عافیت کرے کہ سرکار

مع الخیر وطن نہضت فرما ہوں ۔ اقبال کا ارادہ تو ہے کہ شاد کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو مگر سب کچھ جذبِ شاد پر منحصر ہے ۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اِس خرقہ پوش امیر کی ہم بزمی میسر ہے ۔کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اقبال کے لیے بھی ایسے ہی سامان پیدا کر دے ۔ فی الحال تو کیفیت قلب کی یہی ہے ؎

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

چند روز ہوئے حیدر آباد کے محکمہ تعلیم کی طرف سے ایک خط آیا تھا کہ بیت العلوم دکن کے امتحان تاریخِ اسلامی کے لیے پرچۂ سوالات تیار کر دوں ۔ پچھلے سال پرچہ بنا دیا تھا مگر امسال اِلہ آباد و پنجاب کی دونوں یونیورسٹیوں کے امتحانات ایم ۔ اے کا کام میرے سپرد تھا ۔ فرصت نہ تھی، مجبوراً اِنکار کرنا پڑا ۔

کل لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا یعنی ہوائی جہاز اڑائے گئے ۔ تمام دن زن و مرد اِس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر اور میدانوں میں جمع ہو گئے مگر

ع ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے
مرا جہاز ہے محرومِ بادباں پھر کیا

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ شاد کو شاد و آباد رکھے ۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۳۷) ——— (۲۴)

لاہور ۱۸۔ مارچ ۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم ۔

ایک عریضہ چند روز ہوئے لکھا تھا، اُمید کہ ملاحظۂ عالی سے گزر چکا ہو گا ۔ آج

منشی محمد دین (یا دین محمد؟[1]) ایڈیٹر اخبار میونسپل گزٹ لاہور میرے پاس آئے۔ اُنھوں نے اپنے اخبار میں میرے متعلق کچھ لکھا تھا جو اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اُنھوں نے مفصل بیان بھی کیا، اسی مضمون کا ایک عریضہ بھی ایڈیٹر مذکور کی طرف سے سرکارِ والا کی خدمت میں لکھا گیا تھا۔ اس عریضے کا جواب منشی محمد دین صاحب ~~نے~~ مجھے دکھایا ہے جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ یہی والا نامہ عریضۂ ہٰذا کے لکھنے کا محرک ہُوا۔ مَیں نے منشی محمد دین صاحب سے یہی کہا جو سرکار نے اپنے والا نامے میں ارشاد فرمایا ہے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ سرکارِ شاد میں اقبال بھی آبرو رکھتا ہے مگر جو کچھ انھوں نے بے غرضانہ کیا، اُس کا شکریہ ادا کرنا فرضِ عین تھا اور جو کچھ سرکار نے ان کے عریضے کے جواب میں لکھا اُس کے لیے بھی اقبال سراپا احساس تشکّر و امتنان ہے۔ اخباروں میں کئی دن سے یہ بات چکر لگا رہی ہے۔ مَیں نے سُنا ہے پنجاب اور یوپی کے اکثر اخباروں اور مخبرِ دکن نے بھی لکھا ہے۔ مگر سرکار کو مَیں نے عمداً اِس بارے میں کچھ نہ لکھا، زیادہ تر اس وجہ سے کہ اگر کوئی امکان اس قسم کا نکلے تو سرکار کی مساعی پر مجھے پُورا اعتماد ہے، اور علاوہ اس اعتماد کے حیدر آباد کے حالات کا مجھے مطلق علم نہ تھا۔ انہی وجوہ سے باوجود اِس بات کے کہ سرکار کے قریب اور ظلِ عاطفت میں رہنے کا خیال مدت سے دامن گیر ہے، مَیں نے سرکار کی خدمت میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مَیں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو خدا کے فضل و کرم سے نہیں گھبرایا۔ اس وقت بھی

[1] دین محمد ہی نام تھا۔

قلب کی کیفیت یہی ہے کہ جہاں اس کی رضالے جائے گی، جاؤں گا۔ دل میں یہ ضرور ہے کہ اگر خدا کی نگاہِ انتخاب نے مجھے حیدر آباد کے لیے چُنا ہے تو اتفاق سے یہ انتخاب میری مرضی کے بھی عین مطابق ہے گویا باالفاظِ دیگر بندہ و آقا کی رضا اس معاملے میں کُلّی طور پر ایک ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہو گا۔

سراپا سپاس، مخلصِ قدیم

محمد اقبال

(۳۳۸)————(۲۵)

لاہور

۱۵۔اپریل ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم۔

ایک عریضہ اس سے پہلے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہو گا۔ مخبرِ دکن سے معلوم ہُوا ہے کہ حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے۔ اس خیال سے کہ میرا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہُوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے، چند امور آپ کے گوش گزار کرنا ضروری ہے جن کا علم ممکن ہے سرکار کو نہ ہو۔ ممکن ہے کہ حضور نظام ان امُور سے متعلق سرکار سے استفسار فرمادیں۔

اس جگہ کے لیے فلسفہ دانی کی چنداں ضرورت نہیں تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ اس فن میں مَیں نے ہندوستان اور یورپ کے اعلیٰ ترین امتحان انگلستان (کیمبرج) جرمنی (میونک) یونیورسٹیوں کے پاس کیے ہیں۔ انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ

کالج میں مجھے فلسفے کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ کام مَیں نے ۱۸ ماہ تک کیا اور یہاں کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی۔ گورنمنٹ نے بعدازاں یہ جگہ مجھے آفر بھی کی مگر مَیں نے انکار کر دیا۔ میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوجائے گا کہ پروفیسری کے تقرر کی وجہ سے مَیں صُبح کچہری نہ جا سکتا تھا۔ حجان ہائی کورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام مقدمات دن کے پچھلے حصّے میں پیش ہُوا کریں؛ چنانچہ ۱۸ ماہ تک اس پر عمل درآمد ہوتا رہا مگر اس عہدہ کے لیے جو حیدرآباد میں خالی ہُوا ہے، عربی دانی کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس کے متعلق یہ امر سرکار کے گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں مَیں پنجاب میں اوّل رہا ہُوں۔ انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ واپسی پر پنجاب اور الٰہ آباد یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی۔اے اور ایم۔اے کا ممتحن مقرر کیا گیا، اور اب بھی ہُوں۔ امسال الٰہ آباد یونیورسٹی کے ایم۔اے کے دو پرچے میرے پاس تھے۔ پنجاب میں بی۔اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم۔اے کے دو پرچے میرے پاس ہیں۔ علاوہ اِن مضامین کے مَیں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علم الاقتصاد، تاریخ اور انگریزی بی۔اے اور ایم۔اے کی جماعتوں کو پڑھائی ہے اور حکّامِ بالا سے تحسین حاصل کی ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصے سے جاری ہے۔ علم الاقتصاد پر اُردو میں سب سے پہلی مستند کتاب مَیں نے لکھی۔ انگریزی میں چھوٹی چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصّل رسالہ 'فلسفۂ ایران' پر لکھا ہے جو انگلستان میں شائع ہُوا تھا۔ میرے پاس اِس وقت یہ کتابیں موجُود نہیں ورنہ ارسالِ خدمت کرتا۔

باقی جو کچھ میرے حالات ہیں، وہ سرکار پر بخوبی روشن ہیں، اِن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہِ اسلام میں اِس وقت ایک مفصّل کتاب بزبان انگریزی زیرِ تصنیف ہے جس کے لیے مَیں نے مصر و شام و عرب سے مصالحہ جمع کیا ہے جو انشاءاللہ بشرطِ زندگی شائع ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہو گی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیلِ مسائل کے اعتبار سے ایسا ہی بناؤں گا جیسی کہ امام نسفیؒ کی 'مبسوط' ہے جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔ اِس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہُوں۔

بندۂ قدیم مخلص

محمد اقبال

(۳۳۹)————(۲۶)

لاہور

۲۔مئی ۱۷ء

سرکار والاتبار! تسلیم۔

ابھی اخبار 'دیش' میں سرکار کی علالت کی خبر پڑھی، گونہ تردد ہے۔ اقبال کو خبرِ خیریت سے مطلع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شفائے عاجل کرامت فرمائے اور چشم زخمِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال

(۳۴۰)————(۲۷)

لاہور

۱۴۔جون ۱۷ء

سرکار والاتبار! تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ ملا جس کے لیے مرہونِ منت ہوں۔ کاغذی ملاقات کا خاتمہ

اُس کے یدِ قدرت میں ہے۔ اُسے منظور ہو تو اقبال ہو گا اور آستانۂ شاد! موقع تو ایک پیدا ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ سرکار کے جذبات نے اسے پیدا کیا ہو۔ بہر حال! اگر مقدر ہے تو سرکارِ شاد تک اقبال کی ظاہری رسائی بھی ہو جائے گی۔ باطنی اعتبار سے تو بندۂ درگاہ وہاں پہلے سے موجود ہے۔

مولٰینا لسان العصر کا مطلع نہایت عمدہ ہے لیکن سرکار کا یہ شعر شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے، اس مطلع سے کم نہیں۔ ایک جہانِ معنی اس میں آباد ہے آخر کیوں نہ ہو۔ ان رموز کے جاننے والوں میں سرکارِ عالی کا نمبر اوّل ہے۔ حیاتِ طیبہ کا راز اسی پیغام میں مخفی ہے۔ آپ نے اسے خُوب پہچانا، لِلّٰہ درک!

موسم کی حالت اب کے سال یہاں بھی عجیب و غریب ہے۔ دو چار روز گرمی ہوتی ہے پھر بارش کم و بیش آجاتی ہے اور ہوا میں کسی قدر خنکی پیدا کر جاتی ہے، اور لُو کا تو امسال نشان تک نہیں۔

علمِ موسم کے ماہرین بہت بارش کی پیشین گوئی کرتے ہیں اور ہونی بھی چاہیے کہ خزاں کی بارش کے جو دھبّے چادرِ ہستی پر لگا دیے ہیں، وہ دُھل جائیں۔ مَیں سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہُوں۔ انشاء اللّٰہ تمام آرزوئیں بر آئیں گی! "دین" اس فیاضی کا نتیجہ ہے جو آبا سے ــــ آپ کو میراث میں پہنچی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ اس سے ضرور سبکدوش کرے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۲۸)―――――(۳۴۱)

لاہور

۱۶-جولائی ۱۷ء

سرکارِ والاتبار! تسلیمات۔

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ اُمید کہ ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ کیا تقریظ کے اشعار سرکار کو پسند آئے؟

حیدری صاحب قبلہ نے پھر حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ چیف کورٹ لاہور بھی بند ہونے والا ہے اور میرا دل بھی چند روز کی آوارگی چاہتا ہے، اس واسطے مَیں نے اُن کی دعوت قبول کر لی۔ اِنشاء اللہ اگست یا ستمبر میں حاضر ہوں گا۔ کیا سرکار بھی ان مہینوں میں حیدر آباد میں قیام فرما ہوں گے یا کہیں اور تشریف لیجانے کا قصد ہے؟ یہ استفسار کرنے کی اس واسطے جرأت کی کہ ایسا نہ ہو اِقبالؔ آستانۂ شاد پر حاضر ہو اور یہ کہتا ہُوا واپس آئے ع

چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد

مخلصِ قدیم

محمد اقبالؔ

(۲۹)―――――(۳۴۲)

لاہور

۲۷-جولائی ۱۷ء

سرکارِ والاتبار! تسلیم۔

والا نامہ مع تقاریظِ طفوفہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

ان تقاریظ میں بیرسٹرانہ اعتبار سے کوئی نقص نہیں، بجنسہٖ واپس ارسال کرتا ہوں۔

انشاء اللہ اگست کے مہینے میں حاضر ہوں گا۔ حیدری صاحب کے خط کا انتظار ہے۔ اُن کا جواب آنے پر کوئی تاریخ مقرر کروں گا اور سرکار کو بھی مطلع کروں گا۔ انشاء اللہ جس روز وہاں پہنچوں گا، اسی روز آستانۂ شاد کا طواف ہوگا۔

حیدری صاحب نے جس امر کے لیے مجھے دعوت دی ہے اُس کے متعلق سرکار سے وہیں مشورہ ہوگا۔ پہلے خیال تھا کہ عریضے میں سب کچھ عرض کروں مگر بعد غور یہی طے ہوا کہ بالمشافہہ عرض کرنا مناسب اور موزوں تر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اپنی جبلّی فراست و سیاست سے بہت حد تک معلوم کر گئے ہوں گے کہ کیا امر ہے۔ میری ذاتی قوّتِ فیصلہ ناتواں ہے اس واسطے شاؔد کی رائے صحیح سے استمداد ضروری ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں! بارش نہیں ہوئی۔ لاہور آتش کدۂ آزر بن رہا ہے مگر اس آتش کدہ کا مصنّف لطف اللہ نہیں، قہر اللہ ہے۔ عید کارڈ کا شکریہ! گزشتہ عید سرکار کو بھی مبارک ہو۔ مَیں روزے رکھتا ہوں مگر عید کے احساسِ مسرت سے محروم۔

بندۂ درگاہ

محمد اقبال، لاہور

(۳۴۳)————(۳۰)

لاہور

۱۴۔ اگست ۱۷ء

سرکارِ والاتبار! تسلیم۔

والا نامہ رجسٹرڈ آج مل گیا ہے جس کے لیے سراپا شکر و سپاس ہے۔ جس

خلوص سے سرکار نے مشورہ دیا ہے، اقبال اُس کے لیے شکر گزار ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ انشاء اللہ سرکار کے مشورہ پر عمل درآمد ہو گا کیونکہ سرکار کی معاملہ شناسی کبھی غلطی نہیں کر سکتی خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ تلطف بھی ہو۔

حیدری صاحب نے جیسا کہ مَیں نے گزشتہ عریضے میں عرض کیا تھا، مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے اور یہ پُوچھا ہے کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی بھی ساتھ اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت العالیہ کی خالی ہے نہ اس کے متعلق انھوں نے اپنے خط میں کوئی اشارہ کیا ہے، لیکن اگر ایسا ہو جائے تو مَیں اُسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔ آپ سے حیدری صاحب ملیں تو بر سبیلِ تذکرہ ان کی توجہ اس طرف دلائیں، یعنی اگر سرکار ان سے یہ تذکرہ کرنا مناسب خیال کریں تو ممکن ہے کہ آپ کا ان سے پہلے اس امر کے متعلق تذکرہ بھی آ چکا ہو۔ اگر ایسا اتفاق نہ ہُوا ہو اور اگر سرکار اسے مناسب تصور فرمائیں تو یہ اب وقت ہے کہ انھوں نے خود ملازمت کے لیے مجھے لکھا ہے، اس قسم کے تذکرہ کے لیے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ سب کچھ سرکار کی رائے پر منحصر ہے۔ اقبال خواہ لاہور میں خواہ حیدر آباد میں خواہ مریخ ستارے میں (رہے؟) وہ غیر محسوس رُوحانی پیوند جو اُس کو سرکار سے ہے، انشاء اللہ العزیز قائم رہے گا۔ نہ وقت اسے دیرینہ کر سکتا ہے نہ تعلقات اسے کمزور کر سکتے ہیں۔

مجھے تو حیدر آباد آنے کی سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سرکار سے اکثر ملاقات ہُوا کرے گی اور سرکار کے علمی و ادبی مشاغل سے گونہ رابطہ قائم رہے گا۔

باقی رہی اقبال کی بیرسٹری یا اور کوئی ہنر جو اس بے ہنر میں ہے، وہ سب آپ کی

خدمت کے لیے وقف ہے۔ اگر یہ بندۂ ناچیز وہاں قیام پذیر ہو گیا اور حالاتِ زمانہ نے مساعدت کی تو انشاء اللہ اقبال شاد کے کام آئے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

بندۂ درگاہ

محمد اقبال

(۳۴۴)——————(۳۱)

لاہور

۷۔ ستمبر ۱۷ء

سرکارِ والاتبار! تسلیم۔

بندۂ درگاہ اقبال ۳۰ اگست کی شام کو یہاں سے حیدرآباد روانہ ہونے والا تھا کہ ۲۹ کی شام کو بخار نے آدبایا اور اُس کے ایک دو روز بعد پیچش کا اضافہ ہُوا۔ ہفتہ بھر سخت تکلیف کا سامنا رہا۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس قابل ہوں کہ سرکار اور حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ سکوں۔ ڈاکٹر صاحب ایک ہفتہ تک اجازت نہیں دیتے اور مَیں نے بھی صحت کے خیال سے یہ بہتر سمجھا ہے کہ سفرِ حیدرآباد ملتوی کردوں یہاں تک کہ معاملۂ معلومہ خط و کتابت سے طے ہو جائے۔ سو آج حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے اور جو مشورہ سرکار نے بکمالِ عنایت دیا تھا اسی کے مطابق میرے عریضے کا مضمون ہے۔

اگر اللہ کو منظور ہُوا اور معاملہ طے ہو گیا تو اقبال ہو گا اور آستانہ شاد۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

بندۂ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۴۵)————(۳۲)

لاہور
۶۔ اکتوبر ۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

عید کارڈ مرسلہ سرکار مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ حیدر آباد کے سفر کے لیے تیار تھا مگر علالت کی وجہ سے رُک گیا جیسا کہ ایک عریضے میں پہلے عرض کر چکا ہوں، حیدری صاحب کا تار پھر آیا تھا اور مَیں اکتوبر کی گیارہ کو یہاں سے چلنے کا قصد کر چکا تھا مگر ایک مقدمہ کی وجہ سے پھر رُکنا پڑا۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب کا خط بھی آیا کہ نومبر کے مہینے میں آؤ تو بہتر ہے۔ غرض اقبال کی عید ابھی نہیں آئی کیونکہ یہ تو اس روز آئے گی جب آستانۂ شاد پر اس کا گزر ہوگا۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۴۶)————(۳۳)

لاہور
۷۔ اکتوبر ۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار نے جو کچھ لکھا ہے، بالکل بجا اور درست ہے لیکن گرما کی تعطیلوں میں حیدر آباد کا سفر آسان تھا اور اب یہ سفر قریباً دو ہزار روپیہ کے نقصان کا مترادف ہے۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی اُمیدِ خاص میرے دل

میں پیدا ہوتی تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا لیکن اس وقت تک جو خطوط اُن کی طرف سے آئے ہیں، اُن میں کوئی خاص بات نہیں سوائے اس کے کہ اُنھوں نے مجھ سے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جس کا جواب مَیں نے اُن کو دے دیا تھا۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت بھی نہیں۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس واسطے بلاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں اور نیز ملاقات کے لیے۔ اور کوئی غرض اُن کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی محض اِس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونیورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں یا محض اُن کی ملاقات کے لیے مَیں اپنے موجودہ حالات میں اِس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ مَیں نے نہایت صاف دلی سے اُن کی خدمت میں یہ لکھ بھی دیا ہے۔ گرمی کی تعطیلوں میں آتا تو صرف آمدورفت کے اخراجات تھے، انکم کے فقدان کا اندیشہ نہ تھا۔ اب جب کہ عدالتیں کُھل گئی ہیں تو صُورتِ حالات مختلف ہو گئی ہے۔ اُس وقت میرا یہ خیال تھا کہ اگر وہاں کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو کم از کم سرکار کے آستانے کی حاضری ہی سہی، لیکن اب ان حالات میں جب کہ حیدری صاحب کے خطوط کسی قسم کی اُمید پیدا نہیں کرتے بلکہ محض تفننِ طبع کے لیے حیدر آباد کی دعوت دیتے ہیں، اس قدر نقصان برداشت کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔

ان کا تار پھر آیا تھا کہ آؤ اور مَیں نے اُن کو تار دیا تھا کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں آسکوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح تاریخ روانگی بذریعہ تار مانگی اور مَیں نے جواب دیا کہ گیارہ اکتوبر کو یہاں سے سفر کروں گا لیکن بعد میں ایک مقدمہ کی وجہ سے رُک گیا۔ چنانچہ مَیں نے اُن کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کہ ایک مقدمے کے لیے جس کو مَیں نے

قبول کرلیا ہے ، ۱۵ اکتوبر کے روز مجھے لاہور میں ہونا چاہیے اس واسطے گیارہ کو یہاں سے روانہ نہ ہوسکوں گا۔ اس کے بعد مجھے حیدری صاحب کا خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکتوبر کے بجائے نومبر میں آئیے۔ نومبر میں حیدرآباد کا سفر کرنا مذکورہ بالا وجوہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال؛ اگر ممکن ہُوا تو مَیں وہاں پر حاضر ہُوں گا۔ مَیں نے یہ طویل داستان لکھ کر ناحق سرکار کی سمع خراشی کی ہے لیکن اس دلچسپی کے بھروسے پر جو سرکار کو از روئے اخلاق کریمانہ میرے معاملات سے ہے، مَیں نے یہ داستان لکھنے کی جرأت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار کی فیاضی مجھے معاف فرمائے گی۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بہمہ وجوہ بخیر ہو گا۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۴۷)———(۳۴)

لاہور

۲۲۔ نومبر ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

حامل رقعہ مولوی سیّد ابراھیم ہیں۔ یہ حیدرآباد جاتے ہیں اور مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اُن کو ایک معرفی نامہ دوں۔ آدمی ہوشیار ہیں اور قابل۔ فارسی کی لیاقت عمدہ ہے اور انگریزی بی۔اے تک پڑھی ہے۔ حیدرآباد میں ان کے ایک بھائی ہیں۔ اُن سے ملنے کے لیے دکن کا سفر کرتے ہیں۔ آپ کے آستانے پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنا ان کی آرزو ہے۔

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۴۸)————(۳۵)

لاہور

۱۹۔ دسمبر ۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

بندۂ درگاہ کو بہت روز سے سرکار کی خبر خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ مولوی ظفر علیخاں کے اخبار میں ایک غزلِ لاجواب نظر سے گزری۔ اسی کو نصف ملاقات تصوّر کیا گیا۔

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔ خیریت سے مطلع فرمائیے۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۴۹)————(۳۶)

لاہور

یکم فروری ۱۸ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

ایک عریضہ بجواب والانامہ سرکار ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ پرسوں رات خواب میں دیکھا کہ سرکار کی طرف سے ایک والانامہ ملا ہے جس کی ہیئت و صورت ایسی ہے جیسے کوئی خریطۂ شاہی ہو۔ تعبیر اس خواب کی تو معلوم نہیں مگر خواب کو امرِ واقعہ

سمجھ کر اس خریطہ کا جواب لکھتا ہُوں گو مضمونِ خریطہ اب ذہن سے اُتر گیا ہے۔ شاد کی طرف سے اقبال کو خریطۂ شاہی آئے، یہ بات خالی از معنی نہیں، انتظار شرط ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہمارے خیالوں سے وسیع تر ہے۔ حضور نظام، علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے نواب اسحاق خاں صاحب سکریٹری کالج کا تار مجھے بھی آیا تھا کہ حضورؐ کے خیر مقدم میں چند اشعار یہاں آکر پڑھو۔ یہ ایک بڑی عزت تھی مگر افسوس علالت نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ اُمید تھی کہ سرکار بھی اُن کے ہمراہ تشریف لائیں گے مگر یہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ کیا عجب کہ ایک ہی وقت میں بہت سی اُمیدیں پُوری ہو جائیں۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم

وہ گدا کہ تُو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

انگلستان کے پروفیسر نکلسن جنھوں نے دیوان شمس تبریزؒ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے (کشف المحجوب حضرت علی ہجویریؒ کا بھی انھی بزرگ نے انگریزی ترجمہ کیا ہے) مجھ سے اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں مگر کوئی نسخہ مثنوی کا اُن کے پاس نہیں، جو ہے انھوں نے کہیں سے عاریتاً لیا ہے۔ آج اُن کا خط آیا تھا جس میں وہ مثنوی کا نسخہ مانگتے ہیں۔ لُطف یہ ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں سوائے ایک نسخے کے جس پر مَیں نے بہت سی ترمیم کر رکھی ہے جو دوسرے ایڈیشن کے لیے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ مَیں نے سرکار کی خدمت میں چند نسخے ارسال کیے تھے۔ غالباً آپ نے احباب میں تقسیم کر دیے ہونگے۔ اگر کوئی کاپی باقی رہ گئی ہو اور سرکار کو اس کی ضرورت نہ ہو تو مرحمت فرمائیے، مَیں نہایت شکر گزار ہوں گا اور پروفیسر صاحب کو لکھ دُوں گا کہ نسخہ سرکار سے دستیاب ہُوا ہے۔

اس مثنوی کا دوسرا حصّہ "رموزِ بیخودی" زیرِ طبع ہے، فروری یا مارچ میں شائع ہو جائے گا۔ تو آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال ہوگا۔ تیسرے حصّے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک نئی قسم کی منطق الطیر ہوگی۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ کل مولٰینا اکبر کا خط آیا تھا۔ خوب شعر کہتے ہیں۔ انشاء اللہ مَیں بھی مارچ میں ایم اے کا زبانی امتحان لینے کے لیے الٰہ آباد جاؤں گا اور مولٰینا کی ملاقات سے شرف اندوز ہوں گا۔

سیّد ناظر الحسن صاحب، ایڈیٹر ذخیرہ، کے خط سے کبھی کبھی سرکار کی خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔

مخلصِ قدیم

محمد اقبال، لاہور

(۳۵۰)————(۴۷)

لاہور

۱۰ اپریل ۱۶ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم مع التعظیم

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کی اور بچّوں کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہوا مگر اُمید ہے کہ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے مع الخیر ہوں گے۔ بمبئی میں قبل از وقت گرمی ہے تو پنجاب میں بعد از وقت سردی۔ اپریل کا پہلا ہفتہ گزر گیا اور اس وقت تک لوگ کمروں میں لحاف لے کر سوتے ہیں۔ دو چار روز سے بارش بند ہو گئی ہے ورنہ اس سے پیشتر تقریباً ہر روز ابر آتا اور برس جاتا۔ بیماری کا بھی بعض

مقامات میں زور ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو!

میرے مقدر کے دانوں کی آپ کو تلاش ہے تو ممکن ہے مل جائیں اگرچہ بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سرکار مدار المہام ہوتے تو اس قدر جستجو گوارا کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ اگر زمانے نے مجھے آپ کے آستانے پر لا ڈالا تو میری عین سعادت مندی ہے۔ اُس وقت دوستانہ و نیاز مندانہ مہر و وفا کا ثبوت دے سکوں گا۔

مولوی ظفر علی خاں حیدر آباد طلب کر لیے گئے۔ آج میں نے اخبار میں دیکھا کہ وہ وہاں پہنچ گئے ہیں۔ نہایت قابل آدمی ہیں اور اُن کا ذہن مثل برق کے تیز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی علمی قابلیت سے ریاست کو بہت فائدہ ہوگا۔

دو تین روز میں مثنوی رموزِ بے خودی یعنی اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ خدمتِ عالی میں مرسل ہوگا۔ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ آپ کے لیے جلد بندھوانے کو دی ہے۔ جس روز جلدگر کے پاس سے آئے گی، اسی روز ارسالِ خدمت ہوگی۔ خواجہ حسن نظامی ایک روز کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ اُن سے ملاقات ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکتے تھے اس واسطے زیادہ باتیں نہ ہو سکیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۳۵۱) ———— (۳۸)

لاہور

۱۱۔ جولائی ۱۸ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

آج سید ناظر الحسن صاحب، ایڈیٹر رسالہ 'ذخیرہ' کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے

صاحبزادہ بلند اقبال کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے اور آپ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ! آپ کا دِل بڑا زخم خوردہ ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم رکھّے، مگر شاد کو تسلیم کی تلقین کون کر سکتا ہے!

اقبال محض ایک دِل رکھتا ہے جس سے آپ کو اخلاص ہے، اس دل کی ہمدردی پیش کرتا ہے اور آپ کے لیے دست بدعا ہے۔

مخلِص

محمد اقبال، لاہور

(۲۵۲) ———— (۳۹)

لاہور

۲۱- فروری سنہ ۱۹ ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

تار مرسلہ سرکارِ عالی آج صبح مِلا۔ سیتارام صاحب سے میں پہلے آشنا نہ تھا، نہ اُن کا نام بحیثیت ایڈیٹر کے کبھی سُنا تھا۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار 'دیش'، کو بُلوا کر ابھی دریافت کیا ہے، اُن کو بھی کوئی خاص حالات سیتارام صاحب کے معلوم نہ تھے اور نہ انہوں نے پیشتر اس کے کبھی اُن کا نام سُنا تھا، مگر تحقیق سے جو کچھ ان کو معلوم ہُوا عرض کرتا ہُوں۔

لالہ سیتارام صاحب ایف۔اے تک تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ ایف۔اے کا امتحان پاس نہیں کیا۔ "کھتری پترکا" نام سے ایک اخبار نکالنے کا قصد رکھتے تھے، ابھی تک یہ اخبار نِکلا نہیں۔ لالہ کاشی رام، ایڈیٹر اخبار 'بلاٹین' اُن کے رشتہ دار ہیں اور اُن کے ایک بھائی انت رام بیرسٹر ہیں جن سے مَیں واقف نہیں ہُوں۔ باقی اُن کے پرائیویٹ کریکٹر

و وسائل کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔
اگر مزید تحقیقات کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے اور تحقیق کی جائے گی۔ بندے کی خدمات سرکارِ عالی کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید ہے جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔
تار کا جواب عرض کر چکا ہوں۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۵۳)————(۴۰)

لاہور
۲۶۔ فروری ۱۹۔۔ء

سرکارِ عالی! تسلیم۔
والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ اس سے پہلے سرکار کا جو نوازش نامہ آیا تھا اس کا جواب بھی عرض کر دیا گیا تھا مگر نہ معلوم سرکار تک کیوں نہ پہنچا۔ تار کا جواب بھی عرض کر دیا گیا تھا۔ بعد میں ایک مفصل عریضہ بھی سیتارام صاحب کے متعلق لکھ دیا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں اور شاد کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ دل تو ملاقاتِ شاد کے لیے تڑپتا ہے مگر حالات پر نہ شاد کو قدرت ہے نہ اقبال کو۔ امور کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں، زمین پر محض اُن کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ دیکھیں اس امر کے فیصلے کا اشتہار کب ہوتا ہے! ۲۸۔ فروری کو دہلی جانے کا قصد ہے۔ وہاں سے ممکن ہوا تو سرکارِ خواجہؒ میں بھی حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے!

خواجہ حسن نظامی رفیقِ راہ ہوئے تو کیا عجب کہ

دلِ بیتاب جا پہونچے دیارِ پیرِ سنجرؒ میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

امیر حبیب اللہ، والیٔ افغانستان کی خبر آپ نے سُن لی ہوگی۔ جلال آباد میں کسی نے انہیں قتل کر دیا۔ لاہور میں تو یہ خبر پہلے ہی سے مشہور تھی، کل اخبارات میں اس کا اعلان ہوا۔ بطنِ گیتی میں نہ معلوم کیا کیا حوادث پوشیدہ ہیں۔ مرزا غالب خوب کہہ گئے ہیں

اے سبزۂ سرِ رہ از جورِ پا چہ نالی
در کیشِ روزگاراں گلِ خوں بہا ندارد

زیادہ کیا عرض کروں، دُعا کرتا ہوں۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بمع جمیع لواحقین و متوسلین بخیر ہوگا۔

مخلصِ قدیم
محمد اقبال

(۳۵۴) ——————— (۴۱)

لاہور
۷۔ اکتوبر ۱۹ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

والا نامہ کل شام موصول ہُوا۔ مثنوی 'خمارِ شاد' کی کاپیاں بھی وصول ہوئیں۔ چند احباب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے، اُن میں تقسیم ہوگئیں۔ بات یہ ہے کہ علمی دنیا میں کیا اور سوشل اعتبار سے کیا، 'خمارِ شاد' ایک خاص آدمی ہیں جن کے افکار سے ہر آدمی کو دلچسپی ہے

خدا کا فضل وکرم ہے کہ اس وقت بہمہ وجوہ خیریت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ سرکارِ والا بھی معہ متعلقین ومتوسلین مع الخیر ہیں۔ سر سیّد علی امام اگر آپ کو اخِ معظم کہتے ہیں تو حقیقتِ حال کا اظہار کرتے ہیں۔ واقع میں ایسا ہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اور اُن کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہیں گے۔ سیّد علی امام سے جہاں تک مجھے واقفیت ہے، وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات کو نباہنے والے آدمی ہیں۔ عام زندگی میں اُن کا بے تکلفانہ انداز اور سادگی نہایت دلفریب ہے، اور یہ خصوصیات مجھے یقین ہے دکن کی آب وہوا کا بخوبی مقابلہ کرسکیں گی۔

اب کے موسمِ گرما ہیں لاہور میں گزرا۔ کشمیر جانے کا قصد تھا مگر یارانِ طریقت ہم سفر نہ ہوسکے۔ اکیلے سفر کرنا اقبال سے ممکن نہیں ع

اکیلے لُطفِ سیرِ وادیٔ سینا نہیں آتا

آج تعطیلاتِ گرما ختم ہوگئیں۔ موسمِ سرما کا آغاز ہے۔ لاہور میں چہل پہل ہے اور رونق شروع ہورہی ہے۔ کالج طلبہ سے معمور ہوگئے۔ بازاروں میں طلبہ کے جھُنڈ پھر نظر آنے لگے۔ غرض کہ خدا خدا کرکے گرمی کا خاتمہ ہُوا۔ زیادہ کیا عرض کروں! سرکار نے یہ کیا لکھا کہ "نہ آپ آتے ہو نہ مجھے بُلاتے ہو"۔ اقبال ایک مدت سے منتظرِ امام ہے۔ کئی سال پیشتر عرض کرچکا ہے۔ ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

سرکار ظہورِ امام کی خبر دیتے ہیں پھر کیا عجب کہ اقبال کی دیرینہ ارادت اور خماری شاہ کی کشش متحد ہوکر کام کرجائیں اور اقبال جو معنوی اعتبار سے پہلے شاد کا آستانہ نشین ہے صوری اعتبار سے بھی حاضر ہوجائے! اقبال کی کشش تو ایک عرصے سے قوت کھوچکی ہے۔

شاد کی کشش کا امتحان باقی ہے۔ اُمید کہ مزاج عالی بخیر و عافیت ہو گا۔

بندۂ درگاہ مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۳۵۵)————(۴۲)

۱۱۔ اکتوبر ۲۲ء

سرکارِ والا تبار!

اقبال تسلیمات عرض کرتا ہے۔

کچھ عرصہ ہُوا عرض کیا تھا کہ خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا، اُس کا جواب سرکارِ والا کی خدمت میں پہلے پہونچے گا۔ اخباروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ جواب سرکارِ عالی تک پہنچ گیا ہے لیکن اقبال حضور سے سُننے کا مشتاق ہے۔

تصدیق ہو جائے تو مزید عرض کروں گا۔ اُمید کہ سرکارِ عالی کا مزاج مع متعلقین بخیر و عافیت ہو گا۔ جواب کے لیے چشم براہ ہُوں۔

بندۂ مخلص

محمد اقبال

(۳۵۶)————(۴۳)

لاہور

۱۱۔ نومبر ۲۲ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

دو والا نامے ملے جن کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ مَیں عریضہ لکھنے ہی کو تھا کہ

دوسرا نوازش نامہ سرکارِ عالی کا موصول ہوا۔ بابا تاج کے پیغام سے میری مراد معشوق کامرانی کا خیال ہے۔ جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربارِ تاج میں تشریف لے جائیے۔

فی الحال سرکارِ والا کا تامل بالکل بجا ہے اور جو کچھ سرکار نے جمال صاحب کو لکھا ہے، مناسب ہے۔ مَیں نے جو عرض کیا تھا کہ بابا تاج کا پیغام مجھ سے پہلے سرکار کی خدمت میں پہنچے گا، اس سے مراد ------- ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ مزاجِ والا بخیر ہو گا۔

مخلصِ شاد

محمّد اقبال

(۳۵۷) ———— (۴۴)

دسمبر

سرکارِ والا تبار، تسلیم۔

دعوتی رقعہ سرکارِ والا کی طرف سے چند روز ہوئے پہنچا۔ عزت افزائی کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کاش اس کارِ خیر میں شریک ہو سکتا!

لاہور سے حیدر آباد بہت دُور ہے تاہم اُمید ------- کہ کبھی اقبال کے جمود کا خاتمہ کر دے ------- خدائے تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ رکھے اور تمام آرزوئیں بر آئیں۔ لاہور میں عجب موسم ہے۔ دوپہر کو گرمی اور رات کو خوب سردی ------- اس عجیب وغریب موسم نے مجھے کئی روز تک بیمار رکھا۔ کل سے کسی قدر آرام اور سرکارِ والا کی صحت وسلامتی کا ------- معاملہ معلومہ ------- تو سرکار کے حسبِ مراد ہو گا۔ مَیں بھی کئی دِنوں سے دست بدُعا ہوں۔ دیگر حضرات سے استمداد کا خواستگار۔

اُمید کہ مزاجِ والا بخیر و عافیت ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۵۸)————(۴۵)

لاہور

۲۴۔جنوری ۲۳ء

سرکارِ والا! تسلیم مع التعظیم۔

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ مَیں اپنے خط کے جواب کا منتظر تھا۔ انشاء اللہ مَیں اس طرف پُوری توجہ دوں گا۔ ضروری کوائف سے آگاہی ہوگئی ہے۔ بعض اور امور بھی دریافت طلب ہیں جو پھر دریافت کروں گا۔ صرف اس قدر خیال ہے کہ موجُودہ حالات میں فریقین کا اطمینان کس طرح ہوگا اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ بعض باتیں شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی پُوچھی جاتی ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ سرکارِ عالی اس کو خُوب سمجھتے ہیں۔ میرے علم میں ایک موقع ہے، اگر اس کے متعلق میرا اطمینان ہو گیا تو عرض کروں گا، فی الحال ضروری آگاہی بہم پہنچا رہا ہُوں۔ اگر اس موقع کے متعلق خود میرا اطمینان نہ ہُوا تو پھر کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ اُمید کہ سرکارِ والا مع جملہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔

سرکار نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سُنا ہے، صحیح ہے۔ یہ اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اُس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔ دُنیوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزت ہے مگر ہر عزت فقط اللہ کے لیے

ہے۔ نوروز کارڈ کا شکریہ قبول فرمائیے جس میں آپ کی اور صاحبزادوں کی نہایت خوبصورت تصویریں ہیں۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۵۹)————(۴۶)

لاہور
۱۸۔مئی ۲۳ء

سرکار والا تبار! تسلیم

والا نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے لیکن بندۂ اخلاص کیش اقبال دو ہفتہ سے علیل ہے، اسی وجہ سے توقف ہوا۔ سرکارِ عالی معاف فرمائیں۔

آج سفرنامۂ شاد نظر سے گزرا۔ اس کرم فرمائی کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خوب دلچسپ ہے۔

حالتِ علالت میں میری چند فارسی کی نظموں کا مجموعہ جو 'پیام مشرق' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، شائع ہوا۔ مَیں نے پبلشر کو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ سرکارِ عالی کی خدمت میں فوراً اس کا ایک نسخہ ارسال کرے۔ اُمید کہ سرکارِ والا تک یہ کتاب پہونچی ہوگی۔ سرکار کے گزشتہ خط میں راجہ خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہٗ کے مسہری پر گرنے کی خبر تھی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو چشمِ زخمِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔ ہاں جوگی جی کا واقعہ------ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ضلع گورکھ پور میں اسی قسم کا ایک واقعہ سننے میں آیا تھا۔ باقی، بندۂ دیرینہ اقبال سرکارِ عالی کے لیے دست بدعا ہے۔ اُمید کہ

سرکارِ عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔ مفصل انشاء اللہ پھر عرض کرے گا۔

اخلاص کیش

محمد اقبال، لاہور

(۳۶۰)————(۴۷)

لاہور

۲۴۔ اکتوبر ۲۳ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم۔

والانامہ موصول ہوگیا ہے۔ صاحبزادی کے انتقال کی خبر معلوم کرکے نہایت تاسف ہوا۔ اقبال، شاد کے غم والم میں شریک ہے۔ سرکار کی نگاہ بلند، طبیعت بلند پھر حوصلہ کیوں بلند نہ ہو، مگر عرفی نے کیا خوب کہا ہے ؎

من ازیں دردِ گراں مایہ چہ لذّت یابم
کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

خدائے تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائے! معزّز ذرائع سے جو خبر سرکارِ والا نے سُنی ہے، خدا کرے کہ صحیح ہو۔ میری تو یہ دیرینہ آرزو ہے کہ سرکار کو فائز المرام دیکھوں۔ ذمّہ داری ضرور ہے لیکن اس وقت کے حالات اِس امر کے مقتضی ہیں کہ حیدر آباد کا مدار المہام شاد ہو، اور مجھے یقین ہے کہ حضور نظام کی نگاہ زمانے کے میلانِ طبیعت کو صحیح طور پر دیکھتی ہے۔

حضور وائسرائے آج کل لاہور میں رونق افروز ہیں۔ کل انہوں نے نئے ہائی کورٹ پنجاب کا افتتاح فرمایا۔ چیف جسٹس شادی لال نے جو تقریر اس موقع پر

فرمائی، اس کے جواب میں حضور وائسرائے نے اقبال کی تعریف بھی کی ہے۔ تقریر نہایت دلکش اور نہایت عمدگی کے ساتھ ادا کی گئی۔ اقبال کی تعریف سے سب کو تعجب ہُوا کہ اس کی توقع نہ تھی۔ اخباروں میں، اُمید کہ یہ تقریر سرکارِ والا کے ملاحظے سے گزرے گی۔
زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکارِ والا کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۳۶۱)————(۴۸)

لاہور
۲۹۔ستمبر ۲۳ء

سرکارِ والا! تسلیم۔

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے مسلسل بیماری کی وجہ سے آلام و افکار میں گرفتار ہُوں۔ پہلے میری بیوی کو ٹائی فائیڈ فیور ہو گیا اور وہ قریباً دو ماہ صاحبِ فراش رہیں۔ اس کے بعد میری باری آئی۔ خدا خدا کر کے پرسوں سے بخار اُترا ہے اور یہ خط نقاہت کی وجہ سے بستر پر لیٹے لیٹے لکھ رہا ہُوں۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

لیکن یہ معلُوم کر کے تعجّب بھی ہُوا اور تردّد بھی کہ برخوردار خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہ کی آنکھ اب تک اچھّی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم کرے! مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو صحتِ کامل عطا فرمائے گا وہ جس کا وجُود سینکڑوں ہزاروں کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے، اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ اُس کے نورِ نظر کو چشم زخم پہنچے۔

انشاء اللہ استدعائے دُعا کروں گا۔ گزشتہ اگست عثمانیہ یونیورسٹی نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی، جناب رجسٹرار نے تار دیا، اس کے بعد حیدری صاحب کا بھی تار آیا مگر بیوی کی علالت نے لاہور سے باہر نکلنے نہ دیا۔ آخر کار پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی لاہور ہی تشریف لے آئے اور جو مشورہ اُن کو مطلوب تھا دے دیا گیا۔ یہ موقع سرکار کی ملاقات کے لیے ایک مدت کے بعد ہاتھ آیا تھا مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ کو میرا سفرِ حیدرآباد منظور نہ تھا۔ خدا کرے کہ پھر کوئی موقع پیدا ہو اور اقبال سرکارِ شاد کی زیارت سے شرف اندوز ہو۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ سرکارِ والا کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ راجہ خواجہ پرشاد طال عمرہٗ کو دعائے صحت اور درازیٔ عمر و ترقیِ درجات!

مخلص

محمد اقبال

(۳۶۲)————(۴۹)

لاہور

۲۲۔ دسمبر ۱۹۲۴ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم۔

خوبصورت کرسمس کارڈ مرسلہ سرکارِ والا ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اگر مکتوب نصف ملاقات ہے، تو فوٹو بھی نصف زیارت کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

الحمد للہ کہ سرکارِ والا کی زیارت ہوئی اور صاحبزادوں کی بھی۔ خدائے تعالیٰ ان کو دیرگاہ سلامت رکھے اور سرکارِ والا کی آرزو بر لائے۔ ایک مدت ہوئی سلسلہ

خط وکتابت سے محروم ہوں - اِس عرصہ میں بہت سے آلام و مصائب کا شکار رہا۔ بیوی کا اِنتقال ہوگیا جس سے اب تک قلب پریشان ہے۔

دوسری بیوی کے ہاں خدا کے فضل وکرم سے لڑکا ہُوا جس سے قدرے تلافی ہوئی۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے خوشی ہو یا غم، سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور ع

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

بچّہ کا نام جاوید رکھا گیا ہے۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سرکارِ والا معہ متعلقین و متوسلین خدا کے فضل وکرم سے بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ حیدر آباد کی وزارت کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اخبار پنجاب میں شائع ہوتی رہتی ہیں، پھر جلد ہی ان کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے۔ آخری افواہ میاں سر محمّد شفیع صاحب کے متعلق تھی مگر دو چار روز ہوئے کہ اس کی زور سے تردید ہوگئی۔

وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۲۴ کو لاہور پہنچنے والے ہیں۔ یہاں اُن کا زور شور سے اِستقبال ہوگا۔ سُنا گیا ہے کہ وہ لاہور ہائیکورٹ میں پھر اپنا بیرسٹری کا کام شروع کریں گے۔ سر علی امام صاحب کے مساعی کا نتیجہ افسوس ہے حسبِ دلخواہ برآمد نہ ہُوا۔ سرکار کو یاد ہوگا جو کچھ مَیں نے بہت مُدّت ہوئی خدمتِ عالی میں عرض کیا تھا، معلوم نہیں اب اعلیحضرت کیا طریق اختیار کریں گے۔ بعد اس ناکامی کے عجیب عجیب خبریں اڑائی گئیں۔ دنیا بھی خُوب ہے۔ کوئی شخص اپنی تدبیر کی ناکامی ماننے کو تیار نہیں۔ خدا کا علم سب پر غالب ہے۔ واللہ غالب علیٰ امرہ ، ولاکن اکثر النّاس لا یعلمون۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ شاد آباد رہیے۔

مخلص
محمّد اقبال

(۳۶۳)————(۵۰)

لاہور

۴۔جنوری ۲۵ء

سرکارِ والاتبار تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے اور سالِ نو کی مبارک باد خدمتِ عالی میں عرض کرتا ہے۔ سرکارِ عالی نے مرورِ زمانہ کا نقشہ خوب کھینچا۔ گویا الفاظ میں کیفیت کی تصویر اتار دی جس کی تصویر سے رنگ و قرطاس عاجز ہیں۔ اس سے پہلے بھی ایک والا نامہ ملا تھا، اس کی تعمیل میں بانگِ درا کا نسخہ ارسالِ خدمت کر دیا گیا ہے۔

وزارتِ حیدرآباد کے لیے اب تک بھی افواہ ہے کہ سَر محمد شفیع حضور نظام سے خط و کتابت کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصّواب! فی الحال انہوں نے یہاں بیرسٹری کا کام شروع کر دیا ہے۔ مگر سرکار نے خُوب فرمایا۔ جو ہُوا، ہو گیا، جو ہونے والا ہے، ہو رہے گا۔ اکبر مرحُوم کا یہ شعر یاد آ گیا۔ کیا خُوب فرماتے ہیں ؎

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا، جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خُدا کر، جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شاد کی زیارت سامانِ مسرت و انبساط ہے دیکھیے، یہ سامان دُور افتادہ اقبال کو کب میسّر آتا ہے۔ اُمید کہ سرکارِ عالی کا مزاج بخیر ہو گا اور جملہ صاحبزادگان مع متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

مخلص

محمد اقبال

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے نام

(۳۶۴) ———— (۱)

۴۔جون ۱۹۲۵ء (انگریزی)

مائی ڈیر صاحبزادہ صاحب!

مَیں نے علومِ اسلامیہ کے متعلق آپ کے نہایت عمدہ نوٹ کا بہت دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے اِس پر بہت کچھ غور کیا ہے۔ اِس مضمون پر مختلف نقطۂ نظر بالخصوص جدید دنیائے اسلام میں عالمگیر رُوحِ انسانیت Humanism کی تخلیق بلکہ بیداری کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔ بہر حال، قبل اس کے کہ مَیں کچھ عرض کروں، میں چند منتشر خیالات جو میرے ذہن میں آئے، علومِ اسلامیہ کے مقاصد کے سلسلہ میں بیان کروں گا:

۱۔ بہتر و مسلّمہ جامعیت کے علماء فقہاء وغیرہ کو تعلیم و تربیت دینا (یہ آپ کا پہلا مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ چار پر بیان فرمایا ہے، اور اس سے مجھے کُلّی اتفاق ہے)

۲۔ ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے مختلف شعبوں میں اپنی تحقیقات سے اسلامی تمدّن اور موجُودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کا جو تسلسل پایا جاتا ہے، اس کی از روئے نشو و نمو جستجو کریں۔ اِس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے کہا جاتا ہے، ایسے وقت میں رونما ہُوا جب مُسلم حکماء کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں، اور جب وہ استقرائی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے، دُنیائے اِسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدُود ہو گئی اور یورپ نے مُسلم حکماء کے غور و فکر کے

ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔ یورپ میں "جذبۂ انسانیت" کی تحریک بڑی حد تک اُن قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں۔ یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین "جذبۂ انسانیت" کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہُوا ہے، اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدّن کی توسیع پذیری کہا جاسکتا ہے۔ اِس اہم حقیقت کا احساس نہ آجکل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں، وہ ابھی تک یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کُتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں۔ آجکل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود اُن کے تمدّن سے برآمد ہُوا ہے، وہ اُسے بالکل غیر اسلامی تصوّر کرتے ہیں مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن سٹائن کے نظریہ سے کسی قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹیفک حلقوں میں سنجیدگی سے بحث و مباحثے ہوتے تھے (ابو المعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے) تو آئن سٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اِتنا اجنبی نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ جدید استقرائی منطق سے اُسے جو بیگانگی ہے، وہ بہت کچھ کم ہو جائے۔ اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجود میں آیا جو انہوں نے ارسطو کے استخراجی منطق پر عائد کیے تھے۔ اس قسم کے عالموں کا تیار کرنا از بس ضروری ہے کیونکہ جدید علم کے اخذ و جذب کرنے میں صرف یہی لوگ مدد کر سکتے ہیں۔

۲۔ ایسے عالموں کا تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب و تمدّن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں (یہ اصل میں آپ کا تیسرا مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ ۴ پر بیان فرمایا ہے۔ مَیں نے اِس میں سے سائنس اور فلسفہ کو علیحدہ کر کے اُسے کسی قدر محدود کر دیا ہے) آپ کا مقصد نمبر ۲ بھی اسی مد میں آجاتا ہے۔

۴۔ ایسے عالموں کا پیدا کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کے لیے موزوں ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہمارا قانونی لٹریچر جس کا کافی حصہ ابھی غیر مطبوعہ ہے، بے انتہا ہے۔ میری رائے میں ایسے علومِ اسلامیہ کی ایک علحدہ شاخ قرار دینا چاہیے۔ (قانون سے میرا مقصد صرف اس قانون سے ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے) صرف انہیں عام اصولوں کی تحت میں ہمیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں علومِ اسلامیہ کی اسکیم مرتب کرنا چاہیے۔ اب مَیں اس مسئلہ کے عملی رُخ پر غور کرتا ہوں:

۲۔ مسلم دینیات کا مطالعہ

ہمارا پہلا مقصد جس کی بابت ہم دونوں متفق ہیں، موزوں صفات کے علماء پیدا کرنا ہے جو ملت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں، مگر زندگی کے متعلق ملت کے زاویۂ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت، اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبیعی علوم کی غیر متناہی ترقی، ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے، اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے؛ چنانچہ جس قسم کا علمِ کلام اور علمِ دین ازمنہ متوسطہ کے مسلمان کی تسکینِ قلب کے لیے کافی ہوتا تھا، وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔ اس سے مذہب کی رُوح کو صدمہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو فکرِ دینی کو از سرِ نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے اور بہت سے مسئلوں کی طرح اس مسئلہ میں بھی سر سید احمد خاں کی دُور رس نگاہ کم و بیش پیشین گویانہ تھی۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے اُنھوں نے اس کی بُنیاد زیادہ تر ایک گزرے ہوئے عہد کے فلسفیانہ معتقدات و افکار پر رکھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مَیں آپ کے مُسلم دینیات کے مجوّزہ نصاب سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک قدیم طرز پر مُسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بیسود

ہے اگر اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سوسائٹی کی زیادہ قدامت پسند جماعت کی تالیفِ قلب مدِ نظر رہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے، کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے، جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرحِ نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علمِ کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو بر سرِ کار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہیں لوگوں کے ہاتھ انجام پا سکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے، مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کیے جائیں؟

میں آپ کی اس تجویز سے پورے طور پر متفق ہوں کہ دیوبند اور لکھنؤ کے بہترین مواد کو بر سرِ کار لانے کی کوئی سبیل نکالی جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کے بعد کیا کریں گے۔ کیا آپ ان کو بی، اے اور ایم، اے بنائیں گے جیسا کہ سر ٹامس آرنلڈ کی تجویز ہے۔ مجھے یقین ہے جہاں تک دینیاتی افکار، دماغی کے مطالعہ یا ترقی کا تعلق ہے، وہ آپ کا مقصد نہیں پورا کر سکیں گے۔ دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو علمِ دینیات پر غور و فکر کرنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں، ان کو میرے نزدیک قبل اس کے کہ وہ آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کو عبور کرنے دیے جائیں جس کو ان کی ضرورتوں کا خیال کر کے بہت مختصر کر دینا پڑے گا، افکارِ جدیدہ اور سائنس سے آشنا کر دیا جائے۔ جدید سائنس اور خیالات کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ان کو آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کے ایسے مضامین پر لیکچر سننے کو کہا جا سکتا ہے جو ان کے خاص مضامین سے متعلق ہوں مثلاً اسلام کے فرقہ جات اور اسلامی اخلاق اور فلسفہ مابعد الطبیعیات۔ اس ترتیب کے بعد انہیں مسلم

دینیات، کلام اور تفسیر پر مجتہدانہ خطبہ دینے کے لیے یونیورسٹی فیلو بنایا جائے۔ صرف یہ لوگ یونیورسٹی میں دینیات کا ایک نیا اسکول قائم کرسکیں گے اور ہمارا مقصد نمبر ا پُورا ہوسکے گا۔ لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کا قدامت پسند عنصر مطمئن ہوجائے تو آپ قدیم طرز کی دینیات کے اسکول سے ابتدا کرسکتے ہیں جیسا کہ آپ نے اپنے مراسلہ کی دفعہ نمبر ۴ میں تجویز کیا ہے۔ مگر آپ کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ آپ تدریجاً اس کے بجائے ان لوگوں کی جماعت کو کارفرما بنائیں جو میری تجویز کردہ اسکیم کے مطابق خود اجتہادِ فکر پر قادر ہوں گے۔

۳۔ ہمارا دوسرا مقصد

دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو خالص سائنٹیفک تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہوں، ان کو اُن کے میلاناتِ طبعی کے مطابق جدید ریاضیات، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہیے۔ جدید سائنس اور حکمت کی تعلیم پُورا کرنے کے بعد ان کو اجازت دے دی جائے کہ وہ آرنلڈ کا کورس پُورا کریں جس کو اُن کی ضرورتوں کا لحاظ کرکے مختصر کردیا جائے گا۔ مثلاً صرف اس شخص کو آرنلڈ کورس کا نمبر ۲ "دنیائے اسلام اور سائنس" پر لیکچر سُننے کی اجازت دی جائے جو صرف طبعی سائنس پڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد اُسے آپ یونیورسٹی کا فیلو بنا سکتے ہیں تاکہ وہ اپنا پُورا وقت خاص سائنس میں ریسرچ پر صرف کرے جس کا اس نے مطالعہ کیا ہے۔

۴۔ ہمارا تیسرا مقصد

آرنلڈ کا کورس ان لوگوں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیے جو سائنس یا فلسفہ میں خاص دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مسلم تمدن اور تہذیب کے اصولوں کی عام تعلیم حاصل کرنا چاہتے

ہیں، مگر اسے صرف لکھنؤ اور دیوبند کے لوگوں تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کی اپنی یونیورسٹی کے ایسے لوگ جو عربی اچھی طرح جانتے ہیں، اسے اختیار کر سکتے ہیں مگر اس کورس میں مُسلم آرٹ اور فنِ تعمیر بھی شامل کرنا چاہتا ہُوں۔

۵۔ مُسلم قانون اور تاریخِ قانون

ہمیں دیوبند اور لکھنؤ سے ایسے ذہین اور طبّاع لوگ منتخب کرنے چاہئیں جو قانُون کا خاص ذوق رکھتے ہوں۔ چونکہ قانونِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سرتاسر تعمیری تشکیل کا محتاج ہے۔ ہم کو چاہیے کہ انہیں اصُولِ فقہ (قانون سازی) کے اصولوں کی تعلیم میں اور شاید جدید اقتصادیات اور اجتماعیات کی جامع تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو ایل ایل بی بنائیں اور پھر آرنلڈ کا کورس پڑھنے کی اجازت دیں مگر ان کے لیے بھی کورس میں تخفیف کرنی پڑے گی، مثلاً اُن سے کہا جائے کہ سیاسی نظریۂ اسلامیہ اور اسلامی اصُولِ فقہ کا ارتقاء وغیرہ مضامین کے لیکچروں میں شریک ہوں۔ بعض کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے دیا جائے۔ دوسروں کو یونیورسٹی کی فیلوشپ اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ اپنے آپ کو قانونی ریسرچ کے لیے وقف کر دیں۔ اِس مُلک میں قانُونِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طریقہ سے عمل میں لایا جاتا ہے، وہ بغایت تاسّف انگیز ہے، اور بعض دشواریاں ایسی ہیں جو صرف (مجلس قانون ساز کے) قیام سے دُور ہو سکتی ہیں۔ مُسلمان قانون دان جن کا پیشہ وکالت ہو اور جو قانُونِ محمّدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصُولوں پر پورے طور پر حاوی ہوں، وہ عدالت اور کونسل، دونوں میں بے حد مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

۶۔ مختصراً میری تجاویز حسبِ ذیل ہیں:۔

جو نصاب مسٹر ٹامس آرنلڈ نے تجویز کیا ہے، مَیں اس کو قبول کرتا ہوں مگر پُورا کورس

صرف اُن طالب علموں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیے جو قانونی دینیات اور سائنس کے لیے کوئی خاص ذوق نہ رکھتے ہوں۔ جہاں تک دینیات کی تعلیم کا تعلق ہے، مَیں آپ کی تجویز (آپ کے خط کی دفعہ ۴) کو تسلیم کرتا ہُوں مگر اُسے صرف عارضی اور امتحانی حیثیت دینا چاہتا ہُوں۔ اس کی جگہ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے لیے اور ان کے لیے جو قانون اور خاص علُوم کا مطالعہ کریں گے، آرٹس کا کورس ان کی ضروریات کے لحاظ سے مختصر کرنا پڑیگا۔ یہ جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو اسلامی حکمت، ادبیات، آرٹ، تاریخ نیز دینیات کا نصاب اختیار کریں گے، جرمن اور فرنچ زبانوں کا حسبِ ضرورت جاننا ازبس ضروری ہے۔

مخلص
محمد اقبال

مکرر ـــــ منسلکہ خط ٹائپ کیا جاچکا تھا کہ مَیں پروفیسر محمد شفیع سے ملا جن کو آپ نے کہا تھا کہ مجھ سے علُوم اسلامیہ کے متعلق تبادلۂ خیال کریں۔ ان سے گفت و شنید کا ماحصل یہ ہے :-

۱- پروفیسر محمد شفیع میرے خیال میں دینیات کی نسبت زیادہ حامی نہیں ہیں۔

۲- ان کا خیال ہے کہ اسلامی حکمت وغیرہ کی تعلیم کے لیے زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجویٹوں میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔ معمُولی یونیورسٹی تعلیم کے بعد وہ ان لوگوں کو عربی زبان و ادب کی تعلیم دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ مَیں ہر دو امور میں ان سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ میری رائے میں جدید اسلامی ملتوں کے لیے جدید دینیاتی افکار کی توسیع اور ترویج ضروری ہے۔ قدیم اور جدید اصولاتِ تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیائے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہوگئی ہے۔ یہ "روحِ انسانیت کی تحریک" افغانستان جیسے

ملک پر اثر ڈال رہی ہے۔ آپ نے امیرِ افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہو گی جس میں اُنہوں نے علماء کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید دنیائے اسلام کی مختلف تحریکیں اسی نتیجہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان حالات کے ماتحت مُسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دلیری سے اس وادی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اس میں شک نہیں، محتاط رہنا لازمی ہو گا اور فکر و حکمت کی اصلاح اس طور پر عمل میں لانی ہو گی کہ معاشرتی امن و سکون میں خلل نہ آنے پائے۔

رہا پروفیسر شفیع کا دوسرا خیال، اس کے سلسلہ میں میری رائے ہے کہ دیوبند اور ندوہ کے لوگوں کی عربی علمیت ہماری دوسری یونیورسٹیوں کے گریجویٹ سے بہت زیادہ ہوتی ہے، مگر پروفیسر شفیع کا خیال ہے کہ قدیم طرزِ تعلیم کی وجہ سے جو دیوبند اور ندوہ میں جاری ہے اُن کے طالب علموں کا ذہنی نصب العین نہایت تنگ ہو جاتا ہے۔ ان کو یہ تسلیم ہے کہ عربی زبان کی قابلیت ان کی بہتر ہوتی ہے۔ میری رائے میں جو لوگ غیر معمولی روشن دل و دماغ کے ہوتے ہیں، اُن کے لیے طریقۂ تعلیم کی نوعیت کچھ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا پیش نہاد کافی (لچکیلا) ہوتا ہے اور ان میں وسعت پذیر ہونے کی کافی صلاحیت ہوتی ہے۔ قدیم اور جدید طرزِ تعلیم کے محض بہترین ناقد اسی قدیم طریقۂ تعلیم کی پیداوار ہوتے ہیں۔ مزید برآں ندوہ کے بعض افراد ایسے ہیں جو پروفیسر شفیع کے عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں۔

مَیں یہاں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ندوہ اور دیوبند کے لوگوں کو انٹرمیڈیٹ کے معیار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ وہ یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کرنے پر مجبُور کیے جائیں۔ یہاں وہ سوائے انگریزی کے کوئی دوسری زبان اختیار

نہ کر سکیں گے ۔ دوسرے مضامین میں وہ حسبِ ذیل مضامین سے انتخاب کر سکیں گے :

(الف) علومِ طبعی (ب) ریاضیات (ج) فلسفہ (د) اقتصادیات

چونکہ ان کو انگریزی کی تعلیم محض کام چلانے کے مطابق حاصل کرنی ہوگی ، میں یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات ایم ، اے اور بی ، اے سے انگریزی کو بالکل حذف کر دینا چاہتا ہوں ۔ ان امتحانات میں ان کو صرف سائنس اور فلسفہ کے مضامین لینے کی ضرورت ہوگی ۔ ابھی میں اس امر کے متعلق توجہ نہیں کر سکا ہوں کہ آیا ان کو بی ، اے اور ایم ، اے کے امتحانات پاس کرنا ضروری ہوں گے ۔ اس امر کے متعلق دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں اگر یہ طے ہو کہ ان کو یونیورسٹی کے امتحانات بی ، اے یا ایم ، اے کے امتحانات پاس کرنا نہ پڑیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کو بمقابلہ دیگر طلبہ کے جن کو امتحان پاس کرنا ہے زیادہ وسیع پیمانہ پر مطالعہ کا موقع ملے گا ۔ مگر اس حالت میں ان لوگوں کی علمی کارکردگی پر یونیورسٹی کو خاص طور پر نگراں رہنا پڑے گا ۔

نوٹ : اصل خط انگریزی میں ہے ۔ مندرجہ بالا ترجمہ رسالہ سہیل جلد اوّل شمارہ دوم بابت اپریل ۱۹۲۶ء مطابق رمضان المبارک و شوال ۱۳۴۴ھ سے نقل کیا گیا ہے ۔ خط کی تاریخ سید عبدالواحد صاحب کی مرتبہ کتاب سے لی گئی ہے ۔ (مرتب)

ماسٹر طالع محمدؐ کے نام

(۳۶۵) ———— (۱)

مکتوب الیہ نے جلال پور جٹاں ضلع گجرات ، پنجاب سے دریافت فرمایا : "جب الفاظ عربی یا فارسی سے اُردو میں منتقل ہوتے ہیں تو بعض اوقات اُردو میں آن کر تلفظ بدل جاتا ہے مثلاً عربی میں شَفَقَت ہے لیکن اُردو میں شُفْقَت صحیح ہے مگر بعض باریک بین اور نفاست پسند حضرات اصلی زبان کے تلفظ کو اُردو

میں خواہ مخواہ ٹھونسنے پر اُدھار کھائے ہوئے ہیں ۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟ کیا اصلی زبان کے تلفظ کو صحیح تصور کیا جائے یا وہ تلفظ صحیح ہے جو اہلِ زبان (دہلوی اور لکھنوی ادیب یا ان کا خواندہ طبقہ) استعمال کرتے ہیں ۔

اس کے بعد ماسٹر صاحب موصوف نے الفاظ کی ایک فہرست دے کر ان کا درست تلفظ دریافت فرمایا ۔ جواب حسبِ ذیل موصول ہُوا :

مکرم بندہ !

السلام علیکم ۔ جس قسم کی تحقیقِ زبان آپ کو مطلوب ہے ، افسوس کہ میں اُس میں آپ کی کوئی امداد نہیں کر سکتا ۔ غالباً لکھنؤ سے ایک آدھ رسالہ اس قسم کا شائع ہوتا ہے مگر مجھے نام معلوم نہیں ۔ اس بارے میں آپ مرزا یاس عظیم آبادی ایڈیٹر کار امروز لکھنؤ اور مرزا عزیز لکھنوی اشرف منزل لکھنؤ سے خط و کتابت کریں ۔ وہ آپ کو بہتر مشورہ دے سکیں گے ۔ مَیں آپ کی قدر و منزلت کرتا ہُوں کہ اس زمانے میں اور ایسے مقام پر آپ کو صحیح اُردو کا ذوق ہے ۔

۱۸ ۔ جون ۲۱ء — محمد اقبال ، لاہور

سردار ایم ۔ بی احمد کے نام

(۳۶۶) ——— (۱)

(انگریزی)

سیالکوٹ
۱۷ ۔ اگست ۱۹۲۲ء

جنابِ من !

جرمنی سے متعلق میری معلومات اب پُرانی ہو چکی ہیں ۔ تیرہ برس گزرے مَیں اس ملک میں تھا ، اس کے بعد اس ملک کو تاریخِ عالم کی ایک عظیم ترین جنگ سے دوچار ہونا

پڑا اور اس وقت وہ ملک دنیا کی معاشی تاریخ کے ایک عدیم المثال مالی بحران میں مبتلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کی درس گاہوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ آپ کو کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اُس مُلک سے حال ہی میں واپس آیا ہو۔ مَیں تو صرف اس قدر کہہ سکتا ہُوں کہ مَیں نے اپنا مقالہ میونک یونیورسٹی میں پیش کیا جس کے اربابِ اختیار نے مجھے یونیورسٹی میں قیام کی شرط سے مستثنیٰ کر دیا اور مجھے اپنا مقالہ انگریزی میں لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ جرمن یونیورسٹیاں بالعموم ۲ سال یا ڈیڑھ سال کے لیے لیکچروں میں حاضری پر اصرار کرتی ہیں۔ حاضری کی مدت کا تعین امیدوار کی اہلیت پر ہوتا ہے اور عام طور پر مقالہ جرمن زبان میں مرتب کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مجھے اپنے کیمبرج کے اُستادوں کی سفارش کی بنا پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ پی، ایچ، ڈی کا امتحانِ زبانی جرمن زبان میں ہُوا جو مَیں نے دورانِ قیام میں تھوڑی بہت سیکھ لی تھی۔

آپ کا

محمد اقبال

چودھری محمد احسن کے نام

(۳۶۷)————(۱)

مکتوب الیہ کے بڑے بھائی حافظ محمد حسن صاحب کا تعلق جماعتِ احمدیہ لاہور سے ہے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اس جماعت میں شمولیت کی دعوت دی اور سلسلہ کا تبلیغی لٹریچر بہم پہنچایا جس کے مطالعہ کے بعد مکتوب الیہ نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بعض دینی مسائل کا حل چاہا اور اس جماعت سے متعلق علامہ مرحوم کی رائے دریافت فرمائی۔

لاہور
۷- اپریل ۳۲ء

جنابِ من! السلام علیکم۔

میں آپ کے بھائی صاحب سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ نہایت نیک نفس آدمی ہیں۔

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی عالم سے یہ سوالات کرنے چاہییں جو آپ نے مجھ سے کیے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ آپ کو صرف اپنا عقیدہ بتا سکتا ہوں اور بس میرے نزدیک مہدی، مسیحیت اور مجدّدیت کے متعلق جو احادیث ہیں، وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ عربی تخیّلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں نے بعض علماء یا دیگر قائدینِ اُمت کو مجدد یا مہدی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ مثلاً محمدؒ ثانی فاتح قسطنطنیہ کو مؤرخین نے مہدی لکھا ہے۔ بعض علماءِ اُمت کو امام اور مجدّد کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اِس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ زمانہ حال میں میرے نزدیک اگر کوئی شخص مجدد کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف جمال الدین افغانیؒ ہے۔ مصر و ایران و ترکی و ہند کے مُسلمانوں کی تاریخ جب کوئی لکھے گا تو اُسے سب سے پہلے عبدالوہاب نجدی اور بعد میں جمال الدین افغانی کا ذِکر کرنا ہو گا۔ مؤخر الذکر ہی اصل میں مؤسس ہے زمانہ حال کے مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ کا۔ اگر قوم نے اُن کو عام طور پر مجدّد نہیں کہا یا انہوں نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا تو اس سے ان کے کام کی اہمیت میں کوئی فرق اہلِ بصیرت کے نزدیک نہیں آتا۔

باقی رہی تحریکِ احمدیت، سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے

ایسے افراد ہیں جن کو مَیں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعتِ اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہُوں۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتادِ طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیے۔

اِسلام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں۔ جن طریقوں پر اِس وقت تک عمل ہُوا اُن کے علاوہ اور طریق بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے عقیدۂ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے، وہ زمانۂ حال کی طبائع کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہاں اشاعتِ اسلام کا جوش جو اُن کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے، قابلِ قدر ہے۔ والسلام

محمّد اقبال

پروفیسر میاں محمّد شریف کے نام

(۳۶۸)———(۱)

لاہور

۱۹۔ جنوری ۲۵ء

ڈیئر شریف! آپ کا خط مِل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ مَیں کئی دِنوں سے صاحبِ فراش ہُوں۔ مسوڑے پھُول جانے کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ دو اپریشن یکے بعد دیگرے ہو چکے ہیں۔ گزشتہ رات جو اپریشن ہُوا، اس سے کسی قدر افاقہ ہُوا مگر ابھی تک صاحبِ فراش ہُوں؛ چنانچہ یہ خط بھی لیٹے ہوئے لکھ رہا ہُوں۔

علی گڑھ یونیورسٹی نے میری جو قدر افزائی کی ہے، اُس کے لیے مَیں ان کا نہایت شکر گزار ہُوں۔ یہ اعزاز اور بھی گراں قدر ہو جاتا ہے جب مَیں یہ خیال کرتا ہُوں کہ میرا

کوئی حق اِس یونیورسٹی پر نہ تھا اور نہ عام طور پر علی گڑھ تحریک سے میرا کوئی خاص تعلق رہا ہے۔
اُمید نہیں کہ ایک ہفتہ تک اس شدتِ سرما میں سفر کے قابل ہو سکوں لیکن بعد میں انشاء اللہ علی گڑھ ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا، آپ کی ملاقات سے مسرت حاصل کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی سے میرا سلام کہیے۔

مخلِص

محمد اقبال

(۳۶۹)————(۲)

(انگریزی)

مائی ڈیئر شریف!

میں آپ کے سوالات کا جواب بہم پہنچانے سے قاصر ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دُنیائے اسلام، بالخصوص مصر و ایران میں Intellectual Activity ہے اور فلسفہ اب بھی دینیات کے ساتھ ساتھ زیرِ مطالعہ ہے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مکاتب میں جواب تک پُرانی روِش پر قائم ہیں، مغربی فلسفہ پڑھایا جاتا ہے یا نہیں۔ فلسفۂ حال کی بعض کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً نطشے کی ایک تصنیف کتاب الفجر کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ مجھے اِطلاع ملی تھی کہ کسی شخص نے میسوپوٹیمیا میں اس کا ترجمہ کیا ہے لیکن اب تک یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جہاں تک مجھے علم ہے، علماء نے فکرِ اسلامی کو فلسفۂ عہدِ حاضر کی روشنی میں از سرِ نو ترتیب دینے کی کوئی کوشش نہیں فرمائی لیکن دنیائے اسلام کو جو حوادث پیش آرہے ہیں، ان کی بناء پر یقین ہوتا ہے کہ اس طرف ضرور توجہ ہوگی۔ خلافت کی تنسیخ نے مصر کے بعض مفکرین کو مسئلہ آئین پر قرآنِ کریم

کے مطالعہ کی طرف راغب کیا ہے۔

جب اسلام کی سیاسی بے چینی دُور ہو چکے گی تو فلسفیانہ مسائل بھی زیرِ بحث آئیں گے۔ معاف فرمایئے مَیں نے آپ کے خط کی پشت پر ہی جواب اس خیال سے لکھ دیا ہے کہ آپ اپنے سوالات کی طرف رجوع کرنا چاہیں گے۔

مخلص
محمدؐ اقبال

اِس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن یہ ۱۷۔ فروری ۱۹۳۶ء کے خط کے جواب میں موصول ہُوا تھا۔

عبدالرشید کے نام

(۳۷۰) ———— (۱)

(انگریزی)

مائی ڈیئر رشید!

گرامی نامہ کے لیے جو ابھی موصُول ہُوا سراپا سپاس ہُوں۔ آپ کو معلُوم ہی ہے کہ اسؔل اور مسعُود کے لیے میرے دِل میں کس درجہ محبّت ہے اور ان کی خوشی کے لیے میں ہر ممکن کوشش کے لیے تیّار ہُوں لیکن اس خاص معاملے میں مَیں آپ سے یہ ضرور کہوں گا کہ نفسیاتی وجُوہ کی بنا پر اس الم انگیز یاد کو تازہ رکھنے کا سامان بہم پہنچانا مناسب نہ ہوگا۔ اس یاد سے امومت کی اہلیّت پر اثر انداز ہونے کا احتمال ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اِس سلسلہ کو اس وقت تک کے لیے نہ چھیڑیے جب تک خداوندِ کریم اپنے فضل و کرم سے دوسرا بچہّ عطا فرمائے۔ اُس وقت آپ کتبے پر یہ شعر کندہ کرا دیجیے ؎

در چمن بود و لیکن نتواں گفت کہ بود
آہ، ازاں غنچہ کہ بادِ سحر اور انکشود

یہ شعر آپ کا خط پڑھتے ہی ذہن میں آگیا۔

مخلص
محمدؐ اقبال

اختتامِ خط پر اُردو میں مندرجۂ ذیل تحریر ہے:

مَیں نے حکیم نابینا صاحب سے دہلی میں امتل کی علالت کا ذکر کر دیا تھا۔ وہ نومبر میں دہلی جائیں تو ان کو ضرور نبض دکھائیں۔ محمدؐ اقبال

نوٹ: لیڈی مسعُود کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہُوا۔ مکتوب الیہ یعنی والدِ لیڈی مسعُود نے کتبہ کے لیے شعر کی فرمائش کی تھی۔ (مرتب)

قاضی نذیر احمد کے نام

(۳۷۱)——————(۱)

لاہور
۱۲۔ مئی ۱۹۳۷ء

جنابِ من! ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے۔ وہ خود علیل ہیں۔ اس واسطے مجھ سے آپ کے سوالات کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا ہے:۔

۱۔ میری تحریروں میں خودی کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہُوا ہے اخلاقی اور مابعد الطبیعی ہر دو معنوں میں لفظ مذکور کی تشریح واضح طور پر کر دی گئی ہے جس میں فارسی جاننے والے کو کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بیخودی' دونوں کا موضوع

یہی مسئلہ خودی ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔ اگر ان دونوں میں یا کسی اور کتاب میں آپ کو کوئی ایسا شعر ملے جس میں خودی کا مفہوم تکبر یا نخوت لیا گیا ہو تو اس سے مجھے آگاہ کیجیے گا۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا دونوں کتابیں انیس سو چودہ اور ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئیں۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مضمون ان کے مطالب کی تشریح میں لکھے گئے ہیں۔ باوجود ان کے اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ اس زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ سچائی کی دو قسمیں قرار دی جائیں ایک عوام کے لیے، ایک خواص کے لیے، اور جو صداقت خواص کے لیے ہو اُسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے۔ لیکن میرے حالات کے لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ مَیں نے مسئلہ خودی کے صرف اس پہلو کو نمایاں کیا ہے جس کا جاننا اس زمانے کے ہندی مسلمانوں کے لیے میرے خیال میں ضروری ہے اور جس کو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ خودی کے متعلق تصوّف کے جو دقیق مسائل ہیں، اُن سے مَیں نے اعراض کیا ہے۔

۲۔ دوسرے سوال کا جواب بہت طویل ہے مگر افسوس کہ طویل خط لکھنے کی نہ ہمت ہے نہ خواہش۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ عصبیت اور چیز ہے اور تعصب اور چیز ہے۔ عصبیت کی جڑ حیاتی Biological ہے اور تعصب کی نفسیاتی Psychological۔ تعصب ایک بیماری ہے جس کا علاج اطبائے روحانی اور تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ عصبیت زندگی کا ایک خاصّہ ہے جس کی پرورش اور تربیت ضروری ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی عصبیت دونوں کے حدود مقرر ہیں۔ انہی کا نام شریعت ہے۔ میرے عقیدہ کی رُو سے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ کی رُو سے ان حدود کے اندر رہنا باعثِ فلاح

ہے اور ان سے تجاوز کرنا بربادی۔ تصادم جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جبکہ اُن حدود سے تجاوز کیا جائے یا اپنی عصبیت کو چھوڑ کر کوئی دوسری عصبیت مثلاً نسلی عصبیت اختیار کر لی جائے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کفار کے ساتھ ہر قسم کا میل ملاپ حرام ہے تو وہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے اور اس کے لیے تبلیغِ دین میں دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی قوم اسلامی عصبیت کو چھوڑ کر نسلی عصبیت کو بطور ایک اصولِ تنظیم کے اختیار کرے، مثلاً ترکوں پر یہ خیال غالب آ رہا ہے، تو اس قوم کے لیے تبلیغ بے معنی ہو جاتی ہے اور اس کو یوں بھی تبلیغ میں دلچسپی نہ رہے گی۔ والسلام

محمد شفیع ایم اے

مولوی احمد رضا صاحب بجنوری کے نام

(۳۷۲)————(۱)

لاہور

۲۳۔ ستمبر ۳۶ء

مخدومی! السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ کئی روز ہوئے مل گیا تھا جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ آپ نے اس خط میں فرمایا تھا کہ لاہور کی ایجنسی سے خیرِ کثیر اور تفہیمات کے نسخے پہنچ جائیں گے۔ اطلاعاً گزارش ہے کہ یہ کتابیں ابھی تک موصول نہیں ہوئیں۔

آپ نے ملکیتِ زمین کے متعلق امام محمدؒ کی کسی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیے کہ کتابِ مذکور کہاں سے دستیاب ہو گی۔ نام بھی کتاب کا پڑھا نہیں گیا۔

کیا آپ کسی ایسے بزرگ کا نام تجویز فرما سکتے ہیں جس کی نظر فقہِ اسلام و اصولِ فقہ و تفسیر پر وسیع ہو اور جو شاہ ولیؒ اللہ کے فلسفے اور ان کی کتابوں پر پوری بصیرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی ایسے بزرگ مل جائیں تو مَیں ان کو اپنی کتابوں کے سلسلے میں کچھ مدت کے لیے اپنے پاس رکھ لوں گا اور اس مدد کا جو مجھے اُن سے ملے گی، مناسب معاوضہ دونگا۔

زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ جنابِ والا کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

ڈاکٹر محمدؐ رفیع الدّین کے نام

(۳۷۳)—————(۱)

۲۲۔ ستمبر ۳۲ء

جنابِ من! السلام علیکم۔

مجھے معلوم ہے اس قسم کے دستاویز آپ کے پاس ہیں، لیکن اگر وہ پوشیدہ رہیں تو ان کا کیا فائدہ ہے؟ مجھے آپ اُن کے اصل بھجوا دیجیے تو مَیں اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی صورت نکالوں۔ بعد تصفیہ بعض امور کے جن کی تشریح اس خط میں ضروری نہیں، مَیں وہ تمام کاغذات آپ کو واپس دے دوں گا۔

محمدؐ اقبال

(یہ کاغذات قضیۂ کشمیر سے متعلق تھے)

محمدؐ احمد خاں کے نام

(۳۷۴)————(۱)

لاہور

۲۱۔ستمبر ۳۶ء

جنابِ من! تسلیم۔

آپ کا والا نامہ مع پارسل کتب ابھی موصول ہُوا ہے۔ افسوس کہ گزشتہ دو سال سے علیل ہُوں۔ مشاغلِ علمی قریباً ترک ہو چکے ہیں اور خط و کتابت بھی شاذ ہی کرتا ہوں۔ فی الحال آپ کی کتابیں پڑھنے کی ہمّت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ مَیں آپ کی نظم و نثر کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہُوں۔ فقط

محمدؐ اقبال

مکتوب الیہ نامعلوم

(۳۷۵)————(۱)

اس مکتوب کے سلسلہ میں مکتوب الیہ نے مندرجہ ذیل تشریح ضروری سمجھی ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے اقبال کی شاعری نے جو انقلاب اور ہیجان پیدا کیا، اُس کی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جائے۔

"عرصہ ہُوا احباب کی ایک صحبت میں ڈاکٹر اقبال کی شاعری موضوعِ بحث تھی۔ صاحبِ خانہ شکوہ اور جوابِ شکوہ ترنّم سے سُنا رہے تھے۔ ایک صاحب نے بعض اشعار پر نکتہ چینی شروع کی۔ یہ ساری بحث تو حافظہ میں نہیں ہے گرچند اعتراضات یہ تھے:

شکوہ کا ایک شعر ہے ؎

پھر یہ آزردگیٔ غیر سبب کیا معنی
اپنے شیدائیوں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی

'غیر سبب' صحیح نہیں۔ بے سبب کے عوض غیر سبب کہنا غلط ہے۔"

جوابِ شکوہ کے پہلے بند :

دِل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے

کا چوتھا مصرع ہے :

خاک سے اُٹھتی ہے، گردُوں پہ گزر رکھتی ہے

'گزر رکھنے' کا فاعل 'بات' ہے۔ 'گزر رکھنا' اُردو کی بول چال نہیں۔'

جب مَے دردسے ہو خلقتِ شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش
چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دِل میرا
فرش سے شعر ہُوا عرش پہ نازل میرا

اور باتوں سے قطع نظر اُوپر سے نیچے آنے کو نازل کہتے ہیں لہٰذا فرش سے عرش پر ظاہر ہونا صحیح نہیں۔ قیدِ دستور سے بالا ہونے کا اشارہ صرف یہ ظاہر کر سکتا ہے کہ سروش شعر کو چرخ سے سوئے زمین لاتا ہے مگر میرا شعر فرش سے عرش پہ جاتا ہے، اس موقع پر نازل ہونا نہیں کہہ سکتے۔ لفظ کے لغوی معنے کیسے بدل جائیں گے۔"

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا، اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملتِ احمدِ مرسل کو مقامی کر لو

چوتھے مصرع میں لفظ 'ہرجائی' درست نہیں۔ اُردو کے محاورے میں یہ لفظ ذم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹیپ کے شعر میں 'کسی یکجائی سے عہدِ غلامی کرلو' اور 'ملت کو مقامی کرلو' کے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟

جوابِ شکوہ کا آخری شعر ہے:

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے
اور دُنیا کے اندھیرے میں اجالا کر دے

بول بالا ہونا، اُردو کا محاورہ ہے جو کنایہ ہے شہرت یا ناموری کے لیے۔ پس 'بول بالا' میں فصل جائز نہیں۔"

غرض یہ اور دوسرے چند اعتراضات سُن کر مَیں نے عرض کیا "جناب! کبھی آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ شاعری سے علامہ کی غرض کیا تھی؟ شاعری اُن کے لیے باعثِ فخر نہیں۔ ان کی ہستی اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ادب و شعر میں اِنقلاب پیدا کرنا یا زبانِ اُردو کی اصلاح و توسیع ہرگز اُن کا مقصد نہیں۔ قوم کی زبوں حالی سے متاثر ہو کر جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس کا اثر بجلی کی طرح ہر سُننے والے پر بھی ہوتا ہے۔ شعر کی بڑی خوبی تو یہی ہے کہ جس اثر کے ماتحت شعر کہا جائے، وہی اثر سامع پر بھی ہو۔ اس خصوص میں اقبال کی شاعری اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کے مقابلہ میں معمُولی فروگزاشت پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔"

یہ بحث تو ختم ہو گئی مگر عرصہ تک میرے دِل میں خلش رہی۔ بالآخر دل میں آیا کہ ڈاکٹر اقبال سے ہی کیوں نہ استفسار کر لیا جائے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر کر کے معمولی پیرایۂ استفسار اختیار کر کے ضمناً ایک آدھ اعتراض کی نسبت دریافت کرنا مناسب معلوم ہُوا۔

ڈاکٹر صاحب کے کسی شعر میں 'روشن بصر' کا لفظ پڑھا تھا اگرچہ یہ لفظ غلط نہیں۔ دریافت طلب یہ تھا کہ بصر کو روشن کیوں کہا جائے۔ صاحب بہارِ عجم نے صرف نظامی اور عرفی کے اشعار بطور نظیر لکھ دیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب

کی تحقیقاتِ لفظی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ایک اَور شعر میں 'درونِ خانہ' کا لفظ آیا ہے۔ شعر تو اس وقت حافظہ میں نہیں مگر محلِ استعمال کے لحاظ سے کچھ شبہہ تھا۔

میرا تیسرا سوال : ع

فرش سے شعر ہُوا عرش پہ نازل میرا

کے متعلق تھا۔ ان تینوں سوالات کا ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ وار جواب ادا فرمایا جو درج ذیل ہے:

لاہور

۵۔ دسمبر ۳۶ء

جنابِ من!

(۱) خرد را تو روشن بصر کردۂ
چراغِ ہدایت تو بر کردۂ

(۲) 'درونِ خانہ' سے مراد نفسِ انسانی نہیں ہے بلکہ نظامِ عالم کا باطن ہے۔ مراد یہ ہے کہ عقلِ انسانی نظامِ عالم کے ظاہر کو روشن کرتی ہے۔ اس کے باطن کو نہیں دیکھ سکتی۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب ذوقِ سلیم سے پوچھیے، نہ مجھ سے نہ منطق سے نہ کسی ماہرِ زبان سے۔ فقط

محمّد اقبال

راغب احسن صاحب کے نام

(۳۷۶)―――――(۱)

۲۳۔ اپریل ۱۹۳۱ء کو جناب راغب احسن صاحب ایم۔اے نے جمعیۃ الشبان المسلمین کلکتہ کی بنیاد رکھی اور اس فکرِ اسلامیت کا میثاق شائع کیا اور حکیم الاسلام

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارسال کیا۔ علامہ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

لاہور، ۲۸۔مئی ۱۹۳۱ء

جناب راغب صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مع میثاق ابھی ملا ہے۔ آپ کی تحریک مبارک ہے، کچھ عجب نہیں کہ عالمگیر ہو جائے۔ انگریزی ترجمے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں، اسوقت تک انتظار کیجیے جبکہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ فی الحال اس کا ترجمہ جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرائیے اور ممکن ہو تو اہلِ زبان سے ہر ایک جزو کی صورت میں ممالکِ اسلامیہ میں اس میثاق و قواعد و مقاصد کو شائع کرائیے تاکہ ان ممالک میں اس کی تخم ریزی ہو جائے۔ غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہو گی یا ممکن ہے اُن ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرے۔

مدت ہوئی مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑوں سے مُراد روحِ اسلامیت ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔ ابھی اور بھی امور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہو گا اور ان کو اپنی تحریک اور مقاصد کا جزو بنانا ہو گا مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا۔

قومی سرمائے کی سخت ضرورت ہے۔ افسوس مسلمان امراء پر حُبِّ مال غالب ہے۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

شوکت حسین کے نام

(۳۷۷)————(۱)

(انگریزی)

لاہور
۳۔جنوری ۱۹۲۶ء

جنابِ من!

اخبار موصول ہُوا، ممنون ہُوں۔ مَیں نے بھی چند دن ہوئے یہ اخبار دیکھا تھا لیکن اسے قابلِ توجّہ نہ سمجھا۔ یہ نظم بیس برس ہوئے لکھی گئی تھی۔ معلوم نہیں کس نے شائع کی ہے۔ اس کی اشاعت سے قبل مُجھ سے اجازت حاصل کر لینا زیادہ قرینِ انصاف ہوتا لیکن ادبی اخلاق و آداب اس ملک میں مفقود ہیں۔ مصنّف کو، جس کے دل و دماغ میں مسلسل انقلاب برپا رہتا ہے کون خاطر میں لاتا ہے۔

یہ نظم اگرچہ میری نہایت ہی ابتدائی کوششوں کا نتیجہ ہے تاہم تنقید کے بعض حِصص اغلاطِ کتابت پر محمُول ہونے چاہییں جن کا موردِ الزام مجُھے نہیں ٹھہرایا جانا چاہیے۔ نقّاد کی نظر سے نظم کے حقیقی اسقام البتّہ پوشیدہ رہے ہیں۔ شعر محاورہ اور بندش کی درستی اور چستی ہی کا نام نہیں۔ میرا ادبی نصب العین نقّاد کے ادبی نصب العین سے مختلف ہے۔ میرے کلام میں شعریت ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور میری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ اس زمانہ کے شعرا میں میرا شمار ہو۔

نیاز مند

محمّد اقبال

(۳۷۸)————(۲)

(انگریزی)

لاہور
۶۔جنوری ۱۹۱۹ء

جنابِ من!

نوازش نامہ موصول ہُوا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نظم کی پہلی اشاعت کی تلاش میں کامیاب ہوئے۔ میرے پاس اصل مسودہ کی کوئی نقل تک بھی موجود نہیں۔ نظم اسقام سے بری نہیں لیکن اب اس طرف توجہ کے لیے فرصت کہاں! ایک پرانی نظم کو آراستہ کرنے سے ایک نئی نظم تیار کرنا مقابلۃً آسان ہے۔ نظم کے اسقام البتہ نفسیاتی ہیں؛ چند بند شیں بھی قابلِ اصلاح ہیں۔ ہندوستانی ناقدین ابھی آرٹ کی تنقید کے ابتدائی اصولوں سے بھی بے بہرہ ہیں۔ البتہ مجھے خوشی ہے کہ آپ اِس معاملہ میں مطمئن ہیں۔

محمّد اقبال

(۳۷۹)————(۳)

مخدومی! السلام علیکم۔

آپ کی نظم موصُول ہوگئی، شکریہ قبول فرمائیے۔ اسرارِ خودی اقبال کا قال ہے مگر ممکن ہے آپ کا حال ہو۔ اگر ایسا ہو تو میرے لیے بھی دُعا فرمائیے۔

محمّد اقبال، لاہور
۷۔فروری ۱۹۲۶ء

مولوی احمد علی شاب کے نام

(۳۸۰)————(۱)

(مکتوب الیہ نے ایک نظم ۱۳۔ اگست ۱۹۲۶ء کو اصلاح کے لیے ارسال فرمائی تھی)

جنابِ من! تسلیم۔

اِس خدمت سے معاف فرمائیے کہ مَیں بہت عدیم الفرصت ہُوں۔ اِس کے علاوہ دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے فرصت کے اوقات کے لیے شاعری سے بہتر مصرف تلاش کریں۔ اگر اُردو کی خدمت کا شوق ہو تو اس وقت نظم سے زیادہ نثر کی ضرورت ہے۔

خادم

محمد اقبال

سیّد انور شاہ صاحبؒ کے نام

(۳۸۱)————(۱)

لاہور

۱۳۔ مارچ ۳۵ء

مخدوم و مکرّم حضرت قبلہ مولٰنا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہُوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے۔ مَیں اسے اپنی بڑی سعادت تصوّر کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب، قبلہ عثمانی صاحب، حضرت مولوی شبّیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب

اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ پر لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

مخلص

محمّد اقبال

پروفیسر سردار محمّد کے نام

(۳۸۲)——————(۱)

لاہور

۶۔ مارچ ۲۵ء

مکرمی، السلام علیکم!

آپ کا خط کئی دنوں سے آیا رکھا ہے مگر میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ اب بھی آپ کے دوست کے نوٹ کا پورا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ وہ سند مانگتے ہیں۔ سند کے لیے تلاش کی ضرورت ہے اور تلاش کے لیے فرصت شرط ہے۔ میرے علم میں خجستہ پا، خجستہ پے، خجستہ گام، خجستہ قدم سب صحیح ہیں۔ ان میں سے کون کس محل پر استعمال کیا جائے، استعمال کرنے والے کی ضرورت اور مذاق پر منحصر ہے۔ عثمان مختاری نے خجستہ دست بھی لکھ دیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس کا ضد سبز پا (شوم قدم) ہے۔ اس میں بھی شعراء نے حسبِ ضرورت تصرف کیا ہے اور سبز پا، سبز پے، سبز قدم تینوں طرح لکھا ہے۔ بہرحال مطالعہ کے وقت خیال میں رکھوں گا۔ اگر کوئی شعر مل گیا تو لکھ بھیجوں گا۔ زبان کے متعلق میرا نقطۂ نگاہ اور ہے مگر اس ملک میں جہاں لوگ علم اللسانِ جدید سے واقف نہیں، وہ نقطۂ نگاہ بدعت سمجھا جائے گا۔ اس واسطے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ آپ کے دوست کی تنقید کا وہ کافی جواب ہوتا۔ ان کی تسلّی صرف

سند ہی سے ہو سکتی ہے جس کی تلاش انشاء اللہ کروں گا۔

محمدؐ اقبال

شولال شوری کے نام

(۳۸۳)————(۱)

(انگریزی)

لاہور

۲۷ مئی ۱۹۳۷ء

ڈیئر مسٹر شوری!

مجھے نہایت ہی تاسف سے آپ کو اطلاع دینا پڑتی ہے کہ آپ کے مرسلہ کاغذات کا مطالعہ میرے لیے ناممکن ہے۔ میری آنکھوں کی تکلیف بڑھ رہی ہے اور میرے معالجین نے مجھے لکھنے پڑھنے کی قطعاً ممانعت کر دی ہے۔ بنی نوعِ انسان کی وحدت کا خیال اس شدید قومیت کے دَور میں جس کا ماحصل نسلِ انسان میں باہمی خانہ جنگی کے سوائے کچھ نہیں، محتاجِ اشاعت ہے۔ اگر آپ کے پمفلٹ کا یہی موضوع ہے تو بلاشبہ آپ کی تشخیص درست ہے۔

آپ کا

محمدؐ اقبال

حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ کے نام

(۳۸۴)————(۱)

عالی جناب نواب صاحب قبلہ!

السلام علیکم۔ آپ کی کتابیں اور خط کئی دنوں سے میری میز پر رکھا ہے۔ میں

بوجہ علالت جواب نہ لکھ سکا۔ اس تاخیر کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ حالاتِ زمین
یعنی جغرافیہ جو آپ نے مُسلمان بچّوں اور بچیوں کے لیے تالیف فرمایا ہے نہایت عمدہ رسالہ
ہے اور میری رائے ناقص میں ایک بہت بڑی کمی کو پُورا کرتا ہے۔ مَیں نے بار بار دیکھا
ہے کہ مسلمان مستورات بوجہ جغرافیہ نہ جاننے کے اخبار اچھی طرح سمجھ نہیں سکتیں۔ آپ کا رسالہ
اُن کے لیے ازبس مفید ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ ان کو موجُودہ دُنیا کے واقعات سمجھنے میں
سہولت ہوگی، اس رسالہ کے مطالعہ سے اُن کے دائرۂ نظر میں وسعت بھی پیدا ہوگی۔
لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے جو اسلامیہ سکول اس وقت موجُود ہیں یا جو آئندہ بنائے جائیں،
ان میں اس جغرافیہ کی ترویج نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ
آپ اپنا بیش قیمت وقت ایسے ایسے رسائل کی تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے ہیں۔

والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لاء

۱۱۔ اپریل ۱۹۱۳ء

غلام قادر فصیح کے نام

(۳۸۵)———(۱)

میرے نزدیک یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ہر مُسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری
ہے۔ عام مُسلمانوں میں اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے کے لیے اس سے اچھا ذریعہ اور کوئی نہیں
کہ اس قسم کے تاریخی رسالے شائع کیے جائیں جن سے ان کو اسلاف کے حالات معلوم
ہوں اور ان کے طرزِ عمل کا ان پر اثر پڑے۔ قوموں کی بیداری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے

کہ ان کو اپنی تاریخ سے کہاں تک دلچسپی ہے۔ آپ کے رسالے کی اشاعت سے یہ معلوم ہوگا کہ مُسلمان کہاں تک اپنے اسلاف کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حالاتِ موجُودہ کے مشاہدے سے معلُوم ہوتا ہے کہ مُسلمانوں میں عام طور پر ایک قسم کی قومی بیداری پیدا ہوگئی ہے اور تاریخی مضامین کو نہایت توجہ سے سُنا جاتا ہے۔ اس واسطے مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ کا رسالہ برمحل نِکلا ہے اور ہماری ضروریاتِ موجُودہ کا کفیل ہوگا۔

خود مُجھ پر جو اثر اس کے مطالعے سے ہوتا ہے' اس کا اظہار مَیں اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کرسکتا کہ بسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پُرآب ہوجاتا ہُوں۔ اس کا اثر میرے دل پر کئی کئی دن رہتا ہے۔ خدا کرے کہ کوئی مسلمان گھر اس رسالے سے خالی نہ رہے!

محمّد اقبال

محمّد دین فوق کے نام

(۳۸۶)————(۱)

از کیمبرج (انگلستان)
۲۵- نومبر ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم۔

مَیں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہنچ کر دوسرا خط لکھوں گا مگر چونکہ عدن سے سویز تک کے حالات بہت مختصر تھے، اِس واسطے مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ لندن پہنچ کر مفصّل واقعات عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس پر مَیں نوٹ لیتا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر وہ کاغذ کہیں کھوگیا۔ یہی وجہ اب تک میرے خاموش

رہنے کی تھی۔ شیخ عبدالقادر صاحب کی معرفت آپ کی شکایت پہنچی۔ کل ایک پرائیویٹ خط مَیں نے آپ کے نام لکھا تھا۔ دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ کی بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر ان میں جا گرتا ہے۔ چونکہ مُلک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ مَیں بوجہ گرمی کے اور قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کرسکا اور انجینیری کے اس حیرت ناک کرشمے کے نظارے سے محروم رہا۔

جب ہم سویز پہنچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آموجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا۔ ان لوگوں کی فطرت میں میلانِ تجارت مرکوز ہے، اور کیوں نہ ہو، انہی کے آباد اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی۔ سلیمانِ اعظم انہی میں کا ایک شہنشاہ تھا جس کی وسعتِ تجارت نے تاجر اقوام کو ڈرا کر ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔ کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے۔ کوئی مصر کے پرانے بُت بیچتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ یہ ذرا سا بُت اٹھارہ ہزار برس کا ہے جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے۔ غرض کہ یہ لوگ گاہکوں کو قید[1] کرلینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ انہی لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے۔ ایک نوجوان مصری دکاندار سے مَیں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں اس سے کہا کہ مَیں مسلمان ہوں مگر میرے سر پر چونکہ انگریزی ٹوپی تھی، اس نے ماننے میں تامّل کیا اور مجھ سے کہا: "تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو؟" (تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اُردو

---

[1] قید انگریزی لفظ Capture کا ترجمہ ہے۔ اس کا مفہوم گاہک کو پھانس لینا ہے۔

بولتا تھا۔ جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا کہ 'تم بھی مُسلم ہم بھی مُسلم' تو مجھے بڑی مسرت ہوئی) مَیں نے جواب دیا کیا ہیٹ پہننے سے اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مُسلمان کی ڈاڑھی منڈی ہو تو تُرکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیے ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہوگی؟ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش! ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروّج ہو جاتا کہ ہمارے دوست موسمی علماء کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر، آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہُوا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا، اس واسطے مَیں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہُوا اور میرے ہاتھ چُومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ سب لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاءاللہ، ماشاءاللہ کہنے لگے اور میری غرضِ سفر معلُوم کر کے دعائیں دینے لگے یا یُوں کہیے کہ دو چار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ مَیں نے جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے اس قدر مانوس معلُوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ کے لیے علی گڑھ کالج ڈیپوٹیشن کا شبہ ہُوا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور مَیں بھی دخل در معقولات ان میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اِن میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصُورت عربی بولتا تھا جیسے حریری کا کوئی مقامہ پڑھ رہا ہو۔

آخر مُسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہُوا اور آہستہ آہستہ سویز کنال میں داخل ہُوا۔ یہ کنال جسے ایک فرانسیسی انجنیئر نے تعمیر کیا تھا، دُنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ کنال کیا ہے، عرب اور افریقہ کی جُدائی ہے اور مشرق اور مغرب کا اتحاد ہے۔ دُنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بُدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اِس مغربی

اختراع نے زمانۂ حال کی تجارت پر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوامِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی، جس نے حال کی دنیا کی تہذیب و تمدن کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز مشکل سے اس میں گزر سکتے ہیں اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی غنیم چاہے کہ رات بھر میں اسے مٹی سے پُر کر دے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں جب ٹھیک رہتی ہے اور اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں جانب سے جو ریگ ہوا سے اُڑ کر اس میں گرتی رہتی ہے، اُس کا انتظام ہوتا رہے....

محمد اقبال

(۳۸۷)——————(۲)

۱۳۔ مارچ ۲۱ء

فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے۔ اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ "حریتِ اسلام" ان کی بہترین تصنیف ہے۔ دلیری اور بیباکی سے اعلانِ حق کرنا گزشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا مگر افسوس کہ عصرِ حاضر کے عام مسلمان تو تاریخِ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بے خبر ہیں۔ ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہے گا۔ اسلامی سکولوں اور کالجوں کے کُتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعہ کی طرف توجہ کریں۔ اِس زمانہ میں جبکہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشو و نما پا رہی ہے، دیگر اہلِ ملک کے لیے بھی یہ کتاب سبق آموز ہو گی۔

محمد اقبال

مکتوب الیہ نامعلوم

(۳۸۸)————(۱)

۲۸۔ دسمبر ۳۷ء

جنابِ من! السلام مسنون۔

آپ کی تجویز کی خوبی اس کے نتائج سے ظاہر ہے جن کی نسبت آپ خود فرماتے ہیں کہ بہت اچھے ہیں۔ قرآن میں بھی یہی آیا ہے کہ وَانْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔

والسلام

محمد اقبال

مکتوب الیہ نے تعلیماتِ اسلامی کی اشاعت کا ایک پروگرام پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی کہ خود اپنے اقربا میں اسکی اشاعت کا نتیجہ نہایت خاطرخواہ برآمد ہوا ہے۔

خالد خلیل کے نام

(۳۸۹)————(۱)

(انگریزی)

مائی ڈیر خالد خلیل!

مَیں آپ کو یہ خط سید سجاد (مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہُوں جنہوں نے کچھ عرصہ ہُوا آپ کا خط یہاں اخبارات میں شائع کرایا اور خصوصاً مجھ سے ایسی تجاویز طلب کیں جو آپ کے معلمانہ مساعی و مشاغل میں معین ہو سکیں۔ میرے نزدیک قسطنطنیہ یونیورسٹی کے ادارۂ دینیات نے یہ نہایت دانشمندانہ کام کیا ہے۔ اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اغلباً ایسے اکتشافات بروئے کار آئیں گے جن سے

دُنیائے اسلام کی بابت تُرکوں کا دائرۂ نظر وسیع تر ہو جائے گا اور اس طرح پر ممکن ہے کہ نوخیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین محکم تر ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی تحقیقات سے انسانی علوم کے سرمایہ میں اضافہ ہو گا اور ممکن ہے نسلی خصوصیتوں کی تہ میں وحدتِ روح کے ایسے سامان دریافت ہو سکیں جن کا اندازہ سطحی مشاہدہ سے بمشکل لگایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو سکے کہ ایشیا کی سیرت کی تشکیل میں جس کا راز اب تک معلوم نہیں کیا جا سکا ہے، مہتم بالشان تاتاری نسل کی بعض اہم تر شاخیں کارفرما رہی ہوں۔ جو کام آپ کے پیشِ نظر ہے اُس کے امکانات بے پایاں ہیں اور مجھے یقین ہے آپ اپنے خطباتِ علمی سے انسانیت، اسلام اور اپنے ملک و ملت کی زبردست خدمت انجام دیں گے اور کم از کم دس سال کی مستقل سعی و محنت کے بعد آپ مِلل اسلام اور ان لوگوں کے لیے جو بطریقِ مختلفہ ان ملل سے دلچسپی رکھتے ہیں، ایک کلیۃً جدید نقطۂ نظر مہیّا کر سکیں گے۔

(۱) مَیں پہلے ایک عام تجویز پیش کروں گا۔ آپ کو ادارۂ دینیات کو مشورہ دینا چاہیے کہ جتنی کتابیں تاریخی یا اور قسم کی یورپین اور اسلامی زبانوں میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں، وہ ان سب کو فراہم کرے۔ یورپین کتابوں میں سے اکثر بلاشبہ خاص اغراض کو مدِ نظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں (مثلاً تبلیغی، سیاسی، تجارتی وغیرہ) تاہم ان کتابوں میں کہیں کہیں آپ کو اپنے مضمون سے متعلق نہایت مفید معلومات ملیں گی مثلاً مارشل کی 'اسلام چین میں' ایک مشنری نے مشنری اغراض کے لیے لکھی ہے۔ بایں ہمہ اِس کتاب کے بعض حِصص کے مطالعہ سے چینی مسلمانوں کے موجودہ نصبُ العین، اُن کی تحریکات اور ان کی آرزوؤں کا پتہ لگتا ہے۔ مصنّف نے ان کی اصلیت کے متنازع فیہ مسئلہ،

اُن کی موجُودہ آبادی، اُن کے معابد اور ان کے ادب کی نوعیت سے بھی بحث کی ہے۔
ایک دوسری مثال سٹوڈرڈ کی تصنیف 'جدید دُنیائے اسلام' ہے۔ یہ اُن کتابوں میں سے ہے جو جنگِ عظیم کے بعد ضبطِ تحریر میں آئی ہیں اور اس کے مصنّف کا مقصد (جو اینگلوسیکسن نسل کی برتری کا قائل معلُوم ہوتا ہے) محض ایک طرح کی سیاسی اشتہار بازی ہے تاہم یہ ایک مفید کتاب یورپین زبانوں میں لکھی ہوئی اُن کتابوں کے بے شمار حوالے دیتی ہے جو اسلام اور مِلل اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں ہیں جن کو سیّاحوں یا حکومتہائے یورپ کے اُن سیاسی نمائندوں نے فرداً فرداً بعض اسلامی ممالک پر لکھا ہے جہاں وہ متعین تھے، مثلاً برٹن اور فلبی (عرب) گوبنو (فارس) اور ویمبری (وسط ایشیا)۔ یہ وہی ویمبری ہے جس نے مرحُوم سلطان عبد الحمید کو بتایا تھا کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے قبل تُرک اپنے ایک مخصوص رسم الخط کے مالک تھے۔

یہ سب کتابیں جمع کرنی چاہییں اور اپنے خطبات کی ترتیب وتیاری میں آپ کو ان سے مدد لینی چاہیے۔ میسرز لوزک اینڈ کمپنی برٹش میوزیم لندن سے مراسلت کیجیے۔ انکی فہرستِ کُتب سے آپ کو معلُوم ہوگا کہ یورپین مستشرقین نے اسلامی تمدّن پر کتنا زبردست ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اِس سلسلہ میں آپ کا لائپزگ (جرمنی) کے پروفیسر ڈاکٹر فشر سے مراسلت کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے وہ آپ کے مضمون کے متعلق قیمتی مشورے دے سکیں گے۔ اگر آپ خود اُن سے واقف نہیں تو خط میں میرا حوالہ دے دیجیے گا۔

اِس سلسلہ میں ڈاکٹر زویمر کا بھی نام لوں گا جو قاہرہ میں ایک امریکن مشنری ہیں۔ وہ اسلام کی مخالفت میں ایک رسالہ 'مسلم ورلڈ' کی ادارت بھی کرتے ہیں لیکن انہوں نے

متعدد کتابوں اور مضامین کی صورت میں ملل اسلامی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ گزشتہ سال وہ لاہور آئے تھے اور انہوں نے جرمن زبان میں مجھے ایک کتاب دکھائی تھی جس میں اسلام اور ملل اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے عنوانات درج تھے۔ میں اس کے مصنف کا نام بھول گیا ہوں مگر یہ آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر زویمر کو لکھیں تو وہ آپ کو بتا دیں گے۔ یہ کتاب حال میں شائع ہوئی ہے اور اس سے غالباً آپ کو ایسی کتابوں کے نام ملیں گے جو آپ کے مضمون سے متعلق ہیں۔ پروفیسر ہارڈٹز (فرینکفورٹ جرمنی) سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) تصریحاً میں مشورہ دوں گا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مستقل طور پر پیشِ نظر رہے۔ اس میں آپ کو اسلامی ممالک مثلاً افغانستان، بلوچستان، کشمیر وغیرہ پر ان کی نسلی اور نسبی خصوصیات پر مضمون ملیں گے۔ فارس کے متعلق میں

Memoir Sur L Ethnograpie de la perse

Nicolas de KhaniKoff Paris 1866

کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔ یہ کسی قدر پرانی کتاب ہے مگر اس سے آپ کو اپنے کام کی نوعیت اور ترتیب کا ایک عام اندازہ ہو جائے گا۔

(۳) جہاں تک آپ کے خطبات کی ترتیب کا تعلق ہے، میں حسبِ ذیل مشورے دینا چاہتا ہوں۔ شروع میں دو ایک ابتدائی خطبات ہوں جن میں حسبِ ذیل امور پر بحث ہو:۔

الف: علمِ وظائف الاعضا کے نقطۂ نظر سے نسل کی حیثیت۔

ب: وہ اسباب جن سے نسلوں کی تفریق پیدا ہوئی۔

ج : کیا مذہب ایک نسل آفریں عنصر ہے ؟ بذاتہٖ مَیں محسوس کرتا ہُوں کہ تفریقِ نسانی کے باوجود کیا عالمِ اسلام کی ادبیات ایک مشترک بیش نہاد کی حامل ہیں؟ بحیثیتِ مجموعی میرا خیال ہے کہ ایسا ہے۔

د : اسلامی نسلوں کا ایک سرسری دائرہ۔

۱۔ سامی

(ا) عرب (ب) افغانی اور کشمیری (کیا یہ عبرانی ہیں ؟)

۲۔ آریائی

(ا) ایرانی (ب) ہندی مُسلمان۔ یہ مخلوط النّسل ہیں۔ آریائی عنصر غالب ہے۔ جاٹ اور راجپوت جیسا کہ بعض مصنّفین کا خیال ہے شاید تاتاری ہیں۔

۳۔ تاتاری

(ا) وسط ایشیا کے تاتاری (ب) منگولین (کاشغری اور تبتی) (ج) چینی مسلمان
(د) عثمانی ترک

۴۔ حَبشی اور بَربَری

۵۔ عِلم الانساب کے اغراض و مقاصد

(ا) میری رائے ہے کہ مثال کے طور پہ افغانوں پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔

خطبۂ اوّل :

افغان۔ افغانستان میں نسلوں کا خلط ملط۔ فارسی بولنے والے افغان اور پشتو بولنے والے افغان۔ کیا افغان اور پٹھان میں کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے ؟ کیا افغان عبرانی

ہیں؟ اپنی اصلیت کے متعلق ان کی اپنی روایات۔ کیا پشتو زبان میں عبرانی الفاظ ملتے ہیں؟ کیا وہ اُن یہودیوں کے اخلاف ہیں جن کو ایرانی کسریٰ نے اسیرین کی غلامی سے نجات دلائی تھی؟ جدید افغانستان کے بڑے بڑے قبائل، ان کی تخمینی آبادی۔

خطبۂ دوم:

افغانوں کے اسلام لانے کے زمانہ سے ان کی سیاسی تاریخ پر سرسری تبصرہ۔

خطبۂ سوم:

افغانوں کو متحد کرنے کی جدوجہد

(الف) مذہبی۔ پیر روشن اور ان کے اخلاف۔

(ب) سیاسی۔ مشہور افغان شیر شاہ سوری جس نے افغانانِ ہند کو متحد اور عارضی طور پر حکومتِ مغلیہ کو برطرف کر دیا تھا، اُس کی تگ و دو کا صرف ہندوستان تک محدود ہونا۔

(ج) خوشحال خاں خٹک۔ سرحدی افغانوں کا زبردست سپاہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ افغان عبرانی النسل تھے۔ اس نے آخر شہنشاہ اورنگ زیب سے شکست کھائی اور کسی ہندی قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ افغانوں کا شاید اوّلین قومی شاعر تھا۔

(د) احمد شاہ ابدالی

(ہ) مرحوم امیر عبد الرحمٰن خان۔ موجودہ امیر اور افغانوں میں قومی تشخص پیدا کرنے کی جدوجہد۔

خطبۂ چہارم

موجودہ افغانی تمدن۔ ان کی قدیم اور جدید صنعت وصناعت۔ ان کی ادبیات ان کی آرزوؤں اور حوصلہ مندیوں کی ترجمان کی حیثیت سے۔

خطبۂ پنجم :

افغانی نسل کا مستقبل۔

(۵) آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں گو اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے۔ ادارۂ دینیات کو چاہیے کہ دینیات کی ایک پروفیسرشپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو تاکہ وہ مُسلم دینیات کو افکارِ جدیدہ کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے۔ تُرکی کو چاہیے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہی ہے، اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل و الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے۔ وہ اپنے دینیات کو موجُودہ فلسفہ کی روشنی میں از سرِ نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے، اس شعبہ میں کیوں بے حس وحرکت رہے۔ ادارۂ دینیات کو ایک جدید علمِ کلام کی طرح ڈالنی چاہیے اور تُرکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و مصئون کر لینا چاہیے۔ مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیاتِ ملّی کے مختلف پہلوؤں کے لیے بیش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے بحیثیتِ مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اِس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا۔ شاید

ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

(اصل انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ یہ ترجمہ "سہیل" علیگڑھ سے ماخوذ ہے)

روزنامہ اسٹیٹسمین کے نام

(۳۹۰) ——————— (۱)

میرے اس بیان پر جو آپ کے اخبار کی ۱۴ مئی کی اشاعت میں شائع کیا گیا تھا، آپ نے جو تنقیدی اداریہ لکھا ہے، میں اس کے لیے آپ کا مشکور ہوں۔ آپ نے اپنے اداریے میں جو سوال اُٹھایا ہے، وہ بڑا ہی اہم ہے اور میں واقعی بہت خوش ہوں کہ آپ نے اسے اُٹھایا ہے۔ میں نے اپنے بیان میں اس سوال کو نہیں اُٹھایا کیونکہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قادیانیوں کی علٰحدگی پسندی کی پالیسی (جس پر وہ مذہبی اور سماجی معاملات میں یکسانیت کے ساتھ اس وقت سے کوشاں ہیں جب متقابل رسالت کی بنیادوں پر ایک نئے فرقہ کے قیام کا خیال پیدا ہوا) اور اس روش کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کی شدت کے پیشِ نظر یہ ایک حد تک حکومت کا فرض تھا وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے موقف کی باضابطہ پیش کش کا انتظار کیے بغیر قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین اپنے بنیادی اختلاف پر انتظامیہ کی حیثیت سے توجہ کرتی۔ میرے ان احساسات کو حکومت کے اس رویے سے بھی تقویت ملی تھی جو اس نے سکھ فرقہ کے بارے میں اختیار کیا، جسے ۱۹۱۹ء تک انتظامی

اعتبار سے علحدہ سیاسی اکائی تصوّر نہیں کیا جاتا تھا لیکن بعد میں اسے یہ حیثیت دی گئی؛ حالانکہ سکھوں نے اپنے موقف کو باضابطہ طور پر پیش نہیں کیا تھا، اور اس کے باوجود کہ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ یہ تھا کہ سکھ فی الحقیقت ہندو ہیں۔

بہرحال، چونکہ اب آپ نے یہ سوال اُٹھا ہی دیا ہے، لہٰذا میں اس معاملہ کے بارے میں چند مشاہدات پیش کروں گا جو میرے نزدیک انگریزوں اور مسلمانوں، دونوں کے نقطہ نظر سے انتہائی اہم ہیں۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ بات بالکل واضح بیان کروں کہ آیا (اور پھر کن حالات یا کس مقام پر) میں کسی فرقہ کے مذہبی اختلافات کے بارے میں سرکاری موقف گوارہ کر سکتا ہوں۔ میں یہ کہوں گا کہ:

اوّل یہ کہ اسلام درحقیقت ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود واضح طور پر متعین ہیں، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یقین۔ یہی وہ اصول ہے جو بالکل واضح طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی بنا پر کوئی بھی فرد یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں شخص یا گروہ جماعت کا حصّہ ہے یا نہیں، مثلاً برہمو مذہب کے پیرو خدا کی ذات میں یقین رکھتے ہیں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بھی مانتے ہیں لیکن ان کو ہرگز اسلام کا جزو قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ اس نظریہ میں یقین رکھتے ہیں کہ پیغمبروں کی معرفت الہامات کا سلسلہ غیر مختتم ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔ جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں کے کسی بھی فرقے نے اس حدِ فاصل سے تجاوز کی جسارت نہیں کی۔ ایران میں بہائیوں نے ختمِ نبوّت کے اصول کو کھُلم کھُلا مسترد کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے واضح طور پر اس کا بھی اعتراف کیا

کہ لفظ مُسلم کے اِصطلاحی معنی کے اعتبار سے وہ مُسلمان نہیں بلکہ ایک نیا فرقہ ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق مذہب کی حیثیت سے اِسلام کو خدا نے الہام کیا، لیکن معاشرے یا قوم کی صُورت میں اِسلام کے وجُود کا مکمّل اِنحصار صِرف رسُولؐ اللہ کی ذاتِ پاک پر ہے۔ میرے خیال میں قادیانیوں کے سامنے صِرف دو ہی راستے ہیں، یا تو وہ راستبازی سے بہائیوں کی تقلید کرنے لگیں اور یا پھر وہ اِسلام میں ختمِ نبوّت کے بارے میں اپنی توضیحات کو ترک کر کے اِس عقیدے پر اس طرح ایمان لے آئیں جیسا اس کا منشا و مراد ہے۔ قادیانیوں کی عیّارانہ توضیحات کے پسِ پُشت ان کی یہ خواہش کارفرما ہے کہ وہ واضح سیاسی فوائد کی خاطر اسلام کے دائرے میں شامل رہیں۔

دوم یہ کہ ہمیں عالمِ اسلام کے بارے میں قادیانیوں کی اپنی پالیسی اور رویّے کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ تحریک کے بانی نے اسلام کو 'سڑا ہُوا دودھ' اور اپنے ماننے والوں کو 'تازہ دودھ' قرار دیا تھا اور آخر الذکر کو خبردار بھی کیا تھا کہ وہ اوّل الذکر سے نہ گھُلیں ملیں۔ علاوہ ازیں وہ بنیادی اصُولوں سے منکر ہیں اور اپنے فرقے کو ایک نئے نام (احمدی) سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ مُسلمانوں کے نماز کے اجتماعات میں بھی شرکت نہیں کرتے اور شادی بیاہ جیسے معاملات میں مُسلمانوں کا سماجی مقاطعہ کرتے ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس!

ان سب سے بڑھ کر قادیانیوں کا یہ دعوٰے ہے کہ سارا عالمِ اسلام کافر ہے۔ مجموعی طور پر یہ تمام امور بلاشبہ قادیانیوں کی جانب سے علیحدگی کے اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یقیناً درج بالا حقائق یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ اسلام سے اس دُوری کی نسبت زیادہ دُور ہیں جو سکھوں اور ہندو مت میں پائی جاتی ہے

کیونکہ سکھ، ہندوؤں کے مندروں میں پوجا نہ کرنے کے باوجود ان میں شادیاں تو کر لیتے ہیں۔

سوم، یہ جاننے کے لیے کوئی غیر معمولی ذہانت درکار نہیں کہ مذہبی اور سماجی معاملات میں علحدگی کی پالیسی اپنانے کے باوجود قادیانی فرقہ سیاسی اعتبار سے اسلام کے ساتھ کیوں منسلک رہنا چاہتا ہے۔ قطع نظر ان سیاسی فوائد کے جو سرکاری ملازمت سے متعلق ہیں ، رر جنہیں وہ اسلام سے منسلک رہ کر حاصل کر لیتے ہیں ، یہ ظاہر ہے کہ قادیانی اپنی موجودہ آبادی کے پیش نظر، جو آخری مردم شماری کے مطابق صرف ۵۶ ہزار ہے، ملک کے کسی بھی دستور ساز ادارے میں ایک نشست کے بھی حقدار نہیں۔ لہٰذا وہ ان معنی میں سیاسی اقلیت کے زمرے میں نہیں آتے جن میں آپ نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے، اور یہ بات کہ اب تک قادیانیوں نے ایک علحدہ واضح سیاسی یونٹ کی حیثیت دیے جانے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا، یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی موجودہ پوزیشن میں خود کو دستور ساز اداروں میں نمائندگی کا حقدار نہیں پاتے۔ نئے آئین میں ایسی اقلیتوں کے لیے تحفظ کی دفعات موجود ہیں۔ میرے خیال میں یہ واضح ہے کہ الگ حیثیت دیے جانے کے لیے حکومت تک رسائی کے معاملہ میں قادیانی فرقہ کبھی پہل نہیں کرے گا۔ جملہ مسلمان اپنے مطالبہ میں بالکل حق بجانب ہیں کہ قادیانیوں کو فی الفور جماعتِ مصدری سے علحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت فوری طور پر ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کرتی تو ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ شک ضرور گزرے گا کہ برطانوی حکومت گویا نئے مذہب کو بچا کر رکھ رہی ہے اور انہیں مسلمانوں سے علحدہ حیثیت دینے میں اس لیے دیر کر رہی ہے کہ اس کے پیرو تعداد میں بہت کم ہیں اور فی الحال

اِس صُوبے میں ایسی چوتھی اقلیت کا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں جو دستور ساز اداروں میں پنجاب کے مُسلمانوں کی پہلے ہی برائے نام اکثریت کو مؤثر طور پر نقصان پہنچا سکے۔ حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے انہیں علحدہ فرقہ قرار دیے جانے کے باضابطہ مطالبے کا انتظار نہیں کیا تھا، پھر آخر قادیانیوں کے سلسلے میں ایسے باضابطہ مطالبے کا انتظار کیوں کیا جائے؟

مخلِص

محمد اقبال

پنڈت جواہر لعل کے نام

(۳۹۱) ——— (۱)

(انگریزی)

۲۱۔ جون سنہ ۱۹۳۶ء

مائی ڈیئر پنڈت جواہر لعل!

آپ کا جو خط مجھے کل مِلا ہے، اس کے لیے بڑا شکر گزار ہُوں۔ جب میں نے آپ کے مضامین کا جواب لکھا تو مجھے یقین تھا کہ آپ احمدیوں کی سیاسی روش سے بالکل بے خبر ہیں۔ دراصل میں نے جواب اِس مقصد کے پیشِ نظر لکھا تھا کہ یہ وضاحت کر سکوں، بالخصوص آپ کے لیے، کہ مسلمانوں کی وفاداری کا آغاز کیسے ہُوا اور کسطرح اسے بالآخر احمدی ازم میں ایک الہامی اساس میسّر آئی۔

اپنے مقالہ کی اشاعت کے بعد مجھے یہ جان کر بڑا تعجب ہُوا کہ پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی ان تاریخی وجوہ کا عِلم نہیں جن سے احمدی ازم کی تعلیمات کی تشکیل ہوئی۔

علاوہ ازیں پنجاب اور دوسرے مقامات پر آپ کے مسلم مشیر آپ کے مضامین سے بڑے پریشان ہُوئے کیونکہ ان کو خیال ہُوا کہ آپ احمدیہ تحریک سے ہمدردی رکھتے ہیں اِس کا بڑا سبب یہ ہے کہ احمدیوں نے آپ کے مضامین کی اشاعت پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ احمدیوں کا پریس آپ کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا اصل ذمّہ دار ہے۔ بہرحال، مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرا تاثر درست نہ تھا۔ ذاتی طور پر دینیات سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تاہم مَیں اس میں بھی دخیل ہُوا تاکہ احمدیوں کو انہی کی زبان میں جواب دیا جاسکے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا مقالہ اسلام اور ہندوستان کے بہترین مفاد کو ملحوظ رکھتے ہُوئے لکھا گیا ہے۔ مجھے اس امر میں قطعاً کوئی شبہہ نہیں کہ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں ہی کے غدّار ہیں۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ لاہور میں آپ سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا مَیں ان دنوں بہت بیمار تھا اور کمرے سے بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ گزشتہ دو برس کی مسلسل علالت کی وجہ سے میں عملاً گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آپ جب اگلی بار پنجاب آئیں تو مجھے ضرور اِطلاع دیں۔ کیا آپ کو میرا وہ خط ملا تھا جو آپ کی مجوزہ سول لبرٹی یونین کے بارے میں تھا؟ چونکہ آپ کے خط میں اس کی وصولیابی کی اِطلاع نہیں، اس لیے مجھے خدشہ ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچا۔

مخلص

محمد اقبال

علی بخش کے نام

(۳۹۲) ——— (۱)

لندن

۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۷ء

عزیز علی بخش! بعد سلام کے واضح ہو کہ خط تمہارا پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میرے آنے میں ابھی چھ سات ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ اُمید ہے کہ اس وقت تک تم فارغ نہ رہو گے اور وہ کمی جو چوری سے ہوگئی ہے، اُسے پُورا کر لو گے۔ مجھے یہ سُن کر بڑا افسوس ہُوا۔ اگر مَیں وہاں ہوتا تو اِس موقع پر ضرور تمہاری مدد کرتا۔

تم نے اپنی شادی کے بارے میں مجُھ سے مشورہ کیا ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ بہرحال، انسان کو شادی سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ بیوی اور بچّوں کی پرورش کے واسطے اس کے پاس سامان ہے یا نہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی محنت سے بیوی کو آسودہ رکھ سکو گے تو ضرور کر لو۔ شادی کرنا عین ثواب ہے، اگر بیوی آسودہ رہ سکے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکتا ہو تو وہ شادی کر کے نہ صرف اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرتا ہے بلکہ ایک بے گناہ کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

محمد اقبال

(منقول از نوائے وقت)

نوٹ: علی بخش، ڈاکٹر صاحب مرحوم کا وہ ملازم ہے جسے ڈاکٹر صاحب کی خدمت کی سعادت اُن کے دمِ آخر تک نصیب ہوئی۔

سیّد تقی کے نام

(۳۹۳)———— (۱)

ڈیئر سید تقی ! السلام علیکم۔ آج مقام ------ کوٹ میں پہنچے۔ گھوڑے کا سفر، اور گھوڑے سے اُکتائے تو اُونٹ کا سفر۔ خدا کی پناہ ! پہلے روز ۳۷ میل سفر گھوڑے پر کیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن جو تکلیف محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو لذیذ ہو جاتی ہے۔ فورٹ سنڈیمن ابھی یہاں سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے، پرسوں پہنچیں گے بشرطیکہ کوئی بارش نہ ہوئی۔ آج ... کوٹ پہنچتے ہی بھائی صاحب کے متعلق خبر ملی۔ ان کو رائل انجنیئر کوئٹہ کے تار پر تار دینے کی وجہ سے حراست سے نکال دیا ہے۔ اس نے متواتر تاریں دیں کہ ایک معزز افسر کو بغیر منظوریِ شملہ کیوں حراست میں دیا گیا ہے۔ انہی متواتر تاروں کے دوران میں وہاں کے پولٹیکل ایجنٹ کی تبدیلی بھی ہو گئی ہے۔ سُنا ہے کہ اس مقدمے میں اُسی کی ہی شرارت تھی۔ خدا انجام بخیر کرے! آپ مطمئن رہیں۔ اُمید ہے اس مقدمے کا نتیجہ بھائی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئٹہ کے حکام کو ان کی دیانت وغیرہ کا ثبوت کافی مِل گیا۔ ایجنٹ کوئٹہ نے فورٹ سنڈیمن کے انجنیئر کی فوراً تبدیلی کر دی ہے۔ اس مقدمے کی ساری بنا۔ عداوت پر ہے۔ مجھے سارے حالات ابھی معلوم نہیں ہوئے تاہم جو کچھ معلوم ہوئے، ان سے یہی اندازہ کر سکا کہ اس کی تہ میں عداوتِ محض ہے۔ باقی خیریت ہے۔ امیر کہاں ہے؟ خدا کے لیے وہاں ضرور جایا کریں۔ مجھے بہت اضطراب ہے۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے۔ جتنا دُور جا رہا ہوں

اتنا ہی میں اس سے قریب ہو رہا ہوں۔ والسّلام۔ شیخ صاحب کی خدمت میں یہ تمام حالات عرض کر دیں۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبالؔ

شاطر مدراسی کے نام

(۳۹۴)————(۱)

از لاہور گورنمنٹ کالج
۲۲۔ فروری ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم جناب شاطر صاحب!

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مع قصیدے کے پہنچا۔ اس قصیدے کا کچھ حصّہ مخزنؔ میں شائع ہو چکا ہے اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جالندھر میں ہیں۔ مَیں نے سُنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انہوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصّہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے، از بر یاد ہے۔

اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں۔ بندشیں صاف اور سُتھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنّف کے چوٹ کھائے ہوئے دِل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ انسان کی رُوح کی اصلی کیفیت غم ہے: خوشی ایک عارضی شے ہے۔ آپ کے اشعار اس امر پہ شاہد ہیں کہ آپ نے فطرتِ انسانی کے اس گہرے راز کو خوب سمجھا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَیں اس کے سُقموں سے آپ کو آگاہ کروں۔ مَیں آپ کے حسنِ ظن کا ممنُون ہوں مگر بخدا مجُھ میں یہ قابلیت نہیں کہ آپ کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ سکوں۔

میں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ میرے اشعار کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن آپ نے شاید میرے حق سے بڑھ کر مجُھے داد دی ہے۔ مَیں آپکے نوازش نامے کا ابتدائی حِصّہ پڑھ کر شرمندہ ہوتا ہُوں اور آپ کی وسعتِ قلب پر حیران۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ بامراد رکھے!

آپ کے خاندانی تعزز کا حال معلُوم کرکے مجُھے بڑی مسرت ہوئی۔ آپ لوگ گزشتہ کاروانِ اسلام کی یادگاریں ہیں اور اس وجہ سے ہر طرح واجب الاحترام اور قابلِ تعظیم ہیں۔

جس قصیدے کے ارسال کرنے کا وعدہ آپ فرماتے ہیں، مَیں اس کا شوق سے منتظر رہوں گا۔ والسلام

آپ کا نیازمند

محمد اقبال از لاہور گورنمنٹ کالج

بھاٹی دروازہ

(۳۹۵) ———— (۲)

لاہور

۱۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرّم! السّلام علیکم۔

نوازش نامہ موصُول ہُوا۔ مولینا حالی نے جو کچھ آپ کے اشعار کی نسبت تحریر

فرمایا ہے، بالکل صحیح ہے۔ آپ کا اسلوبِ بیان واقعی نرالا ہے اور آپ کی صفائیِ زبان آپ کے ہم وطنوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ میرا خود خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے ہوں گے مگر یہ معلوم کرکے کہ آپ کی پرورش بچپن سے مدراس میں ہوئی، مجھے بہت تعجب ہُوا۔

مولٰینا حالی نے جو شعر پسند فرمایا ہے، واقعی . . . ہے، اور سوائے ایک شعر کے تمام قصیدے میں اِس پائے کا کوئی اور شعر نہیں ہے، یعنی

(پڑھا نہیں گیا)

جو شعر مولٰینا نے انتخاب کیا ہے، وہ شعریت میں اس شعر سے کہیں زیادہ ہے مگر مضمون کے اعتبار سے یہ شعر اُس سے بلند تر ہے۔

میرے خیال میں دونوں شعر ایک پائے کے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت اچھّے اچھّے اشعار آپ کے قصیدے میں موجُود ہیں، مثلاً

اپنا اپنا ہے مقدّر بال وپر کا کیا گناہ!
کوئی جل مرتا ہے بلبل کوئی ہوتا ہے شکار

اور یہ مصرع

ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی ناپائدار

یہ مضمون ٹینی سن مرحوم ملک الشعرائے انگلستان کے ایک شعر میں بھی بڑی خوبی سے ادا ہُوا ہے۔ جن صاحب کو آپ کا قصیدہ ازبر ہے، اُن کا نام پنڈت چھجّو رام وکیل ہے۔

باقی خیریت ہے۔

آپ کا نیاز مند
محمد اقبال

(۳۹۶)———(۳)

سیالکوٹ شہر
۲۹۔اگست ۱۹۰۸ء

مخدومی، السّلام علیکم!

مَیں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا گیا تھا۔کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ مِلا۔مُبارک کے لیے شکریہ، دلی قبول کیجیے۔'اعجازِ عشق' کے چند صفحے تحریر سے پہلے دیکھ چکا تھا، باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرافت کے ساتھ دولتِ کمال سے بھی مالا مال کیا ہے۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُعْطِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

مَیں آپ کے سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہُوں۔جب کبھی شائع ہوں، مجھے ایک کاپی عنایت فرما کر سپاس گزار فرمائیے۔آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اور شعراء میں بہت شاذ پایا جاتا ہے۔مولینا حالی، شبلی، شاد جیسے قادر الکلام بزرگوں سے دادِ سخنگوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔جو کچھ ان بزرگوں نے آپ کے حق میں تحریر فرمایا، وہ آپ کے لیے باعثِ افتخار ہے۔

مَیں ایک دو ماہ کے لیے سیالکوٹ مقیم رہوں گا۔اس کے بعد لاہور بیرسٹری کا کام شروع کروں گا۔ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔

آپ میرے مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔مَیں کیا اور میرا کلام کیا! نہ مجھے ان اوراقِ پریشاں جمع کرنے کی فرصت ہے نہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے۔محض دوسروں کا دِل بہلانے کے لیے کبھی کبھی کچھ لکھتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔گزشتہ

تین سال سے بہت کم اتفاق شعر گوئی کا ہوتا ہے اور اب تو مَیں پیشہ ہی اس قسم کا اختیار کرنے (کو) ہوں جس کو شاعری سے کوئی نسبت نہیں۔

اگر آپ 'اعجازِ عشق' میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سید میر حسن صاحب پروفیسر عربی، سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجیے۔ یہ بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں۔ مَیں نے انہیں سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ والسلام

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال

(۳۹۷) ———— (۴)

لاہور

۲۲۔ ستمبر ۲۹ء

مخدومی! السلام علیکم۔

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ ایک کاپی ضمیمہ 'اعجازِ حق' کی بھی موصول ہوئی جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ سبحان اللہ! آپ کا کلام سراپا اعجاز ہے۔ حکمت و فلسفہ، مجھے یقین ہے کہ ایک دن آپ کے اشعار کو حرزِ جان بنائیں گے۔ میری فارسی مثنویوں کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، آپ کی بندہ نوازی ہے۔ افسوس کہ دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے جو کچھ مَیں چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ بہرحال، جو کچھ ہو گیا غنیمت ہے۔ اُردو اشعار کا مجموعہ ابھی شائع نہیں ہو سکا۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال بیرسٹر، لاہور

سیّد نذیر نیازی کے نام

(۳۹۸)———————(۱)

لاہور

۲۹۔ مئی ۳۲ء

ڈیئر نیازی صاحب! السلام علیکم۔

میرے یورپ جانے کا ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہُوا، اگر گیا تو اسی اکتوبر ہی میں جاؤں گا ورنہ انشاءاللہ آئندہ سال۔ ڈاکٹر جرمانوس کا خط مجھے بھی آیا تھا۔ اگر مَیں یورپ گیا تو اُن سے بھی ضرور ملوں گا۔ مجھے یہ سُن کر افسوس ہُوا کہ آپ کی صحت اچھّی نہیں۔ آج کل کشمیر کا موسم نہایت عمدہ ہے اور غالباً وسط نومبر تک اچھا رہے گا۔ بعد میں زیادہ سردی ہو جائے گی۔ لندن کی Aristotelian Society نے مجھ سے کسی فلسفیانہ مضمون پر لیکچر دینے کی درخواست کی تھی جو کہ ختم کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے:

Is Religion Possible?

اگر خود گیا تو یہ لیکچر زبانی دیا جائے گا ورنہ ڈاک میں بھیج دیا جائے گا۔

لیکچر کے لکھنے میں قریباً ایک ماہ صرف ہُوا۔

Aristotelian Society لندن کی ایک مشہور اور پرانی سوسائٹی ہے اور بہت سے مغربی حکماء دیکھ چکی ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صحت بخشے!

یورپ کے متعلق جلد قطعی فیصلہ ہوگا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

محمد اقبال

(۳۹۹)————(۲)

لاہور

۲۰۔جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب! السلام علیکم۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ اوّل خوراک کا ½ حصہ دیا جاتا ہے۔ مَیں خود محسوس کرتا تھا اسی واسطے میں نے لکھا تھا کہ دوائی کی طاقت ذرا زیادہ کر دی جائے تو شاید فائدہ زیادہ ہو مگر وہ بہتر سمجھتے ہیں اسی واسطے ان کا ارشاد مقدم ہے۔ جیسا کہ اُنھوں نے فرمایا تھا، دوائی کا استعمال تو دیر تک رہے گا، آواز جلد بہتر ہو جائے گی۔ مَیں یہی چاہتا ہُوں کہ آواز میں جلد تبدیلی ہو تاکہ مَیں آئندہ پروگرام وضع کر سکوں۔ کل جنوبی افریقہ سے دعوت آئی ہے اور وہاں کے مُسلمان مُصر ہیں کہ یہاں کا وعدہ ضروری ہے۔ گزشتہ ہفتہ ایک خط جرمنی سے آیا جس سے معلوم ہُوا کہ تُرکی کی طرف سے بھی مُجھ کو دعوت دی جانے والی ہے۔ بہرحال میری خواہش ہے کہ اس جہان سے رخصت ہونے سے پہلے ؎

بر آور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے نالہ و آہ و فغانے

فالودہ پینے کو کبھی کبھی دل چاہتا ہے مگر حکیم صاحب سے پُوچھنا بھُول گیا۔ آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیں۔

سردہ ابھی لاہور میں نہیں آیا۔ کابل میں سردے کا موسم اگست سے شروع ہوگا۔ البتہ کوئٹہ (مستونگ) کا سردہ شاید مل جائے۔ مَیں نے وہاں لکھوایا ہے۔ انجیر تازہ کی تلاش کراؤں گا۔ حکیم صاحب کے نسخے کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال فرما دیں یعنی وہ مطبوعہ کاغذ جس پر سبزی ترکاری وغیرہ کے استعمال کے متعلق ہدایات درج ہیں۔ آپ نے پبلشر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُن سے گفتگو کر کے مجھے مطلع کریں تاکہ اگر اُن سے معاملہ طے نہ ہو تو کتابت و طباعت کا انتظام یہاں شروع کر دیا جائے۔ لوگ اصرار کر رہے ہیں کہ کتاب جلد شائع کی جائے۔ اگر اور نہیں تو آپ اپنے ترجمہ کے متعلق ہی جلد فیصلہ اُن سے کر لیں۔

محمد اقبال

(۴۰۰) ———— (۳)

ڈیئر نیازی صاحب!

ایک خط آج ہی لکھ چکا ہوں۔ ابھی ملک برکت علی صاحب سے ملاقات (ہوئی) جو شملہ گئے ہیں شملہ میں میرے ایک مہربان خواجہ حبیب اللہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کشمیری گلقند بشرطیکہ بہت پُرانی ہو، دوکل کارڈ کی تقویت کے لیے اکسیر ہے۔ پچاس سال کی پُرانی گلقند خواجہ صاحب مذکور کے پاس موجود ہے۔ مہربانی کر کے حکیم صاحب سے ذکر کیجیے اور ان سے پُوچھیے کہ وہ اِس گلقند کے استعمال کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہیں۔ اِس کا جواب بہت جلد آنا چاہیے۔ نیز یہ بھی دریافت کیجیے کہ مرچ (سُرخ) مصالحہ گوشت اور سبزی وغیرہ میں ڈالا جائے یا نہ؟ شہد (- Honey) کے استعمال کے متعلق بھی ھدایت

حاصل کیجیے۔

محمد اقبال

۶۔ جولائی ۳۴ء

(خطوط نمبر ۲۹۲ سے نمبر ۴۰۰ تک امروز کے اقبال نمبر بابت سال ۱۹۴۹ء سے شکریہ کے ساتھ منقول ہیں) مرتب

آل احمد سرور کے نام

(۴۰۱)————(۱)

لاہور

۱۲۔ مارچ ۱۹۳۷ء

جنابِ من!

میری آنکھوں میں پانی اُترنے کے آثار ہیں۔ ڈاکٹر لکھنے پڑھنے سے منع کرتے ہیں جب تک اپریشن نہ ہو جائے۔ معاف کیجیے گا یہ خط اپنے ایک دوست سے لکھوا رہا ہُوں۔

آپ کے دل میں جو باتیں پیدا ہوئی ہیں، ان کا جواب بہت طویل ہے اور میں بحالتِ موجودہ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر میں کبھی علی گڑھ حاضر ہُوا یا آپ کبھی لاہور تشریف لائے تو انشاءاللہ زبانی گفتگو ہو گی۔ سردست میں دو چار باتیں عرض کرتا ہوں:

۱۔ میرے نزدیک فاشزم، کمونزم یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں

رکھتے۔ میرے عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوعِ انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائقِ اسلامیہ کا مُطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ انہیں نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں۔ اِس صُورت میں غالباً آپ کے شکوک تمام کے تمام رفع ہو جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کا View مجھ سے مختلف ہو یا آپ خود دینِ اسلام کے حقائق ہی کو ناقص تصوّر کریں۔ اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہو۔

۲۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو مَیں آپ کو یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائینگی۔

۳۔ مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس میں آپ کو تناقض نظر آتا ہے۔ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن اگر اس بندۂ خدا میں Devil اور Saint دونوں کے خصوصیات جمع ہوں تو اس کا میں کیا عِلاج کروں۔ مسولینی سے اگر کبھی آپ کی ملاقات ہو تو آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس کی نگاہ میں ایک ناممکن البیان تیزی ہے جس کو شعاعِ آفتاب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کم از کم مجھ کو اسی قسم کا احساس ہُوا۔

۴۔ آپ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے لیکچرار ہیں اس واسطے مجھے یقین ہے کہ لٹریچر کے اسالیبِ بیان سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ تیمور کی رُوح کو اپیل کرنے

سے تیموریت کو زندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ وسط ایشیا کے ترکوں کو بیدار کرنا مقصود ہے۔ تیمور کی طرف اشارہ محض اسلوبِ بیان ہے۔ اسلوبِ بیان کو شاعر کا حقیقی View : تصور کرنا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے اسالیب کی مثالیں دُنیا کے ہر لٹریچر میں موجود ہیں

والسلام۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

نوٹ: یہ خط 'ماہِ نو' سے شکریے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔
سرور صاحب نے یہ خط اقبال نامہ کے لیے مرحمت فرمانے کا وعدہ کیا تھا لیکن خط دستیاب نہ ہُوا اور وہ علی گڑھ سے لکھنؤ چلے گئے اور مَیں واپس لاہور آگیا تو انھوں نے یہ خط 'ماہِ نو' میں شائع کرا دیا۔

اقبال نے بالِ جبریل میں مسولینی کے زیرِ عنوان اسکی کامرانیوں سے متاثر ہو کر چند وجد انگیز اشعار لکھے ہیں ؎

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارا لعلِ ناب

اسی انداز سے علامہ نے مسولینی کے کمالات گنوائے ہیں اور آخر میں اٹلی کو بتایا ہے کہ ؎

فیض یہ کس کی نظر کا ہے، کرامت کس کی ہے
وہ کہ ہے جس کی نگاہ مثلِ شعاعِ آفتاب

(مرتب)

نیاز الدّین خان کے نام

(۴۰۲) ——————— (۱)

لاہور

۱۴- جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی! السّلام علیکم۔

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زیارت مُبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب محمّدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبتِ محمّدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبّت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہُوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا، اس واسطے خاموش رہتا ہُوں۔

اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولینا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔ کبوتر موجُود ہیں مگر مشکلوں سے بچّے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچّوں کی پرورش کی ہے۔ والسّلام

مخلص

محمّد اقبال، لاہور

(۴۰۳) ——————— (۲)

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

مخدومی! السلام علیکم۔ والا نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے مگر اس انداز سے کہ موحد کی رُوح فدا ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک معنی میں انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کمالِ شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے ؎

"تمہید نیم خندِ تو مرگِ ولایتے"

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے۔ البتہ پہلے مصرع میں جو لفظ 'آں' آیا ہے اُس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہیے (عنوان آں نگاہ) یہ مشورہ مولانا کی خدمت میں پیش کیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں، اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں، شعرِ مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔ اُمید کہ انکا رخصبہ حیدر آباد سے آگیا ہوگا، لیکن اگر پریشانی اُن سے ایسے اشعار لکھوا رہی ہے تو اہلِ ذوق کو حضور

نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیے کہ اُن کا منصب بند کر دیا جائے۔ والسلام

مخلص

۱۴-اکتوبر ۱۹۱۹ء محمد اقبال

(منقول از آفاق)

محمد اکرام صاحب کے نام

(۴۰۴) ——— (۱)

(انگریزی)

۲۷-مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیئر محمد اکرام!

آج صبح دہلی سے واپسی پر عنایت نامہ موصول ہُوا۔ یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔ ہسپانیہ پر نظم یوں تو تمام تر پُرسوز ہے لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں۔ میں اسے محفوظ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ اشعار اُردو میں منتقل ہو سکیں۔ مَیں اپنی سیاحتِ اُندلس سے بے حد لذّت گیر ہُوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہو گی۔ الحمراء کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہُوا لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے مجھ سے درخواست کی کہ مَیں "ہسپانیہ اور عالمِ اسلام کا ذہنی ارتقاء" کے زیرِ عنوان ایک لیکچر دوں۔ یہ لیکچر نہایت پسند کیا گیا۔ پروفیسر آسین نے جو Divine Comedy and Islam کے مصنّف ہیں، بحیثیتِ صدر اپنی افتتاحی تقریر میں میری تعریف و

توصیف میں خُوب مبالغہ کیا۔ روڈز لیکچرز کے متعلق مجھے ابھی کوئی اِطّلاع نہیں پہنچی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی غالباً میرے چھ خطبات شائع کرنا چاہتی ہے۔ مَیں نے مسٹر ملفورڈ کی خدمت میں ایک نسخہ بھیج دیا ہے۔ لارڈ لودین ان خطبات کے متعلق بڑی گرمجوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اور انگلستان میں ان کی طباعت و اشاعت کے آرزومند ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب اور پیر صاحب کی خدمت میں، جب اُن سے ملاقات ہو، میرا اسلامِ شوق پہنچادیں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلِص

محمد اقبال

تحریر مابعد :

مَیں نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل قریب میں انگلستان آسکوں گا یا نہیں۔

(۴۰۵)———(۲)

(انگریزی)

لاہور

۱۷۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیئر محمد اکرام!

عنایت نامہ موصُول ہُوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ مَیں نے لارڈ لودین کی دعوت قبول کر لی ہے۔ میرا موضوع "فکرِ اسلامی میں تصوّرِ زمان و مکاں" ہو گا۔ یہ ایک ادق موضوع ہے اور ایسے مخطوطات کی مدد سے جن میں کم از کم بعض ابھی تک عدم پتہ ہیں، کافی تفتیش و تحقیق کا طالب ہے۔ اِس موضوع پر ابھی تک کسی نے خامہ فرسائی بھی نہیں کی ہے۔ بنابریں مجھے شک ہے کہ مَیں اُن خطبات کو تین چار ماہ تک، جو مجھے

ملے ہیں، مکمل بھی کر سکوں گا یا نہیں۔ لہٰذا مَیں نے لارڈ لودین سے دریافت کیا ہے کہ آیا روڈز خطبات کے ٹرسٹیان ۱۹۳۴ء کے موسم سرما کے بجائے ۱۹۳۵ء کے موسم سرما میں ان خطبات کے دینے کی اجازت دے سکیں گے۔ مجھے ۱۹۳۴ء کی جنوری کے اواخر یا اوائل فروری میں لکھیے۔ اس وقت میں آپ کو زیادہ قطعی اطلاع دے سکوں گا۔ مَیں ان خطبات کے علاوہ جن کا مَیں نے ذمّہ لے لیا ہے، آکسفورڈ میں اور کوئی لیکچر نہیں دینا چاہتا۔ لیکن اسلامی موضوعات سے متعلق میں نجی اور غیر رسمی مذاکرات کے لیے ضرور آمادہ ہوں گا۔

مخلص

محمّد اقبال

(۴۰۶) ——— (۳)

(انگریزی)

لاہور

۱۸۔ فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیئر محمّد اکرام!

عنایت نامہ ابھی ابھی موصول ہُوا جس کے لیے ممنون ہُوں۔ مَیں گوالیار نہیں جا رہا اور نہ ہی اس قسم کے اجتماعات میں شمولیّت پسند کرتا ہُوں۔ روڈز خطبات اُمید ہے آئندہ سال (۱۹۳۵ء) اپریل یا مئی میں دے سکوں گا۔ اپریل ۱۹۳۵ء تک ہندوستان سے روانگی کا کوئی ارادہ نہیں۔

مخلص

محمّد اقبال

(۴۰۷) ———— (۴)

(انگریزی)

لاہور

۳- مئی ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر اکرام!

پچھلی دفعہ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنی کتاب 'غالب نامہ' اور سورت کے آم جن کی عمدگی کی آپ نے تعریف کی تھی، بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ آموں کا انتظار تو کر سکتا ہوں لیکن 'غالب نامہ' کے ریویوز اخبارات میں دیکھنے کے بعد اس کے لیے بیتاب ہوں۔ جلد از جلد ایک نسخہ بھیج دیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۰۸) ———— (۵)

(انگریزی)

لاہور

۱۲- مئی ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر محمد اکرام!

عنایت نامے اور کتاب کے لیے، جو اس کے موصول ہونے کے ایک گھنٹہ بعد ملی، شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ نے مقدمہ کی تیاری اور غالب کی نظموں کی تاریخ وار ترتیب میں محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ بلاشبہ آپ نے غالب پر ایک نہایت عمدہ تصنیف پیش کی ہے اگرچہ مجھے آپ کے چند نتائج سے اتفاق نہیں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ حضرت غالب کو اردو نظم میں بیدل کی تقلید میں

ناکامی ہوئی۔ غالب نے بیدل کے الفاظ کی نقّالی ضرور کی لیکن بیدل کے معانی سے اس کا دامن تہی رہا۔ بیدل کا رہوارِ فکر اپنے ہم عصروں کے لیے ذرا گریز پا تھا۔ اِس امر کے ثبوت میں شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ ہند اور بیرونِ ہند کے معاصرینِ بیدل اور دوسرے دلدادگانِ نظمِ فارسی بیدل کے نظریۂ حیات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۰۹)———————(۶)

(انگریزی)

لاہور

۲۰۔ جون ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

آموں کا پارسل پہنچا۔ نہایت ممنون ہوں۔ آم اعلیٰ درجہ کے ہیں اگرچہ بد قسمتی سے شاید تفاوتِ آب و ہوا یا لاہور کی شدید گرمی کی وجہ سے اُن کے ذائقے میں فرق آگیا ہے۔

مخلص

محمد اقبال

خان بہادر عبدالرحمٰن چغتائی کے نام

(۴۱۰) ———— (۱)

لاہور
۲۴- اپریل ۱۹۲۵ء

ڈیئر مسٹر عبدالرحمٰن ! السلام علیکم ۔

آپ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر زمیندار میں پڑھ کر بہت رنج ہُوا۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور ماسٹر عبداللہ صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے !

عید کے موقع پر یہ صدمہ اور بھی دردناک ہے مگر ع

زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

محمد اقبال

(۴۱۱) ———— (۲)

لاہور
۸۔ جنوری ۱۹۲۶ء

ڈیئر مسٹر عبدالرحمٰن !

افسوس ہے کہ لُدھیانے سے کوئی تصویر یا آئینہ نہیں ملا اس واسطے آپ مہربانی کر کے اسی تصویر سے انلارج کریں، اور اگر انلارج نہ ہو سکتی ہو تو وہ تصویر ماسٹر عبداللہ صاحب کے بدست ارسال فرمائیے کہ لُدھیانے واپس بھیجی جائے ۔

محمد اقبال

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

(۴۱۲) ——————— (۱)

۲۳۔ اگست ۲۵ئ

ڈیئر ماسٹر صاحب! السلام علیکم۔

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی مل گیا تھا۔ مَیں نے انڈین ریویو کا مضمون دیکھا ہے۔ تصویر طالب علمی کے زمانے کی ہے۔ مضمون میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ آپ اپنا اُردو ترجمہ ابھی شائع نہ کریں۔ باقی خیریت ہے۔ بخدمت برادرم غلام محمد سلام علیکم۔

میں بھی اِن شاء اللہ شملہ آؤں گا مگر چند روز کے بعد۔

محمد اقبال، لاہور

(۴۱۳) ——————— (۲)

۵۔ اگست ۱۹۲۶ئ

ڈیئر ماسٹر صاحب!

آپ کے پاس راغب اصفہانی کی 'مفردات' ہو تو چند روز کے لیے بھیج دیجیے یا خود لے کر آئیے۔ لفظ 'سلطان' اور 'شان' جو سدرۃ الترجمہ میں واقع ہُوئے ہیں، انکے معانی دیکھنا مطلوب ہیں۔

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

(۴۱۴)—————(۳)

۷۔ستمبر ۱۹۲۶ء

ڈیئر ماسٹر صاحب! السلام علیکم۔

اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی چھپا ہُوا مجموعہ ہو تو ایک دو روز کے لیے مرحمت کیجیے، مَیں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا کوئی مجموعہ نہ ہو تو چند مشہور تصاویر کے نام ہی سہی! ان کے ساتھ ان کا مضمون بھی ہونا ضروری ہے۔ مَیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مصوّر بالعموم کیسے مضامین اپنے فن کی نمائش کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔

بنگال اسکول کی تصاویر کے نام خاص کر چاہییں۔ اس کے علاوہ مغلوں کے آرٹ پر اگر کوئی کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ لائیے۔

محمّد اقبال، لاہور

(۴۱۵)—————(۴)

۲۴۔ فروری ۱۹۲۷ء

جناب ماسٹر صاحب!

آپ کے چلے جانے کے بعد اس تصویر پر غور کرتا رہا جس کے متعلق ہم دیر تک بحث کرتے رہے تھے۔ میری رائے میں شاید اس تصویر میں یورپ کی تصویر انٹروڈیوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن پھر آئیں گے تو اُن سے مفصّل گفتگو ہو گی۔

محمد اقبال، لاہور

(۵)————(۴۱۶)

۷- اپریل ۱۹۲۷ء

لاہور

جناب ماسٹر صاحب! السلام علیکم۔

آپ نے کتاب Art and the Unconscious بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے حافظہ سے یہ بات اُتر گئی۔ مہربانی کر کے جلد بھجوائیے۔

محمدؐ اقبال، لاہور

(۶)————(۴۱۷)

۲۰- اپریل ۱۹۲۷ء

ڈیئر ماسٹر صاحب! السلام علیکم۔

کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ مسٹر محمدؐ یعقوب ہر روز کسی ایسے وقت جو اُن کے لیے اور میرے لیے موزوں ہو یہاں آیا کریں۔ آپ نے آج صبح بتایا تھا کہ وہ ۷- مئی کو شملہ جانے والے ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ اُن کے جانے سے پہلے جس قدر میں لکھوا سکوں، لکھا لیا جائے۔ مہربانی کر کے اُن سے دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیے، بلکہ بہتر ہو کہ ان کو ساتھ لے آئیے تاکہ زبانی گفتگو ہو جائے۔ شاید چار بجے کے بعد وہ آ سکتے ہوں گے۔ مَیں ان سے پہلا لکچر جو دیباچے کے طور پر ہو گا، لکھوانا شروع کر دوں گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ دسمبر تک سب لکچر ختم ہو جائیں۔ ان کے جانے کے بعد کسی اور شارٹ ہینڈ رائٹر کو بلا لیا جائیگا۔

محمدؐ اقبال، لاہور

(۴۱۸) ——————— (۷)

ڈیئر ماسٹر صاحب ! السلام علیکم۔

اگر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا کالج لائبریری میں ہو تو لیتے آئیے۔

اس جلد کی ضرورت ہے جس میں عراقی کا تذکرہ ہے، غالباً دوسری جلد ہے۔

محمدؐ اقبال

(۴۱۹) ——————— (۸)

لاہور

۲۹- اپریل ۱۹۲۷ء

مائی ڈیئر ماسٹر عبداللہ صاحب !

السلام علیکم۔ مَیں یہ سطور آپ کی یاددہانی کے لیے تحریر کر رہا ہُوں۔ آپ نے یُونیورسٹی لائبریری سے Medieval سائنس پر ایک کتاب نکلوا کر مجھے ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مَیں اُس کا منتظر ہوں۔

آپ کا

محمدؐ اقبال

(۴۲۰) ——————— (۹)

لاہور

۳۱- مئی ۱۹۲۷ء

ڈیئر ماسٹر صاحب !

میری بیوی دفعتہً بہت بیمار ہو گئی ہے اس وجہ سے آج مَیں مذاکرہ طبیہ کے جلسے میں، جو شام کو اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں میرے زیرِ صدارت ہونے والا ہے، حاضر

نہیں ہو سکوں گا۔ مجھے معلوم نہیں کس کو لکھوں۔ نہ انجمنِ طلبیہ کے سیکرٹری کا نام معلوم ہے نہ اُن کا پتہ معلوم ہے۔ شاید وہ آپ کے اِسلامیہ کالج کے طلبیہ کلاس کے پروفیسر ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو مہربانی کر کے آپ ان کو اسی وقت اطلاع دے دیں کہ مَیں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ اگر وہ صاحب کالج میں پروفیسر نہیں ہیں تو مہربانی کر کے ان کا نشان معلُوم کر کے انہیں مطلع فرمائیے۔ جلسے کا وقت شام کا ہے اور اسی وقت ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں۔ کل بخار ۱۰۶ درجے سے زیادہ ہو گیا تھا، آج دیکھیے کیا حالت رہتی ہے۔ اِس تردد و فکر کی حالت میں جلسے میں جا کر تقریر کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ اِس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں میرا یہاں ہونا ضروری ہے۔

محمد اقبال

(۴۲۱)————(۱۰)

۲۲۔ اکتوبر ۲۷ء

ڈیئر ماسٹر عبداللہ!

آپ "فصوص الحکم" کا قلمی نسخہ، جو آپ کے پاس ہے، ایک دن کے لیے مرحمت فرمائیے اور اس کارڈ کے دیکھتے ہی مجھ تک پہنچا دیجیے۔

محمد اقبال، لاہور

(۴۲۲)————(۱۱)

۲۳۔ اکتوبر ۲۹ء

ڈیئر ماسٹر عبداللہ!

"مرقعِ چغتائی" کی ایک کاپی جو عبدالرحمٰن صاحب نے بھیجی ہے، مجھے مل گئی ہے۔

مگر یہ کتاب بیش قیمت ہے۔ اس واسطے میں چاہتا ہُوں کہ آپ اس کی جگہ دوسری ایڈیشن کی کاپی ہدیۃً مجھے دے دیں اور اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔

اِس کے علاوہ یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا آپ نے میری تصویر کا بلاک حاصل کر لیا یا... مہربانی کر کے اس کام کو جلد کر لیجیے۔ کاغذ کے لیے آرڈر دے دیا گیا ہے۔ ٹیٹا گڑھ ملز سے منگوایا جائے گا۔ کتاب کی طباعت عنقریب شروع ہو گی۔ آپ کا کارڈ بھی مِل گیا تھا۔

محمد اقبالؒ لاہور

(۱۲) ———— (۴۲۳)

۴۔ نومبر ۱۹۳۱ء

۱۱۲۔ اے، سینٹ جیمز کورٹ

لندن

ڈیئر ماسٹر عبداللہ!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مِل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ لاہور میں سب طرح خیریت ہے۔ آپ کا خط غلام رسول مہر صاحب کو دے دیا جائے گا۔ یہ دن بہت مصروفیت کے گزرے۔ مینارٹی کمیٹی کی میٹنگ تین دفعہ ہوئی اور تینوں دفعہ پرائیویٹ گفتگوئے مصالحت کے لیے ملتوی ہو گئی۔ پرائیویٹ گفتگو بہت ہوئی مگر اب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔ اب مینارٹی کمیٹی کی میٹنگ، جس کا میں ممبر ہوں شاید ۱۱۔ نومبر کو ہو۔ اس میں بھی کچھ نہ ہو سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مینارٹی کا کام محض

مصالحت کی کوشش ہے۔ یہ کوشش کی گئی جس کا نتیجہ اس وقت تک کچھ نہیں ہُوا۔
شاید ۲۰۔ نومبر تک ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ روما جانے کا بھی قصد
ہے۔ اس کے بعد وقت ہُوا تو مصر اور فلسطین بھی۔

عبدالرحمٰن چغتائی صاحب اور تاثیر صاحب کو سلام کہیے۔

محمدؐ اقبال

(۴۲۴)―――――(۱۳)

۶۔ اکتوبر ۳۶ء

ڈیئر ماسٹر صاحب!

مولوی ابُو مصلح صاحب کا پتہ مجھے معلُوم نہیں اِس واسطے آپ کو تکلیف دیتا ہُوں۔ ان کی خدمت میں عرض کیجیے کہ مجھے اِس کتاب کی ضرورت ہے جس میں اُنہوں نے بچّوں کو قرآن پڑھانے کا نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ جس روز آپ کی معیّت میں وہ مُجھ سے ملے تھے، اسی روز اُس کتاب یا قاعدہ کا ذِکر کیا تھا۔ اُس قاعدہ کی جاوید کے لیے ضرورت ہے۔

محمد اقبال، لاہور

(۴۲۵)―――――(۱۴)

۱۳۔ جون ۳۷ء

ڈیئر ماسٹر عبداللہ چغتائی!

آپ کا خط ملا۔ عِلمی مشاغل میں مصروف رہنا آپ کو مبارک ہو۔ میری صحت بہ نسبتِ سابق بہتر ہے لیکن بہ حیثیتِ مجموعی ایک دائم المریض کی زندگی بسر کر رہا ہُوں۔

تاہم صابر اور شاکر ہوں۔ اِنشاء اللہ جب موت آئے گی تو مجھے متبسم پائے گی۔ قصد تو یہ تھا کہ زندگی کے باقی دن جرمنی اور اٹلی میں گزار دوں مگر بچوں کی تربیت کس پر چھوڑوں، خصوصاً جبکہ مَیں ان کی مرحُوم ماں سے یہ عہد کر چکا ہُوں کہ جب تک یہ بالغ نہ ہو جائیں ان کو اپنی نظر سے اوجھل نہ کرونگا۔ اِن حالات میں یورپ کا سفر اور وہاں کی اقامت ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو زیادہ سے زیادہ مکّہ ہوتا ہُوا ممکن ہے مدینہ تک پہنچ سکوں۔ اب مجھ ایسے گنہگاروں کے لیے آستانِ رسالتؐ کے سوا اور کہاں جائے پناہ ہے۔

اٹلین زبان میں جن مضامین کا آپ نے ذِکر کیا ہے، افسوس ہے مجھے ان کا عِلم نہیں۔ اگر ممکن ہو تو ان کا انگریزی میں ترجمہ کروا کر بھیج دیجیے۔ ترجمہ اور ٹائپ کا خرچ مَیں ادا کروں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ دونوں رسالے جن میں یہ مضامین شائع ہوئے ہیں، بھیج دیجیے۔ مَیں ان کا یہاں ترجمہ کروانے کی کوشش کروں گا اور جب آپ یورپ سے واپس آئیں گے تو دونوں رسالے آپ کے حوالے کر دوں گا۔

ڈیکارٹ پر مضمون لکھنے کی اب مجھ میں ہمت باقی نہیں رہی۔ اگر آپ کو پیرس میں نوجوان عمر کا سکالر مل جائے تو اس سے یہ کہنا کہ ڈیکارٹ کی مشہور کتاب Method کا امام غزالی کی 'احیاء العلوم' سے مقابلہ کرے اور یورپ والوں کو دکھائے کہ ڈیکارٹ اپنے اس Method کے لیے جس نے یورپ میں نئے علوم کی بنیاد رکھی، کہاں تک مسلمانوں کا ممنونِ احسان ہے۔ مغربی فلسفہ کا مؤرخ Lawss تو یہ لکھتا ہے کہ اگر ڈیکارٹ عربی زبان کا عالم ہوتا تو ہم اُسے غزالی کی احیاء العلوم سے چوری کرنے کا الزام لگاتے۔ لیکن اٹلی کا مشہور شاعر دانتے بھی تو شاید عربی نہ جانتا

تھا لیکن اس کی کتاب Dante Comedy شاید محی الدین عربیؒ کے
افکار و تخیلات سے لبریز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نتائج افکار عام طور پر
یورپ میں مشہور تھے اور یورپ کے بڑے بڑے مفکّر اور تعلیم یافتہ آدمی خواہ وہ عربی
جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، عام طور پر اسلامی تخیّلات سے آشنا تھے۔

انگریزی کتابوں میں ہم ہندی مسلمانوں کو یہ سکھایا ہے کہ منطقِ استقرائی کا موجد
بیکن Bacon تھا لیکن فلسفۂ اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ یورپ میں اس سے
بڑا جھوٹ آج تک نہیں بولا گیا۔ ارسطو کی منطق کی شکلِ اوّل پر سب سے پہلے اعتراض
کرنے والا ایک مُسلمان منطقی تھا۔ یہی اعتراض John Stuart Mill کی
کتابوں میں دہرایا گیا ہے اور مسلمانوں کا استقرائی طریق بیکن سے مدّتوں پہلے سارے
یورپ کو معلوم تھا۔

محمود خضیری سے مَیں سپین میں ملا تھا۔ وہ اُس وقت فقہ اسلامیہ پر ریسرچ
کر رہے تھے۔ نہایت نیک نوجوان ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ نصیرالدّین
طوسی پر مقالہ پڑھیں گے۔ اِن سے کہیے کہ نصیرالدّین طوسی کی تحریروں کا وہ حصّہ
جس میں طوسی نے Euclid کے Parallel Postulate کو ثابت
کرنے کی کوشش کی ہے، بالخصوص مطالعہ کریں بلکہ اسی ضمن میں اُن کے معاصرین
کی تحریروں کا مطالعہ بھی کریں۔ اس تحقیق سے ان کو معلوم ہوگا کہ مُسلمان ریاضی دان
قرونِ وسطیٰ ہی میں اس نتیجہ تک پہنچ چکے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ مکان کے ابعاد (Di-
mensions) تین سے زیادہ ہوں اور ہمارے اسلامی صوفیہ تو ایک مدّت سے
تعددِ زمان و مکان کے قائل ہیں۔ یہ خیال یورپ میں سب سے پہلے جرمنی کے فلسفی

Kant نے پیدا کیا تھا لیکن مُسلمان صوفیہ اس سے پانچ چھ سو سال پہلے اس نکتہ سے آشنا تھے۔ عراقی کے رسالے کا قلمی نسخہ غالباً ہندوستان میں موجود ہے، اور مَیں نے ان کے ایک رسالہ کا جو خاص طور پر زمان اور مکان پر ہے، اپنے لیکچرز میں ملخّص بھی دیا ہے۔ اگر محمود خضیری بھی اس مضمون پر ریسرچ کریں تو مجھ کو یقین ہے کہ یورپ میں نام پیدا کریں گے۔

امیر شکیب ارسلان کو اگر آپ خط لکھیں تو میرا سلام ضرور لکھیے۔ میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے۔ افسوس ہے کہ قیامِ یورپ کے زمانہ میں باوجود کوشش کے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ان سے یہ بھی دریافت کر کے مجھے اطلاع دیں کہ سید ضیاء الدین طباطبائی آج کل کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اقبال شیدائی اور ان کی بیگم صاحبہ کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہیے۔ اُن کی بیگم صاحبہ کا قصد تھا کہ وہ اپنی میڈیکل تعلیم ختم کرنے کے بعد ہندوستان آکر پریکٹس کریں گی۔ معلوم نہیں اُن کے اس ارادہ کا کیا حشر ہُوا۔ ہاں، خالدہ ادیب خانم سے بھی میرا بہت بہت سلام کہیے۔ باقی، خُدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ علی بخش آپ کو سلام کہتا ہے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن چغتائی تو شاید انگلستان میں ہیں! کیا انہوں نے وہاں اپنی تصویروں کی کوئی نمائش کی ہے؟

یہ خط ایک دوست کے ہاتھ سے لکھوایا ہے کہ مَیں اب اپنے ہاتھ سے بہت کم خط لکھتا ہوں۔

محمد اقبال

(۴۲۶)——————(۱۵)

لاہور
۱۱۔ اگست ۳۷ء

ڈیئر ماسٹر عبداللہ!

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ چغتائی صاحب، سُنا ہے کہ لاہور پہنچ گئے ہیں، لیکن مجھ سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کے ذہن میں جو تجویز ہے، اُس کے معلوم ہونے پر رائے ظاہر کرسکوں گا۔

اٹالین رسالوں کے مضامین کا انگریزی ترجمہ بہت جلد ارسال کیجیے، بلکہ اصلی رسالے بھی ترجمہ کے ساتھ بھیج دیجیے۔ یہ دونوں رسالے محفوظ رکھے جائیں گے اور جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کو دے دیے جائیں گے یا اگر آپ چاہیں تو ان کو بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ شیدائی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سلام قبول کریں۔ لاہور میں سخت گرمی ہے۔ ساون کا مہینہ غیر معمولی طور پر خشک گزرا ہے۔ آج کل پیرس میں خوب موسم ہوگا۔ قادیان کے احمدیوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے اور خلیفۂ قادیان پر ان کے باغی مریدوں کی ایک جماعت نے نہایت فحش الزام لگائے ہیں۔ نقضِ امن کے احتمال سے وہاں کل سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا ہے۔

سید راس مسعود، وزیر معارفِ بھوپال دفعتہً اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے۔ خدائے تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے! بڑے مخلص اور درد مند آدمی تھے۔

پروفیسر Massignon سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے انکی خدمت

میں سلام عرض کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۶) ———— (۴۲۷)

ڈیئر ماسٹر صاحب!

آپ کے دونوں خط مل گئے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ دونوں خطوط میں اطالوی رسالوں کے مضامین کے ترجمے کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ نے نہ تو رسالے بھیجے نہ اُن کا ترجمہ بھیجا حالانکہ مَیں نے آپ کو کہہ دیا تھا کہ اگر ترجمہ نہیں ہو سکتا تو رسالے بھیج دیجیے جو بہ کمال حفاظت آپ کو واپس کر دیے جائیں گے۔ بہرحال، ان رسالوں کا یا اُن کے تراجم کا شدید انتظار ہے۔

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ دُنیائے اسلام کے اچھے اچھے آدمیوں سے آپ کی ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ ان سے آپ کی معلومات میں بہت اضافہ ہوگا۔ دنیائے اسلام میں ایک ذہنی انقلاب کے آثار پیدا ہیں مگر یہ قومیں ابھی تک اپنی سیاسی اور اِقتصادی مشکلات میں اُلجھی ہوئی ہیں۔ اِن مشکلات کے خاتمے پر ذہنی انقلاب کا آغاز یقینی ہے اور اُس وقت تک اُمید ہے کہ ایسے آدمی پیدا ہو جائیں گے جو اِس انقلاب کی صحیح رہنمائی کر سکیں گے۔

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ یورپ میں ابھی جنگ نہ ہو گی۔ یہاں کے اخباروں میں جو خبریں شائع ہوتی ہیں، اُن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب یورپ میں جنگ کی آگ بھڑک اُٹھنے والی ہے۔

یورپ کی قوموں نے ایک اعلیٰ کلچر کی بنیاد رکھی ہے مگر افسوس کہ ان کا عمل اس کلچر کے مقتضیات کے خلاف ہے اس واسطے اغلب ہے کہ یہ کلچر بیکار ہو کر یورپ میں فنا ہو جائے گا۔ زیادہ کیا لکھوں! خدا کے فضل و کرم سے سب طرح خیریت ہے۔ آپ کے بھائی چغتائی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔

علی بخش سلام کہتا ہے۔

محمد اقبال

رسالے یا اُن کے تراجم بھیجنے کی تاکید مزید ہے۔

(۴۲۸)————(۱۷)

ڈیئر ماسٹر صاحب!

ڈانٹے کی ڈوائن کامیڈی (Dante Comedy) کالج لائبریری سے لے کر ایک دو روز کے لیے بھجوائیے۔ اور Hell کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد اقبال

نوٹ: اِس تحریر پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

(۴۲۹)————(۱۸)

۷۔ جنوری ۲۹ء

ڈیئر ماسٹر عبداللہ!

تمام لاہور میں اس بات کا چرچا ہے کہ ماسٹر عبداللہ اعلانِ آزادی کے خوف سے کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کیا یہ واقعی درست ہے؟

محمد اقبال لاہور

(۴۳۰) ——————— (۱۹)

۵- جون ۳۱ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

آپ نے Lane کی ڈکشنری کا اقتباس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا جس کا میں اب تک منتظر ہوں۔

محمد اقبال

مولانا محمود شیرانی کے نام

(۴۳۱) ——————— (۱)

(یہ خط اشعارِ خاقانی سے متعلق ہے جو علامہ اقبال نے ماسٹر عبداللہ کی وساطت سے شیرانی صاحب کو بھیجا —— مرتب)

ڈیر شیرانی صاحب!

میں کل کابل جا رہا ہوں اس واسطے فرصت نہیں ہے۔ آپ مہربانی کر کے اِس خط کا جواب راقم کو دے دیں اور اُن کو یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں، اس واسطے خود جواب نہ لکھ سکا۔

محمد اقبال

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے نام

(۴۳۲)———————(۱)

مکرمی سیّد صاحب، زاد عمرہٗ!

دو دفعہ پیسہ اخبار میں مَیں نے وہ خبر پڑھی جسے پڑھ کر لاہور کے تمام دوستوں کو بے انتہا تشویش تھی مگر قدرت خدا کی مجھے مطلق رنج نہ ہُوا، اور اسی بنا پر جس دوست نے مجھ سے پُوچھا، مَیں نے بے تکلّف کہہ دیا کہ خبر غلط ہے۔ الحمد للہ کہ ایسا ہی ثابت ہُوا اور مَیں لاہور کے احباب میں مُفت کا صوفی مشہور ہو گیا۔ ایسی خبریں زیادتیٔ عمر کی علامت ہیں۔ میری نسبت بھی لاہور میں اسی قسم کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں۔ والسلام۔

اس خبر سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملک کو آپ کی کس قدر ضرورت ہے۔

انشاء اللہ میں بھی تعطیلوں میں، اگر ممکن ہُوا تو آپ سے دہلی میں ملوں گا۔

مَیں کچھ دنوں کے لیے لاہور سے باہر تھا اس واسطے آپ کے کارڈ کا جواب نہ لکھ سکا۔

راقم

آپ کا مفتون

اقبال از لاہور

۲۲- جولائی ۱۹۰۴ء

(۴۳۳)———(۲)

از کیمبرج، ٹرینٹی کالج
۸۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء

اسرارِ قدیم، سیّد حسن نظامی!
ایک خط اس سے پہلے ارسال کر چکا ہوں، امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔

اس خط کے جواب کا اِنتظار ہے اور بڑی شدت کے ساتھ۔ اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں، اور وہ یہ کہ قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوف کے متعلق ہوں اُن کا پتہ دیجیے۔ سپارہ اور رکوع کا پتہ لکھیے۔ اس بارہ میں آپ قاری شاہ سلیمان صاحب یا کسی اور صاحب سے مشورہ کر کے مجھے بہت جلد مفصل جواب دیں۔ اس مضمون کی سخت ضرورت ہے، اور یہ گویا آپ کا کام ہے۔

قاری شاہ سلیمان صاحب کی خدمت میں میرا یہی خط بھیج دیجیے اور بعد التماس دُعا عرض کیجیے کہ میرے لیے یہ زحمت گوارا کریں اور مہربانی کر کے مطلوبہ قرآنی آیات کا پتہ دیویں۔

اگر قاری صاحب موصوف کو یہ ثابت کرنا ہو کہ مسئلہ وحدۃ الوجود یعنی تصوف کا اصل مسئلہ قرآن کی آیات سے نکلتا ہے تو وہ کون کون سی آیات پیش کر سکتے ہیں اور ان کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔

کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ تاریخی طور پر اسلام کو تصوف سے تعلق ہے؟ کیا حضرت علی مرتضےٰ رضؓ کو کوئی خاص پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟ غرضکہ اس امر کا جواب

معقولی اور منقولی اور تاریخی طور پر مفصل چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ ذخیرہ اس امر کے متعلق موجود ہے۔ مگر آپ سے اور قاری صاحب سے استصواب ضروری ہے۔ آپ اپنے کسی اور صوفی دوست سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں، مگر جواب جلد آئے۔ باقی خیریت ہے۔

اقبال

(۴۳۴)——————(۳)

۷۸۶

پُراسرار نظامی! کارڈ ابھی ملا۔ اس سے پہلے آپ کا نوازش نامہ نہیں ملا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کا خط آئے اور مَیں جواب نہ دوں۔

'الاحسان' کے دو نمبر بھی کل موصول ہوئے۔ خوب اور بہت خوب، کس قدر تغیّر ہے! ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مضمون پر بات کرنا خلافِ اصولِ طریقت تھا اب یہ زمانہ ہے کہ ماہوار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ لیکن کیوں صاحب! آپ مجھے رُسوا کر کے اب مشہور کرنے لگے۔

اب مری شہرت کی سُوجھی ہے اُنھیں، دیکھے کوئی
مِٹ کے مَیں جب رَمِ غبارِ کوئے رسوائی ہُوا

اقبال، لاہور

(۴۳۵)——————(۴)

۲۵-اپریل ۱۹۰۶ء

سرمست سیاح کو سلام! متھرا، ہردوار، جگن ناتھ، امرناتھ جی سب کی سیر

کی مُبارک ہو۔ مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے؛ کیوں ٹھیک ہے نا؟ بلکہ ہمارے میر صاحب نیرنگ اور اکرام کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بُت خانہ ہے کہ ہر بُت اس صنم کدے کا رشکِ صنعت آزری ہے۔ اِس پرُانے مکان کی کبھی سیر کی ہے؟ خدا کی قسم بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ۔ مَیں تو ہر قدم پر آپ کو یاد آتا تھا، کیوں نہ یاد آؤں آپ بھی ہم کو یہاں عموماً یاد آیا کرتے ہیں۔ والسّلام

آپ کا
محمّد اقبال

(۴۳۶)————(۵)

لندن
۱۰۔ فروری ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط اور رام کرشن، دونوں چیزیں پہنچیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ مجھے کبھی کبھی یاد فرما لیا کرتے ہیں۔ افسوس کہ جرمنی کے پتہ پر جو خط آپ نے لکھّا، وہ نہ پہنچا۔ بمبئی سے آپ کا ایک خط آیا تھا، اُس کا جواب اسی پتہ پر لکھّا تھا۔ معلُوم نہیں پہنچا یا نہیں پہنچا۔ 'رام کرشن' نہایت عمدہ ہے۔ جو طریق اشاعتِ مذہبِ حقّہ کا آپ نے اختیار کیا ہے، مجھے اس سے پُوری ہمدردی ہے۔ مسٹر آرنلڈ صاحب بہادر سے آج اس کا ذکر آیا تھا۔ وہ بہت خوش ہُوئے، اور آپ کی کتاب مجھ سے لے لی۔ کہتے تھے کہ مَیں نے ہندوستان میں بہت کوشش کی کہ سلسلۂ نظامیہ نے جو کوشش اشاعتِ اسلام میں کی ہو، اس کی تاریخی شہادت ملے

مگر کامیابی نہ ہُوئی۔ اگر آپ کے خاندان میں اِس مضمون پر کوئی کتاب محفوظ چلی آتی ہو تو آگاہ کیجیے۔ اِس کے علاوہ اُن کی یہ خواہش ہے کہ ایک کاپی اس کتاب کی ملے جو آپ کے کسی دوست نے 'کلکی پران' کے متعلق لکھی ہے، اور جس کا ذکر آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں کیا ہے۔ مسٹر آرنلڈ کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کے لیے کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ اور اب وقت ہے کہ ایسا کیا جائے۔ اِس میں ہندوستان کیا، ساری دُنیا کا بھلا ہے۔

زیادہ، کیا عرض کروں میری کامیابیوں پر جو لوگ آپ کو مُبارکباد دیتے ہیں، راستی پر ہیں۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے! دیکھنے کو دو، حقیقت میں ایک۔ انگلستان میں مَیں نے اِسلامی مذہب و تمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے، دُوسرا "اسلامی تصوف" پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہو گا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے "مسلمانوں کا اثر تہذیبِ یورپ پر"، "اسلامی جمہوریت"، "اسلام اور عقلِ انسانی" وغیرہ۔ تمام دوستوں کی خدمت میں آداب کہیے اور میرے لیے درگاہ شریف پر دُعا کیجیے۔

آپ کا

اقبال

(۴۳۷) ——————— (۶)

پیارے نظامی!

آپ کا کارڈ پہنچا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ کئی دنوں کی بیماری کے بعد کل بسترِ بیماری سے اُٹھا ہوں۔ مفصّل خط پھر لکھوں گا بلکہ کچھ عرصہ کے بعد

آپ کو لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ بعض لوگ آپ پر اخباروں میں حملے کرتے ہیں۔ افسوس ہے مُسلمانوں میں معمُولی اخلاق بھی نہ رہے۔ مَیں خُود علی گڑھ کالج کی پروفیسری نامنظور کرنے سے ہدفِ ملامت ہو رہا ہوں، مگر ؎

شادم زطعنِ خلق کہ مرغانِ باغِ عشق
شاخے کہ سنگ می رسدش آشیاں کنند

اقبال

(۴۳۸)————(۷)

سیالکوٹ
۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط پہنچا۔ پوسٹ کارڈوں کے لیے شکر گزار ہُوں۔ مَیں نے وی۔ پی کے لیے لکھا تھا، آپ نے کیوں تکلیف کی۔ یہ نیاز، جو آپ کو پہنچی ہے، والدہ مکرمہ کی نیاز تھی۔ قبول فرمائیے۔ بھائی صاحب کا ارادہ خود حاضر ہونے کا تھا مگر شاید انہیں فرصت نہ تھی۔

آپ لوگوں کو میرا مشتاق بناتے ہیں۔ مجُھے کچھ اعتراض نہیں مگر اندیشہ ہے کہ مجُھ سے مل کر انہیں مایوسی نہ ہو۔ مَیں نے سید صاحب موصوف کے نام ایک عریضہ ابھی لکھا ہے۔ ان کا خط اسی خط میں ملفوف کرتا ہُوں۔

آپ اپنی ہر تحریک میں، بغیر پُوچھے، مجُھے شریک تصور کیجیے، مگر جس درد نے کئی مہینوں سے مجھے بیتاب کر رکھا ہے، جو مجُھے راتوں کو سونے نہیں دیتا، جو مجھے تنہائی

میں رُلاتا ہے، اس کی وجہ مجھ سے پہلے سُن لیجیے، پھر جو چاہے کیجیے۔ مَیں آپ
کے ساتھ ہُوں اور آپ میرے ساتھ!
کئی دِنوں سے بیمار ہُوں، دُعا کیجیے کہ بالکل اچّھا ہو جاؤں۔

آپ کا صادق
محمد اقبال

(۴۳۹) ——————— (۸)

لاہور
۲۵۔ نومبر ۱۹۰۸ء

مخدومی خواجہ صاحب!

آپ کے حلقے کا ذکر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بھی اس حلقہ میں شامل تصور کیجیے اور اہلِ حلقہ سے استدعا کیجیے کہ میرے حق میں دُعا کریں۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اور اس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ تاحال فارغ البالی سے بیٹھنے کا موقع نہ ہُوا ورنہ عرض کرتا۔ بہرحال، آپ ایک نئی بات سُننے کے لیے تیار رہیں۔ میرے خیال میں اور احباب بھی ہیں جن سے ابھی تک ذکر اس بات کا نہیں آیا؛ تاہم وہ اس امر میں، یقین ہے، ہمارے ساتھ ہوں گے۔ اگر ممکن ہوتا تو مَیں ابھی آپ کو دہلی سے لاہور تشریف لانے کی خبر دیتا۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ آپ نادانستہ اسی طرف کو جا رہے ہیں جس طرف میں آپ کو لانا چاہتا ہُوں۔ اس بات نے مجھے جرأت دلائی ہے کہ مَیں آپ سے رہنے سہنے کا دُکھ ظاہر کروں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ہمدردی کے ساتھ اس قضیے کو سُن سکتے ہیں

مگر آپ سے مجھے پوری ہمدردی کی توقع ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے اس
بات کا ذکر نہیں آیا، آپ سے ذکر ہو چکنے کے بعد اگر مناسب ہوا تو بعض خاص
دوستوں سے اس کا تذکرہ کروں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، تاحال خدا کے فضل سے
اچھا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔

محمد اقبال، بیرسٹرایٹ لاء

لاہور

(۴۴۰) ——— (۹)

مخدومی و مکرم جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم۔

حلقۂ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا سے سُن کر
بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو۔ مجھ کو بھی اپنے حلقۂ مشائخ کے
ادنےٰ ملازمین میں تصور کیجیے۔

مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہو لے تو پھر عملی طور سے اس میں
دلچسپی لینے کو حاضر ہوں۔ آپ نے اچھا کیا کہ محمد شفیع صاحب کے نام خط لکھا۔ میری
طرف سے مزار شریف پر بھی حاضر ہو کر عرض کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۴۔ جنوری ۱۹۰۹ء

(۴۴۱) ——— (۱۰)

لاہور

۲۔ اگست ۱۹۰۹ء

مخدومی! رسالہ پہنچ گیا تھا۔ آپ کی دست بستہ دعا نے بڑا لطف دیا۔

مَیں فراموش کار نہیں؛ البتہ اگر آپ کو یہ لقب دیا جائے، تو موزوں تر ہے۔
کچھ دِنوں سے عدیمُ الفرصت ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ قانونی پیشہ میں
اس قدر مصروفیت رہے گی۔

پنجاب میں نظامی مشہور ہوں، اور آپ میری خبر نہیں لیتے۔

سیہ کار

محمد اقبال

(۴۴۲) ———— (۱۱)

لاہور

۲۴۔ جون ۱۹۱۲ء

مکرّمی! ۱۲ روپیہ جس طرح آپ کے خیال میں آئے، خرچ کر دیجیے۔
حلوا پکا دیجیے یا خانقاہ کے متعلقین میں تقسیم کر دیجیے۔
آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے مگر کیا کروں. علائق نہیں چھوڑتے۔ روٹی
کا دھندا لاہور سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ کیا کروں؟ عجب طرح کا قفس ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

اقبال

(۴۴۳) ———— (۱۲)

مکرّمی! السلام علیکم۔

خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے ہندوستان کے پُرانے بتکدے میں
توحید کی مشعل روشن کی۔ مجھے یقین ہے کہ دِل اس کی حِدت سے گرمائیں گے اور آنکھیں

اس کے نُور سے منوّر ہوں گی۔ مَیں بھی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ حاضر کروں گا۔

مسلمانانِ ہندوستان کی بیداری کے پانچ اسباب جو آپ نے اِس ہفتہ کے 'توحید' میں ارقام فرمائے ہیں، بالکل بجا ہیں لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اقبال جس نے اسلامی قومیّت کی حقیقت کا راز اس وقت منکشف کیا جب ہندوستان والے اس سے غافل تھے اور جس کے اشعار کی تاریخ زمیندار، کامریڈ، بلقان، طرابلس اور نواب وقار الملک کی حق گوئی کی تاریخ سے پہلے کی ہے، کس کا خوشہ چین ہے۔ شاعر کی بدنصیبی ہے کہ ان کا کام، بُرا بھلا جو کچھ بھی ہو، غیر محسوس ہوتا ہے اور ظاہر بیں آنکھیں مرئیات کی طرف قدرتاً زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

اس خط کا مقصد شکایت نہیں، اور نہ یہ کہ اقبال کے کام کا اِشتہار ہو۔ حسن نظامی کو خوب معلوم ہے کہ اس کا دوست اشتہار پسند مزاج لے کر دُنیا میں نہیں آیا، مگر یہ مقصد اس خط کا ضرور ہے کہ ایک واقفِ حال دوست کی غلط فہمی دُور ہو تاکہ اقبال کی وقعت اپنے دوست کی نگاہ میں محض اس خیال سے کم نہ ہو کہ اس نے مسلمانانِ ہند کی بیداری میں حصّہ نہیں لیا ؎

بکلامِ بیدل اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

خاکسار

اقبال

(۴۴۴) ———— (۱۳)

لاہور

۲۷۔ دسمبر ۱۹۱۳ء

خواجہ صاحب مکرّم! اجمیر سے کوئی خط نہیں لکھا۔ اس بارے میں شاید آپ کی ہدایت پر عمل نہ ہو۔ زلفِ خواجہ کا اسیر، دامِ اقبال میں کیونکر آسکتا ہے! شیخ احسان الحق سے درخواست کیجیے کہ وہ اقبال کا اشتہار نہ دیں۔ مَیں ان کا اور آپ کا ممنون ہوں گا، اگر آپ مجھے اس زحمت سے بچائیں گے۔ آخر شاعری کی وجہ سے مَیں مشاہیر میں شامل ہوں گا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مَیں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے مَیں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صفِ شعرا میں مَیں بیٹھوں اور کوئی وجہ شہرت نہیں ہے۔

دردانہ بے چاری موتیوں کا ہار دے سکتی ہے مگر گردن دینے کی وہ بساط نہیں رکھتی۔

بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ "دردانہ" دے سکتی ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو گردن کہاں باقی رہ جائے گی۔ وہ تو دردانہ کی ایک جزو ہے۔ والسلام

محمد اقبال از لاہور

(۴۴۵) ———— (۱۴)

ڈیئر خواجہ صاحب! آپ کی سرکار سے جو خطاب مجھے عطا ہُوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہُوں لیکن وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت و استحکام پر بحث کی ہے، اب قریباً تیار ہے اور پریس جانے کو ہے۔ اس کے لیے کوئی عمدہ نام یا خطاب

تجویز فرمائیے۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے اس کے نام "اسرارِ حیات"، "پیامِ سروش"، "پیامِ نو"، "آئینِ نو" تجویز کیے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمائیے اور نتائج سے مجھے مطلع کیجیے تاکہ مَیں انتخاب کرسکوں۔

آپ کا خادمِ دیرینہ

۶۔ فروری ۱۹۱۵ء اقبال لاہور

مولوی صالح محمدؒ کے نام

(۴۴۶) ——— (۱)

لاہور

۱۰۔ مئی ۱۹۳۰ء

جناب مولوی صاحب، السلام علیکم!

کل کی ڈاک میں ایک خط مَیں آپ کی خدمت میں ارسال کرچکا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ شاید مَیں عُرس کے موقع پر حاضر نہ ہوسکوں لیکن مزید غور کرنے پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ مجھے اس موقع پر جانا چاہیے، اس واسطے آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ میں حاضر ہوں گا۔ میرے ایک دو دوست اور بھی ہوں گے۔ براہِ مہربانی بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے کہ کس تاریخ کو مجھے وہاں ہونا چاہیے، خواجہ صاحب کب تک وہاں پہنچ جائیں گے اور ان کا قیام وہاں کب تک رہیگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلع فرمائیے کہ کس بزرگ (کو) یہاں سے روانہ ہونے کی اطلاع دی جائے۔ کیا حضرت دیوان صاحب کو براہِ راست لکھ دیا جائے یا جب خواجہ نظام الدین صاحب وہاں

پہنچ جائیں تو ان کو بذریعہ تار مطلع کیا جائے۔ اس خط کا جواب فوراً ارسال کیا جائے۔

والسلام

مخلص
محمد اقبال

(۴۷۴)————(۲)

لاہور
۳۰ مئی سنہ ۳ء

جنابِ من، السلام علیکم! آپ کا خط مِل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مجھ کو آپ کے خط نے بہت متاثر کیا۔ مجھ کو یہ خیال ہمیشہ تکلیفِ روحانی دیتا ہے کہ آنے والی مسلمان نسل کے قلوب ان واردات سے یکسر خالی ہیں جن پر میرے افکار کی اساس ہے، لیکن آپ کے خط سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوئی۔ اِن اشعار کی دِقت زبان کی وجہ سے نہیں۔ میں تو اتنی فارسی ہی نہیں جانتا کہ مشکل زبان لِکھ سکوں۔ دِقت جو کچھ بھی ہے، واردات وکیفیات کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اگر کیفیات کا احساس ہو تو مشکل زبان بھی سہل ہو جاتی ہے۔ بہرحال، آپ کی کوشش ایک مُبارک فال ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جذباتِ انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں جن میں سے ایک شعر بھی ہے، اور شعر کا تخلیقی یا ایقاظی اثر محض اس کے مطالب ومعانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اِس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صَوت اور طرزِ ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اس واسطے ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو مترجم کے زیرِ نظر ہوتا ہے۔ بہرحال، اِس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات وخیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے جن کے قلوب

میں آپ پیام کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات پیام کے مطالعہ سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی گُر کی بات ہے کہ مجھ سے مشورہ نہ کیجیے جس شعر کا جو اثر آپ کے دل پر ہوتا ہے، اُسی کو صاف و واضح طور پہ بیان کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مصنف کا مفہوم معلوم کرنا بالکل غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔ ہاں! ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تشریح آپ کریں، اس کی تائید شعر کی زبان سے ہونی چاہیے۔ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے بلکہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ قلوبِ انسانی کی اصلی فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے۔ اگر کسی شعر سے مختلف اثرات مختلف قلوب پر پیدا ہوں تو یہ بات اسی شعر کی قوت اور زندگی کی دلیل ہے۔ زندگی کی اصل حقیقت تنوّع اور گوناگونی ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۴۴۸) ———— (۳)

جنابِ من! السلام علیکم۔

کئی دن ہوئے میں نے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا اور اسی خط میں آپ کی شرحِ پیامِ مشرق (رباعیات) کا مسودہ ملفوف تھا۔ معلوم نہیں وہ خط آپ تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ اگر نہیں پہنچا تو مجھے سخت افسوس ہے۔ بالخصوص اُن نوٹوں کی وجہ سے جو میں نے مسودہ مذکور کے حواشی پر کیے تھے۔ بہرحال مطلع فرمایئے

کہ اطمینان ہو جائے۔

حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سے یہ بھی معلوم کیجیے کہ آیا اُن کے بزرگوں کے کُتب خانے میں حضرت شاہ محمدؒ غوثؒ گوالیاری کا وہ رسالہ موجُود ہے جس میں اُنھوں نے آسمانوں اور سیاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کی مدت سے تلاش ہے، اب تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ آج تک شائع بھی کسی نے نہیں کیا۔ اگر وہ رسالہ اُن کے پاس نہیں تو ممکن ہے اسی مضمون کا کسی اور بزرگ کا رسالہ موجُود ہو۔ والسّلام

محمدؐ اقبال

لاہور

(نوٹ: یہ خط علامہ کے انگریزی پیڈ پر لکھا ہے لیکن تاریخ تحریر نہیں کی گئی۔ اندازہ یہی ہے کہ یہ گزشتہ خط کے بعد کا خط ہے۔ مرتب)

(۴۴۹) ———— (۴)

۱۹۔جون ۳۰ء

جنابِ من، السلام علیکم!

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ الحمد للہ کہ مسوّدہ آپ تک پہنچ گیا۔ آپ نے نسخۂ مطلوبہ کی تلاش میں جو زحمت گوارا کی، اس کے لیے جناب خواجہ صاحب کا اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ اُدھر کے نادرالوجُود قلمی نسخوں کی ایک فہرست شائع کر دیں تو عہدِ حاضر کے ہندوستانی مسلمانوں پر ایک احسانِ عظیم ہوگا، نیز ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔ افسوس مُسلمانوں کا علمی سرمایہ ہندوستان میں بالکل ضائع ہو گیا اور آج یورپ والے یہ طعنہ دینے کے لائق ہوئے کہ

ہندوستانی مسلمان علمی دولت سے بالکل تہی دست تھے۔ 'سرّ السما' کا ذکر مَیں نے آج تک نہیں سُنا۔ اس کتاب کی تلاش بھی جاری رکھیے۔ مَیں نہایت ممنون ہوں گا اگر 'سرّ السما' ہی مل جائے۔ شاید بہاول پور سے ملے!

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلامِ شوق عرض کیجیے اگر وہ کبھی لاہور کا رُخ کریں تو مجھے مطلع کیجیے۔ والسّلام

مخلص

محمّد اقبال

(۴۵۰) ———— (۵)

لاہور

۲۵۔ جولائی سنہ ۳۰ء

مکرمی، السّلام علیکم!

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے خاص طور پر شکریہ ادا کیجیے۔ مَیں ان کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انھوں نے 'سرّ السما' کے متعلق اس قدر دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ معلوم نہیں حجم کس قدر ہے اور کس زبان میں ہے۔ بہر حال، اگر خواجہ صاحب کسی آدمی کو بھیج دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ اس طرح کتاب جلدی مل جائے گی اور مَیں اس سے اپنی کتاب کو ختم کرنے سے پہلے مستفیض ہو سکوں گا۔ مَیں نے شاید آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میرا مقصود 'سرّ السما' کے مطالعہ سے علمی تحقیقات نہیں ہے۔ علمی سے میری مراد وہ تحقیق ہے جس کا دار و مدار علمِ ریاضی پر ہو اور جس کے مشاہدات کے لیے

دُوربینوں کی ضرورت ہو۔ میرا مقصود اس تحقیق سے ہے جس کی بنا مکاشفاتِ قلبی پر ہو۔ چونکہ آپ کے والد ماجد "سِرّ السّما" کو دیکھ چکے ہیں، اس واسطے مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے گوہرِ مقصود ہاتھ آئے گا۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے، جب میری کتاب ختم ہو گی تو انشاء اللہ اُس کی ایک جلد حاضرِ خدمت کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ بے انتہا خوش ہوں گے۔ جہاں تک میرا علم ہے، کسی اسلامی زبان میں اس قسم کی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ کتاب نظم میں ہے۔ زبان فارسی ہے، مثنوی مولینا روم کے بحر میں ہے۔ سیرۃ سلیمان ضرور لکھیے۔ آپ کا اُردو طرزِ بیان دلچسپ اور سادہ ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں آپ پڑھنے والوں کی توجہ جذب کر سکنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ گزشتہ رات میرے ہاں بہت سے احباب کا مجمع تھا، مسلمانانِ ہندوستان کی عام روحانیت کا ذکر تھا اور بہت سے احباب مسلمانوں کے موجودہ انحطاط سے متاثر ہو کر ان سے مایوسی کا اظہار کر رہے تھے، اس سلسلے میں مَیں نے ریمارک کیا کہ جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور خواجہ فرید چاچڑاں شریف والے اب اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں، اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہُوا۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ کتاب "سِرّ السّما" کے حصول میں عجلت فرمائیے۔

خواجہ صاحب کی خدمت میں سلامِ شوق پہنچایئے اور دُعا کی التماس۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۵۴) ——— (۶)

لاہور
۴۔اگست ۳۰ء

جناب مولوی صاحب! السلام علیکم۔
مَیں آپ کو خط لکھنے کے قصد سے بیٹھا ہی تھا کہ ملازم نے آپ کا خط لا کر دیا۔ کتاب ' سِرّالسّماء' کے حصُول میں خواجہ صاحب جو سعیِ بلیغ فرما رہے ہیں اُن کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔
۱۔ مَیں نے بھی آج مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا ہے وہ خود علمی ذوق کے آدمی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب نے اُن کو لکھا ہے یقین ہے کہ پُوری کوشش کریں گے۔ اگر کتاب مفیدِ مطلب نکل آئی تو اپنی کتاب کے دیباچے میں اُس کا ذکر کرنا ہوگا اور اِس سلسلہ میں علّامہ عبدالعزیز مصنّفِ کتابِ مذکور کا ذکر بھی ضروری ہوگا، علاوہ اس کے خواجہ صاحب موصوف کا بھی جنکی وساطت سے کتاب حاصل ہوئی۔ ان اُمور کے متعلق آپ کو کتاب دیکھنے کے بعد تکلیف دوں گا۔
۲۔ فہرستِ کُتب خود تیّار کیجیے۔ لیکن اگر آپ لاہور آئیں تو زمانہ حال کی تیّار شدہ فہرستیں ضرور ملاحظہ کریں۔ ان کی ترتیب کا طریق اور ہے اور بہت زیادہ مفید۔ آپ نے ابن النّدیم کی 'الفہرست' دیکھی ہوگی، اُس نمونہ کی ہونی چاہیے لیکن صرف نایاب کُتب ہی کا ذکر ہو تو بہتر ہو۔ اس کی اشاعت کے لیے میں علی گڑھ یونیورسٹی کو لکھوں گا کہ آپ کی مدد کرے۔

۳۔ کابل جانے کا امکان ہے۔ آپ ساتھ ہوں تو اور بھی اچھی بات ہو۔ ممکن ہے اگست کے آخر میں۔ قونصل جنرل افغانستان متعیّنہ ہند (دہلی) نے مجھ سے کہا تھا کہ جشنِ استقلال کے موقع پر اعلیحضرت آپ کو دعوت دینے کا قصد رکھتے ہیں۔ جشنِ استقلال وسط اگست میں ہے لیکن وسط اگست میں مَیں آل انڈیا مُسلم لیگ کی صدارت کے لیے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ اگر اس موقع پر کابل نہ جا سکا تو کسی اور موقع پر انشاء اللہ ضرور جاؤں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جناب خواجہ صاحب کی خدمت میں میرا اسلامِ شوق عرض کرنے کے بعد عرض کیجیے کہ اپنے خاندانی اثر و رسُوخِ روحانیت کو مسلمانوں کے مفاد میں کام میں لانے کا وقت ہے اور گدّی نشینوں نے دین کو حصُولِ دُنیا کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس اُمّت سے اخلاص رخصت ہو چکا۔

والسّلام۔

مخلِص

محمد اقبال

(۴۵۲) ———— (۷)

لاہور

۹۔ اگست ۱۹۳۰ء

جنابِ من، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ مَیں نے مولوی شمس الدّین صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا، جواب نہیں ملا۔ وہ جواب لکھنے میں یُوں بھی سُست ہیں۔ مَیں اس کتاب کے لیے خود نوّاب صاحب بہادر

والیِٔ بہاولپور کی خدمت میں لکھتا مگر اس معمولی بات کے لیے اُن کو زحمت دینا پسند نہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مولوی احمد سعید صاحب کتاب عاریۃً نہ دیں گے۔ یہ بُخل ایک مدّت (سے) مسلمانوں کو لاحق حال ہے۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے! ان حالات میں شاید یہ بہتر ہوگا کہ خواجہ صاحب بہاول پور سے کسی ایسے آدمی کو مقرر ☆(فرمادیں) جو اِس کتاب کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو اور مولوی صاحب احمد سعید سے صرف کتاب کے دیکھنے کی اجازت مانگی جا(ئے اور) مقرر کردہ بزرگ مولوی احمد سعید صاحب کی موجودگی میں کتابِ مذکور کا وہ حصّہ دیکھیں جس کا تعلق سیاراتِ سماوی اور متعلقہ (امور سے) ہے۔ اگر وہ کتاب علمِ ہیئت کی ہے تو اُس کی ضرورت نہیں (یعنی میرے مقاصد کے لیے) اور اگر اس کے (مضامین) مکاشفاتی ہیں تو جستہ جستہ نوٹ سیارات کے متعلق اس کتاب سے لے لیے جائیں اور مجھ کو وہ نوٹ (ارسال) کر دیے جائیں۔ اس طریق سے مولوی احمد سعید کتاب عاریۃً دینے کی زحمت سے بچ جائیں گے اور میرا کام ہو جائے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ آپ کی دُعاؤں کا شکر گزار ہوں۔ والسلام

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام پہنچائیے۔

مخلص

محمد اقبال

(☆ اِس نشان سے شروع کر کے جو الفاظ بریکٹ میں لکھے گئے ہیں وہ خط کے سیاق و سباق پر نظر رکھتے ہوئے مَیں نے خود داخل کیے ہیں یہ الفاظ خط کے بائیں کنارے پر تھے جس کا ایک تھوڑا سا حصّہ شکن پڑنے سے ضائع ہو چکا ہے۔ مرتّب)

(۴۵۳) ———— (۸)

جنابِ من، السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے کہ 'سترالسّما' کے لیے انہوں نے بہاول پور خط لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ مَیں نے بھی وہاں ایک دوست سے خط وکتابت کی تھی۔ معلوم ہُوا کہ شمس الدّین صاحب کا کُتب خانہ محفوظ ہے اور ان کے بیٹے ریاست کی ملازمت میں ہیں۔ ممکن ہے وہ کتاب (سترالسّما) اس کُتب خانے میں محفوظ ہو۔ اگر یہ کتاب مل گئی اور میرے مطلب کے موافق ہُوئی تو اُمید ہے بہت فائدہ ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمّید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ خواجہ صاحب سلامِ شوق قبول فرماویں۔

مخلص

محمّد اقبال

(یہ خط بھی علامہ کے انگریزی پیڈ پر لکھّا ہے اور تاریخ درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ مرتّب)

(۴۵۴) ———— (۹)

لاہور

۱۸۔ اپریل ۳۱ء

مکرّمی منشی محمد صالح صاحب، السلام علیکم!

ایک مدّت کے بعد یہ خط آپ کو لکھتا ہوں خواجہ صاحب کو یہ خط دکھا دیں اور

کامل غور و خوض کے بعد اس کا جواب لکھیں۔

اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آرہا ہے۔ سیاسی حقوق و ملّی تمدّن کا تحفّظ تو ایک طرف، خود اسلام کی ہستی معرضِ خطر میں ہے۔ میں ایک مدت سے اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا، آخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے مقدّم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صُورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدّن اور اُن کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح اُن کے اخباروں کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانۂ حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ مفصّل سکیم پھر عرض کر دی جائے گی، فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہُوں کہ قدیم سجّادوں کے نوجوان مالک ایک جا جمع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح اُس درخت کی حفاظت کی جاسکتی ہے جو اُن کے بزرگوں کی کوششوں سے پھلا پھُولا تھا۔ اب جو کچھُ ہوگا نوجوان علماء و نوجوان صوفیہ ہی سے ہوگا جن کے دلوں میں خدا نے احساس حفاظتِ ملّی کا پیدا کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ وہ ایسے نوجوان سجّادہ نشینوں کو ایک جگہ جمع کر لیں۔ مَیں بھی وہاں حاضر ہو کر اُن کی مشورت میں مدد دوں گا۔ یہ جلسہ فی الحال پرائیویٹ ہوگا۔ میرے خیال میں ایسے نوجوانوں کی کافی تعداد ہے۔ فی الحال سندھ اور پنجاب کے حضرات ہی جمع ہوں۔ بعض کے نام مَیں جانتا ہوں مگر غالباً خواجہ صاحب اور آپ اُن حضرات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ غرض یہ کہ اُن کے نام دعوت نامہ جاری ہو اور اس پر اگر میرے دستخط کی ضرورت ہو تو مَیں حاضر ہوں۔ اس

خط کو معمولی نہ تصور فرمائیے۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلامِ شوق عرض کیجیے۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(۴۵۵)——————(۱۰)

لاہور

۲۲-اپریل ۳۱ء

جناب مولوی صاحب، السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اِس گروہ کے جمود کا مجھے بھی احساس ہے اور یہی وجہ ہے کہ مَیں نے اس گروہ میں سے نوجوانوں کو انتخاب کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر ان کو کسی مرکزی مقام پر جمع کیا جائے تو مَیں شاید ان کو یقین دلاسکوں کہ نظر بہ حالاتِ آئندہ اُن کا اور اُن کے خانوادوں کا احترام و اقتدار بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ اِس نازک زمانے میں اسلام کی حفاظت کریں۔ فی الحال تجویز یہ ہے کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے کہ بغیر اس کے اِسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی تکمیل و اشاعت ناممکن ہے مُسلمان اخباروں کو قوی کیا جائے۔ نئے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں مُسلمانوں کو مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے۔ قومی عساکر بنائے جائیں اور تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کرکے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے

اور اگر وقت پر موجُودہ حالت کی اِصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے، آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دِین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مجُھے اپنے کام چھوڑنے پڑیں تو اِنشاء اللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصدِ جلیل کے لیے وقف کر دوں گا۔

آپ خواجہ صاحب کے دِل میں تڑپ پیدا کریں اور اُن سے درخواست کریں کہ وہ اپنے دیگر احباب میں بھی یہی تحریک کریں ورنہ ہم سب لوگ قیامت کے روز خدا اور رسولؐ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ اس کام (میں) ذرا سا توقّف بھی نہ ہونا چاہیے۔

کتاب 'جاوید نامہ' جو میں لکھ رہا تھا، ختم ہو گئی ہے۔ آج کل میں کاتب کے حوالے کر دی جائے گی۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ جو مَیں نے انگریزی زبان میں لکھی تھی، اُس کا اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ عنقریب شائع ہو جائے گا۔ والسلام

مخلص

محمّد اقبال

(۴۵۶) ———— (۱۱)

۱۴- مئی ۳۱ء

جناب مولوی صاحب، السّلام علیکم!

مَیں ابھی صُبح بھوپال سے واپس آیا اور آپ کا خط مِلا۔ ریاست بھوپال میں بھی نوّاب صاحب کی دعوت پر میں اسی مطلب کے واسطے گیا تھا کہ مسلمانوں کے

سیاسی اختلافات رفع کرنے کی کوشش کر کے ان کو ایک مرکز پر متحد کیا جائے۔ معاملہ امید افزا ہے مگر افسوس ہے کہ چونکہ ہر روز قریباً دو بجے رات تک کام کرنا اور جاگنا پڑا، مَیں وہیں بیمار ہو گیا۔ آج صبح واپس آیا ہُوں، کسی قدر افاقہ ہے۔ مَیں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ پاک پٹن شریف حاضر ہو سکوں گا مگر چونکہ حضرت خواجہ صاحب نے اُمید دلائی ہے، اس واسطے پوری کوشش کروں گا کہ حاضر ہوں۔ آپ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک دو باتوں کا جواب دیں:

۱۔ خواجہ صاحب اور دیگر نوجوان سجادہ نشین کونسی تاریخ کو وہاں موجود ہونگے۔

۲۔ اگر مَیں پاک پٹن حاضر نہ ہو سکا تو کیا اور کوئی موقع ایسا ہو سکتا ہے یا کوئی اور ایسی صُورت ہو سکتی ہے کہ مَیں ان سب سے ایک مقام پر مِل سکوں اور اپنے معروضات ان کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ ان باتوں کا جواب فوراً ارسال فرمائیے۔ والسلام۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے شکریہ اور آداب عرض ہو۔ والسلام۔

مخلِص

محمدؐ اقبال

(۴۵۷) ———— (۱۲)

لاہور

۲۰۔ مئی ۳۱ء

جناب مولوی صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی مِلا۔ اِس سے پہلے حضرت خواجہ صاحب کا خط بھی مل گیا تھا۔ مَیں نے خواجہ حامد صاحب کے اِنتقال کی خبر اخبار میں پڑھی تھی اور میرا خیال تھا

کہ تمام اختلافات کو رفع کرنے کی خاطر خواجہ صاحب کو اُن کا جانشین تسلیم کر لیا جائیگا۔ اس کے متعلق آپ کو لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا مگر چونکہ حالات سے آگاہی نہ تھی، اس واسطے خاموش رہا۔ بہر حال صلح کی خبر سے میں بہت خوش ہُوا۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے اور یہ کام باحسن وجوہ انجام پائے۔ اگر خواجہ صاحب اس دفعہ پاک پٹن نہ آسکیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اجتماع کسی اور جگہ ہو جائے گا۔ مَیں نے ٹائم ٹیبل دیکھا تو معلوم ہُوا کہ پاک پٹن جانے والی سب ٹرینیں تکلیف دِہ ہیں۔ باقی خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ والسلام

مخلِص

محمد اقبال

(۴۵۸)———(۱۳)

۲۵- مئی ۳۱ء سوموار

جنابِ مولوی صاحب، السّلام علیکم!

کل میٹنگ کا اجلاس تمام دن رہا اور شام کو میں دردِ دنداں میں مبتلا ہو گیا، اس واسطے مجبوراً آج پاک پٹن کا سفر کرنے سے قاصر ہوں کہ دانت کو نکلوا دینے کا ارادہ ہے۔ اِنشاء اللّٰہ پھر کسی موقع پر خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام معروضات پیش کروں گا۔ اس عرصے میں وہ اپنے نوجوان احباب کیساتھ میرے خطوط کے مضمون پر گفتگو کے لیے اُن کو تیار کر رکھیں۔

امید کہ اُن کا مزاج بخیر وعافیت ہو گا اور خاندانی تنازع کا بھی باحسن وجوہ خاتمہ ہو گیا ہو گا۔ آج تو آپ اور وہ پاکپٹن ہیں ہوں گے، اور یہ خط تونسہ شریف کے

پتے پر ہی لکھتا ہوں کہ غالباً منگل کے روز آپ پاک پٹن سے تونسہ شریف تشریف واپس لے جائیں گے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۴۵۹) ———— (۱۴)

لاہور

۷۔جون ۳۱ء

جناب مولوی صالح محمد صاحب، السلام علیکم!

معلوم ہوتا ہے آپ اور حضرت خواجہ صاحب میرے تار اور خط کو فراموش کر گئے یا ممکن ہے تار کا مطلب صحیح نہ سمجھا گیا ہو اور خط نہ ملا ہو۔ میں نے تار اور خط دونوں میں لکھ دیا تھا کہ میں دردِ دنداں میں مبتلا ہو گیا اور چار روز کی سخت تکلیف کے بعد دونوں دانت جو دکھتے تھے، اُن کو اُکھڑوا دیا گیا۔ اگر یہ خط اور تار پہنچنے کے بعد بھی خواجہ صاحب نے "بقول آپ کے" میرے نہ آسکنے کو بُرا محسوس کیا تو مجھے تعجب بھی ہے اور افسوس بھی۔ تعجب اور افسوس اِس واسطے کہ میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ مسلمان کو مسلمان پر نیک ظن رکھنا چاہیے۔ میں نے جھوٹ نہ لکھا تھا نہ اِس زمانے کے لوگوں کی طرح بہانہ تراشی کی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

والسلام

محمد اقبال

لاہور

(دوسرا صفحہ ملاحظہ کیجیے)

باقی رہا مقصود جس کے لیے سفر کرنا تھا، سو مجھے یہ لکھنے میں تامل نہیں کہ
اس کا ایک پہلو سیاسی بھی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اسلام بحیثیت مذہب کے دین
و سیاست کا جامع ہے۔ یہاں تک کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے جدا کرنا حقائق
اسلامیہ کا خون کرنا ہے۔ میں نے جو حضرات مشائخ کو اس طرف متوجہ کرنے کا قصد
کیا تھا، وہ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر تھا نہ اپنے نام و نمود کی خاطر۔ مجھ کو نہ
ہندوؤں سے کچھ مطلب ہے نہ انگریزوں سے۔ خیال یہ تھا کہ شاید اسی طریق سے
نوجوان صوفیہ میں کہ اُن کے اقتدار کا دار و مدار بھی اسلام کی زندگی پر ہے کچھ حرارت
پیدا ہو جائے اور وہ کلاً نہیں تو جزواً اس کام میں شریک ہو جائیں۔ خواجہ صاحب
اگر اس تحریک میں شریک ہوں تو میرے عقیدے کی رُو سے اُن کی سعادت ہے،
بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اس ساری تحریک کا سہرا اُن ہی کے سر رہے۔ والسّلام

محمد اقبال

(۴۶۰)————(۱۵)

لاہور
۲۔ جولائی ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب، السّلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مجھے اس بات سے دلی رنج ہوا کہ خواجہ صاحب
پر اُن کے مقدّس جدّ کے مزار کی زیارت بند کر دی گئی ہے۔ اس تنگ دلی پر ہزار
افسوس۔ مگر میں خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اِس مصیبتِ عظمیٰ
پر صبر کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کا خاتمہ کر دے گا اور اُن پر

ظلم کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے ۔ اس امر کے متعلق جو کچھ مدد خواجہ صاحب کے خیال میں مَیں کر سکتا ہوں، اُس کے لیے دِل و جان سے حاضر ہوں۔ آپ بڑی خوشی سے تشریف لائیں۔ ضلع ڈیرہ غازی کے ڈپٹی کمشنر صاحب کون بزرگ ہیں اُن کے نام سے مطلع فرمائیے۔ اگر میری اُن سے واقفیت ہوئی تو میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس بارے میں ان سے خط و کتابت کرنے کو حاضر ہوں۔ ایسے مصائب کا علاج سوائے توجہ اِلی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ خواجہ صاحب خود اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فیصلے کی نقل ابھی نہیں پہنچی۔ پڑھ کر پھر لکھوں گا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

(۴۶۱) ———— (۱۶)

لاہور

۱۱۔ فروری ۳۲ء

جناب مولوی صاحب، السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میرا یونیورسٹی سے اب تعلق نہیں ہے تاہم آپ کا خط میں نے پروفیسر شفیع صاحب کو دے دیا ہے۔ اُمید ہے وہ آپ کی مدد کر سکیں گے۔ فی الحال آپ اپنے تعلیمی امتیازات (یعنی جو امتحان پاس کیے ہوں) اور موجودہ مشاغل وغیرہ مجھے لکھ بھیجیں۔ مدینۃ النبیؐ کی زیارت کا قصد تھا مگر میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ دُنیوی مقاصد کے لیے سفر کرنے کے ضمن میں حرمِ نبویؐ کی زیارت کی جرأت کرنا سُوءِ ادب ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامی احباب سے وعدہ تھا کہ جب حرمِ نبویؐ کی زیارت کے لیے جاؤں گا تو وہ میرے ہم عناں ہوں گے۔

اِن دونوں خیالوں نے مجھے باز رکھا ورنہ کچھ مشکل امر نہ تھا۔ یروشلم سے سفر کرنا آسان ہے۔ اس وقت ابنِ سعود کے بعض قبائل بعض دیگر قبائل عرب سے جو یروشلم اور مدینۃ النبیؐ کے درمیان راہ میں ہیں، برسرِ پیکار تھے۔ مگر یہ کوئی مشکل نہ تھی جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ جاوید نامہ شائع ہو گیا ہے۔ مَیں نے اپنے کلارک سے کہہ دیا تھا کہ وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں ایک کاپی ارسال کر دے۔ شاید وہ بھیج چکا ہے یا آج کل میں بھیج دے گا۔ میری طرف سے خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

والسلام

محمد اقبال

(۴۶۲)————(۱۷)

لاہور

جناب مولوی صاحب!

مَیں نے پروفیسر شفیع صاحب سے دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ تمام یونیورسٹی کے امتحانوں کے ممتحن مقرر ہو چکے ہیں۔ ورنیکولر فائنل کا تعلق محکمۂ تعلیم سے ہے، یونیورسٹی سے نہیں ہے۔ بہرحال منسلکہ فارم پُر کر کے بھیج دیجیے۔ اگر کوئی Vacancy اس اثنا میں ہو گی تو شاید آپ کو موقع مِل جائے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۲- فروری ۳۲ء

خــــــــتم

To:- Sh. ATA ULLAH M.A.
Department of Economics
Muslim University
ALIGARH INDIA

Write the message very plainly below this line.

14-6-43

Sender's Address: Sir M.L.Darling,
42 Catherine Place,
London S.W.1

Dear Mr. Ata Ullah,

Your airgraph letter of April 13 duly reached me. I have found only one letter of ~~my ------------~~ short one & its only interest is that it was written not long before his death. It is dated Lahore, 23-2-35 and runs as follows:-

My dear Mr. Darling,

I am in --- on your letter. I shall be most happy to see you, nothing can be better to a sick old man than to see an old friend whose very breath is healing. You are welcome tomorrow at 3 p.m.

Please excuse me for not writing this letter in my own hand. I have cataract in my eye which will take sometime before it becomes mature for medical operation. In the meantime I am forbidden to do any reading or writing.

Yours sincerely
Mohammad Iqbal

I cannot make out the word left blank above.

I might just possibly have another letter or two put away with correspondence in Scotland. I shall be going there towards the end of July & if I find anything shall write again. Meanwhile may I say how pleased I am that Sir Mhd.'s letters are likely to see the light. I first met him in 1911 and we became friends then and continued so until his death, which was a very great privilege for me.

Yours sincerely

Malcolm Darling

This space should not be used.

MAKE SURE THAT THE ADDRESS IS WRITTEN IN LARGE BLOCK LETTERS IN THE PANEL ABOVE

ضمیمہ جات

مرتب بنام قائداعظم

دیباچہ (جلد اوّل، اشاعت اوّل)

پس منظر..........از مختار مسعود

ATA ULLAH,
M.A,
Department of Economics,

Muslim University
Aligarh
Dated 19th Feb. 1943

Dear Quaid-e-Azam,

Dr. Iqbal died nearly five years ago and his message of regeneration of the Millat is receiving that publicity and is commanding that ever increasing warmth of reception which it so richly deserves. Quite a number of publications, claiming to interpret his message, have seen the light of the day in rapid succession. While all this is certainly encouraging it is disappointing to find that so far no one has undertaken the very significant task of collecting and compiling his letters. To help the regeneration of Muslim India and for the exposition of the great poet's thought and poetry, and in the interest of literature, poetry, politics contemporary history and Islamic estimate of modern movements and problems, you will agree, that it is necessary to preserve his letters for the benefit of the future generations of Islam in India. Though much valuable time has been lost I have, at the instance of some of my friends in the Punjab, my home, undertaken to collect and publish these, and this is the first letter I am writing in this connection and through it I solicit your blessings and assistance in the venture. I understand that you possess a number of Dr. Iqbal's letters addressed to you. May I approach you most respectfully with the request that you may be pleased to make a gift of these to the nation for which you have already done so much? You may either lend me the use of these letters which I can return to you after obtaining copies of them, or, if you please, make a gift of the same, along with the entire collection I succeed in securing for the purpose, to the Aligarh Muslim University Library, on your behalf and with your permission.

In case you condescend to lend me the use of these letters may I suggest that I should receive them

either through registered post or personally from you at Delhi, if you please. Your wishes as to the return or retention of these letters for presentation to the Aligarh Muslim University Library will be most scrupulously carried out.

Yours sincerely

Ata ullah

(ATA ULLAH)

Lecturer in Economics,
Muslim University,
Aligarh.

To
Quaid-i-Azam
Mohammad Ali Jinnah
Malabar Hill,
Bombay.

دیباچہ

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمّت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو مَیں نے بتایا رازِ الوندی

اقبال کو عالمِ اسلام میں ایک عدیم النظیر محبوبیت حاصل تھی۔ اس کی موت پر لاکھوں انسان جنھوں نے کبھی اُسے دیکھا نہ تھا، لیکن جس کے دل و دماغ اس کے رُوح پرور نغمات سے لُطف اندوز ہو چکے تھے اشکبار ہوئے لیکن خود اقبال نے

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اُوست

کہتے ہوئے موت کا استقبال کیا۔ اقبال کا ماتم عالمگیر تھا۔ لیکن

مردِ مومن خواہد از یزداں پاک
آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک

اقبال آج زندہ تر، تابندہ تر، اور پائندہ تر ہے۔ اقبال کی اسلام دوستی اور ملّت پروری کے احساس و اعتراف کامل کے ساتھ ساتھ اس کی موت نے اس حقیقت سے بھی دلوں کو روشناس کرادیا کہ اب شعر و الہام کے گویا سوتے ہی بند ہو گئے ہیں۔ ہر تین چار سال کے بعد اقبال کے روح پرور اور وجد انگیز نغمات کے انتظار کی وجہ تسکین پیوندِ خاک ہو چکی تو اس کے ساتھ ہی ایک دنیا کی گونا گوں امیدیں اور مسرتیں مٹی میں مل گئیں۔ اس شدّتِ اَلم اور احساسِ بیچارگی و درماندگی

میں کفرانِ نعمت سے طبیعت نے انکار کیا اور خیال پیدا ہوا کہ اقبال کو جو فرصت میسر آئی اور جو توفیق مرحمت ہوئی اس کا شکر کیوں نہ بجا لایا جائے۔

اگر اقبال کے سازِ ہستی کے بے صدا ہو جانے سے دُنیا محروم سرور و نغمہ ہے تو کیا غم ہے۔ اقبال اپنے اشعار و افکار میں ہمارے لیے ایک لازوال جنّتِ نِگاہ اور ایک سرمدی فردوس گوش مہیا کر گئے ہیں۔ ساتھ ہی القا ہوا کہ اقبال کی وفات کے بعد کم از کم مکاتیب کی صورت میں تو دنیا ان کی ایک مدت العمر کی تصنیف سے افادہ و مسرت حاصل کر سکتی ہے۔

اقبال کی وفات کے ایک سال بعد اس سلسلے میں کچھ خط و کتابت بھی ہوئی لیکن میں لاہور کو جہاں حضرت علامہ مرحُوم کے عقیدت مندوں کا ایک با اثر حلقہ موجود ہے، اس خدمت کے لیے موزوں و مخصوص سمجھتا رہا۔ پانچ سال کے صبر آزما انتظار کے بعد جب لاہور سے اس خدمت کے آثار قطعاً پیدا نہ ہوئے تو اس سلسلے میں مزید توقف کو ایک علمی گناہ اور معصیت ملّی سمجھتے ہوئے اس خدمت کی ضرورت واہمیت کے اعتراف اور راجہ حسن اختر صاحب کے اصرارِ پیہم کے احترام میں مجھے اس خدمت کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔ جب فروری ۱۹۴۳ء میں اس کام کا آغاز ہوا تو یہ حقیقت جو نظر سے پوشیدہ تھی یکا یک سامنے آ گئی کہ علی گڑھ اس خدمت و شرف کا ہر طرح اہل وحقدار ہے اور اس خدمت کی انجام دہی میں جو آسانیاں علی گڑھ میں میسر آئیں، لاہور میں قطعاً ممکن نہ تھیں۔ آج مجھے اپنی خوش نصیبی پر ناز ہے کہ اس مردِ حق آگاہ و دانائے رموز کی اس اہم یادگار کے تحفظ کی ادنیٰ کوشش کی سعادت مجھے میسر آئی۔

دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے

اگر چہ اقبال کے مکاتیب کی فراہمی و اشاعت سے مقصود ایک حد تک ان جواہر پاروں کو دستبردِ زمانہ سے محفوظ کر لینا ہے، لیکن ''اقبال نامہ'' کی اشاعت سے میرا سب سے اہم مقصد اقبال کے آئندہ سیرت نگار کے لیے بعض مسائل اور خود اقبال کی زندگی پر اقبال کی تحریری شہادتیں مہیا کرنا ہے۔

اقبال کے مکاتیب کی اشاعت کے سلسلے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اقبال کی اس مدّت

العمر کی تصنیف کو دنیا سے روشناس کرانے کے لیے کوئی ایسے بزرگ جو ہر طرح اس خدمت کے اہل ہوں میسر آ جائیں تو ''اقبال نامہ'' کا مقدمہ بجائے خود اقبالیات پر ایک نادر مقالہ بن سکتا ہے۔ خواہش یہ تھی کہ ''اقبال نامہ'' کا مقدمہ سخن ور ہو، سخن فہم ہو، سخن سنج ہو۔ اقبال کا شناسا ہو اور سب سے اہم یہ کہ ایک عالمِ دین کی حیثیت سے اقبال کے سرچشمۂ افکار سے واقف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ نظرِ انتخاب کو علی گڑھ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ قبلہ نواب صدر یار جنگ بہادر الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی ذاتِ گرامی میں وہ تمام کمالات، جن کی جستجو تھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اقبال کی شاعرانہ رہنمائی میں انہوں نے حصہ لیا ہے۔ وہ ایک نادر ذوقِ شعر و ادب ازل سے ساتھ لائے ہیں اور ان کی نگہِ جوہر شناس سے بہتر اقبال کی داد دینے والا کون مل سکتا تھا۔ نواب صاحب قبلہ کے مُرصّع مقدمہ نے مجھے اقبال کے متعلق کچھ عرض کرنے سے، جس کا حقیقت میں مَیں اہل نہیں ہوں، بے نیاز کر دیا ہے۔ نواب صاحب نے میری درخواست پر مکاتیب پر تبصرہ حصہ دوم کے لیے اٹھا رکھا ہے تاکہ وہ مکاتیب بھی پیشِ نظر رہیں جو ابھی میرے پاس نہیں پہنچے۔ مَیں ''اقبال نامہ'' کے مواد کی فراہمی سے متعلق بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی توجہات کی سپاس گذاری اور چند دوسرے اہم امور تک اپنی گذارشات محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلے میں بھی مجھے سب سے پہلے قبلہ نواب صاحب موصوف ہی کا شکریہ ادا کرنا ہے جب میں اپنے ارادہ فراہمیٔ مکاتیب اقبال کا اعلان اور چند بزرگوں سے اس کے لیے درخواست کر چکا تو سب سے پہلا عطیہ نواب صاحب ہی کی طرف سے موصول ہوا۔ میں نے ابھی نواب صاحب سے براہ راست درخواست بھی نہیں کی تھی۔ انہوں نے اخبار میں اعلان ملاحظہ فرمایا اور اپنے گراں قدر عطیہ سے مجھے یوں ہمہ گونہ بلا طلب سرفراز فرمایا۔ میری ناچیز کوشش کی یہ بزرگانہ تحسین و ستائش اور یہ عملی داد میرے دل و دماغ کے لیے سرمایہ دارِ لُطف و حلاوت اور نواب صاحب کی علم دوستی کا یہ ثبوت میرے لیے وجد انگیز ہے۔ اگر مسلمانوں میں یہ علم دوستی اور معارف پروری زندہ ہوتی تو جس کام پر میں نے ڈیڑھ سال صرف کیا ہے ڈیڑھ ماہ میں انجام پا جاتا۔ اس

طرح حقیقت میں ''اقبال نامہ'' کی بنیاد نواب صاحب ہی کے مبارک ہاتھوں سے پڑی اور اب کہ ''اقبال نامہ'' مکمل ہو چکا ہے، اس کی آرائش بھی نواب صاحب ہی کے فکرِ رسا، ژرف نگاہی، ملت دوستی، معارف پروری، اقبال شناسی اور عدیم المثال و پختہ کار گُل کاری ممنون ہے۔

اقبال مرحوم کے سرِ عبدالقادر سے ہمیشہ نہایت مخلصانہ تعلقات رہے ہیں۔ ''بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں'' اور ''قطرۂ شبنم بے مایہ کو دریا کر دیں'' میں روئے خطاب سرِ عبدالقادر ہی کی طرف تھا اور سر عبدالقادر ہی کے لیے اقبال کی زندگی میں ان کے کلام کے مجموعۂ اوّل یعنی ''بانگِ درا'' کو ملک سے روشناس کرانے کا شرف مقدر ہو چکا تھا۔ اسی نسبت سے میں نے ابتداء کار ہی سے ان کی طرف رجوع کیا اور میری خوش نصیبی ہے کہ ان جیسے پختہ کار اقبال دان کی سرپرستی مجھے میّسر آ گئی۔ انھوں نے خطوط کی فراہمی میں میری پر جوش رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی جنھیں اقبال نے استاذ الکل، اور ہندوستان میں جُوئے شیرِ اسلام کے فرہاد' کے القاب سے یاد فرمایا ہے اسلام کی بیش بہا قلمی خدمات کی بنا پر نہ صرف آج ہی محتاجِ تعارف نہیں بلکہ ان کا نام زندہ جاوید رہے گا۔ علامہ اقبال کو مولانا سے گہری عقیدت تھی۔ اقبال نے جس طالب علمانہ انداز سے اپنی علمی و مذہبی مشکلات میں سید صاحب سے رجوع فرمایا ہے اور جس عقیدت و خلوص اور شاگردانہ انداز سے مولانا کی فضیلت کا اعتراف فرمایا ہے اُن کی لطافت کا اندازہ ان خطوط سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ میں بہ اصطلاحِ اقبال عطیہ مکاتیب کے لیے ''سراپا سپاس'' ہوں۔ سید صاحب نے جس بزرگانہ شفقت اور جس دریا دلی اور معارف پروری سے اپنا مجموعہ مجھے مرحمت فرمایا، وہ میرے لیے باعثِ ہزار افتخار و مسرت اور موجب صد ہزار ممنونیت ہے۔ مولانا نے مجموعہ کاتب سے خوشخط لکھوایا اور جواب طلب امور کے حوالہ جات از سرِنو مرتب فرمائے اور اس طرح دنیائے علم و مذہب پر احسان فرمایا۔ کاش اصل مفصل جوابات میّسر آ سکتے۔ عطیہ مجموعہ مکاتیب کے بعد مولانا سے جب علی گڑھ میں شرفِ ملاقات حاصل ہوا تو مسکرائے اور فرمایا، ''آپ نے میرا خیال اور عنوان دونوں اڑا لیے، خدا مبارک کرے''۔ اصل

میں میرے اعلان سے پیشتر مولانا کا ارادہ اسی نام سے اقبال کے مکاتیب کی اشاعت کا تھا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے لطف و کرم اور شفقت کا پُر خلوص شکریہ میرا خوشگوار فرض ہے۔ مولانا موصوف کا عاطفت نامہ ہی اولین پیغامِ امید تھا۔ میرا نیاز نامہ موصول ہونے کے چار دن بعد ہی مولانا علی گڑھ تشریف لا رہے تھے اور گرامی نامہ میں انھوں نے خطوط ساتھ لا کر علی گڑھ میں اپنے دست مبارک سے یہ عطیہ مرحمت فرمانے کا مژدہ سنایا تھا۔ لیکن پہلی کوشش میں خطوط نہ ملے اور میرا دامنِ امید خالی رہا۔ مولانا کی اہم مصروفیات اور خدمات دینی میں انہماک کی بنا پر مجھے اندیشہ تھا کہ شاید خطوط کا ملنا ممکن نہ ہو۔ مولانا نے خطوط کے ایک انبار سے ان مکاتیب کی تلاش کے لیے وقت نکالا اور یہ امانت خوش دلی سے ملت کے سپرد کر دی۔

مولانا موصوف کو خطوط کی تلاش میں جو وقت صرف کرنا پڑا اُس کے اہم دینی خدمات میں صرف نہ ہونے کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن کون ہے جسے ان مکاتیب کے دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہو جانے سے واقعی مسرت حاصل نہ ہو۔

لیڈی مسعود صاحبہ نے سر سید راس مسعود مرحوم کے نام کے تمام خطوط از راہ کرم مجھے مرحمت فرمائے۔ چند خطوط ممنون حسن خاں صاحب کی وساطت سے بھی میّسر آئے۔ جنھوں نے اس سلسلے میں خلوص وذوق کا ثبوت دیا۔

اقبال کے خطوط مرحمت کرنے والے یا خطوط کی فراہمی میں اعانت فرمانے والے تمام بزرگوں دوستوں اور عزیزوں کا شکر گذار ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور توجہ سے یہ مجموعہ ملت کے روبرو پیش کرنے کی سعادت مجھے میّسر آئی ہے۔ رام بابو صاحب سکسینہ مصنف ''تاریخ ادب اردو''، ایڈیٹر ''نیرنگِ خیال'' لاہور اور ایڈیٹر ''مصنف'' علی گڑھ کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنی کتاب اور رسائل سے خط شاملِ مجموعہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ خطوط کا عطیہ مرحمت فرمانے والے دوستوں اور بزرگوں نے تشریح طلب حوالہ جات پر خود ہی نوٹ بھی مرتب فرمائے ہیں۔

بعض احباب کرام کا خاص شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ اگر چہ میں جانتا ہوں کہ اس کوشش

میں اقبال سے عقیدت کو خاص دخل تھا۔ تاہم اسی سلسلہ میں بعض گراں قدر رفاقتیں مجھے میسّر آ گئی ہیں۔ جن بزرگوں اور عزیزوں نے اس کام میں میرا برابر کا ساتھ دیا اور مختلف طریقوں سے میری درخواست پر اور اکثر بلا طلب میری اعانت فرمائی ان کے لیے میری احسان مندی کے تذکرہ سے ''اقبال نامہ'' کا خالی رہ جانا ایک نا قابلِ فراموش فروگذاشت ہو گی۔

اس سلسلے میں وحید احمد خاں صاحب ایم۔ ایل۔ سی بدایوں، سید عبدالواحد صاحب انسپکٹر جنرل جنگلات حیدر آباد، مولانا یعقوب بخش صاحب راغب، پروفیسر آل احمد سرور۔ سید نصیر الدین صاحب ہاشمی اور غلام محمد صاحب شوری اور محمد شفیع صاحب جرنلسٹ لاہور، شیخ بشیر احمد اور خواجہ عبداللہ بھوپالی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجھے اسلامی اخبارات و رسائل کا بھی خاص شکریہ ادا کرنا ہے۔ اِن اخبارات و رسائل نے میرے اعلانات کے لیے بخوشی گنجائش نکالی اور تائیدی شذرات لکھے۔ گرامی کے نام کا اکیالیس سال پہلے کا لکھا ہوا خط مجھے مدیر ''شہاب'' حیدر آباد کی وساطت سے موصول ہوا، جن کے ہاں بسکٹ فروش کی دکان سے پڑیا کی صورت میں یہ خط پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کام جس اجتماعی اعانت و توجہ کا محتاج تھا وہ اسے نصیب ہوئی اور اقبال کا خیال

کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

پورا ہوا اور ملت بے ذوقی کی مرتکب قرار نہ پائی۔

میری یہ کوشش ہے کہ اقبال کی تمام تحریری یادگاریں جو اب تک ان کے مطبوعہ کلام میں موجود نہیں، محفوظ کر لی جائیں۔ اسی بنا پر اقبال کے دو اشعار جو انھوں نے حالی مرحوم کی صد سالہ برسی پر کہے تھے ایک مناسب مقام پر درج کر دیئے ہیں۔ حالی و سرسید سے متعلق ایک رباعی بھی درج کر دی گئی ہے۔ علامہ مرحوم نے اپنی زندگی میں اصلاح کم دی ہے۔ خوش قسمتی سے ایک ایسی نظم جس پر علامہ مرحوم کے قلم سے اصلاح دی گئی ہے، دستیاب ہو گئی ہے وہ بھی درج کر دی گئی ہے۔ مسئلۂ فلسطین سے متعلق ایک اہم بیان بھی مناسب مقام پر شامل مجموعہ ہے۔ میر ولی اللہ صاحب بشیر اہلکار محکمہ مشیر قانونی و معتمدی وضع قوانین سرکار عالی نے مانٹ مورنیسی سابق گورنر

پنجاب سے ملاقات کے لیے درخواست کی تو میر صاحب کو جواب ملا کہ ''میں نے تمہارے والد کے ساتھ تمھیں کبھی نہیں دیکھا''۔ اقبال کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے میر صاحب کو حسب ذیل تحریر لکھ دی اور فرمایا سالک صاحب سے انگریزی ترجمہ کرا کر مانٹ مورینسی کے پاس بھجوا دیجیے۔ یہ تحریر مانٹ مورینسی اور اقبال کے اخلاق و امیال کے نمونے کے طور پر محفوظ رکھے جانے کے قابل ہے:۔

لاہور

۷؍جولائی ۱۹۲۸ء

میر ولی اللہ خوشنویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں۔ یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہِ شاہجہان علیہ الرحمتہ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین صاحب مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ محمد سعید سلطنتِ دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو اُن کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت اور تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال

بیرسٹرایٹ لا، لاہور

''اقبال نامہ'' کا حصہ اوّل مشتاقانِ اقبال کے ہاتھوں تک پہنچ گیا لیکن ابھی کافی اور اہم مواد خطوط کی صورت میں میرے پاس موجود ہے۔ تلاش و جستجو جاری ہے۔ مجھے توقع ہے کہ وہ تمام بزرگ اور احباب جو اقبال کے مزید مکاتیب کی نشان دہی فراہمی یا ان کے براہ راست عطیہ سے میری اعانت و سرفرازی فرما سکتے ہیں اس سے دریغ نہ فرمائیں گے تا کہ میں جلد از جلد حصہ دوم کی اشاعت کے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔

''اقبال نامہ'' حصہ اوّل سلسلہ اقبالیات نمبر ا کے طور پر شائع ہو رہا ہے حصہ دوم بھی اسی

سلسلہ کی کڑی ہوگی اور توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہوئی تو ارادہ ہے کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چند اہم خدمات پیشِ نظر ہیں۔ فی الحال مشتاقانِ اقبال تک صرف یہ اطلاع پہنچانا چاہتا ہوں کہ میری تجویز اور درخواست پر مولانا محمد مبین صاحب عباسی کیفی چڑیا کوٹی نے، جن کے علم وفضل کا اعتراف واحترام خود اقبال کو تھا، ''تلمیحاتِ اقبال'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کرنا شروع کی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے قرآن کریم، احادیثِ نبوی اور تاریخ وادب اسلامی سے متعلق کلام اقبال میں جو حوالہ جات اور اشارات پائے جاتے ہیں، ان کی تشریح وتوضیح سے اقبالیات کی ہر دلعزیزی اور عالمگیری میں معقول اضافہ ہوگا۔

اقبال کے کلام کی ایسے طرز پر اشاعت کی اشد ضرورت ہے جس سے اُسے عام پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔ اقبال کے کلام کے تراجم اور مصور ایڈیشنز تیار کرانے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اقبال خود اس ضرورت کے قائل تھے۔ ضرار احمد صاحب کاظمی کیوریٹر پکچر گیلری مسلم یونیورسٹی نے اشعار اقبال کو تصویر کا جامہ پہنانا شروع کر دیا تھا اور علامہ مرحوم نے جیسا کہ ان کے نام خطوط سے واضح ہوگا اُن کی کوشش کو پسند بھی فرمایا تھا۔ معلوم ہوا ہے، حیدرآباد میں بھی بعض ماہرین فن اس میدان میں طبع آزمائی فرما رہے ہیں۔ امید ہے جلد قابل مسلمان مصوّرین سے، جو وقت وفرصت کے منتظر ہیں اقبال کے کلام کو مصور کرنے کی خدمت لی جائے گی۔ دیکھیں کلام اقبال کی اس خدمت کی سرپرستی کی سعادت کس کے حصہ آتی ہے۔ ٹرسٹیانِ اقبال اس اور اقبال کے کلام کی اشاعت کے سلسلہ میں مقتدر اربابِ علم کی اعانت وتوجہ سے مستفید ہونے کو تیار ہوں گے۔

اقبال نے اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خاں فرمانروائے بھوپال کی ملت پرورانہ توجہاتِ عالی کا جو احسان مندانہ اعتراف کیا ہے، وہ اقبال ہی نہیں تمام ملت پر فرض ہے۔ اقبال نے

زالطافِ تو خیزد موجِ لالہ از خیابانم

کہہ کر اس حقیقت کا اظہار فرمایا اور ''ضربِ کلیم'' کے انتساب میں

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

فرما کر اپنا فرض ادا کیا۔ لیکن اقبال کی احسان مندی کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنی کتاب ''ارمغان حجاز'' بھی نواب صاحب ہی کی نذر کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جس کی اطلاع انھوں نے سر سید راس مسعود کو دی تھی۔ سر راس مسعود اقبال سے پہلے فوت ہو گئے اور ''ارمغان حجاز'' اقبال کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اس طرح اقبال کی اس خواہش و وعدہ کا، جواب ایک گونہ وصیّت کا حکم رکھتا ہے، کسی کو علم نہ ہوا۔ اس مجموعۂ مکاتیب کی اشاعت کے بعد امید ہے اقبال کی اس خواہش کی تعمیل کی جائے گی۔

اقبال کے کلام و پیام کی اشاعت اور اس کی سیرت سے متعلق بعض خیالات ذہن میں موجزن ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصص میں بزم اقبال کے نام سے اقبالئین کے حلقے پیدا ہو رہے ہیں۔ حیدر آباد میں یومِ اقبال جس شان سے منایا گیا وہ ہر طرح اس مملکت اسلامی کے شایاں تھا۔ علی گڑھ میں مجھے احباب کا ایک علم دوست حلقہ میّسر ہے جو میری اعانت و رہنمائی کے لیے ہر طرح آمادہ ہے۔ مختلف صوبہ جات میں جو کوششیں اقبال کے کلام کو ہر دلعزیز بنانے سے متعلق کی جارہی ہیں اُن میں ایک ربطِ باہمی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چند اہم تجاویز میرے اور احباب کے پیش نظر ہیں خدا توفیق عمل عطا فرمائے۔

ترتیب سے متعلق مختلف نظریات پیش نظر تھے لیکن میں نے ہر مکتوب الیہ کے نام کا مجموعہ علیحدہ علیحدہ مگر یکجا درج کرنا پسند کیا ہے۔ ترتیب مکاتیب کے سلسلہ میں تقدم و تاخر کو اہم نہیں سمجھتا۔ اہمیت تو خطوط کو حاصل ہے۔ مولانا احسن مرحوم کے نام کے خط سے ''اقبال نامہ'' کا اس لیے آغاز کیا گیا ہے کہ یہی سب سے پرانا خط اس وقت تک دستیاب ہو سکا۔ اس کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر کے نام کے مکاتیب ہیں کہ مجھے سب سے پہلے موصول ہوئے اور اپنی قدامت کے لحاظ سے بھی اسی کے حقدار ہیں۔ خطوط مختلف اوقات میں موصول ہوتے رہے اور یکے بعد دیگرے پریس کے لیے تیار ہوتے رہے۔ اقبال کے افکار، اس کے ذوق و شوق اس کی معارف پروری، اس کی اسلام دوستی اور مذہب پرستی کے نایاب اور آبدار موتیوں کا ایک پورا خزانہ

پیش خدمت ہے۔ آپ اپنے ذوق و گوہر شناسی کی بنا پر جس موتی کو جو جگہ چاہیں دے لیں۔

اقبال کے استاد شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت بابرکت میں دوران ملازمت مرے کالج سیالکوٹ مجھے شرفِ حاضری نصیب ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ اقبال کا اقبال کس درجہ مولانائے موصوف کی جوہر شناسی اور رنگہ کیمیا اثر کا مرہونِ منت ہے۔ دنیا نے اقبال کی قدر نہ کرنے پر بھی اقبال کی عظمت کا اعتراف کیا ہے لیکن ''اقبال گر'' کو اقبال کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اقبال کی اس مدت العمر کی یادگار کے انتساب کا حقدار اقبال کے استاد سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔ اقبال کی کسی دوسری یادگار کی تقریب پر بشرطِ زندگی اقبال کے استاد کے شایانِ شان تعارف کا شرف حاصل کروں گا۔

خوش آں قومے پریشان روزگارے
کہ زاید از ضمیرش پختہ کارے
نمودش سرّی از اسرارِ غیب است
ز ہر گردے برون ناید سوارے

عطاء اللہ

مرتب ''اقبال نامہ''

شعبۂ معاشیات مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

(نوٹ:۔ یہ دیباچہ اندازاً ستمبر ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا۔)

پس منظر

آج اس زمانہ کا خیال آتا ہے تو بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہوں۔ آنکھوں دیکھے واقعات کو یاد کرتا ہوں تو خود مجھے حیرت ہوتی ہے۔ یہ عیسوی سالنامہ کی سہ ہزاری کا آغاز ہے۔ وہ سن ۱۹۴۳ کے شروع کی بات تھی۔ ان چھ دہائیوں میں زمانہ زیر و زبر ہو گیا۔ ہزار رنگ بدلے اور بڑی تیز رفتاری سے بدلے۔ ملک کا رواج، قوم کا مزاج اور افضلیت کا معیار، سب کے سب بدل گئے ہیں۔ بہت سی روایات کا تسلسل منقطع ہو چکا ہے۔ زندگی کے بہت سے گوشے بالخصوص وہ جن کا تعلق مشرقی علوم، اَلسنہ اور تحقیق سے ہے، ویران ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں اس بات سے کسے غرض کہ اقبال کے خطوط جمع کرنے کے لیے قرعۂ فال والدِ محترم شیخ عطاء اللہ (سینئر لکچرار شعبہ معاشیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے نام کیوں کر نکلا اور اس کام کو سرانجام دینے میں مرتب پر کیا گزری۔ منصوبہ بندی کیا تھی اور کتنا بوجھ کتنے عرصے تک انہیں تنہا اٹھانا پڑا۔ کہاں کہاں سے کمال کشادہ دلی سے ان کی امداد کی گئی اور کن کن مراحل پر انہیں ناخوشگوار تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں پہلے ایڈیشن کی جلد اوّل اور دوم کے دیباچوں میں جو اشارے کئے گئے ہیں، ان پر کوئی اضافہ کرنا میرے لیئے مناسب نہ ہوگا۔ جو بات مرتب نے بیان کرنا درست نہ سمجھی، اس کا ذکر میں کیسے کر سکتا ہوں۔

مرتب 'اقبال نامہ' کو علامہ اقبال کی وفات کے ساتھ ہی اس بات کا شدید احساس تھا کہ مرحوم کے خطوط کی فراہمی کا کام جلد از جلد شروع کرنا چاہیے۔ مرتب نے لکھا ہے کہ پانچ سال کے صبر آزما انتظار کے بعد جب لاہور سے اس خدمت کے آثار قطعاً پیدا نہ ہوئے تو انہیں خود اس خدمت کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔ میرے علم کے مطابق والدِ محترم نے علامہ اقبال کے خطوط جمع کرنے

کی ذمہ داری اٹھانے کا قطعی فیصلہ اس دن کیا تھا جس دن لٹن لائبریری کی نئی کتابوں کے انبار میں انہیں برعظیم کی ایک مشہور شخصیت کے خطوط کا مجموعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ دانشور غیر مسلم تھا اور اس کا انتقال علامہ اقبال کی وفات کے دو ایک سال بعد ہوا تھا۔ والد مرحوم کا کہنا تھا کہ زندہ قومیں محسنین کی یاد کو زندہ رکھتی ہیں۔ باشعور قومیں اپنے اجتماعی فرائض وقت پر ادا کرتی ہیں۔ جو لوگ غفلت کا شکار ہوتے ہیں وہ ذمہ داری کو ایک دوسرے پر ڈالنے کی عادت کی وجہ سے ضروری کاموں میں اکثر دیر کر دیتے ہیں اور وقت انہیں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

'اقبال نامہ' کے مرتب نے کام کا باضابطہ آغاز جس خط سے کیا، وہ ۱۹ فروری ۱۹۴۳ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام لکھا گیا تھا۔ میں وہ خط لے کر (۴۔ ذکاء اللہ روڈ) والے گھر سے سائیکل پر مسلم یونیورسٹی پوسٹ آفس پہنچا، یہ چھوٹا سا اور مسلم یونیورسٹی کا اکلوتا ڈاکخانہ ممتاز ہوسٹل اور آفتاب ہوسٹل کے درمیان واقع تھا۔ اس کی پشت پر ایک غریب نواز چائے خانہ تھا جسے طلبا اس کی چھپر کی چھت کی نسبت سے بڑی اپنایت کے ساتھ کیفے ڈی پھونس کہتے تھے۔ میں نے وہ خط رجسٹری کرایا اور اس کی رسید کو جس پر قائداعظم کا بمبئی کا پتہ درج تھا بڑے فخر سے لے کر گھر واپس آیا۔ قائداعظم کے نام لکھے ہوئے اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ پہلا خط ہونے کی وجہ سے مرتب نے وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا ذکر کیا ہے۔ والد محترم کا یہ خط قائداعظم کے کاغذات میں محفوظ رہا اور ۱۹۶۷ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اس خط کی نقل ضمیمہ کی پہلی شق ہے۔ نقل ٹائپ میں ہے۔ اصل خط ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ قائداعظم کا جواب بہت جلد آ گیا۔ مصروفیات کا عذر نہ سیاست کی سنگینی کا ذکر۔ لکھا تھا کہ میرے پاس علامہ اقبال کے چند خطوط ہیں جنہیں میں نے اب تک بوجوہ اشاعت کے لیے نہیں دیا۔ تاہم اب حالات ایسے ہیں کہ میں انہیں شائع کرانا چاہتا ہوں - آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ ان کی اشاعت کے حقوق حاصل کرنے کے لیے کتنا معاوضہ دے سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ رقم مجھے اپنے لیے نہیں بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے لیے چندہ کے طور پر درکار ہے۔ والد محترم نے جواب دیا کہ یہ بے صلہ خدمت میں ایک ملّی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا ہوں، اس وقت تو یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ علامہ اقبال کے خطوط کی اتنی تعداد کب تک میسر آئے گی کہ

دوسرے مرحلے یعنی اشاعت کے مختلف مسائل پر غور کیا جا سکے- دوسری جنگ عظیم بڑے گھمسان کی لڑائی ہے- جاری ہے اور پھیلتی جا رہی ہے -آشفتگی کے اس عالم میں کتابیں شائع کرنا مشکل اور ان کا بیچنا مشکل تر ہے- ایسے حالات میں ناشر کے مطابق کسی مالی منفعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- والدمحترم نے خط میں یہ بھی لکھا کہ 'اقبال نامہ' کی اشاعت کے لیے انہوں نے شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار، لاہور کو ناشر کی حیثیت سے منتخب کیا ہے جو اسلام اور تحریک پاکستان کے بارے میں لٹریچر شائع کرنے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور اگر قائداعظم پسند فرمائیں تو شیخ محمد اشرف صاحب دہلی میں کسی وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں-

اسی خط و کتابت کے چند ماہ بعد Letters of Iqbal to Jinnah کے عنوان سے علامہ اقبال کے تیرہ خط قائداعظم کے ایک مختصر دیباچہ کے ساتھ شائع ہو گئے- ناشر شیخ محمد اشرف تھے- میں نے قائداعظم کے لکھے ہوئے دیباچہ کا ٹائپ کیا ہوا مسودہ دیکھا ہے- قائداعظم نے بقلم خود اس میں بہت کانٹ چھانٹ کی تھی- دیباچہ کے دوسرے پیراگراف میں اکتوبر ۱۹۳۷ء کے لکھنؤ سیشن کی دہری کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ فتح و ظفر سر محمد اقبال جیسے دوستوں کی پرخلوص جدوجہد اور بےلوث خدمت کا نتیجہ ہے- شروع میں جہاں دوستوں کا ذکر آیا ہے وہاں اقبال کے علاوہ ایک آدھ نام اور بھی لکھا ہوا تھا- نظرثانی کرتے ہوئے قائداعظم نے یہ نام قلمزد کر دیا- اب صرف علامہ اقبال کا نام باقی ہے اور دوسرے ساتھیوں کا شکریہ ایک اجتماعی حوالے سے ادا کیا گیا ہے- وہ جو قائداعظم نے مرتب 'اقبال نامہ' کو لکھا تھا کہ وہ ایک مدت تک ان خطوط کی اشاعت کے حق میں نہ تھے مگر اب اس کے لیے تیار ہیں، اس کی وجوہ سمجھ میں آتی ہیں- پہلی یہ کہ قائداعظم نے جزویاتی بحث سے پیدا ہونے والے اختلاف رائے اور سیاسی انتشار سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے ان خطوط کی اشاعت کی طرح اور کئی معاملات کو برطانوی ہند کی تقسیم کی نوعیت پر مسلمانوں کے متفق الرائے ہونے تک مؤخر کر رکھا تھا- اقبال نے اپنے خطوط میں مسلمانوں کے علیحدہ سیاسی اکائی ہونے کی حیثیت سے اسلامی کلچر کے تحفظ (۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء)، شریعت کے نفاذ کے لیے آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے قیام (۲۸ مئی) اور برعظیم کی نسلی، مذہبی اور لسانی بنیادوں پر ازسرنو تقسیم (۲۱ جون)

کی اہمیت کی جانب قائداعظم کی توجہ مبذول کرائی تھی - قائداعظم نے دیباچہ کی آخری سطروں میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلم انڈیا کے سیاسی مستقبل کے بارے میں میرے اور علامہ اقبال کے بنیادی خیالات ایک جیسے تھے - بالآخر اور بالاتفاق اسلامیان ہند کی اس سیاسی فکر نے قرارداد پاکستان کی باضابطہ صورت اختیار کر لی - دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان خطوط میں سر سکندر حیات کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ پنجاب مسلم لیگ پر قبضہ کرنے کے بعد اسے ٹھکانے لگا دیں گے، اس کی قبل از وقت اشاعت کئی تنظیمی دشواریوں کا باعث بن سکتی تھی - رائے دینے والے اور جس کے بارے میں رائے دی گئی تھی ان دونوں کے انتقال کے بعد یہ خطوط تاریخ کا حصہ بن چکے تھے، لہٰذا انہیں شائع کر دیا گیا -

۱۹۴۳ء میں ابتدائی چند ہفتوں کی خط و کتابت کے بعد والد محترم نے چند احباب کے ساتھ مل کر ادارۂ اقبال قائم کیا اور اس کے بعد سالہا سال تک اس کے ناظم کی حیثیت سے اقبال کے خطوط کی فراہمی کا کام کرتے رہے - سر شیخ عبدالقادر (چیف جسٹس بہاولپور) اس ادارہ کے سرپرست تھے - میر سید اکبر علی خاں، (راجہ آف بنڈراول، بلندشہر صوبہ متحدہ) کو صدر بنایا گیا - ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ (جاگیردار ٹونڈہ پور، مشرقی خاندیش، صوبہ متوسط) نائب صدر تھے - ادارۂ اقبال کے ناظم کی حیثیت سے کام کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ جن لوگوں سے رابطہ کیا جا رہا تھا، انہیں یہ اعتبار ہو کہ اقبال کے خطوط جمع کرنے والا ایک ذمہ دار شخص ہے اور یہ کام معتبر اشخاص کی رفاقت میں کر رہا ہے - (یہ الگ بات ہے کہ ایک عہدہ دار غیر معتبر نکلے - اس کا ذکر بعد میں آئے گا) ادارہ کی ساکھ دراصل سر شیخ عبدالقادر کے نام سے قائم تھی - عاشق حسین بٹالوی کا بیان ہے کہ جب 'بانگ درا' مرتب ہوئی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ دیباچہ لکھوانا چاہیے یا نہیں - فیصلہ دیباچہ لکھنے کے حق میں ہوا - اقبال کے احباب میں سے ایک شخص نے کہا کہ دیباچہ لکھنے کا صحیح حق دار عبدالرحمٰن بجنوری تھا جو مدت ہوئی انتقال کر چکا ہے - علامہ اقبال نے جواب میں بجنوری کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک اعتبار سے ان کے ممنون بھی ہیں - عبدالرحمٰن بجنوری نے 'اسرار خودی' پر اپنے تنقیدی مضمون میں لکھا تھا کہ اقبال نے خودی پر اتنا زور دیا ہے جیسے اس کے پیش نظر ملت کا کوئی وجود ہی نہیں

ہے- بجنوری کا مضمون پڑھ کر اقبال کو احساس ہوا کہ 'رموز بے خودی' کا لکھا جانا بے حد ضروری ہے- اس اعتراف کے بعد علامہ اقبال نے فرمایا:

''اگر آج عبدالرحمٰن بجنوری زندہ ہوتے تو بھی 'بانگ درا' پر دیباچہ لکھنے کا زیادہ حق شیخ عبدالقادر کا تھا اور وہی کتاب کا دیباچہ لکھیں گے''-

ادارہ کے صدر راجہ آف پنڈ راول علی گڑھ میں رہتے تھے- اوسط درجہ کے رئیس تھے- بگڑے ہوئے رئیسوں کی خامیاں ان میں نہیں تھیں- معقول انسانوں والی چند خوبیاں البتہ ان میں موجود تھیں- باوقار، وضعدار، دوستدار، ملّی کاموں میں دلچسپی لینے والے خاموش کارکن- اس سلسلہ میں وہ مسلم یونیورسٹی کے دو چار اساتذہ سے گاہے مشورہ بھی کرتے رہتے تھے- ۱۹۴۸ء میں گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں اور والد محترم نے لاہور جانا چاہا تو احتمالی فراری (Intending Evacuee) کے قانون کے تحت مسلم یونیورسٹی میں ان کا بیس سالہ پراویڈنٹ فنڈ اور امپیریل بنک آف انڈیا میں کل جمع جتھا منجمد کر دیا گیا- علی گڑھ سے بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان کے لیے روانہ ہوتے وقت والد محترم کو صدر ادارہ اقبال راجہ پنڈ راول نے چاندی کی ایک تعویذی انگوٹھی دی- کہنے لگے اس کی بدولت آپ کو کبھی مالی دشواری نہیں ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ معاملات خود بخود سدھرتے چلے گئے- راجہ صاحب خود تو پاکستان نہ آئے مگر ان کا ایک پوتا پاکستان ٹیلی ویژن کے ڈراموں میں کبھی کبھار نظر آ جایا کرتا تھا- معلوم نہیں دادا نے پوتے کو پاکستان جاتے ہوئے کوئی انگوٹھی دی تھی کہ نہیں-

مرتب 'اقبال نامہ' نے پہلی جلد کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ وہ لاہور کو علامہ اقبال کے خطوط جمع کرنے کے لیے موزوں اور مخصوص سمجھتے تھے مگر جونہی کام کا آغاز ہوا، یکایک یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ علی گڑھ اس خدمت و شرف کا ہر طرح سے اہل اور حقدار ہے- بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں علی گڑھ کو برعظیم کے مسلمانوں کے علمی اور سیاسی معاملات میں ایسی غیر معمولی مرکزیت اور اہمیت حاصل ہو چکی تھی کہ محض اس بنا پر کوئی اور شہر ایسے کاموں کے لیے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا- جو کام سر سید نے علی گڑھ کے طلباء سے مسلمانوں کے محضر نامہ پر دستخط کے لیے لیا تھا، کچھ اسی طرح کا کام والد محترم نے برعظیم کے مختلف حصوں سے آنے والے چند منتخب

طلباء سے علامہ اقبال کے خطوط کی تلاش کے سلسلے میں لیا - سرسید کے زمانے میں طلباء مختلف اضلاع میں جا کر محضر نامہ کا مقصد سمجھاتے اور دستخط حاصل کرتے تھے - پرنسپل تھیوڈور بیک بھی طلباء کے ساتھ اس دستخطی مہم میں شریک ہو گئے اور جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑے دیکھے گئے - سرسید نے جون ۱۸۹۰ء میں دستخطوں کی جو قسط جنرل سٹریچی کو بھیجی تھی ، اس کی رو سے ۶۵۱، ۴۸ مسلمانوں نے یادداشت پر دستخط کئے تھے - ۱۹۴۳ء میں گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے والدِ محترم نے چند سنجیدہ طلباء کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے مشاہیر اور اقبال دوست احباب سے رابطہ کریں اور علامہ اقبال کے مکاتیب اور مکتوب الیہان کی نشاندہی کریں - انہیں اس سلسلے میں ادارہ اقبال کا چھپا ہوا گشتی مراسلہ بھی فراہم کیا گیا - دیکھتے ہی دیکھتے کشمیر، سرحد، بنگال، بھوپال، حیدرآباد دکن، مدراس اور میسور میں علی گڑھ کے نوجوان سفیر علامہ اقبال کے خطوط کی تلاش کے سلسلہ میں قصۂ زمین برسرِ زمین قسم کی تحقیق میں مصروف ہو گئے - اس مہم کا بڑا اچھا اور فوری اثر ہوا - طلباء نے دو تین ماہ میں ہی برعظیم کا کونا کونا چھان مارا اور سارے امکانی ماخذ کا پتہ ڈھونڈ نکالا - ایک فہرست ان لوگوں کی بن گئی جن کے پاس علامہ اقبال کے خط موجود تھے یا ان کی موجودگی کا قوی امکان تھا - دوسری فہرست ان لوگوں کی بن گئی جن سے علامہ اقبال کی خط و کتابت نہیں تھی یا انہوں نے خط محفوظ نہیں رکھے تھے - مرتب 'اقبال نامہ' نے اس سلسلہ میں اچھا کام کرنے والے طلباء میں سے عبداللہ بھوپالی کا ذکر خاص طور پر دیباچہ میں کیا ہے - قیام پاکستان کے بعد عبداللہ بھوپالی لاہور آ گئے اور وکالت شروع کر دی - ایک روز لاہور کی ضلع کچہری میں انہیں چاقو مار کر ہلاک کر دیا گیا - 'اقبال نامہ' کے ایک اور گشتی سفیر طالب علم محمد یوسف تھے - انہوں نے ڈاکٹریٹ (غالباً جامعہ ازہر سے) کی - کتابیں لکھیں ، پڑھا ، پڑھایا اور عربی سکالر کی حیثیت سے نام کمایا - کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر اور صدر ہوئے - جب مستند عالم تسلیم کر لیے گئے تو ساتھ ہی تسلیم جاں کا وقت آ گیا - انہی ڈاکٹر سید محمد یوسف نے کہیں لکھا ہے کہ جب مسلم یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات کے استاد شیخ عطا اللہ نے 'اقبال نامہ' کے سلسلے میں کچھ کام ان کے ذمہ کیا تو انہیں خوشگوار حیرت ہوئی کہ علم اقتصاد جیسے بے رس اور سنگلاخ شعبے کا استاد ہونے کے باوجود شیخ صاحب نے

علم وادب کے اتنے اہم کام کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

اقبال کے خطوط کی جستجو کے سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی کے چند طلباء کی قابل ذکر سعی وسرگرمی کے علاوہ اس کام کے لیے علی گڑھ کی موزونیت کے کچھ اور ثبوت بھی یکے بعد دیگرے سامنے آنے لگے۔ اخباروں میں خبر اور اپیل کی اشاعت کے بعد مرتب کو اقبال کا جو پہلا خط موصول ہوا وہ علی گڑھ ہی سے تھا۔ اقبال کا سب سے پرانا خط بھی علی گڑھ ہی سے دستیاب ہوا۔ سید ظفر الحسن، میاں محمد شریف، محمد عمر الدین، خواجہ غلام السیدین، فضل الرحمٰن انصاری، ضرار احمد کاظمی، آل احمد سرور، مولوی ظفر احمد صدیقی اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے نام خطوط بھی علی گڑھ کے علاوہ اور کہاں سے مل سکتے تھے۔ ان کے علاوہ سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کے نام اقبال کے خطوط بھی جنہیں 'اقبال نامہ' کا حاصل کہا جا سکتا ہے، علی گڑھ ہی کی دین ہیں۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اسلامی ہفتہ کے سالانہ انعقاد کی وجہ سے جس کی انتظامی کمیٹی میں والد محترم بھی شامل تھے، انہیں علامہ سید سلیمان ندوی سے تعلق خاطر ہو گیا۔ جب سید صاحب کو علم ہوا کہ شیخ عطا اللہ اقبال کے خطوط جمع کر رہے ہیں تو انہوں نے کاتب کا لکھا ہوا مسودہ جو ستر خطوط پر مشتمل تھا، رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج کر علم دوستی، ایثار اور بے غرضی کی ایک روشن مثال قائم کی۔ اس سلسلہ میں ان کا رویہ عالمانہ اور درویشانہ تھا۔ انہی دنوں ایک معروف رئیس سکھ زمیندار نے جس کا کچھ وقت منٹگمری میں زمینوں پر اور باقی لاہور میں گزرتا تھا، والد محترم کو لکھا کہ علامہ اقبال نے انہیں ایک بار مسلمانوں اور سکھوں کے باہمی تاریخی اور سیاسی تعلقات کے بارے میں ایک طویل خط جسے غیر رسمی مقالہ کہہ سکتے ہیں لکھا تھا۔ ایک صاحب نے جو علامہ کے بہت قریبی ساتھی شمار ہوتے ہیں سردار صاحب سے رابطہ کیا اور خط نقل کرنے کے لیے لے گئے۔ اس کے بعد اصل کو حاصل کرنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ مکتوب الیہ اپنی زمینوں پر نیشکر کی کاشت کیا کرتے تھے۔ رئیس اس درجہ کے تھے کہ ڈیوڑھی پر ہاتھی بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ماحول اور مشاہدہ کے مطابق تشبیہ استعمال کرتے ہوئے اپنے خط میں لکھا کہ صاحب موصوف سے اقبال کے کاغذات واپس لینے کا کام اتنا ہی ناقابل عمل ہے جتنا کسی ہاتھی کے منہ سے گنا چھیننے کی کوشش۔

سر راس مسعود کے نام لکھے ہوئے خطوط کی دریافت اور حصول کا بھی علی گڑھ سے خاص تعلق ہے۔ ان خطوط میں سے صرف ایک خط علی گڑھ کے پتہ پر لکھا گیا۔ باقی تمام خطوط اس دور کے ہیں جب سر راس مسعود بھوپال کے وزیر تعلیمات ہوا کرتے تھے۔ سر راس مسعود کا اڑتالیس سال کی عمر میں ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں انتقال ہوگیا۔ مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں جہاں سر سید احمد خاں کی قبر کے ایک جانب ان کے صاحبزادے سید محمود کی قبر ہے، وہیں دوسری جانب ان کے پوتے سر راس مسعود کو دفنایا گیا۔ میں اس روز وہاں موجود تھا۔ عمر کم تھی اس لیے یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ میں جنازے میں شریک تھا۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے جنازہ دیکھا تھا۔ اس وقت جلوس باب اسحاق سے داخل ہوکر مسجد کی طرف جارہا تھا۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ اتھاہ سوگواری اور حد سے گزر جانے والا غم کیا ہوتا ہے۔ اس کے دس گیارہ سال کے بعد جس دن قبروں کی ترتیب میں فرق آیا، دادا اور پوتے کے درمیان ایک نئی قبر ضابطہ کی کارروائی مکمل کئے بغیر بنائی گئی، اس روز بھی میں وہاں موجود تھا۔

سر راس مسعود کی بیوہ لیڈی مسعود کا سسرال سر سید ہاؤس علی گڑھ تھا اور میکہ اندور میں تھا جہاں ان کے والد عبدالرشید خاں ریاست کے ہوم منسٹر تھے۔ 'اقبال نامہ' حصہ اول میں چوبیس خط سر راس مسعود کے نام، تین لیڈی مسعود کے نام اور دس ممنون حسن خاں کے نام ہیں۔ ان خطوط کی تلاش اور فراہمی میں لیڈی مسعود اور ممنون حسن خاں کے علاوہ طالب علم عبداللہ بھوپالی کی خدمات کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ ایک بار لیڈی مسعود نے علی گڑھ سے اندور جاتے ہوئے اقبال کے خطوط کی ایک قسط نواب احمد سعید خاں چھتاری کے بڑے صاحبزادے راحت سعید خاں چھتاری کے حوالے کی تاکہ وہ اسے والد محترم کو پہنچا دیں۔ راحت سعید اگرچہ چھتاری ہاؤس میرس روڈ علی گڑھ کے باسی تھے مگر ان دنوں دوسری جنگ عظیم ہورہی تھی اور وہ دہلی کے فوجی بھرتی کے ادارہ میں افسری کرتے تھے۔ دہلی سے قریب ہونے کی وجہ سے علی گڑھ آنا جانا لگا رہتا۔ وہ علی گڑھ سے خط لے کر دہلی چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر ایک دن انہوں نے اقبال کے سات خط رجسٹرڈ ڈاک سے والد محترم کو بھیج دیئے۔ یہ بھی لکھا کہ ایک کم پڑگیا ہے غالباً علی گڑھ میں رہ گیا ہے۔ اگلی بار آؤں

گا تو پہنچا دوں گا۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ حالات نے کروٹ لی اور راحت سعید چھتاری نے سر راس مسعود کی بیوہ سے شادی کر لی۔ بعد میں وہ پاکستان کی وزارت خارجہ سے منسلک ہو گئے۔ سفیر اور سینیٹر بنے۔ ۱۹۷۰ء کے آس پاس کی بات ہے کہ بیگم راحت سعید چھتاری کسی نیم سرکاری کام کی پیروی کے سلسلے میں میرے دفتر میں تشریف لائیں جو کراچی میں پاکستان انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی عمارت میں واقع تھا۔ کام کاج کی بات ختم ہوئی تو میں نے والد محترم اور اقبال کے خطوط کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا اور انہیں بتایا کہ سر راس مسعود کے نام علامہ اقبال کے جو خط انہوں نے والد محترم کو ۱۹۴۳ء میں دیئے تھے، وہ راحت صاحب کے خط سمیت میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ سن کر لمحہ بھر کے لیے یا شاید اس سے بھی کم وقت کے لیے ان کی آنکھوں میں یادوں بھری چمک پیدا ہوئی۔ حیران ہو کر کچھ اس طرح کی بات کی کہ یہ خطوط آپ کے والد کی بدولت ضائع ہونے سے بچ گئے۔ چھپ گئے اور محفوظ ہو گئے۔ پھر ذرا توقف کیا اور کہنے لگیں۔ میں کسی وقت ان کو ایک بار دیکھنا چاہوں گی۔ یہ آخری بات انہوں نے بالکل غیر جذباتی انداز میں کہی۔ چہرہ بے احساس، لہجہ رسمی۔ یادِ ایام کا غلبہ ہوا نہ عمر رفتہ کو آواز دی۔ میرا خیال تھا کہ ایک لمبی سانس لینے اور ایک ہلکی سی آہ کھینچنے کے بعد وہ مجھے ہمراہ لے کر شیش محل بھوپال پہنچ جائیں گی اور میرا تعارف شاعر مشرق سے کرائیں گی۔ حمیدیہ ہسپتال میں برقی علاج کے باوجود علامہ اقبال بیٹھی ہوئی آواز سے صرف اتنا دریافت کریں گے کہ 'اقبال نامہ' کا نیا ایڈیشن جس کی اشاعت شیخ عطاء اللہ تمہیں سونپ گئے تھے، کب تک شائع ہو گا۔ میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ میں نے جو تصور باندھا تھا اس کی رومانی ساخت میں یہ شرط شامل تھی کہ وہ پورا نہ ہو سکے۔ اس میں سابقہ لیڈی مسعود اور حال بیگم چھتاری کا کیا قصور۔ وہ تھوڑی سی دیر کے لیے خاموش ہو گئیں۔ میں نے اس خاموشی میں مخل ہونے کی بجائے یہ سوچنا شروع کیا کہ اقبال نے ایک جوابی خط نواب زادہ راحت سعید چھتاری کے نام بھی لکھا تھا جب وہ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ایم۔ اے کے سال اول کے طالب علم تھے۔ 'بال جبریل' میں بھرتری ہری سے ماخوذ اقبال کا یہ شعر درج ہے۔

''پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر''
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

راحت چھتاری نے اقبال کو لکھا کہ میرے استاد آل احمد سرور نے شعر کے جو معنی بتائے ہیں مجھے اس سے یہ اختلاف ہے: اقبال نے جواب دیا۔ آپ اور آپ کے استاد دونوں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن میرا مطلب کچھ اور ہے اور آئندہ زمانہ ہی اس کو واضح کر سکے گا۔

مرتب 'اقبال نامہ' نے فروری ۱۹۴۳ء سے اگست ۱۹۴۷ء تک علامہ اقبال کے خطوط کی جستجو میں جو خط و کتابت کی تھی، جس کی بدولت 'اقبال نامہ' کی دونوں جلدیں قیام پاکستان سے پہلے تیار ہو گئی تھیں، ان کاغذات کا سب سے اہم حصہ وہ مسل تھی جس میں جواباً آنے والے خط سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ یہ برعظیم اور برطانیہ سے آئے ہوئے بہت سے خطوط کا مجموعہ تھا جن میں ہر خط بذات خود ایک داستان یا دستاویز کا درجہ رکھتا تھا۔ ان میں پروفیسر آر۔اے نکلسن (وفات اگست ۱۹۴۵ء) کے بھی دو ایک خط موجود تھے۔ ایک آدھ سر میلکم ڈارلنگ کا بھی تھا۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس وقت لکھے گئے تھے جب برطانیہ اور برعظیم کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ بے حد مخدوش تھا۔ ان دنوں ڈاک کا ایک طریقہ یہ تھا کہ لندن میں خطوط کی ۳۵ ایم ایم فلم پر تصویر لی جاتی اور پھر منفی عکس کی چرخی مختلف ذرائع سے سفر کرتی ہوئی جو کبھی بحری کبھی بری اور کبھی کبھی فضائی ہوتا ہوا بالآخر بمبئی پہنچ جاتی۔ وہاں سے پوسٹ کارڈ سائز کے پرنٹ تیار کر کے مکتوب الیہ کو بھیج دیے جاتے۔ برطانیہ سے آئے ہوئے بیشتر خطوط عکسی تھے۔ سر میلکم ڈارلنگ کا ۱۴ جون ۱۹۴۳ء کا عکسی خط میرے پاس محفوظ ہے۔ اس میں اقبال کا ۲۸ فروری ۱۹۳۸ء کا ایک خط نقل کیا ہوا ہے۔ میں اس مسل کے ان سب خطوط کو منفی عکس والے خط شمار کرتا تھا جن میں حیلہ گری سے کام لیا گیا تھا یا بڑے معاوضہ کی توقع کی گئی تھی۔ معاوضہ کا کچھ ذکر خواجہ حسن نظامی کے ابتدائی خطوط میں بھی ملتا تھا مگر جہاں تک میرا علم ہے، کام کی نوعیت سے واقف ہونے کے بعد ان خطوط کی نقل بلا معاوضہ فراہم کی گئی۔ یوں بھی ان دنوں مرتب کے بڑے بھائی خان صاحب شیخ برکت علی دہلی شہر کی پولیس کے سربراہ تھے۔ مزاج خانقاہی تھا۔ خواجہ حسن نظامی سے ان کی دوستی تھی۔ ایک بار

وہ درگاہ پر حاضری کے لیے مجھے بھی ہمراہ لے گئے تھے۔

اس مسل میں نوجوان جاوید اقبال کا بھی ایک خط شامل تھا جس میں والد محترم کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا کہ اقبال کے نام جو خطوط آتے تھے وہ دستیاب نہیں ہیں کیونکہ علامہ اقبال انہیں نذرِ آتش کر دیا کرتے تھے۔۔ والد محترم نے یہ سوال اقبال کے سید سلیمان ندوی کے نام ۷/اپریل ۱۹۲۶ء کو لکھے ہُوئے خط کے حوالے سے کیا تھا جس میں درج ہے کہ آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

اس نادر مسل میں جن صاحب کے لکھے ہوئے خط سب سے زیادہ تھے، وہ اپنا نام تخلص اور پتہ کچھ یوں لکھا کرتے تھے، ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ جاگیردار ٹونڈہ پور، مشرقی خاندیش، سی پی - وہ آسمانی رنگ کے لکیروں والے کاغذ پر خط لکھتے۔ تیز قلم اور بسیار نویس تھے-تحریر قدرے خفی تھی ورق کے دونوں طرف لکھی ہوئی، خط ایک اچھی خاصی داستان ہوا کرتا تھا- ملت اسلامیہ بالخصوص برعظیم کے مسلمانوں کے مسائل کا ذکر بڑے دردمندانہ انداز میں کیا کرتے -اقبال کے خطوط جمع کرنے کے منصوبہ کی بڑھ چڑھ کر حمایت کی، متعلقہ لوگوں سے ذاتی رابطہ کرنے کا یقین دلایا اور اپنے نام لکھے ہوئے خطوط کی تلاش اور قسط وار فراہمی کا وعدہ بھی کیا- بڑے آدمیوں سے اپنے تعلقات کا بھی ضمناً ذکر کیا کرتے - ان مشاہیر میں اقبال کے بعد رابندر ناتھ ٹیگور کا نام آتا تھا - ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ سے مرتب 'اقبال نامہ' کا تعارف سر شیخ عبدالقادر نے کرایا تھا اور بقول مرتب ''اس طرح اس خدمت کے لیے مجھے ایک نوجوان مخلص دوست، مداح اور عقیدتمند میسر آ گئے'' -ان کی دلچسپی اور اقبال سے ذاتی تعلقات ہونے کی بنا پر ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ کو ادارۂ اقبال کا نائب صدر مقرر کیا گیا - ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد انہوں نے اقبال کے دو مختصر خطوں کے بجھے بجھے تصویری پرنٹ بنوا کر بھیجے اور وعدہ کیا کہ جونہی انہیں موقع ملا، وہ دیگر خطوط کے پرنٹ بھی بنوا کر بھیج دیں گے- ان کا کہنا تھا کہ یہ کام کسی بڑے شہر یعنی حیدر آباد دکن یا بمبئی میں ہوسکتا ہے اور جب کبھی ان کا ادھر جانا ہوا، وہ باقی خطوط کے عکس بنوا لیں گے- جب اس قسم کا موقع انہیں دیر تک نہ ملا تو انہوں نے خود ہی نقول اور تراجم تیار کئے اور بھیج دیئے- 'اقبال نامہ' کی پہلی جلد میں ان کے

بھیجے ہوئے انتیس خطوط شامل ہیں۔ پانچ انگریزی سے ترجمہ کیے گئے ہیں اور باقی، مبینہ طور پر اردو میں لکھے گئے ہیں۔ انہیں لکھا گیا کہ باقی ستائیس خطوط کے اصل یا عکس جلد از جلد بھیج دیں۔ ان کا جواب کچھ اس قسم کا ہوتا تھا کہ عنقریب عکس فراہم کر دیئے جائیں گے۔ اب ان کے خطوط میں پہلے والی باقاعدگی رہی نہ وہ پہلے والی تفصیلی داستان گوئی۔ اس اثنا میں 'اقبال نامہ' کی پہلی جلد شائع ہوگئی۔ صاحب موصوف کو فوراً عکس بھیجنے کے لیے تاکیدی خط لکھے گئے۔ انہوں نے چُپ سادھ لی۔ بالآخر ایک دن ان کا جواب آ ہی گیا۔ لکھا تھا کہ میری غیر موجودگی میں اس علاقہ میں بڑے زور کے ہندو مسلم فسادات ہوئے جس میں میرا گھر بھی جلا کر خاک کر دیا گیا۔ اس سے آگے خط پڑھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

والدِ محترم کے نام یہ صاحب موصوف کا آخری خط تھا۔ میں نے اسے پڑھا اور مسل میں نتھی کر دیا۔ میں اس وقت بی۔اے کا طالب علم تھا۔

ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ نے جن دو خطوط کے عکس بھیجے تھے وہ دونوں بہت مختصر تھے۔ ایک کی تاریخ ۱۲ جون ۱۹۳۲ء ہے اور دوسرے کی ۳۰ جون ۱۹۳۳ء۔ پہلے خط پر اقبال نے مکتوب الیہ کا نام نہیں لکھا۔ یہ خط کسی شخص کے نام بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ نصف صدی سے زیادہ مدت گزرنے کے باوجود کسی اور شخص نے مکتوب الیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لہٰذا اس خط کو 'اقبال نامہ' کے نئے ایڈیشن میں لمعہ کے نام واحد خط کی حیثیت سے شامل کیا جا رہا ہے۔ دوسرا خط صرف ایک سطر کا ہے اور یہ مختصر عبارت خلاف محاورہ ہے۔ جملہ کی ساخت غیر مانوس ہے اور اس میں واضح بھدا پن ہے "۔۔۔۔۔ میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز ضرور صرف کریں۔" جب وقت عزیز کا حوالہ دیا جاتا ہے تو دوستانہ مشورہ یہ ہوتا ہے کہ اسے ضائع نہ کیا جائے۔ صلاحیتوں کے فروغ اور افزائش کے لیے محنت کرنے کو کہا جاتا ہے۔ وقت عزیز ضرور صرف کرنے کا مشورہ نہیں دیا جاتا۔ میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ جب میں نے ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ کا آخری خط آنے کے بعد ۳۰ جون ۱۹۳۳ء والے خط کے بھدے عکس کو بہت غور سے دیکھا تو مجھے شبہ ہوا جیسے کسی نے اس جملہ میں لفظ 'نہ' کو 'ضرور' میں بدل دیا ہوا ہے۔ یہ خط تحریف کے شبہ

کی بنا پر اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا - باقی کے ستائیس خطوط وہ ہیں جن کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ عکس فراہم کئے جانے سے پہلے وہ فسادات میں تباہ ہو گئے ہیں- ظاہر ہے کہ ان کے لیے بھی اس مجموعہ میں کوئی جگہ نہیں - ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ کے بارے میں جو توصیفی کلمات 'اقبال نامہ' جلد اول کے دیباچہ میں شامل تھے، انہیں حذف کرنا بھی ضروری سمجھا گیا - آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ایک نامور اقبال شناس نے جو ایک زمانہ میں جنوبی ہند کی ایک ریاست میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے اور خاندیش سے قریب ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کی شخصیت اور حالات کے بارے میں ذاتی واقفیت رکھتے تھے، مرتب 'اقبال نامہ' کو بتایا کہ لمعہ ایک ناکام اور جاہ طلب شخص تھے - نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھتے تھے حالانکہ ڈاکٹری کی تعلیم مکمل نہیں کی تھی ـ مطلب یہ تھا کہ ایسے لوگ شہرت کی خاطر سب کچھ کر گزرتے ہیں - چند سال ہوئے مجھے ڈاکٹر وحید قریشی نے جو ان دنوں بزم اقبال کے سربراہ تھے، بتایا کہ علامہ اقبال کے چند خطوط لمعہ مرحوم کے اثاث البیت میں دریافت ہوئے ہیں مگر ان کے متن اور 'اقبال نامہ' کے لیے فراہم کئے گئے متن میں بہت فرق ہے - مرتب 'اقبال نامہ' کی جانب سے ہم ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کے خطوط کے سلسلۂ واقعات اور حادثۂ معترضہ کو محققین کے سپرد کرتے ہیں-

والدمحترم کے نام 'اقبال نامہ' کے سلسلے میں آنے والے خطوط کی ذاتی مسل پاکستان پہنچ کر سال دو سال کے بعد گم ہوگئی - عنایت علی صاحب مسلم یونیورسٹی میں ہمارے گھر کے قریب ہی رہا کرتے تھے اور سالہا سال صبح کی سیر میں والدمحترم کے مستقل ساتھی ہوا کرتے تھے ـ یہ دونوں تاروں کی چھاؤں میں سیر کے لیے نکلا کرتے تھے - ذکا اللہ روڈ پر ان سے زیادہ سحر خیز کوئی اور نہ تھا - پاکستان آنے کے بعد عنایت علی صاحب کو بیڈن روڈ کے علاقہ میں گھر الاٹ ہوا جو ہمارے کوپر روڈ والے مکان سے بہت دور نہ تھا - اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے عنایت صاحب نے 'علیگ' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار نکالنا شروع کر دیا ۰۰ 'الہلال' اور 'البلاغ' کی دو جلدیں اور 'اقبال نامہ' کی مسل مستعار لے گئے تا کہ علیگ اخبار کے صفحات بھرنے کے لیے مواد مل جائے - ان کے معاونین میں دو نوجوان جزوقتی کارکن شامل تھے - ایک عبدالعزیز جو بعد میں لندن سے ڈگری لائے

اور سنٹرل ٹریننگ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ دوسرے خلیل الرحمٰن داؤدی جو ایک معروف محقق اور نادر مسودات کے مالک تھے۔ ایک دن عنایت علی صاحب نے یہ خبر سنائی کہ 'الہلال' کی دونوں جلدیں اور خطوط کی مسل، تینوں چیزیں گم ہو گئی ہیں۔ میں نے اس واقعہ کے چالیس پینتالیس سال کے بعد پروفیسر عبدالعزیز اور خلیل الرحمٰن داؤدی سے رابطہ کیا تاکہ خطوط کی مسل کی تلاش میں ان کی مدد لی جا سکے۔ دونوں نے اس کام میں دلچسپی کا اظہار کیا مگر مسل نہیں ملی۔

میری دانست میں 'اقبال نامہ' کی سرزمین محققین کے لیے بڑی زرخیز ہے۔ میری مراد اس امر سے نہیں کہ 'اقبال نامہ' ایک نوع کی سوانح نویسی، کارزارِ حیات کی وقائع نگاری یا بسر اوقات کا روز نامچہ ہے جو اقبال کی سوچ اور شخصیت کی دریافت کے لیے مآخذ و منابع کا کام دے سکتا ہے۔ میں تو اس سے بہت کمتر سطح کی بات کر رہا ہوں۔ میرے ذہن میں جو سوال ہیں، وہ کچھ اس طرح کے ہیں۔ 'اقبال نامہ' حصہ اول ۱۹۴۴ء کے اواخر میں شائع ہوا یا ۱۹۴۵ء کے شروع میں۔ کتاب پر سن اشاعت اور دیباچہ پر سن تحریر کیوں نہیں دیا گیا۔ حصہ اول کی اشاعت کے فوراً بعد اس کی فروخت روک کر نسخے بازار سے کیوں واپس منگائے گئے۔ اقبال کے خطوط میں سے کیا کچھ حذف کیا گیا۔ کیا پبلشر نے اس حذف و محذوف کے سلسلہ میں مرتب سے کوئی رابطہ کیا اور اجازت لی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ 'اقبال نامہ' کا حصہ دوم جو قیام پاکستان کے وقت تقریباً مکمل ہو چکا تھا، ۱۹۵۱ء سے پہلے شائع نہ ہو سکا۔ ان سوالات کا جواب وقت دے گا۔ نہ بھی دے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل کام اقبال کے خطوط کا جمع کرنا اور ان کی حفاظت تھی جو انجام پا چکا ہے۔ تاہم دو اشارے ضروری ہیں، ایک بیان کی شکل میں اور دوسرا مثال کی صورت میں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب 'تصانیف اقبال کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ' میں 'اقبال نامہ' کے ناشر شیخ محمد اشرف کا مندرجہ ذیل بیان ملتا ہے۔ 'اقبال نامہ' حصہ اول کی اشاعت رکوانے کا قصہ یہ ہے کہ اس میں ایک خط تھا راس مسعود کے نام جس میں اقبال نے لکھا تھا کہ جب تک جاوید کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی، پنشن جاری رہے۔ یہ ایک طرح کی درخواست تھی۔ چودھری (محمد حسین) اس زمانے میں پریس برانچ کے سپرنٹنڈنٹ تھے اور پیپر کنٹرولر بھی۔ اس وقت کاغذ پر کنٹرول تھا جس کا مطلب تھا

کہ ناشرین کی روح وہ قبض کر سکتے ہیں- چودھری صاحب نے کہا یہ خط شامل نہ کیا جائے- مگر کتاب چھپ چکی تھی- جلدیں بن گئی تھیں- ان کا کہنا تھا کہ بیچ میں سے نکال دو مگر میں نے یہ پسند نہ کیا اور کتاب روک کر رکھ دی- فروخت بند کر دی- کافی عرصہ انتظار کیا- پھر میں نے وہ خط کتاب میں سے نکال دیا''۔ جس خط کا ذکر ہو رہا ہے وہ اقبال نے سر راس مسعود کو ۱۱ دسمبر ۱۹۳۵ء کو لکھا تھا- مرتب کے پاس 'اقبال نامہ' حصہ اوّل کے تین نسخے تھے- دو میں یہ خط صفحہ ۳۷۳ (آخری دو سطریں) سے لے کر صفحہ ۳۷۶ (کی چار سطروں) تک پھیلا ہوا ہے- تیسرے نسخے میں اس خط کو حذف کرنے کی نامکمل کوشش کی گئی ہے- ۱۱ دسمبر ۱۹۳۵ء کا لکھا ہوا کوئی خط کتاب میں شامل نہیں ہے- صفحہ ۳۷۳ پر زیریں جگہ خالی ہے اور صفحہ ۳۷۴ پر نیا خط شروع ہو جاتا ہے- مگر اس کا متن صفحات ۳۷۶ - ۳۷۵ پر ۱۱ دسمبر والے خط کے متن سے گڈ مڈ ہو جاتا ہے- اسی طرح سر راس مسعود کے نام ۱۰ جون ۱۹۳۷ء والے خط میں سے یہ جملہ دو نسخوں میں موجود ہے لیکن تیسرے میں غائب ہے- ''نمبر ۳ شیخ عجاز احمد میرا بھتیجا ہے- نہایت صالح آدمی ہے- لیکن وہ خود بہت عیالدار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے''- ہاشمی صاحب کی تحقیق کے مطابق خط کا اصل متن اس طرح ہے- ''شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے- نہایت صالح آدمی ہے مگر افسوس کہ اپنے عقائد کی رو سے قادیانی ہے- تم کو معلوم ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا Guardian ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ وہ خود بہت عیالدار ہے---''

سر راس مسعود کے نام اقبال کے ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کے خط کا ابتدائی حصہ چھاپنے سے روک لیا گیا تھا اور عبارت کی جگہ نقطے لگا دیئے گئے- اس خط کا مکمل متن شائع کرنے کے لیے والد مرحوم کے کاغذات میں اصل یا اس کی نقل کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد میں نے شیخ محمد اشرف سے رجوع کیا- میں ان دنوں تہران میں تعینات تھا- شیخ صاحب مجھے سعودی عرب میں مل گئے۔ فرمانے لگے، وارث روڈ والی کوٹھی بند ہے- میں اب ڈاکٹر ریاض الحسن کے ساتھ پونچھ روڈ پر رہتا ہوں- آپ جب اگلی بار دورے پر پاکستان آئیں تو میں آپ کے ہمراہ وارث روڈ چلوں گا اور اقبال کے اس خط کو تلاش کروں گا- ایک دن اس کا موقع آ ہی گیا- ہم دونوں ایک پہر مٹی سے اٹے ہوئے کمروں میں کتابوں اور کاغذوں سے الجھتے

رہے- ایک پرانے سیف کو بمشکل کھولا - اس میں علامہ اقبال کے چند خطوط کی بلاک سے چھپی ہوئی نقلیں رکھی ہوئی تھیں۔ جس خط کی تلاش تھی، وہ نہیں ملا - چند ماہ بعد شیخ صاحب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے-

علامہ اقبال اور والد محترم کے براہ راست تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے- ان کی نوعیت وہی تھی جو ایک دور افتادہ عقیدت منداور اس کے بلند مرتبت مرشد کے تعلقات کی ہو سکتی ہے- ملاقات بھی دو چار بار سے زیادہ نہیں ہوئی - میں بہت چھوٹا تھا اس لیے وثوق سے اس بارے میں کچھ اور کہنا مشکل ہے- مجھے بچپن کا صرف یہ واقعہ یاد ہے کہ ہم لوگ گرمیوں کی چھٹیوں میں علی گڑھ سے امرتسر آئے ہوئے تھے- ایک دن والد محترم نے کہا کہ وہ مجھے اور برادر بزرگ مختار محمود کو چڑیا گھر دکھانے کے لیے لاہور لے جا رہے ہیں- صبح سویرے ریل گاڑی سے روانہ ہوئے اور لاہور پہنچ کر دن بھر کے لیے سالم تانگا کرایے پر لیا- پہلا پڑاؤ اسٹیشن کے قریب ہی تھا- تانگا ایک کوٹھی کے باہر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا- والد محترم پیدل پھاٹک کے اندر چلے گئے- کوچوان نے تنگ باگ کو اور ڈھیلا کیا اور گھوڑے کے آگے چارہ ڈال دیا- مجھے نہ یہ معلوم تھا کہ گھر کس کا ہے، نہ یہ یاد ہے کہ والد محترم کتنی دیر کے بعد باہر آئے- بہت عرصہ کے بعد عقدہ کھلا کہ سڑک کا نام میو روڈ (اب علامہ اقبال روڈ)، مکان کا نام جاوید منزل اور مکین کا نام ڈاکٹر سر محمد اقبال تھا- کئی سال بعد والد محترم نے ایک روز مسکراتے ہوئے کہا کہ اس ملاقات کے دوران علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ آپ کے خیالات اور خواہشات کے مطابق کام کرنے کے لیے لاہور زیادہ مناسب رہے گا - آپ یہاں آ جائیں- لیکن یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی۔

ایک بار علی گڑھ کے طلباء کا وفد لاہور میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا- اس وفد کے ایک رکن نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے گفتگو کے دوران فرمایا کہ مسلم یونیورسٹی کے چند اساتذہ وہاں کے طلباء کی نظریاتی تعلیم اور تربیت کے لیے اچھا کام کر رہے ہیں- دو چار نام لیے جن میں شیخ عطاء اللہ کا نام بھی شامل تھا- والد محترم کی علامہ اقبال سے کبھی خط و کتابت نہیں ہوئی اور نہ ہی میں چند سال پہلے تک ان کے کسی ہم نام کو جانتا تھا- چند سال ہوئے میں جاوید منزل میں

واقع اقبال میوزیم دیکھنے کے لیے گیا - وہاں علامہ اقبال کا ایک خط فریم میں لگا ہوا ہے - مکتوب الیہ کا نام شیخ عطاء اللہ ہے - یہ خط ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کا لکھا ہوا ہے - خط سے پتہ چلتا ہے کہ مکتوب الیہ ''قانونی مشاغل'' سے متعلق ہیں - ان مشاغل کی صحیح نوعیت اور صاحب موصوف کی پیشہ ورانہ حیثیت کا پتہ نہیں چلتا - اقبال نے انہیں دینی خدمات کے لیے وقت نکالنے پر تحسین کا مستحق قرار دیا ہے - ایک اور خط انہی شیخ عطاء اللہ صاحب کے نام ملتا ہے جو ۶ جنوری ۱۹۲۲ء کو لکھا گیا تھا - اس خط میں ''تعلقات دیرینہ'' کے ذکر کے ساتھ اقبال نے شیخ عطاء اللہ صاحب کی گوشہ نشینی کا ذکر بھی کیا ہے اور توقع کی ہے کہ اس کی بدولت انہیں قرآن کریم پر غور وخوض کرنے کا بہتر موقع ملتا ہوگا - یہ شیخ عطاء اللہ صاحب عمر میں والدمحترم سے بہت بڑے تھے - ان کے نام اقبال کا پہلا خط ۱۹۰۹ء کا ہے - ان دنوں یہ دوسرے اور بڑے شیخ عطاء اللہ صاحب قانونی مشاغل میں مصروف تھے - اس وقت والدمحترم کی عمر بارہ برس تھی -

سید مظفر حسین برنی (انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس) نے رسالہ 'شاعر' بمبئی کے اقبال نمبر (جنوری - جون ۱۹۸۸ء) میں ایک مضمون ''اقبال کے پانچ غیر مطبوعہ خطوط'' کے عنوان سے لکھا ہے - یہ پانچ خط مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی پرانی فائلوں سے حاصل کیے گئے ہیں - ان میں سے ایک خط جو اقبال نے اپنے انتقال سے ٹھیک دو برس پہلے ۲۱ اپریل (برنی صاحب نے مارچ لکھا ہے جو میری دانست میں درست نہیں) ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا - یہ طویل ٹائپ شدہ خط مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین کے نام لکھا ہے - ان دنوں والدمحترم کے مسودۂ کتاب The Cooperative Movement in the Punjab کو لندن کے مشہور ناشر جارج ایلن نے اپنے ماہرین کی آراء کے پیش نظر شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس امر کے باعث کہ تحقیقی کتب کی فروخت محدود پیمانہ پر ہوتی ہے ، انہوں نے اشاعت کے لیے یہ شرط عائد کی کہ مصنف کی جانب سے ایک سو پونڈ کی امدادی رقم ناشر کو ادا کی جائے - علامہ اقبال نے اپنے خط میں پرزور سفارش کی کہ یہ رقم یونیورسٹی فنڈ یا کسی اور ذریعہ سے فراہم کی جائے کیونکہ اس کتاب کی اشاعت مصنف اور مسلم یونیورسٹی دونوں کے لیے عزت کا باعث ہوگی - اقبال کی سفارش کون ٹال سکتا تھا - کتاب

۱۹۳۷ء میں کیمبرج کے Prof.C.R.Fay کے دیباچہ کے ساتھ چھپی- لندن کے رسالے The Spectater کی ۲۳ اپریل ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں Sir A.F.Whyte نے اپنے ریویو میں اس کتاب کی تعریف کی جسے پڑھ کر سر راس مسعود نے بھوپال سے ۱۵ مئی کو والد محترم کو مبارکباد کے خط میں لکھا کہ ساری یونیورسٹی کو اس کتاب کی تعریف پر فخر ہونا چاہیے- سر راس مسعود کا یہ خط آج بھی میرے پاس محفوظ ہے- میں جب اس خط کو پڑھتا ہوں تو مجھے بے اختیار بہت کچھ یاد آ جاتا ہے- یہ بات میرے علم میں ہے مگر میں اسے بیان نہیں کروں گا کہ آخر وہ کیا وجہ تھی کہ والد محترم کو لندن سے شائع ہونے والے ضخیم تحقیقی مقالے کے لیے سو پونڈ کی امدادی رقم کی خاطر علامہ اقبال کو براہ راست مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو خط لکھنے کی زحمت دینا پڑی - بہت سی باتوں کے بارے میں خاموش رہنے اور وضع احتیاط اختیار کرنے کے باوجود یہ تعارفی اور توضیحی کلمات بہت طویل ہو گئے ہیں ۔ اس کے باوجود اگر میں اشہبِ قلم کو ایڑ لگاؤں تو وہ ممنوعہ علاقہ میں بہت دور نکل جائے گا ۔ تاہم میں بھی مرضی اور مزاج والا ہوں ۔ کچھ ایسی منزلیں بھی میری زد میں ہیں جنہیں میں سر نہیں کرنا چاہتا ۔

'اقبال نامہ'، اقبال کے خطوط جمع کرنے کی پہلی باقاعدہ اور باضابطہ کوشش کا ثمر ہے- اس مجموعہ کو اوّلیت کے اس اعزاز کے علاوہ مکاتیب اور مکتوب الیہان کی تعداد اور تنوع کی فضیلت بھی حاصل ہے- اسناد کے سلسلہ میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال کی مستند ترین سوانح حیات 'زندہ رود' میں اس کے کم و بیش اسی (۸۰) حوالے موجود ہیں- مکاتیب اقبال کا یہ مجموعہ ایک نوع کی سدا بہار کتاب ہے جسے ہر موسم میں بآسانی دستیاب ہونا چاہیے- اس کے باوجود یہ کتاب ایک طویل عرصہ سے ناپید تھی - ایک حد تک اس تاخیر کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے- نئے ایڈیشن کے لیے والد محترم کے پیش نظر ایک آٹھ نکاتی منصوبہ تھا- ان کی خواہش تھی کہ 'اقبال نامہ' کے دونوں حصے ایک جلد میں شائع کیے جائیں- متن میں جو اغلاط در آئی ہیں خواہ وہ کتابت، پروف خوانی، غلط فہمی، خوانائی کے مسائل یعنی کاغذ کا پرانا پن، روشنائی کی بے نوری یا کسی اور وجہ سے ہی کیوں نہ ہوں، ان سب کو درست کیا جائے- لمعہ کے جن خطوط کے عکس دستیاب نہیں ہوئے،

وہ حذف کردیئے جائیں - سر راس مسعود کے نام لکھا ہوا جو خط فروخت روک کر نکالا گیا تھا، اسے دوبارہ شامل کیا جائے - شیخ اعجاز احمد کو بچوں کا قانونی سرپرست بنانے کے سلسلہ میں جس انجمن کا اقبال نے ذکر کیا ہے اسے حذف کرنے کی بجائے حرف بحرف نقل کیا جائے - کتاب کا اشاریہ تیار کیا جائے - ترجمہ کے ساتھ انگریزی متن بھی ہونا چاہیے - مکتوب الیہم کا مختصر تعارف بھی شامل کیا جانا چاہیے - مرتب نے آخری کام خود شروع کر دیا تھا مگر وہ اسے مکمل نہ کر سکے - 'اقبال نامہ' کا یہ ایڈیشن مؤلف کی منصوبہ بندی کے عین مطابق ہے - صرف دو نکات پر عمل کرنا رہ گیا ہے - ایک انگریزی متن کا شامل کیا جانا اور دوسرا شخصیات کا تعارف - یہ کسر بھی کسی دن پوری ہو جائے گی - آخر میں مجھے اقبال اکادمی کا شکریہ ادا کرنا ہے جس کے اشتراک کے ساتھ یہ ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے - وما توفیقی الا باللہ -

مختار مسعود

العطاء

۱۷۷ - شادمان - ۲

لاہور

اپریل ۲۰۰۲ء

اشاریہ

آ

آبزرور : ۴۲۷، ۴۳۰
آتش کدۂ آزر : ۹۲، ۴۹۹
آدم علی بھائی، منشی : ۲۳۰
آرٹ اینڈ دی انکاشنس : ۵۹۲
آرنلڈ، پروفیسر : ۴۲۰ تا ۴۲۲، ۴۳۸، ۴۳۹، ۵۲۵، ۵۲۷، ۶۰۷، ۶۰۸
آرنلڈ کورس : ۵۲۶ تا ۵۲۸
آریائی نسل : ۵۶۰
آزادی کامل : ۲۱۷
آستانِ رسالتؐ : ۵۹۷
آسین، پروفیسر : ۵۸۴
آغا خاں، سر، ہز ہائنس : ۱۳۱، ۱۷۲، ۲۸۱ تا ۲۸۳، ۳۲۶
آفتاب احمد خاں، صاحبزادہ : ۵۲۲
آکسفورڈ یونیورسٹی : ۱۴۳، ۳۱۵، ۳۳۰، ۴۱۶، ۵۸۵، ۵۸۶
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس : ۴۱۶
آل احمد سرور : ۵۷۹، ۵۸۱
آل انڈیا کانگرس کمیٹی : ۳۶۸
آل انڈیا مسلم کانونشن : ۳۵۶، ۳۵۷
آل انڈیا نیشنل کانونشن : ۳۵۵، ۳۵۶
آم : ۲۲۲، ۵۸۷، ۵۸۸
آمدی، علامہ : ۱۴۹ تا ۱۵۱
آن سیال : ۱۶۹
آئن سٹائن : ۱۴۷، ۵۲۳
آئینِ نو : ۶۱۵
آئینۂ وحدت، مثنوی : ۴۷۷
آیۂ توریث : ۱۵۷
آیۂ وصیت : ۱۵۷

ا

ابراہیم بن محمدؐ : ۱۸۷
ابراہیم، مولوی سید : ۵۰۴
ابرِ گہر بار : ۸۵
ابطالِ ضرورت : ۱۱۹، ۱۲۴
ابن ابی شیبہ : ۱۸۶
ابن تیمیہ : ۱۴۶
ابن جوزی، علامہ : ۳۸۳
ابن حجر مکی، حافظ : ۱۴۴
ابن حزم : ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۸۹
ابن رشد : ۱۴۷، ۵۲۳
ابن عربی : (دیکھیں محی الدین ابن عربی)
ابن قیمؒ، حافظ : ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۹۹
ابن ماجہ : ۱۸۷
ابن مسعود : ۶۳۳
ابوالبرکات بغدادی : ۱۴۶
ابوالکلام آزاد، مولانا : ۱۱۳، ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۴۹، ۱۹۱، ۳۱۴
ابوالمعالی : ۱۴۷، ۵۲۳
ابوبکر صدیقؓ، حضرت : ۱۰۲
ابو حنیفہ، امام : ۹۹، ۱۶۳
ابو شیبہ ابراہیم : ۱۸۷
ابو مصلح، مولوی : ۵۹۶
اتحاد : ۴۵۷
اتحادِ ملت : ۳۵۱
اتقان فی ماہیۃ الزمان، رسالہ : ۱۷۰
اثالین رسائل : ۵۹۷، ۴۰۰، ۴۰۱
اٹک : ۴۱۳
اٹلی : ۵۹، ۶۸، ۲۹۶، ۵۸۱، ۵۹۷
اثر ابن عباس : ۱۳۹
اجازت شرعی : ۱۸۱، ۲۹۹، ۳۰۰
اجتہاد : ۹۶، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۲، ۵۲۴
اجماعِ امت : ۱۴۸، ۱۴۹
اجماعِ صحابہ : ۱۴۹، ۱۵۰
اجمیر شریف : ۳۹۰، ۶۱۴
اچار : ۲۰۲، ۲۰۳
احباب : ۴۳۹
احترام و عقیدت : ۴۳۴
احرار : ۳۵۱
احسان الحق، شیخ : ۶۱۴
احسن مارہروی، مولانا : ۴۹
احمد الدین، خواجہ : ۸۵، ۸۶، ۹۶
احمد بخش، ڈاکٹر : ۲۵۳
احمد رضا بجنوری، مولوی : ۵۳۹
احمد سعید، مولوی : ۶۲۳
احمد شاہ ابدالی : ۵۶۱
احمد عباس، سید : ۲۸۲
اسعد علی شباب، مولوی : ۵۴۸
احمدی ازم : ۵۶۷
احمدی فرقہ : ۵۶۵، ۵۶۸، ۶۰۰
احیاء العلوم : ۵۹۷
اخبار نویس : ۲۲۳
اختلافِ رائے : ۳۸۲
اخلاقِ حسنہ : ۵۵۱
ادارۂ دینیات : ۵۵۷، ۵۶۲
ادبیاتِ اسلامی : ۵۶۰
ادبی نصب العین : ۵۴۶
ادیب : ۴۴۷
اذان : ۱۶۲
ارتفاقات : ۱۶۷، ۱۶۸
اردو، رسالہ : ۲۴۵، ۲۵۱، ۳۱۰
اردو (زبان) : ۵۶، ۹۶، ۱۰۴، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۸، ۵۴۲، ۵۴۳
اردو شاہنامہ : ۳۷۵
اردو کانفرنس : ۴۰۲
ارسٹوٹیلین سوسائٹی لندن : ۲۰۳، ۵۷۶
ارسطو : ۵۲۳، ۵۹۸
ارشاد الفحول : ۱۵۱، ۱۵۴
ارلانگٹن یونیورسٹی : ۲۳۲
ارلی ہسٹری آف بغداد
۱۰۸
ارمغانِ حجاز : ۲۵۶، ۲۹۳
از ریلیجن پاسی بل
(دیکھیں کیا مذہب ممکن ہے)
ازنگٹن، لارڈ : ۳۳۰، ۳۳۲
استانی : ۲۳۹، ۲۴۲
استخراجی علوم : ۵۲۲
استخراجی منطق : ۵۲۳
استخر، اخبار : ۴۵۶
استقرائی علوم : ۵۲۲
استقرائی منطق : ۵۲۳
اسٹیٹسمین، روزنامہ : ۵۶۳
اسحاق خاں، نواب : ۵۰۶
اسد ملتانی : ۲۵۶، ۲۶۱، ۲۶۵
اسرار الحکم : ۴۵۳

اسرارِ حیات : ۶۱۵
اسرارِ خودی، مثنوی : ۸۱، ۸۲، ۸۹، ۹۰، ۹۹، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۳۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۰، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۹ تا ۳۹۱، ۴۵۴، ۴۶۲، ۴۷۵، ۵۰۶، ۵۱۵، ۵۳۶، ۵۴۷، ۶۱۴
اسلاف : ۵۵۱، ۵۵۲
اسلام : ۸۹، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۹، ۳۴۷ تا ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۸۸، ۵۵۴، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۸۰، ۶۲۵، ۶۲۶
اسلام اور احمدیت : ۴۱۷
اسلام اور سوشلزم : ۲۴۳
اسلام اور عقلِ انسانی : ۶۰۸
اسلام ایز آئی انڈرسٹینڈ اٹ : ۹۶
"اسلام ایک سیاسی و مذہبی نصب العین کی حیثیت سے" : ۴۲۷
اسلام بحیثیت مذہب : ۶۳۱
اسلام چین میں : ۵۵۷
اسلام کا قانونی لٹریچر : ۵۲۴
اسلام کا مستقبل : ۶۲۷
اسلامک کلچر : ۲۳۹، ۲۴۴
اسلام کی حفاظت : ۶۲۶
اسلام کی سیاسی بے چینی : ۵۳۶
اسلام کی عظمت : ۴۵۹
اسلام میں ایک ذہنی انقلاب : ۶۰۱
اسلامی اوقاف : ۳۵۳
اسلامی اصولِ فقہ (دیکھیں فقہ اسلامی)
اسلامی افکار و ادبیات : ۵۲۲، ۵۲۳
اسلامی تصوف : ۳۸۷، ۳۹۰، ۶۰۸
اسلامی جمہوریت : ۶۰۸
اسلامی دینیات : ۵۶۲
اسلامی ریسرچ : ۲۹۶
اسلامی شاعری اور تصوف : ۱۰۰
اسلامی صوفیا : ۵۹۸، ۵۹۹
اسلامی عصبیت : ۵۳۹
اسلامی علم الانساب : ۵۵۶، ۵۶۰ تا ۵۶۲
اسلامی فقر : ۱۹۴

اسلامی ثمیلی للہ : ۲۵۳
اسلامی قانون : ۳۵۹، ۳۶۰
اسلامی قومیت : ۶۱۳
اسلامی مذہب و تمدن : ۶۰۸، ۶۲۵
اسلامیہ کالج لاہور : ۲۳۳، ۲۴۶، ۳۹۹، ۴۵۱، ۵۹۳، ۵۹۴
اسلامیہ مدرسہ بمبئی : ۵۴
اسلامی ہند : ۳۵۸
اسلم جیراجپوری، مولانا : ۹۴، ۹۹، ۲۱۴
اسلوبِ بیان : ۵۸۱
اسماعیل، حاجی سر : ۴۱۰، ۴۱۳
اسماعیل شہید، مولانا، شاہ : ۱۴۲، ۳۸۲
اسماعیلی تحریک : ۱۵۶
اشاعتِ اسلام : ۲۲۹، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۲۵
اشاعت القرآن، رسالہ : ۹۸
اشاعرۂ ہند : ۱۶۹
اشتراکیت : ۳۵۹ تا ۳۶۱
اصابہ ابن حجر : ۱۴۴
اصغر علی روحی، مولانا : ۱۲۵
اصغر علی، شیخ : ۳۳۲
اصلاحاتِ شعر : ۷۳، ۲۵۷ تا ۲۶۱
اصلاحِ کلام : ۷۴، ۳۱۲
اصولِ تشبیہ : ۱۱۷
اصولِ تناقض : ۳۷۷
اصولِ طریقت : ۶۰۶
اصطلاحاتِ علمیہ : ۴۷۵
اضافیت : ۱۶۰
اطالوی شہزادی : ۴۴۲
اطالین عورتیں : ۴۴
اعجاز احمد، سب جج، شیخ : ۲۸۹
اعجازِ عشق : ۵۷۴، ۵۷۵
اعلام الموقعین : ۲۹۹، ۳۰۰
اعلانِ آزادی : ۶۰۲
افریقہ : ۲۲۹، ۴۱۴، ۵۲۳
افغان : ۵۶۰، ۵۶۱
افغانستان : ۱۷۴، ۱۷۸، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۵۵، ۵۲۸، ۵۵۹، ۵۶۰
افغانی تمدن : ۵۶۲

افکار : ۴۱۴
افلاطون : ۳۷۷، ۴۲۰، ۴۳۴
افلاطونیت : ۴۵۳
اقبال اور خواجہ حسن : ۳۸۵
اقبال شیدائی : ۵۹۹، ۴۰۰
"اقبال" (مقالہ) : ۴۱۸
اقتصادیات : ۵۳۰
"اقلیم خاموشاں" : ۴۶۲، ۴۶۴
اکبر الہ آبادی، لسان العصر، مولانا : ۳۱۳، ۳۷۲ تا ۴۰۱، ۴۷۱، ۴۷۸، ۴۸۱، ۴۸۷، ۴۹۷، ۵۰۷، ۵۲۱
اکبر بن سر راس مسعود : ۲۵۱
اکیڈمی آف اسلام : ۴۱۸
الاحسان : ۴۰۴
الاحکام : ۱۴۹
البانیا : ۱۵۶
الحمرا : ۵۸۴
الحیوانات فی القرآن : ۱۰۵
الخلیل، اخبار : ۳۹۸
السیف المسلول علی شاتم الرسول : ۱۸۵
العلم، رسالہ : ۱۰۵، ۱۰۶
الغزالی : ۱۰۸
الفاظ و محاورات : ۱۱۸ تا ۱۲۵، ۱۲۸
الف دین، مولوی : ۱۹۸
الکلام : ۱۹۷، ۴۱۳
الگزینڈر : ۴۴۱
المقالات : ۱۹۱
المقر : ۱۳۶
الناظر : ۹۹
الندیم : ۶۲۱
النساء، رسالہ : ۳۱۰
الوہیت : ۳۴۱
الہ آباد : ۵۰۷
الہ آباد یونیورسٹی : ۲۲۸، ۳۰۸، ۴۹۲، ۴۹۵
اللہ اکبر : ۴۶۹
الہلال : ۱۴۴
الیکشن : ۲۸۶، ۴۸۵
امام : ۱۶۰، ۱۸۲، ۵۳۳

امامت : ۳۷۹
امان اللہ، امیر کابل : ۴۱۵
امان اللہ بنارسی، حافظ : ۱۴۲
امپیریل پولیس سروس : ۲۹۴
امتل : (دیکھیں لیڈی مسعود)
امت محمدیہ : ۱۲۹، ۱۵۳
امراؤ سنگھ، سردار : ۴۴۷
امرتسر : ۸۵، ۹۸، ۱۵۲، ۲۹۱، ۳۱۲، ۴۷۸
امروز، اخبار : ۵۷۹
امریکہ : ۴۹، ۵۵، ۱۴۸، ۱۵۰، ۳۲٦، ۵۱۵
امیر : ۵۷۰
امیر الدین، میاں : ۲۸۹
امیر خاں : ۱۰۲
امیر خسرو : ۷۸
امیر مینائی : ۴۹، ۷۴، ۴۸۷، ۴۸۸
انارکلی لاہور : ۲۵۸
انٹرنس کورس فارسی : ۴۵۵
انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی : ۳۴۳
انجمن ترقی اردو : ۴۰۳
انجمن حمایت اسلام : ۱۴۱، ۱۵۲، ۲۸۳، ۲۹۲، ۳۹۹، ۴۷۰
انجمن خدام الدین : ۵۴۸
انجمن طبیہ : ۵۹۴
انحطاط ملی : ۸۸
اندور : ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۹، ۲۸۵
انڈین انٹی کیوری : ۳۴۱
انڈین ریویو : ۵۹۰
انڈین سوسائٹی جرنل : ۳۲۷
انسان کامل : ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۵۰
انسانیت : ۵٦۲
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : ۹۳، ۵۵۹
انشاء اللہ خاں، مولوی : ۵۰
انصاری، ڈاکٹر : ۴۲۱
انفلوئنزا : ۱۲٦، ۳۹۸
انقلاب : ۴۵۷، ۴۵۹
انگریزی کی تعلیم : ۵۳۰
انگلستان : ۵۴، ۵٦، ۹۱، ۱۳۸، ۱۹٦، ۲۰۳، ۲٦۷، ۲٦۸، ۲۹۵، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳٦، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳٦۴، ۴۹۴، ۴۹۵، ۵۴۵، ۵۸۵، ۵۹۹، ٦۰۸۔
انگلستان میں گرانی : ۴۹۰
انت رام بیرسٹر : ۵۰۹
انور بن سر راس مسعود : ۲۴۹، ۲۵۱ تا ۲۵۳، ۲٦۷، ۲٦۸، ۲۷۲، ۲۹۴، ۲۹٦۔
انور شاہ، مولوی سید : ۳۲۴، ۵۴۸
انیس احمد : ۳۷۹
اورنگ آباد : ۳۷۸، ۳۸۷
اورنگ زیب، شہنشاہ : ۵٦۱
اورینٹل کالج، لاہور : ۱۱۰، ۱۱٦
اوہلنڈ : ۱۱۳
اویس قرنی، حضرت : ۱۴۴
اہرمن : ۴۲۷
ایاک نستعین : ۴٦۹
ایاک نعبد : ۴۷۳
اے۔ این۔ فیلڈ : ۳۳۰
ایبٹ آباد : ۲۳۸
اے۔ ڈارلنگ (فنانشل کمشنر) : ۲۴٦
ایران : ۵۱، ۹۸، ۱۴۱، ۱۵٦، ۲۵۵، ۴۵۳ تا ۴۵۵، ۴۵۷، ۵٦۴
ایرانی شاعری : ۴۵۳
ایرانی قوم : ۸۹
ایرانی لٹریچر : ۵۵
ایسٹ اینڈ ویسٹ (رسالہ) ۳۹٦، ۴۵۷
ایسٹرن ٹائمز : ۳۲۸، ۳۵۲
ایشیا : ۳۳۲، ۳۵٦، ۳٦۷، ۵۲۳
ایشیا کی مسلمان اقوام : ۴۵۷
ایک خانگی پریشانی : ۴۲۷، ۴۲۸
اے کریٹیکل ہسٹری آف گریک فلاسفی : ۴۵۴
ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام : ۸۷
ایم۔ بی احمد، سردار : ۵۳۱
اے نیو مسلم ورلڈ ان میکنگ : ۲۹۷

ب

بابا تاج : (دیکھیں تاج الدین، مولانا)
بابیت : ۱۵٦
بال جبریل : ۸۸، ۴۱۷، ۵۸۱
بالواسطہ انتخابات : ۳۵۳
بانگ درا : ۱۲۸، ۲۱٦، ۲۳۱، ۴۴۹، ۵۲۱
بائیرن : ۴۴۴
بچوں کی تربیت : ۵۹۷
بچہ سقہ : ۴۱۴
بحر روم : ۲٦، ٦۷
بحری سفر : ۵۱
بحرین : ۴۵۲، ۴۵۳
بخاری : (دیکھیں بوعلی سینا)
بخاری شریف (صحیح) : ۱۹۴، ۱۹۷
بدایوں : ۱۳۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۵
بدور البازغہ : ۱۹۰
بدھ مت : ۱۱۲، ۱۹۴، ۳٦۰
برار : ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸٦
براؤن، پروفیسر : ۹۱، ۹۳، ۳۵۵، ۵۹۳
بربری نسل : ۵٦۰
برٹش چینل : ٦۹
برٹش میوزیم لندن : ۵۵۸
برٹن : ۵۵۸
برزخ : ۲۱۹
برطانوی امپیریلزم : ۳۳۸
برکات احمد، مولانا حکیم : ۱۴۲، ۱۷۰، ۱۷۲
برکت علی، ملک : ۳۱۵، ۵۷۸
برگساں : ۴۵۰
بروز : ۱۹۱، ۳۰۹
برہمنیت : ۳٦۰
برہمو مذہب : ۵٦۴
بشیر حیدر، سید : ۸۰
بصارت : ۲۵۴، ۲۸۷، ۳۰٦، ۵۷۹
بصیری : ۱۱۹، ۱۲۳
بقا : ۱۹۳
بقائے شخصی : ۳۴۵
بغداد : ۲۰۷، ۲۰۸، ۴۵۹
بلاٹین، اخبار : ۵۰۱

بلاغ، رسالہ : ۹۸
بُلبل کی فریاد : ۸۱
بلقان : ۶۱۳
بلوچستان : ۷۰، ۱۰۷، ۳۶۸، ۵۵۹
بمبئی : ۵۱، ۵۴ تا ۵۶، ۵۸، ۳۲۵، ۳۵۴، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۶۵، ۴۹۰، ۴۹۱۔
بمبئی سے ایک جوہری کا خط : ۴۹۱
بنارس : ۶۰۷
بنگال : ۳۵۵، ۳۶۳، ۴۴۹
بنگلور : ۴۱۰، ۴۶۷
بنی اسرائیل : ۳۳۷
بو علی سینا : ۸۷، ۴۴۶
بہارِ عجم : ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۴۵، ۵۴۳
بہاول پور : ۶۱۹، ۶۲۳، ۶۲۴
بہار اللہ : ۹۸
بہائی فرقہ : ۱۵۳، ۵۶۴، ۵۶۵
بھگوت گیتا : ۲۱۳
بھوپال : ۱۸۴، ۱۹۶، ۲۰۴، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۹، ۲۸۷، ۳۰۲، ۳۰۵، ۴۰۴، ۴۱۷، ۶۲۷
بیت العلوم دکن : ۴۹۲
بے خودی : ۳۸۹، ۳۹۰
بیداری ہندوستان : ۳۱۴
بیدل کا نظریۂ حیات : ۵۸۸
بیدل، مرزا : ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۵۸۷، ۵۸۸۔
بیرسٹری : ۴۷
بیروت : ۴۵۲
بیک ہس : ۴۱۸، ۴۲۰
بیکن، لارڈ : ۳۷۲، ۵۹۸
بیگم اقبال شیدائی : ۵۹۹، ۶۰۰
بیگم حیدری : ۴۳۸
بے نہایتی : (انسان کی) : ۵۸۳

پ

پارسی پیر مرد : ۵۱
پارلیمنٹری بورڈ : ۲۸۵
پاک پتن شریف : ۶۲۸ تا ۶۳۰
پان انڈین ڈیموکریسی : ۳۳۸
پانی پت : ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۷۷ تا ۲۷۹، ۲۸۰
پٹنہ : ۲۱۸، ۳۱۵ تا ۳۱۷، ۳۲۱
پٹھان : ۵۶۰
پٹیالہ : ۲۸۳
پچھڑی : ۲۷۵
پرائیویٹ سیکرٹری : ۴۵۰
پرائیویٹ نظمیں : ۴۴۶
پرشاد، راجہ : ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۱۹
پروجا پارٹی : ۳۵۵
پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی : ۵۱۹
پروفیسری علی گڑھ کالج : ۶۰۹
پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق (نظم) : ۸۶، ۳۰۶
پشاور : ۱۷۴ تا ۱۷۷
پشتو زبان : ۵۶۱
پکٹ ہل، مسٹر : ۱۹۶
پنجاب : ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۹۱، ۲۲۳، ۲۸۰، ۳۵۷، ۳۶۳ تا ۳۶۶، ۳۶۹، ۳۸۱، ۴۰۳، ۴۵۵، ۴۶۴، ۴۶۷، ۴۷۰، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۲، ۴۹۳، ۴۹۵، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۷۱، ۶۲۵۔
پنجاب پارلیمنٹری بورڈ : ۳۵۴
پنجاب کونسل : ۴۸۵
پنجاب میں اردو : ۱۰۴
پنجاب میں گرانی : ۴۸۹
پنجاب یونیورسٹی : ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۶، ۲۰۲، ۲۴۶، ۲۹۲، ۴۹۵
پنشن : ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱، ۲۸۲،
پورٹ سعید : ۶۵
پیامِ امن : ۲۱۵
پیامِ سروش : ۶۱۵
پیامِ مشرق : ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۴۸، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۱۰، ۳۱۱، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۸۳، ۵۱۶، ۶۱۷۔
پیامِ نو : ۶۱۵
پٹیر دی ہرسٹ : ۳۳۷
پیٹ، قاضی : ۴۹۱
پیرالل پاسچولیٹ ۔۵۹۸
پیرانِ مشرق : ۳۷۵، ۳۹۵
پیرس : ۵۹۷
پیر سنجر : ۴۷۷
پیری مریدی : ۴۶۷
پیسہ اخبار : ۲۰۷، ۶۰۴

ت

تاتاری نسل : ۵۵۷، ۵۶۰
تاثیر، ڈاکٹر، پروفیسر : ۲۳۳، ۵۹۶
تاج الدین، شاہ، مولانا : ۵۱۳، ۵۱۴
تاج کمپنی لاہور : ۴۱۷
تاریخ ادبیات ایران (دیکھیں لٹریری ہسٹری آف پرشیا)
تاریخ اسلام : ۴۱۱
تاریخ عالم : ۴۲۱
تاریخ فلسفہ : ۳۹۹
تبسم، پروفیسر (دیکھیں غلام مصطفےٰ تبسم)
تبلیغ اسلام : ۱۹۶، ۲۱۱، ۲۲۴
تحریکِ احمدیت : ۵۳۳، ۵۶۸
تحریکِ الہلال : ۱۳۴
تحریکِ سیرت : ۴۱۳
تحریکِ عدمِ تعاون : ۴۵۶
تحفۃ الاحرار : ۱۲۴
تحفۃ العراقین، مثنوی : ۸۷
تحقیق زبان : ۵۳۱، ۵۳۳
تحقیق زماں (رسالہ) : ۱۴۲
تحذیر الناس فی اثر ابن عباس (رسالہ) ۱۳۹
تخصیص یا تعمیم حکم : ۱۵۰، ۱۵۱
تدبیر اور تقدیر : ۴۷۰
تذکرہ (از ابوالکلام) : ۱۳۴، ۱۵۳، ۳۱۴
تذکرہ (از علامہ مشرقی) : ۱۵۱
تذکرہ شعرائے کشمیر : ۱۰۳
ترتیب اشعار : ۸۰
ترجمہ : ۲۳۱، ۲۳۲
ترشی کا استعمال : ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۹۶

ترک (قوم) : ۵۳، ۵۴، ۳۰۱، ۳۰۲،
۳۳۹، ۳۸۸، ۵۳۹، ۵۸۱
ترکِ دنیا : ۹۵
ترکی : ۵۳، ۱۵۶، ۲۲۹، ۵۶۲، ۵۷۷
ترکی و اٹلی کی جنگ : ۳۷۳
ترکی و مصر کا سفر : ۴۱۱
ترکِ عثمانیہ : ۴۸۸
تسویلاتِ فلسفہ : ۱۷۰
تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامی : ۲۲۸، ۶۲۷
تصادم : ۳۴۴ تا ۳۴۶
تصاویر : ۴۹، ۴۱۰
تصنیف و تالیف : ۴۹۵
تصورِ پاکستان : ۳۶۰، ۳۶۳، ۳۶۴
تصوف : ۸۲، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۱۲،
۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۷۴، ۵۳۸،
۶۰۵۔
تصوف اور اسلام : ۶۰۵
تصوف اور قرآن : ۶۰۵
تصوف و تناسخ : ۱۲۹
تصویر : ۲۴۲، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۵
تعددِ زمان و مکان : ۵۹۸
تعریف و توصیف : ۵۱۸
تعصب : ۵۳۸
تعلیم : ۲۲۸
تعلیماتِ اسلامی : ۵۵۶
تفسیر بیانؐ للناس : ۸۶
تفکرِ اسلامی : ۲۲۴
تفہیماتِ الٰہیہ : ۱۸۴، ۵۳۹
تقسیمِ ہند : ۳۶۰، ۳۶۳، ۳۶۴
تقویۃ الایمان : ۳۸۴
تقی، سید : ۵۷۰
تکملۂ مجمع البحار : ۱۸۶
تلفظِ زبان : ۵۳۰، ۵۳۱
تناسخ : ۱۳۹
تناقض : ۳۸۸
تنسیخ خلافت : ۳۳۶
تنقید : ۷۱
تنہائی : ۳۷۲، ۳۷۴، ۴۷۲
توجہ الی اللہ : ۶۳۲

"توحید" : ۶۱۳
توران پرستی : ۳۰۱، ۳۰۲
توکل : ۹۳
تونسہ شریف : ۶۲۹، ۶۳۰
توہینِ رسولؐ : ۱۸۴، ۱۸۵، ۳۶۲
تہجد : ۴۷۶
تہذیبِ اسلامی : ۳۵۶
تہذیبِ نسواں، رسالہ : ۲۳۹
تہذیب و تمدن : ۱۸۰
تھیکر : ۹۳
تیمور لنگ : ۹۲، ۵۸۰، ۵۸۱
تیموریت : ۵۸۱

ٹ

ٹالسٹائی : ۵۹، ۶۰، ۳۴۳
ٹامس کک : ۵۱
ٹرانسوال : ۵۲
ٹریبون، اخبار : ۳۶۸
ٹونک : ۱۷۰
ٹیپو سلطان : ۲۲۰، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۴،
ٹیٹا گڑھ ملز : ۵۹۵
ٹیری ٹوریل نیشنلزم : ۳۸۸
ٹیک چند بہار : ۱۱۹
ٹینی سن، ملک الشعرائے انگلستان : ۵۷۳
ٹیوٹ، مسٹر : ۲۳۲، ۲۳۳

ج

جالندھر : ۵۷۱
جامع ملفوظات : ۹۴
جامعہ ازہر : ۲۲۴
جامعہ عثمانیہ : (دیکھیں عثمانیہ یونیورسٹی)
جامعہ ملیہ علی گڑھ : ۱۴۵، ۲۱۴
جامی، مولانا : ۹۴، ۱۲۴
جاوا : ۱۴۴
جاوید اقبال : ۸۶، ۸۸، ۲۰۶، ۲۴۲،
۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۷۴،
۲۷۶ تا ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۶،
۲۸۸ تا ۲۹۰، ۳۰۰، ۵۲۰، ۵۹۶
جاوید نامہ : ۲۰۰، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۶،
۶۲۷، ۶۳۳
جان سٹوورٹ مل : ۲۲۵، ۵۹۸
جدید افغانستان : ۵۶۱
جدید دنیائے اسلام : ۵۲۹
جدید دنیائے اسلام : ۵۵۸
جدید سائنس : ۵۲۵
جدید طرزِ تعلیم : ۵۲۹
جدید علم الکلام : ۵۶۲
جدید منطق : ۵۲۳
جذباتِ انسانی کی تخلیق : ۶۱۶
جذبۂ انسانیت : ۵۲۳
جشنِ استقلال کابل : ۶۲۲
جشنِ صلح : ۴۸۰، ۴۸۱
جرمانوس، ڈاکٹر : ۵۷۶
جرمن خاتون : ۲۰۸، ۲۸۸
جرمنی : ۱۳۳، ۱۸۰، ۳۷۹، ۴۲۲، ۴۲۶،
۴۳۰، ۴۴۴، ۴۸۳، ۵۳۱، ۵۳۲،
۵۹۸۔
جرمن یونیورسٹیاں : ۵۳۲
جلال آباد : ۵۱۱
جلال پور جٹاں : ۵۳۰
جمال الدین افغانی، سید : ۲۰۱، ۵۳۳
جمال الدین والی : ۲۱۰، ۲۱۲
جمال محمد، حاجی سیٹھ : ۴۱۱، ۵۱۴
جماعتِ احمدیہ لاہور : ۵۳۲
جمعیتِ اقوام : (دیکھیں لیگ آف نیشنز)
جمعیۃ الشبان المسلمین کلکتہ : ۵۴۴
جمعیت علمائے ہند : ۱۵۶، ۱۶۲
جموں : ۳۱۵ تا ۳۱۷، ۳۲۰
جموں کانفرنس : ۳۱۸
جمہوریت : ۱۸۰، ۳۲۵، ۵۵۵
جناح سکندر معاہدہ : ۳۶۹
جنجیرہ : ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۲، ۴۳۷، ۴۳۸،
۴۴۰، ۴۴۴
جنگ : ۱۹۳، ۱۹۴، ۳۴۲
جنوبی افریقہ : ۵۷۷
جنوبی ہندوستان : ۵۹، ۱۹۷، ۲۲۰، ۲۲۸،
۴۱۲
جنید بغدادی، حضرت : ۳۸۶

جوابِ شکوہ : ۲۲۴، ۲۳۵، ۳۹۷، ۵۴۱ تا ۵۴۳

جواہر الترکیب : ۲۴

جواہر لعل نہرو، پنڈت : ۲۱۳، ۲۹۸، ۳۳۱، ۳۵۵، ۳۵۹ تا ۳۶۱، ۳۶۷

جورس پروڈنس : ۹۸، ۱۵۸

جوششِ بیان : ۱۴۰

جوش ملیح آبادی : ۴۸۴

جوگندر سنگھ، سردار : ۴۵۷

جوگی جی کا واقعہ : ۵۱۲

جوہر الفرد : ۱۴۲، ۱۶۱

جہاد فی سبیل اللہ : ۸۹، ۹۰، ۱۹۳

جہانگیر اشرف، شاہ : ۹۴

چ

چھجو رام وکیل، پنڈت : ۵۷۳

چھوٹا شملہ : ۷۴

چیمبر آف پرنسز : ۴۸۵

چین : ۵۲، ۳۳۹

چینی مسلمان : ۵۵۷

ح

حارث ابن اسد المحاسبی : ۱۰۸

حاضر مسلمی الہند و غابرہم : ۳۰۲

حافظ شیرازی : ۸۹ تا ۹۵، ۹۹، ۳۸۴ تا ۳۸۷، ۳۹۰، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۵۴، ۴۷۹، ۵۸۳

حالاتِ زمین : ۵۵۱

حال و قال : ۵۴۷

حالی اور اقبال : ۳۷۸

حالی، مولانا : ۲۳۵، ۲۷۸، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴

حامد حسن، مسٹر : ۵۵۱

حامد، خواجہ : ۶۲۸

حبشہ : ۱۹۲

حبشی : ۵۶۰

حبیب الرحمٰن خاں شروانی : ۷۰ تا ۷۲، ۵۴۸

حبیب اللہ خان، امیر کابل : ۵۱۱

حبیب اللہ خواجہ : ۵۷۸

حج بیت اللہ : ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰ تا ۲۱۲، ۲۸۶

حجۃ اللہ البالغہ : ۱۶۷، ۱۶۸

حجج الکرامہ : ۱۸۶، ۱۸۷

حجرۂ رین بسیرا، دہلی : ۴۸۱

حجیتِ حدیث : ۱۵۵

حدِ قرآن : ۱۵۹

حدودِ شرعیہ : ۵۳۹

حدیث : ۵۵، ۱۶۱

حروبِ صلیبیہ : (دیکھیں صلیبی لڑائیاں)

حرمِ نبوی : ۶۳۲

حریتِ اسلام : ۵۵۵

حریری : ۶۴، ۵۵۴

حُسن : ۶۶

حسن الدین، میر : ۴۱۷

حسن نظامی، سید، خواجہ : ۵۰، ۳۷۳، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۹۲، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۸۰، ۴۸۷، ۵۰۸، ۵۱۱، ۶۰۴ تا ۶۱۵

حسن نظامی کی خبرِ مرگ : ۶۰۴

حسین بن منصور حلاج : ۲۰۱

حشر و نشر : ۲۱۹

حشمت علی، مولوی : ۹۸

حضراتِ مشائخ : ۶۳۱

حضور سرورِ کائناتؐ : (دیکھیں محمد رسول اللہؐ)

حفاظتِ ملی : ۶۲۵

حقائقِ اسلامیہ : ۵۸۰، ۵۸۳

حقیقت : ۳۴۴

حقیقی اسلام : ۸۲

حکمائے اسلام : ۱۷۱

حلقۂ نظام المشائخ : ۶۱۰، ۶۱۱

حمید الدین خاں بدایونی : ۳۱۲ تا ۳۱۴

حمید اللہ خاں، پرنس آف بھوپال : ۴۷۰

حمیدیہ لائبریری : ۱۸۸

حمیرا : ۱۳۶

حنفی (مذہب) : ۹۸

حیات الشرق : ۳۰۱

حیاتِ حافظ : ۹۴

حیات صاحب : ۲۵۴

حیدر آباد دکن : ۷۵، ۱۳۰، ۱۴۶، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۵۱، ۲۶۷، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۷۸، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۵، ۴۸۲، ۴۸۵، ۴۸۹، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۸، ۵۱۴

حیدر آباد میں طاعون : ۴۹۰

حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی : ۴۹۴

حیدری صاحب (سر اکبر حیدری) : ۷۴، ۲۰۷، ۲۸۸، ۳۲۷، ۳۲۸، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۹۸، ۵۰۰ تا ۵۰۴، ۵۱۹

حیوانات کے نام سامی زبانوں میں : ۱۰۵

خ

خاتم النبیینؐ : ۱۸۶، ۵۶۴

خاتونؐ : ۲۰۷

خاقانی : ۸۷، ۶۰۳

خالد خلیل : ۵۵۶

خالد شیلڈرک : ۳۲۷

خالدہ ادیب خانم : ۵۹۹

ختمِ نبوت : ۱۵۲، ۱۸۶ تا ۱۸۸، ۵۶۴، ۵۶۵

خدا اور الوہیت : ۳۴۱

خضرؑ، حضرت : ۱۴۰

خضرِ راہ : ۱۴۰، ۱۴۸، ۴۵۸

خطاب : ۵۱۵، ۶۱۴

خطابِ سنز : ۱۹۴، ۱۹۵

خطبات : ۴۱۲، ۴۱۴ تا ۴۱۶، ۵۸۵

خطباتِ مدارس : ۱۹۷، ۵۹۲

خطوط نویسی : ۳۷۴

خط و کتابت : ۲۴۴

خلافت : ۱۴۷، ۱۹۵، ۵۳۵

خلوص : ۴۶۶، ۴۶۸

خلیفۂ قادیان : ۴۰۰

خمارشادہ، مثنوی : ۵۱۱

خماری شاہ : ۵۱۱، ۵۱۲

خواب : ۴۲۹، ۵۳۱، ۵۰۵

خواجو کرمانی : ۹۳

خودی (مسئلہ) : ۱۹۲، ۱۹۳، ۳۸۹، ۴۹۱،

٥٣٧، ٥٣١، ٦١٤
خواجہ : ٢٠٣
خوشحال خاں خٹک : ٢٣٩، ٥٦١
خوشی محمد، چودھری : ٧٢
خیالات : ٤٣٥
خیبر کشیر : ٥٣٩

د

داد دینے کا بہترین طریقہ : ٣٧٦
داراشکوہ : ٥١
دارال : ١٤١
دارالحرب : ١٥٩
دارالمصنفین (اعظم گڑھ) : ١١١، ١٤٣، ١٧١
دارقطنی : ١٦٣
داغ، مرزا : ٤٩، ٧٤، ٤٦٣
دانتے : ٥٩٧، ٦٠٢
دربار رسالت : ٢٨٦
درد : ٦٠٩
دُردانہ : ٦١٤
درد دندان : ٦٢٩، ٦٣٠
درد گردہ : ٣٠٣، ٣٠٨
درمنثور : ١٨٦
"درون خانہ" : ٥٤٤
دساتیر : ١١٦
دُعا (نظم) : ٤٤٩
دعوت نامہ افغانستان : ١٧٣
دقتِ زبان : ٦١٦
دکن : ٤٨١
دکن میں اُردو : ١٠٤، ١٠٥
دلیپ سنگھ، شہزادی : ٤٤٧
دم : ٢١١، ٢٥٤، ٣٠٥، ٣٠٧
دنیاوی افکار : ٤٠٧
دُنیائے اسلام : ٥٣٥
"دُنیائے اسلام اور سائنس" : ٥٢٦
دہلی : ٥٠، ٥١، ٢٨٦، ٣١٣، ٣٢٧، ٣٢٩،
٣٣٥، ٣٥٦، ٣٥٧، ٣٧٥، ٤٠٥،
٤٣٩، ٤٦١، ٤٧٧، ٤٨١، ٥٣٧،
٦٠٤، ٦١٠
دہلی کالج : ٤٦٩

دھنپت رام، لالہ، وکیل : ٥٦
دیار پیر سنجر : ٤٦٥
دی ایتھینیم : ٣٣٠
دیش، اخبار : ٤٩٦، ٥٠٩
"دین" : ٤٩٧
دینِ اسلام : ١٩٢
دینا ناتھ، لالہ : ٥٠٩
دینیات : ٥٢٥، ٥٢٦، ٥٢٧، ٥٢٨، ٥٦٢،
٥٦٨.
دیوانِ حافظ : ٩٢
دیوانِ خواجو کرمانی : ٤٦٣
دیوانِ شمس تبریز : ٥٠٦
دیوانِ صاحب : ٦١٥
دیوبند : ٥٢٥ تا ٥٢٧، ٥٢٩

ڈ

ڈارلنگ، مسٹر : ٢٤٦
ڈلفس، ڈاکٹر : ٣٣٣
ڈانٹے کا میڈی :
٥٩٨
ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیس :
٤٥٤
ڈکٹیٹر شپ : ١٨٠
ڈکنسن، مسٹر : ١٣٧، ٣٤٢، ٣٤٤،
٣٤٦ تا ٣٤٨
ڈوور : ٦٩
ڈیرہ دون : ٢٤٤
ڈیرہ غازی خاں : ٦٣٢
ڈیکارٹ : ٥٩٧
ڈیلی ایکسپریس : ٣٢٨
ڈین ہوٹل پشاور : ١٧٧
ڈیوائن کامیڈی : ٢٠٠، ٢٣١، ٥٩٨، ٦٠٢
ڈیوائن کامیڈی اینڈ اسلام : ٥٨٤

ذ

ذخیرہ : ٥٠٧، ٥٠٨
ذخیرۃ الدنیہ، رسالہ : ١٤٤
ذوالفقار علی خاں، نواب : ١٠٩، ١٩٦، ٢٣٤
ذوالفقار علی دیوبندی، مولوی : ١١٩

ذوق شعر و شاعری : ٢٥٦
ذیابطیس (مرض) : ٢٧٩

ر

رابسن، کرنل : ٢٨٣
رازی، امام : ٤٣، ١٣٦، ١٩٥، ٦٦٠، ٥٢٣
راس مسعود، سر : ١٧١، ١٧٢، ١٧٤ تا ١٧٧،
١٨٢، ٢١٩، ٢١٧، ٢٣٢، ٢٣٣، ٢٣٥
تا ٢٥٣، ٢٦٦ تا ٢٩٣، ٣٠٥، ٣٠٦،
٥٣٦، ٣٠٠
راغب احسن : ٥٤٤، ٥٤٥
راغب اصفہانی : ١٨٣، ١٨٤، ٥٩٠
راما کرشنا : ٤٥٢
رامائن : ٤٧٩
رام پور : ١٧٠، ١٧٨
رام کرشن : ٦٠٧
رانچی : ١٢٧
راولپنڈی : ٢٨٠، ٣٢٠
رائٹ آف وومن : ٢٢٥
رائل انجینیر کونسل : ٥٧٠
رائل کمشن : ٤٨٦
رباعیات : ٢٣٤
رحمان صاحب، ڈاکٹر : ٢٥٣، ٢٧٩
رحمت علی، چودھری : ٥٨٥
رستم : ٤٣٢
رسکن : ٣٤٣
رسول اکرمؐ : (دیکھیں محمد رسول اللہ)
رشتے ناتے : ٤٨٢
رشید احمد صدیقی، پروفیسر : ٢٨٨، ٥٣٥
رشید صاحب : ٢٥١، ٢٨٠
رموزِ بے خودی : ١١٣، ١١٤، ١١٩، ١٢١ تا ١٢٤،
٤٧٢، ٤٧٩، ٥٠٧، ٥٠٨، ٥٣٧
رنگ و نسل : ٣٤٧، ٣٤٩
روحِ انسانیت کی تحریک : ٥٢٨
روحانی پیکار : ١٥٣
روحانیت : ٢٤٣، ٥٢٥، ٦٢٠
روزنامچہ ٹیپو سلطان : ٣١٢، ٣١٤
روزے : ٣٩٩
روس : ١١٦، ١٨٢، ٢٠١

روسی علماء : ۱۳۹

روشن پیر : ۵۶۱

روضۂ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم : ۲۰۸، ۲۸۲، ۲۷۳

رومار : ۵۹۶

رومی، مولانا : ۱۲۴، ۱۲۹، ۳۹۳، ۳۵۷

رؤیا : ۵۸۲

رویت باری تعالیٰ : ۱۳۸، ۱۴۷

رہبانیت : ۱۱۲، ۳۸۳

راہوڈز لیکچرز : ۲۷۵، ۳۳۰، ۳۱۷، ۵۸۵، ۵۸۶

ریاض منزل : ۲۷۶

ریاضیات : ۵۳۰

ریاضی (علم) : ۶۱۹

ریاکاری : ۴۳۴، ۴۳۹

ریشنز کمیٹی : ۴۸۱

رین بسیرا، حجرہ : ۴۸۱

رینان : ۳۴۷

ز

زبان : ۱۰۱، ۲۰۰، ۵۴۹

زبور عجم : ۲۳۱، ۴۶۰

زلالی : ۱۲۲

زلزلہ : ۳۱۷

زمان کی حقیقت : ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۹، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۴۵

زمان کی حقیقت فلسفۂ اسلام کی تاریخ میں : ۱۶۴

زمان و مکان : ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۵۹۹

زمانہ، رسالہ : ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۸۰

زمیندار، اخبار : ۸۳، ۱۵۳، ۲۴۸، ۳۴۳، ۳۷۵، ۵۸۹، ۶۱۳

زمیندارہ لیگ : ۳۷۱

زندگی کا راز : ۴۶۰

زویمر، ڈاکٹر : ۵۵۸، ۵۵۹

زیارات : ۵۰، ۶۳۲

س

سادگی اور قناعت : ۲۸۱

سارٹن : ۴۰۹

ساقی نامہ : ۱۱۷، ۱۲۴

سامی (نسل) : ۵۶۰

سائنٹیفک تحقیقات : ۵۲۶

سائنس : ۳۸۷، ۳۸۸

سپین (دیکھیں ہسپانیہ)

ست بچن (نظم) : ۴۸۷

سٹور ڈرڈ : ۵۵۸

سجاد حسین، خواجہ : ۲[illegible]

سجاد حسین، سید : ۱۹۵، ۵۵۶

سجادوں کی حفاظت : ۶۲۵

سچ : ۲۱۸

سچائی : ۵۳۸

سحابی نجفی : ۶۱

سحبان : ۱۰۶

سدرۃ الترجمہ : ۵۹۰

سراج الدین پال، مولوی : ۸۵، ۸۸ تا ۹۵

سراج الدین فنشی : ۷۷ تا ۸۳

سراج الدین، میر : ۲۰۲

سرِ اسرارِ خودی : ۳۸۴

سر السماء : ۶۱۹ تا ۶۲۴

سرحد : ۲۸۰، ۲۸۶

سردار محمد، پروفیسر : ۵۴۹

سر سید احمد خاں : ۳۰۶، ۴۰۴، ۵۲۴

"سر" کا خطاب : ۱۹۴، ۱۹۵

سرمایہ داری : ۱۸۰

سرور خاں : ۱۸۲

سری نگر : ۲۳۲، ۳۲۰

سعدی (حافظ کے چچا) : ۹۱

سعید پاشا : ۶۵

سعید محمد خاں، میجر : ۲۲۰

سفارش : ۲۳۷

سفر ایران و ترکی : ۴۱۰

سفر افغانستان : ۱۷۱، ۱۷۳ تا ۱۷۷

سفر حیدر آباد : ۴۴۱، ۵۰۱

سفر کابل : ۴۰۳، ۶۲۲

سفر میسور : ۴۱۰

سفرنامہ شاد : ۵۱۶

سفرنامۂ کابل : ۱۸۱، ۱۸۴

سفرنامۂ مدراس : ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۴

سفر یورپ : ۵۵۲، ۵۶۹، ۵۹۷

سفینۂ طالبی : ۴۵۶، ۴۵۸

سکاچ مشن کالج سیالکوٹ : ۵۷۵

شکر : ۱۲۷، ۳۸۶

سکندر حیات، سر : ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۶، ۳۶۸ تا ۳۷۱

سکھ چین پور : ۳۱۵

سکھ فرقہ : ۵۶۳، ۵۶۴ تا ۵۶۷

سلسلۂ قادریہ : ۱۱۲

سلسلۂ نظامیہ : ۶۰۷

سلطان سرائے لاہور : ۳۶۹

سلیمان اعظم، شہنشاہ : ۶۳، ۵۵۳

سلیمان تونسوی، خواجہ : ۶۲۰

سلیمان، شاہ، قاری : ۶۰۵

سلیمان ندوی، سید، مولانا : ۱۱۰ تا ۱۹۱، ۲۱۴، ۲۹۸ تا ۳۰۰

سلیم، سلطان (ترکی) : ۲۵۳

سماج کے ارتقاء میں مذہب کے عنصر کا مفہوم : ۴۲۷

سمندر : ۵۶ تا ۶۰

سنائی، حکیم : ۸۹ تا ۴۵۷

سندھ : ۳۶۲، ۳۶۶، ۶۲۵

سودی : ۹۴

سورت : ۵۸۷

سوز و گداز : ۵۸۳

سوشل ڈیموکریسی : ۳۶۰

سوشلزم : ۲۴۳

سول اینڈ ملٹری گزٹ : ۲۴۸، ۲۸۵

سول لبرٹی یونین : ۵۶۸

سویز کینال : ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۵۵۲ تا ۵۵۵

سہروردی، شیخ : ۱۴۶

سہیل، رسالہ : ۵۳۰، ۵۶۳

سی آر، درس : ۲۱۲

سیاحت : ۳۲۹

سیاحتِ اندلس : ۵۸۴

سیاحت نامہ : ۴۱۹
سیارات سماوی : ۶۲۳
سیاست : ۱۹۶
سیاسی حقوق کا تحفظ : ۶۲۵
سیالکوٹ : ۷۰، ۱۶۹، ۲۵۸، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۸۷، ۵۷۴
سیتارام، لالہ : ۵۰۹، ۵۱۰
سیر السیارہ : ۲۰۱
سیرت النبیؐ : ۱۶۲
سیرت سلیمان : ۶۲۰
سیرت عائشہ : ۱۳۶
سیر فلک : ۴۳۱
سیموئل جور : ۱۹۳

ش

شاد اقبال : ۳۶۱، ۴۸۶، ۴۸۹
شاد عظیم آبادی : ۳۱۱، ۵۷۴
شادی (علی بخش کی) : ۵۶۹
شادی لال، چیف جسٹس : ۵۱۷
شاطر مدراسی : ۵۷۱ تا ۵۷۵
شاعروں کی بدنصیبی : ۶۱۳
شاعری : ۱۸۸، ۳۱۴، ۳۶۹، ۴۴۲، ۴۴۴، ۵۴۱ تا ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۴۸، ۶۱۴
شاعری اور پیغمبری : ۳۴۳
شافعی، امام : ۱۶۳
شالامار باغ : ۴۳۷
شاہ اسمٰعیل شہید : (دیکھیں اسمٰعیل، مولانا، شہید)
شاہ افغانستان : ۱۷۱
شاہ سلیمان، قاری (دیکھیں سلیمان، شاہ، قاری)
شاہ ولی اللہ (محدث دہلوی) : ۱۸۴، ۱۹۸، ۱۹۰، ۵۴۰
شاہین : ۱۹۴
شب بیداری : ۴۷۶
شبلی نعمانی، مولوی : ۹۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۵۵، ۱۶۶ تا ۱۶۸، ۳۹۱، ۵۷۴
شبنم کا قطرہ : ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۱
شبیر احمد عثمانی، مولوی : ۵۴۸
شجاع الدین ناموس، پروفیسر : ۲۰۰ تا ۲۰۴
شدھی : ۱۹۶، ۱۹۷

شرح پیام مشرق : ۶۱۷
شرح قصیدہ بردہ : ۱۱۹
شرح کلمۃ الاشراق مقالہ خمسہ : ۱۳۹
شرح مواقف : ۱۴۳، ۱۷۰
شرعیت احادیث : ۱۶۱
شریعت : ۱۹۲، ۱۹۳
شریعت محمدیہ : ۹۷، ۳۶۰
شعائر : ۱۶۶ تا ۱۶۸
شعر : ۶۱۶، ۶۱۷
شعر العجم : ۹۲، ۱۰۳
شعر اور فلسفہ : ۳۴۶
شعرائے عجم : ۸۹، ۹۰
شعر کا اثر : ۶۱۷
شعر کا منبع : ۴۵۲
شعر کی بڑی خوبی : ۵۴۳
شعر کی زبان : ۶۱۶، ۶۱۷
شعر کی قوت : ۶۱۷
شعر گوئی اقبال : ۱۵۷، ۵۴۶، ۵۷۵
شعریت : ۵۴۶، ۵۷۳
شعیب صاحب : ۱۷۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۲
شفیع : ۳۴۰
شفیع داؤدی، مولوی : ۳۲۱
شکوہ (نظم) : ۲۳۴، ۲۳۵، ۳۹۷، ۵۴۱
شکوۂ ہند : ۲۳۵
شکیب ارسلان، امیر : ۵۹۹
شمال مغربی ہندوستان : ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۳ تا ۳۶۵
شمالی ہندوستان : ۴۳۳
شمس الدین، مولوی : ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۴
شملہ : ۱۱۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۲۵۱، ۳۱۳، ۳۲۱، ۳۷۷، ۳۹۵، ۵۷۰، ۵۷۸
شوپن ہار : ۳۹۳
شوکانی، قاضی : ۱۵۱، ۱۵۴
شوکت حسین : ۵۴۶، ۵۴۷
شوکت علی، مولانا : ۲۲۵، ۳۱۳، ۳۲۶، ۴۲۵
شولال شوری : ۵۵۰
شہاب : ۷۵
شہاب الدین، چودھری (وکیل) : ۱۰۹

شہید گنج مسجد : ۲۸۰، ۲۸۶، ۳۵۳
شیخ اشراق : ۱۳۹
شیراز : ۹۲، ۴۵۳، ۴۵۹
شیرازی : (دیکھیں صدرالدین شیرازی، ملا)
شیر شاہ سوری : ۵۶۱
شیعہ : ۳۷۹، ۴۵۴
شیکسپیئر : ۳۹۳
شیلے : ۴۳۴

ص

صادق علی خاں : ۸۱
صالح محمد، مولوی : ۶۱۵ تا ۶۳۳
صائب : ۱۲۱، ۱۲۲
صحاح ستہ : ۱۸۳
صحت الفاظ و محاورات : ۱۱۴
صحت عامۂ اقبال : ۸۴، ۲۰۴، ۲۱۹، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۸۳، ۵۹۶
"صحو" : ۱۲۷
صدرا، ملا : ۱۶۴، ۴۵۵، ۴۵۸
صدرالدین شیرازی، ملا : ۴۵۲، ۴۵۵
صدر یار جنگ، نواب، مولوی : ۱۸۴
صدقات : ۱۸۲
صدیق حسن خاں، نواب : ۱۸۷
صغرا بیگم ہمایوں مرزا : ۳۱۰ تا ۳۱۲
صلاح الدین ایوبی، سلطان : ۲۵۵، ۳۳۸
صلاح الدین خدا بخش : ۳۱۱
صلاح الدین سلجوقی، سردار : ۲۴۷، ۲۷۵، ۲۹۳
صلیبی لڑائیاں : ۲۵۴، ۳۳۸
صنعت آزری : ۶۰۷
صوبائی پارلیمنٹری بورڈ : ۳۶۹، ۳۷۰
صوت الحق : ۱۵۶
صوفی، رسالہ : ۱۱۳
صوفیا : ۲۲۳، ۳۸۲
صہیونیت : ۳۳۴
صیام : ۹۲

ض

ضرار احمد کاظمی : ۲۳۴ تا ۲۳۶
ضرب کلیم : ۸۶، ۸۷، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۸۴،

۲۸۵، ۳۰۸، ۴۱۷
ضعف بصارت : ۲۴۴، ۳۵۷
ضمیمہ اعجاز حق : ۵۷۵
ضیابک : ۱۵۹
"ضیا" مجلہ : ۲۹۷
ضیاء الدین طباطبائی : ۵۹۹

ط

طارق (بن زیاد) : ۵۸۴
طالع محمد، فاشر : ۵۳۰
طاہر دین، منشی : ۲۸۳، ۲۸۹
طاہر عریاں، بابا : ۲۳۴
طبیعات : ۳۴۵
طرابلس : ۶۱۳
طربوش : ۶۳، ۵۵۴
طُرفہ : ۱۲۷
طریق الحکیمہ : ۱۶۱
طریقت : ۱۹۳
طغرا، ملّا : ۱۲۲
طلاق : ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۳
طلوع اسلام : ۳۰۹
طوسی (ملّا نصیر الدین) : ۲۲۱، ۴۱۷، ۵۹۸
طہران : ۹۱، ۴۵۹

ظ

ظاہر شاہ، اعلیٰ حضرت : ۱۷۸، ۲۷۵
ظرافت : ۴۳۲
ظفر احمد صدیقی، مولوی : ۱۹۲
ظفر الحسن، سید، ڈاکٹر : ۱۰۸، ۲۹۴، ۲۹۵
ظفر اللہ خاں، چودھری : ۳۱۹
ظفر علی خاں، مولوی : ۳۵۱، ۳۷۲، ۴۷۴، ۴۷۵، ۵۰۵، ۵۰۸
ظل السلطان، رسالہ : ۲۲۵
ظہورِ امام : ۵۱۲
ظہوری : ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۴

ع

عابد صاحب : ۲۴۵
عاشق حسین، شاہ : ۱۸۴
عالم جان، مفتی : ۱۳۹، ۱۳۶
عالمگیر اورنگ زیب : ۳۷۸، ۳۸۳، ۳۸۵، ۴۳۹، ۴۴۵
عائشہؓ، حضرت : ۱۴۳، ۱۸۶
عبادات : ۱۵۸
عباس علی خاں، ڈاکٹر : ۲۳۰
عبدالباری فرنگی محلی، مولانا : ۱۳۱
عبدالباسط، ڈاکٹر : ۲۵۳، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۲
عبدالحق، مولوی (بابائے اردو) : ۲۵۱، ۴۰۲ تا ۴۰۹، ۴۷۵
عبدالحمید ایڈووکیٹ، شیخ : ۳۱۶ تا ۳۲۲
عبدالحمید، سلطان : ۵۳، ۵۴، ۵۵۸
عبدالحی فرنگی محلی، مولانا : ۱۳۹
عبدالحی، وزیر تعلیم : ۲۴۶
عبدالرب نشتر، سردار : ۱۰۱
عبدالرحمٰن چغتائی، خان بہادر : ۵۸۹، ۵۹۱، ۵۹۴، ۵۹۶، ۵۹۹، ۶۰۰
عبدالرحمٰن خاں، امیر کابل : ۵۶۱
عبدالرحمٰن، ڈاکٹر : ۳۹۶
عبدالرحمٰن، غازی : ۲۵۴
عبدالرحمٰن کاشغری ندوی، مولانا : ۲۹۸
عبدالرزاق حیدر آبادی، مولوی : ۴۸۶
عبدالرشید (والد لیڈی مسعود) : ۵۳۶
عبدالرؤف، سید : ۳۹۵
عبدالصمد خاں، سر : ۲۰۶، ۳۳۲
عبدالعزیز آف پٹنہ : ۳۱۶
عبدالعزیز، علامہ : ۶۲۱
عبدالعلی ہروی طہرانی، علامہ شیخ : ۴۶۴
عبدالغفور : ۴۱۳
عبدالغنی : ۲۸۹
عبدالقادر، سر شیخ : ۶۲، ۶۹، ۸۰، ۱۶۶، ۳۳۶، ۳۷۳، ۴۱۹، ۴۲۸، ۴۲۹، ۵۵۴، ۶۱۵
عبدالقادر گیلانی، حضرت محی الدین : ۱۱۲
عبدالماجد بدایونی، مولوی : ۱۳۷، ۱۹۷
عبدالماجد دریا بادی، مولانا : ۲۱۲ تا ۲۲۰، ۳۸۳
عبدالمجید، بابو : ۷۴
عبدالمجید قرشی : ۴۱۳
عبدالواحد، سید : ۵۳۰
عبدالوہاب نجدی : ۵۳۳
عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر : ۵۴۸، ۵۱۹ تا ۶۰۳
عبداللہ، شیخ (کشمیری) : ۲۹۵، ۳۱۸، ۳۲۰
عبداللہ یوسف علی، علامہ : ۲۳۵
عبرانی زبان : ۵۶۰
عبرت : ۱۰۲
عبقات : ۱۴۲
عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد : ۱۹۷، ۴۱۴، ۴۶۱، ۴۸۰، ۵۱۹
عثمان مختاری : ۵۴۹
عجمیت : ۱۱۲، ۵۳۳
عجمی تصوف : ۱۰۱، ۳۸۷، ۳۹۰
عدن : ۶۱، ۶۲، ۵۵۲، ۵۵۳
عدن کے تاجر : ۵۵۳
عدن کے تالاب : ۵۵۳
عراق : ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۰
عراقی : ۹۵، ۳۲۴، ۳۵۰، ۵۹۳، ۵۹۹۔
عرب : ۶۱، ۳۳۹
عربی تخیلات : ۵۳۳
عربی دانی : ۴۹۵
عربی زبان : ۹۳، ۲۰۳، ۵۲۹
عربی علیت : ۵۲۹
عُرس : ۶۱۵
عُرفی : ۹۹، ۳۷۳، ۵۱۷، ۵۴۳
عزلت نشینی : ۲۲۵
عزیز الرحمٰن مفتی : ۵۴۸
عزیز لکھنوی، مرزا : ۵۳۱
عشق رسول (اقبال کا) : ۹۱
عصبیت : ۵۳۸، ۵۳۹
عصر آزادی : ۴۵۵
عطا محمد، شیخ (برادر اقبال) : ۷۰، ۵۷۰، ۵۷۱۔
عطیہ بیگم : ۴۱۸ تا ۴۵۱
عقائد شیعہ : ۱۹۰
علاء الدولہ سمنانی، حضرت : ۳۹۶

علما : ۲۲۳، ۳۸۲
علم اقتصاد : ۴۹۵
علم اقتصاد (کتاب) : ۳۰۳، ۴۲۱، ۴۲۴
علم الانساب : ۵۶۰
علم کلام : ۵۲۵
علم وظائف الاعضاء : ۵۵۹
علم ہیئت : ۶۲۳
علمی تحقیقات : ۶۱۹
علوم اسلامیہ : ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۸ ۔
علوم طبیعی : ۵۳۰
علی امام، سید، سر : ۵۱۲، ۵۲۰
علی بخش (ملازم اقبال) : ۲۴۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۶، ۲۷۸ تا ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۳، ۵۶۹، ۵۹۹، ۶۰۲
علی بلگرامی، سید : ۴۱۹
علی بیگ : ۳۱۵
علی قاری، ملا : ۱۸۷
علی گڑھ : ۱۵۹، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۶۷، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۴۱۴، ۴۸۹، ۴۹۰، ۵۰۶، ۵۳۵، ۵۷۹، ۵۸۱ ۔
علی گڑھ تحریک : ۵۳۵
علی گڑھ کالج : ۴۲۶، ۵۵۴
علی گڑھ منتھلی : ۱۴۵
علی گڑھ یونیورسٹی : (دیکھیں مسلم یونیورسٹی)
علی مرتضیٰ، حضرت : ۷۶، ۱۴۴، ۳۷۹، ۶۰۵
علی ہجویری، سید : ۵۰۶
عمادی، مولوی : ۸۳
عمرؓ بن خطاب، حضرت : ۱۵۹، ۱۸۱، ۱۸۷، ۳۳۷، ۳۹۱ ۔
عمر خیام : ۶۱، ۱۷۸
عمر ہولسٹ : ۴۱۰
عنبر صاحب : ۸۱
عیسائیت : ۵۶۲
عیسیٰؑ، حضرت : ۱۸۶، ۱۸۷

غ

غالب اور بیدل : ۵۸۷، ۵۸۸
غالب، مرزا : ۵۰، ۱۳۸، ۵۱۱، ۵۸۷، ۵۸۸ ۔
غالب نامہ : ۵۸۷
غرۂ شوال : ۳۷۳
غزالی، امام : ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۴۶، ۴۱۷، ۵۶۷ ۔
غلام احمد قادیانی، مرزا : ۱۸۵، ۵۳۴
غلام احمد مہجور : ۱۰۲
غلام السیدین، خواجہ : ۲۳۹ تا ۲۴۶، ۲۵۳ ۔
غلام بھیک، نیرنگ، سید، میر : ۱۹۴ تا ۱۹۷، ۲۰۸
غلام رسول، مسٹر : ۳۶۵، ۳۶۶
غلام رسول مہر، چودھری : ۱۶۱، ۵۹۵
غلام قادر فصیح : ۵۵۱
غلام قادر گرامی : (دیکھیں گرامی، مولانا)
غلام قوم : ۱۹۲
غلام محی الدین، صوفی، ڈاکٹر : ۲۳۱ تا ۲۳۴
غلام محی الدین، مولوی : ۲۶۸
غلام مصطفےٰ تبسم : ۹۵، ۹۷
غلام میراں شاہ، سید، مخدوم الملک : ۲۰۵ تا ۲۱۲
غلامی : ۱۹۲
غم انگیز خیالات : ۴۲۹، ۵۷۱
غنی : ۱۱۷

ف

فارس : ۵۵۹
فارسی : ۲۵۸، ۶۱۶
فارسی مثنویاں : ۵۷۵
فاشزم : ۵۷۹
فاطمہ بیگم، صاحبزادی : ۲۰۷
فال : ۹۲
فتح قسطنطنیہ : ۲۵۴
فتوحات (ابن عربی) : ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۹
فرانس : ۶۹، ۳۸۳، ۳۸۵، ۴۵۴
فرانسس ینگ ہسبنڈ، سر : ۳۲۷
فرانسیسی قوم : ۵۷
فردوسی : ۳۷۵
فرعون : ۱۳۶
فرکوہرسن، مس : ۲۶۹، ۳۲۵ تا ۳۳۶
فرہاد : ۳۱۱
فرید، خواجہ (چاچڑاں شریف والے) : ۶۲۰
فرینکفرٹ (جرمنی) : ۵۵۹
فشر، پروفیسر، ڈاکٹر : ۵۵۸
فصوص الحکم : ۹۵، ۵۹۴
فضل الدین احمد، مولوی : ۱۳۴، ۱۳۵
فضل الرحمٰن انصاری، حافظ : ۲۹۶، ۲۹۷ ۔
فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآبادی : ۶۲۰
فقانی، بابا : ۴۱۹
فقہ اسلامی : ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۴۴، ۳۵۹، ۴۹۶
"فکر اسلامی میں تصور زمان ومکان" : ۵۸۵
فلبی : ۵۵۸
فلسطین : ۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۶۷، ۵۹۶
فلسطین رپورٹ : ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸
فلسطین کانفرنس : ۴۰۴
فلسطین کمیشن : ۳۳۵
فلسفہ : ۲۹۷، ۴۲۰، ۵۳۰، ۵۶۲
فلسفۂ اسلام : ۱۹۷، ۳۵۱، ۵۹۸
فلسفۂ ایران، رسالہ : ۴۹۵
فلسفۂ تعلیم : ۲۴۶
فلسفۂ سخت کوشی : ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۶
فلسفۂ عجم : ۴۲۶
فلسفۂ عہد حاضر : ۵۳۵
فلکیات : ۲۰۱
فن : ۱۳۳
فنا (مسئلہ) : ۱۹۳، ۳۹۰
فوٹو (جمع آوری) : ۴۹۰
فورٹ سنڈیمن : ۷۰، ۵۷۰
فوق الاسلام : ۳۴۰
فہرست ابن ندیم : ۶۲۱
فہرست کتب : ۶۲۱
فی تحقیق المکان، رسالہ : ۱۷۸
فی درایۃ الزمان : ۳۲۴
فیض محمد خان، سردار : ۱۸۲
فیضی، ڈاکٹر : ۴۲۲

فیہ مافیہ : ۲۱۳

ق

قاآنی : ۱۲۴، ۴۵۳
قادیان : ۴۰۰
قادیانی فتنہ : ۱۹۱، ۳۰۹
قادیانی فرقہ : ۳۱۹، ۵۶۳ تا ۵۶۸
قادیانی مذہب : ۳۰۴
قادیانی مذہب (کتاب) : ۳۰۴، ۳۰۹
قادیانیت : ۳۰۹
قادیانیوں کی علیحدگی پسندی : ۵۶۳، ۵۶۵،
۵۶۶۔
قادیانیوں کے سیاسی فوائد : ۵۶۶
قانون : ۵۰۰، ۵۲۷
قانونِ محمدی : ۵۲۷
قاہرہ : ۱۶۴، ۵۵۸
قائدِ اعظم محمد علی جناح : ۲۸۳، ۳۵۱ تا ۳۷۱
قبائلِ عرب : ۶۳۳
قدیم : ۱۵۹
قدیم اسلامی دینیات : ۵۶۲
قدیم سجادے : ۶۲۵
قدیم طریقۂ تعلیم : ۵۲۹
قرأت : ۵۸۲
قران السعدین : ۷۸
قرآن شریف : ۶۳، ۶۴، ۹۳، ۹۷، ۹۸،
۱۳۶، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۸۲، ۱۸۳،
۱۹۳، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۷۰، ۲۷۳، ۳۵۰،
۳۶۲، ۳۷۹، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۵۴
۵۵۶، ۵۸۲، ۵۹۶، ۶۰۵
قرآن کے معانی : ۵۸۲
قرۃ العین : ۲۰۱
قرشی (دیکھیں محمد رسول اللہ)
قرطبہ : ۱۶۴
قسطنطنیہ : ۹۱
قسطنطنیہ کے شیعہ : ۹۱
قسطنطنیہ یونیورسٹی : ۵۵۶
قصور (شہر) : ۲۹۱، ۴۷۸
قصیدہ بردہ : ۱۲۳
قضیۂ کشمیر : ۵۴۰
قلندر : ۱۵۳
قناعت : ۹۳
قوافی : ۱۲۴، ۱۲۵
قومی بیداری : ۵۵۱، ۵۵۲
قومی عساکر : ۶۲۶
قومی فنڈ : ۶۲۶
قومیت : ۳۴۷، ۳۴۸، ۵۵۰
قونصل جنرل افغانستان : ۶۲۲
قیاس : ۱۴۶

ک

کابل : ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۶، ۴۲۳، ۵۷۸، ۶۰۳،
۶۲۲
کارامروز، رسالہ : ۵۳۱
کارلائل : ۵۲، ۳۴۳
کارل مارکس : ۲۴۳
کاشی رام، لالہ : ۵۰۹
کامرٹیہ : ۶۱۳
کانپور : ۲۱۸، ۳۳۵
کانٹ (   ) : ۵۹۹
کانگرس : ۱۵۴، ۲۱۲، ۲۱۷، ۳۵۷، ۳۶۳،
۳۶۸، ۴۸۱، ۴۸۹
کبوتر : ۵۸۲
کتاب الطواسین : ۱۰۰، ۱۱۲، ۳۸۳، ۳۸۵
کتاب الفجر : ۵۳۵
کتاب المعیشت : ۳۰۳
کتاب الملل : ۱۰۱
کتب خانۂ بانکی پور : ۱۳۸
کراچی : ۲۱۲
کرزن، لارڈ : ۷۱
کسرٰی : ۵۶۱
کشف : ۴۲۳
کشف المحجوب : ۵۰۶
کشمیر : ۱۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۸۷،
۲۹۵، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۰، ۳۲۲، ۵۱۲،
۵۵۹، ۵۷۹
کشمیر کانفرنس : ۳۱۹، ۳۲۰، ۴۸۹
کشمیر کمیٹی : ۳۲۰، ۳۲۲
کشمیر ہائی کورٹ : ۳۱۸
کشمیری گلقند : ۵۷۸
کشن پرشاد، مہاراجہ : ۳۷۸، ۴۶۱ تا ۵۲۱
کشوری لعل، پنڈت : ۳۸۷
کعبۃ اللہ : ۱۲۳، ۳۸۸
کلارک : ۹۱ تا ۹۳
کلکتہ : ۱۰۹، ۱۱۰، ۴۱۶
کلکتہ کے فساد : ۳۹۷
کلکی پران : ۶۰۸
کلیات سعدی : ۱۱۹
کمال بے : ۵۳، ۵۴
کمال شاعری : ۵۸۳
کھتری پترکا : ۵۰۹
کمرون، میجر : ۱۹۸
کم گوئی : ۴۲۹
کمیونزم : ۳۳۱، ۵۷۹
کولمبیا یونیورسٹی (نیویارک) : ۱۴۸، ۱۵۱
کومیونل ایوارڈ : ۳۶۶، ۳۶۷
کوئٹہ : ۶۰، ۵۷۰، ۵۷۸
"کیا مذہب ممکن ہے؟" : ۴۱۶، ۵۷۶
کیفی چریاکوٹی، علامہ : ۱۰۵، ۱۰۶
کیمبرج : ۱۰۰، ۱۵۲، ۳۲۷، ۳۷۸، ۴۱۹،
۵۳۲۔
کینز، مسٹر : ۳۴۸

گ

گارڈین کا تقرر : ۲۸۹ تا ۲۹۱
گاندھی جی : ۳۳۰، ۳۳۱، ۴۰۱، ۴۵۷
گدی نشینی : ۶۲۲
گرامی، مولانا غلام قادر : ۷۲، ۷۴ تا ۷۶،
۸۰، ۱۲۸، ۱۴۵، ۲۵۸، ۲۵۹، ۴۷۸
۵۸۲، ۵۸۳
گلاسگو : ۳۴۱
گلشن راز : ۱۳۰
گوالیار : ۵۸۶
گوبنو : ۵۵۸
گوشمن ہمس : ۴۴۷
گورداسپور : ۳۵۲
گورکھ پور : ۵۱۶
گورنمنٹ کالج لاہور بورڈنگ ہاؤس : ۴۹

گورنمنٹ کالج لاہور : ۲۵۶، ۴۲۶، ۴۳۵، ۴۹۴، ۴۹۵
گولڈزی چر : ۴۱۵
گونڈ اور بھیل اقوام : ۶۲۷
گوئٹے : ۱۳۱، ۱۴۱، ۱۴۸، ۴۴۴، ۴۵۴، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۸۳
گوبند پرشاد، راجہ : ۴۶۳

ل

لاہور : ۵۶، ۷۰، ۷۱، ۷۵، ۷۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۷۵ تا ۱۷۷، ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۸۶، ۲۹۰، ۳۱۷، ۳۶۴ تا ۳۶۶، ۳۷۰ تا ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۵، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۲۸، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۵۲، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۴، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۸۱، ۴۸۴، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۳۹، ۵۷۴، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۹۵، ۶۰۰، ۶۰۴، ۶۱۰۔
لائل پور : ۳۷۳
لائی پزگ (جرمنی) : ۹۳، ۵۵۸
لٹریچر : ۱۳۳، ۵۸۰
لٹریری نصب العین : ۳۸۶
لٹریری ہسٹری آف پرشیا : ۹۱، ۹۴، ۵۹۳
لدھیانہ : ۵۵۹
لسانی عصبیت : ۴۰۲
لطائف غیبی : ۹۱، ۴۵۴
لطف اللہ : ۴۹۹
لطیفہ غیبیہ : ۱۴۱
لیفٹننٹ گورنر لاہور : ۴۳۵
لکھنؤ : ۵۷، ۹۵، ۱۰۹، ۲۱۸، ۲۲۹، ۳۶۶، ۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۰، ۵۲۵ تا ۵۲۷، ۵۳۱، ۵۸۱، ۶۲۲
لمعات : ۹۵
لندن : ۵۶، ۶۲، ۶۹، ۱۳۱، ۲۷۵، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۰، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۰، ۵۵۲۔
لندن یونیورسٹی : ۴۹۵
لُوتھر : ۱۵۶
لوزک اینڈ کمپنی : ۵۵۸
لووین، لارڈ : ۲۷۵، ۳۳۲، ۳۶۴، ۵۸۵، ۵۸۶
لیبنٹز مونیڈزم ۲۴۱
لیڈر : ۲۲۳
لیڈی مسعود : ۲۴۷ تا ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۶ تا ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۰ تا ۲۹۵، ۵۳۶، ۵۳۷
لیکچر : ۳۹۹
لیگ آف نیشنز : ۱۹۳، ۳۳۴، ۳۳۹
لیگل فکشن : ۱۵۰
لین کی ڈکشنری : ۶۰۳
لیونس : ۵۹۷

م

مادیت : ۳۸۶
مارسیلز : ۶۸، ۶۹
مارشل : ۵۵۷
مارشل لا : ۴۰۱، ۴۷۸
مارگریٹ سمتھ : ۱۰۸، ۲۴۴
مازنی : ۶۸
مالٹہ : ۱۲۷
مالک، امام : ۱۴۴
مالیر کوٹلہ : ۲۳۴
ماہ نو : ۴۶۰، ۵۸۱
مباحث مشرقیہ : ۱۳۳، ۱۶۵، ۱۶۹
مبارک، قاضی : ۱۸۱
مبسوط : ۴۹۶
متعہ : ۱۸۱
مثنوی رومی : ۸۴، ۱۱۷، ۱۲۹، ۲۰۱، ۳۹۳، ۶۲۰۔
مجالس المومنین : ۹۴
مجتہدین شیعہ : ۹۸
مجدد : ۵۳۳
مجدد الف ثانی : ۱۱۲، ۳۲۳، ۳۵۰، ۳۸۲،
مجددیت : ۵۳۳
مجذوب فرنگی (دیکھیں نطشہ، حکیم)
مجلس خلافت : ۱۳۱
مجلسی، علامہ : ۹۴
محب اللہ بہاری، قاضی : ۱۴۲، ۱۰۱
محبت رسولؐ : ۲۰۵
محبوب الٰہی، حضرت (دیکھیں نظام الدین اولیا)
محبوب عالم، مولوی : ۲۰۷
محراب گل افغان : ۸۷، ۸۸
محفوظ علی بدایونی، سید : ۲۲۱
محمد ابا، سیٹھ : ۴۱۰
محمد احسن چودھری : ۵۳۲
محمد احمد خاں : ۵۴۱
محمد اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی، نواب : ۵۵۰
محمد اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، مولانا : ۱۰۲
محمد اکبر منیر، پروفیسر : ۴۵۱ تا ۴۶۱
محمد اکرام : ۵۸۴ تا ۵۸۸، ۶۰۷
محمد اکرم، شیخ : ۵۱
محمد الیاس برنی : ۳۰۳ تا ۳۰۹
محمد، امام : ۵۳۹
محمد امین زبیری : ۲۲۵
محمد بن عبدالوہاب نجدی : ۱۴۶
محمد ثانی، فاتح قسطنطنیہ : ۵۳۳
محمد جمیل : ۴۰۹ تا ۴۱۷
محمد حسن، حافظ : ۵۳۲
محمد حسین چودھری : ۲۰۱، ۲۸۹، ۴۱۰، ۴۱۲
محمد حسین عرشی، حکیم : ۸۴ تا ۸۸
محمد دارابی، مرزا : ۹۱، ۹۴
محمد دین فوق : ۵۵۲ تا ۵۵۵
محمد دین، منشی : ۴۹۳
محمد رفیع الدین، ڈاکٹر : ۵۴۰
محمد رسول اللہ، حضرت : ۷۶، ۸۲، ۸۷، ۹۳، ۱۱۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۸۳ تا ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۵، ۲۳۰، ۲۵۴، ۲۷۳، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۶، ۴۱۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۸۲۔
محمد رمضان عطائی : ۲۵۵
محمد شریف، میاں پروفیسر : ۵۳۴ تا ۵۳۶
محمد شفیع، سر، بیرسٹر : ۱۰۹، ۱۶۶، ۵۲۰، ۵۲۱، ۶۱۱

محمد شفیع، پروفیسر: ۲۰۲، ۲۳۷ تا ۲۳۹، ۵۲۸، ۵۲۹، ۶۳۲، ۶۳۳
محمد علی، پرنس: ۳۳۳
محمد علی جوہر، مولانا: ۲۱۴، ۳۱۴
محمد عمر الدین: ۱۰۷، ۱۰۸
محمد غوث، شاہ، گوالیاری: ۶۱۸
محمد فاروق فاروق پانسپاری، سید: ۳۰۲
محمد قاسم، مولانا: ۱۳۹
محمد لطفی جمعہ: ۳۰۱
محمد مبین عباسی کیفی، مولانا
(دیکھیں کیفی چریاکوٹی، مولانا)
محمد مستحسن زیدی، سید: ۲۴۲
محمدیت: ۱۳۹
محمد یعقوب، مسٹر: ۱۹۲
محمدی نسبت: ۵۸۲
محمڈن تھیوریز آف فنانس: ۱۵۰
محمود الحسن، مولانا: ۱۲۷
محمود جونپوری، مُلّا: ۱۶۹
محمود خضیری: ۵۹۸، ۵۹۹
محمود شیرانی، حافظ: ۱۰۴، ۶۰۳
محمود، مرزا: ۳۰۸
محی الدین ابن عربی: ۹۵، ۱۴۳، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۷، ۱۷۹، ۳۲۳، ۳۸۶، ۵۹۸
محی الدین قادری: ۳۶۱
مخبر دکن: ۴۹۳، ۴۹۴
مخزن: ۷۲، ۴۳۳، ۵۷۱
مخلص کاشی: ۱۲۰
مدت حمل: ۱۹۳
مدراس: ۱۶۶، ۱۹۷، ۴۱۴، ۵۷۳
مدراس لیکچرز (دیکھیں خطبات مدراس)
مدینہ منورہ: ۲۰۷، ۲۸۲، ۳۹۵، ۵۹۷، ۶۳۳۔
مذہب: ۳۷۹، ۳۸۸، ۵۶۰، ۵۶۲
مذہب اسلام: ۹۹، ۲۱۶
مذہبی مسائل: ۲۲۸
مراتب علی شاہ، سید: ۱۰۵
مرثیہ گوئی: ۹۵
مرثیہ نگاری: ۴۰۶
مُردہ قومیں: ۴۶۲

"مرقع چغتائی": ۵۹۴
مروت: ۴۶۲
مرثیات: ۶۱۳
مزار شریف: ۶۱۱
مسافر، مثنوی: ۴۱۶
مستونگ: ۵۷۸
مسجد عمر: ۳۳۸
مسجد قرطبہ: ۵۸۴
مسعود عالم ندوی: ۲۹۷ تا ۳۰۲
مسعود مرحوم (نظم): ۲۹۳
مسلم: ۷۵، ۷۶
مسلم اسٹینڈرڈ، لندن: ۱۳۹
مسلم اقلیت: ۳۶۳
مسلم اکثریت: ۳۶۳
مسلمان: ۸۸، ۳۹۱، ۶۳۰
مسلمان، اخبار: ۶۲۶
مسلم انٹر کالجیٹ بورڈ: ۲۴۶
مسلمانانِ ہند: (دیکھیں ہندی مسلمان)
مسلمانانِ ہند کی بیداری: ۶۱۳
مسلمان ریاضی دان: ۵۹۸
مسلمان مستورات: ۵۵۱
مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر: ۶۰۸
مسلمانوں کا علمی سرمایہ: ۶۱۸
مسلمانوں کی روحانیت: ۶۲۰
مسلمانوں کے سیاسی اختلافات: ۶۲۸
مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات: ۱۴۸
مسلم خواتین کانفرنس: ۴۵۰
مسلم دینیات: ۵۲۴
مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن: ۲۴۶
مسلم سنٹر انگلستان: ۳۳۲
مسلم قانون اور تاریخ دان: ۵۲۷
مسلم کانفرنس کشمیر: ۲۹۵، ۳۰۰
مسلم لیگ: ۳۰۰، ۳۵۴، ۳۵۷ تا ۳۵۹، ۳۶۳ تا ۳۷۱، ۳۸۱، ۶۲۲
مسلم ورلڈ، رسالہ: ۵۵۸
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ: ۲۶۶، ۵۲۴، ۵۲۹، ۵۳۴، ۵۵۶، ۶۲۱
مسولینی: ۱۹۲، ۵۸۰، ۵۸۱
مسئلہ آئین: ۵۳۵

مسئلہ تصویر: ۱۳۱
مسئلہ عول: ۸۵
مسئلہ فلسطین: ۳۳۵ تا ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۶۷، ۴۰۴، ۴۵۰
مسئلہ یہود: ۳۳۷
مسیح جہانگیری: ۴۷۹
مسیح، حضرت (دیکھیں عیسیٰؑ، حضرت)
مسیحیت: ۱۵۶، ۵۳۳
مشرقی دیوان: ۱۴۸
مشرقی، علامہ: ۱۵۱ تا ۱۵۳
مشیر حسین قدوائی، منشی: ۱۳۱
مصر: ۵۷، ۶۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۹۷، ۳۲۶، ۳۸۹، ۴۵۲، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۵۳، ۵۹۶
مصری دکاندار: ۶۳
مصری نوجوان: ۶۴
مصطفیٰ المراغی، علامہ: ۲۲۳
مصطفیٰ کمال پاشا: ۳۰۱
مصور اقبال: ۲۳۶
مصوری: ۵۹۱، ۲۳۴ تا ۲۳۶
مضمون نگاری: ۳۱۱
مطالعہ: ۵۵۷، ۶۱۹
مظفر الدین، پیرزادہ: ۱۰۰
مظہر الدین، مولوی: ۱۷۲
معارف، رسالہ: ۱۱۳ تا ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۲۹ تا ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۴۸، ۳۹۸۔
معاشرتی جمہوریت: (دیکھیں سوشل ڈیموکریسی)
معاملات: ۹۷، ۱۵۸
معتزلہ: ۱۲۹، ۱۸۹
"معراج الدین": ۳۷۹
معز فطرت: ۱۲۳
مغرب: ۲۲۹
مغربی دیوان: ۴۵۴، ۴۵۹، ۴۸۳
مغربی فلسفہ: ۵۹۷
مفتی فلسطین: ۴۵۰
مفردات: ۱۸۳، ۵۹۰
مقدمۂ تاریخ سائنس: ۴۰۹
مکاشفات قلبی: ۶۲۰

مکان : ۲۲۱
مکان کے ابعاد : ۵۹۸
مکۂ معظمہ : ۱۹۱، ۵۹۷
ملازمت : ۴۲۶، ۴۲۷، ۵۷۴
ملٹن : ۸۰
ملفورڈ، مسٹر : ۵۸۵
ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف : ۹۴
ملکیتِ زمین : ۱۸۱، ۵۳۹
ملکیتِ شاملاتِ دہ : ۱۹۱
ملّی تمدّن کا تحفظ : ۶۲۵
ممتاز محمد خاں دولتانہ : ۳۵۴
ممنون حسن خاں : ۲۴۶ تا ۲۵۴، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۳۔
منصور حلاج : ۱۰۰، ۱۰۱، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۱
منطق استقرائی : ۱۴۵، ۵۹۸،
منطق الطیر : ۵۰۷
منطق کی شکل اوّل : ۵۹۸
فیارڈی کیٹی : ۵۹۵
منیرہ دختر علامہ اقبال : ۲۷۶، ۲۸۸ تا ۲۹۰
موت : ۲۱۹، ۵۹۷
موت و حیات : ۲۹۳
موسیٰ بن میمون : ۱۶۴
موسیٰ جار اللہ : ۱۹۰، ۱۹۱
موسیٰ، حضرت : ۱۳۶
موسیو میسیگنان، پروفیسر : ۱۱۲، ۶۰۰
مونیڈ : ۲۴۱
مہاتما بدھ : ۶۴، ۵۵۴
مہدی : ۸۷، ۸۸
مہدیؑ، حضرت : ۵۳۳
مہر علی شاہ گولڑوی، پیر سید : ۳۲۳
میتھڈ : ۵۹۷
میڈرڈ یونیورسٹی : ۵۸۴
میڈیول سائنس : ۵۹۳
میراث : ۱۵۸، ۱۵۹
میرپور : ۳۱۷
میر حسن، سید، مولوی : ۵۷۵
میر محمد : ۴۲۶
میسوپوٹیمیا : ۵۳۵

میکٹیگرٹ : ۳۲۷
میکیلن : ۴۵۴
میکنزی، پروفیسر : ۳۴۳
میونسپل گزٹ لاہور : ۴۹۳
میونک : ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۹۴
میونک یونیورسٹی : ۵۳۲

ن

نابینا صاحب جکیم : ۲۸۰، ۲۸۷، ۳۰۵، ۵۳۷، ۵۷۷، ۵۷۸
نادر شاہ افغان، جنرل : ۱۷۸، ۴۱۴، ۴۱۵
نادرہ دختر راس مسعود : ۲۹۰، ۲۹۱
نار : ۱۸۳
ناسخ (شیخ امام بخش) : ۶۰۱
ناصر خسرو علوی : ۲۰۱
ناصر علی : ۱۲۱
ناظر الحسن، سید : ۵۰۷، ۵۰۸
نائیڈو، مسز : ۴۴۸، ۴۴۹
نبوت : ۱۶۲
نبی : ۱۸۳، ۱۸۴
نجات : ۱۸۳
نجات دہندہ گاندھی : ۳۳۰
نجف اشرف کے شیعہ : ۳۳۵
نجیب اشرف، سید : ۱۴۱
ندوہ : ۱۴۱، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۸۴، ۵۲۹۔
نذر محمد، شیخ : ۵۰۱
نذیر احمد، قاضی : ۵۳۷
نذیر نیازی، سید : ۱۴۳، ۲۲۲، ۳۰۹، ۴۰۹، ۵۷۶ تا ۵۷۸
نزولِ مسیحؑ : ۱۸۷، ۱۸۹
نسبتِ محمدیہ : ۵۸۲
نسفی، امام : ۴۹۶
نسل : ۵۵۹، ۵۶۰
نسلی عصبیت : ۵۳۹
نشانِ ہلال : ۲۵۴، ۲۵۵
نصِ قرآنی : ۱۴۸ تا ۱۵۰
نصیر الدین طوسی (دیکھیں طوسی، ملا)
نصیر الدین ہاشمی، سید : ۱۰۳ تا ۱۰۵

نصیر : ۷۶
نطشہ، جکیم : ۸۷، ۸۸، ۳۴۰، ۳۴۵، ۴۲۰، ۵۳۵
نظام الدین اولیا، خواجہ، حضرت : ۵۰، ۳۹۲، ۴۷۷، ۵۱۰
نظام الدین، خواجہ : ۶۱۵، ۶۱۸، ۶۱۹
نظام دکن، اعلیٰ حضرت : ۳۰۴، ۳۲۶، ۴۳۷، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۶۵، ۴۷۵، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۹۴، ۵۰۹، ۵۱۷، ۵۲۱، ۵۸۴
نظامی، خواجہ (دیکھیں حسن نظامی)
نظامی، عروضی، مولانا : ۹۳، ۲۵۹، ۳۷۵، ۵۴۳۔
نظریۂ نور : ۱۴۷
نعیم الحق، سید : ۳۱۵ تا ۳۲۲
نفحات الانس : ۹۴
نقاد، رسالہ : ۳۷۶
نقرس : ۳۰۹، ۴۵۷
نقشبند، خواجہ : ۱۱۲
نقیب : ۱۳۰
نکلسن، پروفیسر : ۱۰۰، ۱۴۰، ۱۴۱، ۲۳۲، ۲۴۴، ۳۴۰، ۴۵۴، ۵۰۶
نکولس، پی۔ اگینڈز : ۱۵۰
نماز : ۱۵۶
نواب جنجیرہ : ۴۲۵، ۴۲۸، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۳، ۴۴۴
نواب رام پور : ۳۳۲
نواب صاحبان کرنال : ۴۸۴
نواب صاحب بہاول پور : ۲۶۹، ۲۷۱، ۶۲۳
نواب صاحب بھوپال، اعلیٰ حضرت : ۱۹۰، ۲۶۹، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱، ۲۸۷، ۲۹۴، ۳۳۲۔
نوائے غم : ۴۴۸
نوائے وقت (اخبار) : ۵۶۹
نوئر ڈام : ۹۹
نوجوان صوفیا : ۶۳۱
نور الاسلام، مولوی : ۱۴۳
نور الحق، مولوی : ۱۴۳
نورجہاں، رسالہ : ۳۱۲

نوروجی دادا بھائی : ۵۶
نووتی : ۱۹۰
نیاز (خیرات) : ۶۰۹
نیاز احمد : ۲۲۹ تا ۲۳۰
نیاز الدین خاں : ۵۸۲ تا ۵۸۴
نیاز علی خاں، چودھری : ۲۲۲
نیٹشے، حکیم (دیکھیں نطشہ، حکیم)
نیرنگ، میر : ۵۰، ۵۱، ۷۲، ۶۰۷
نیشن، رسالہ : ۱۳۷
نیشنل فنڈ : ۶۲۵
نیشنل لیگ آف انگلینڈ : ۳۲۹، ۳۳۳،
۳۳۵، ۳۳۶
نیو کالج : ۲۹۴، ۲۹۵

و

واجب الوجود : ۱۳۷
واحد محمود : ۳۵۰
واردات و کیفیات : ۶۱۶
والد اقبال : ۴۲۳، ۴۴۶
والدۂ اقبال : ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۸۷
وائنا (آسٹریا) : ۲۲۲، ۲۷۹، ۳۳۱، ۴۱۶
وجودی فلسفہ : ۸۹
وحدت الوجود : ۸۹، ۵۸۳، ۶۰۵
وحدت روح : ۵۵۷
وحی : ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۲
وحی غیر متلو : ۱۶۲
وحی متلو : ۱۶۲
وزارت حیدر آباد : ۵۲۱
وسط ایشیا : ۱۱۲
وصیت اقبال : ۲۸۹ تا ۲۹۱
وطن، اخبار : ۵۰۳
وطنیت : ۲۱۸
وظیفہ جبریل : ۲۶۸
وقار الملک، نواب : ۶۱۳
وقت : ۳۵۰
وقف اولاد کمیٹی : ۱۰۹
وکٹوریہ ڈاک بمبئی : ۵۶
وکیل، اخبار : ۸۹، ۱۱۲، ۳۹۵
وائیٹ : ۳۶۶

ولایت اقبال : ۵۸۳
ولایت (ایک لڑکا) : ۵۰
ولنگڈن، لارڈ : ۲۷۱
ولیم میور، سر : ۹۱
وہابی : ۸۰
ویدانت : ۱۹۳
ویگنے ناست، مس : ۴۲۸، ۴۳۰
ویمر : ۱۳۳
ویمری : ۵۵۸

ہ

ہادی سبزواری : ۴۵۳
ہارڈی، پروفیسر : ۵۵۹
ہارونؑ، حضرت : ۱۳۶
ہاشم : ۳۷۵
ہائنے : ۳۴۴
ہائیڈل برگ یونیورسٹی : ۴۲۲
ہائی کورٹ پنجاب : ۵۱۷، ۵۶۴
ہٹلر : ۱۹۲
ہجرت : ۱۹۸
ہدایا : ۱۳۴
ہزار داستان : ۳۱۱
ہز ہائینس چترال : ۱۰۹
ہسپانیہ : ۲۰۳، ۴۵۰، ۵۸۴، ۵۹۸
ہسپانیہ اور عالم اسلام کا ذہنی ارتقا : ۵۸۴
ہل، پروفیسر : ۲۳۲
ہلال احمر فنڈ : ۴۱۳
ہمایوں، شہنشاہ : ۵۱
ہمایوں، مرزا : ۳۱۰
ہمدم، اخبار : ۲۱۸
ہم سفر پادری : ۵۹
ہندوستان : ۵۶، ۶۳، ۸۱، ۸۲، ۹۵،
۹۸، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۷۱،
۱۹۱، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۴۹،
۲۷۴، ۲۸۲، ۳۲۵، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۵۳،
۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۰، ۳۶۳ تا ۳۶۵،
۳۶۷، ۳۷۲، ۴۱۱ تا ۴۱۴، ۴۲۴،
۴۴۴، ۴۵۰، ۴۵۵، ۴۸۶، ۴۹۴،
۵۴۵، ۵۵۳، ۵۵۵، ۵۶۱، ۵۶۳،
۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۳، ۵۸۶، ۵۹۹،
۶۱۲، ۶۱۸، ۶۲۶ -
ہندوستان ریویو : ۱۲۹
ہندوستانی مصور : ۵۹۱
ہندوستانی ناقدین : ۵۴۷
ہندوستانی نیشنلزم : ۱۵۴
ہندومت : ۵۶۵
ہندو مسلم رقابت : ۴۸۴
ہندو مسلم فسادات : ۳۶۲، ۳۶۴
ہندی مسلمان : ۹۲، ۹۳، ۳۵۲، ۳۵۶،
۳۵۹، ۳۶۲، ۳۶۳، ۴۱۳، ۴۱۴،
۴۱۹، ۶۲۱
ہنری لارنس، سر : ۳۳۳
ہنگری : ۲۱۸
ہوائی جہاز : ۴۹۲
ہوگنگ، پروفیسر : ۳۳۷
ہیری ہیگ، سر، پروفیسر، ڈاکٹر : ۲۹۴،
۲۹۵، ۳۹۹
ہیگل : ۳۷۷
ہیل : ۶۰۲
ہیئت : ۲۲۱

ی

یاجوج ماجوج : ۱۳۳
یاس عظیم آبادی، مرزا : ۵۳۱
یحییٰ شیرازی : ۱۲۰
یروشلم : ۶۳۳
یزداں : ۴۲۷، ۴۸۰
ینگ ٹرک پارٹی : ۵۳، ۵۴
یو۔پی (صوبہ) : ۴۹۳
یورپ : ۵۵، ۹۳، ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۵۶،
۱۵۹، ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۹۶،
۲۹۷، ۳۵۰، ۳۹۵، ۴۵۴، ۴۹۴،
۵۱۵، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۵۸، ۵۶۲،
۵۷۷، ۵۹۷ تا ۵۹۹، ۶۰۲، ۶۱۸
یورپ اور اسلامی تخیلات : ۵۹۷، ۵۹۸
یورپ کا بڑا جھوٹ : ۵۹۸
یورپ کا کلچر : ۶۰۲
یورپ کی لامذہبیت : ۵۶۲

یورپ میں دکنی مخطوطات : ۱۰۴
یورپ میں جنگ : ۶۰۱
یورپین مستشرقین : ۴۱۵ ؛ ۵۵۸
یوم النبیؐ : ۴۱۱
یونان : ۱۵۸
یونانی حکمت و فکر ؛ ۵۶۲
یونی نسٹ پارٹی : ۳۵۴ ، ۳۵۵ ؛ ۳۶۸ تا ۳۷۰
یونیورسٹی لائبریری : ۵۹۳

○